زندہ مردہ

پہلے راج گڑھی کی آبادی بس کوئی اڑھائی تین ہزار کے قریب تھی۔ اس کے اطراف میں ننگی زمینیں پڑی ہوئی تھیں۔ مکانات بھی زیادہ تر کچی مٹی کے تھے۔ لیکن وزیر شاہ کے باپ غلام شاہ نے راج گڑھی کی شکل ہی بدل دی تھی۔ غلام شاہ بہت ہی نیک نفس انسان تھا۔ وہ کہیں اور سے آ کر یہاں آباد ہوا تھا۔ اس سے پہلے راج گڑھی بس اپنے زور پر ہی جی رہی تھی۔ ترقی کا نام ونشان نہیں تھا۔ انگریز حکومت اور اس کے بعد کی ساری حکومتوں نے راج گڑھی پر کبھی کوئی توجہ ہی نہیں دی تھی اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ راج گڑھی کوئی ایسی اہمیت کی حامل آبادی نہیں تھی جس پر خاص توجہ دی جاتی۔ بہرحال غلام شاہ نے کہیں اور سے آ کر یہاں ایک چھوٹے سے مکان سے زندگی کا آغاز کیا۔ لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ اس قدر دولت مند ہے۔ یہ دولت وہ شہر سے لے کر آیا تھا۔ غلام شاہ کا ماضی کبھی دنیا کے سامنے نہیں آ سکا کیونکہ حال اس قدر اچھا تھا کہ کسی کو اس کے ماضی میں جھانکنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔ اس نے مقامی لوگوں کیلئے بازار لگوائے' منڈیوں سے ہر طرح کی چیزیں منگوائیں اور کوڑیوں کے دام لوگوں کو دیں۔ پھر اس کے بعد اس نے آس پاس کی زمینوں کو حکومت سے کسی نہ کسی طرح حاصل کر لیا۔

قبل ازیں ان زمینوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی لیکن بعد میں اس نے وہاں باغات لگوائے اور پھل دار درختوں کی بہتات ہو گئی جن سے اترنے والے پھل نے مقامی لوگوں کا پیٹ بھر دیا تھا۔ پھر پھلوں کے یہ باغات پھیلتے چلے گئے اور اس کے بعد تو راج گڑھی صحیح معنوں میں پھول گڑھی بن گئی۔ لاتعداد پھل یہاں پیدا ہوتے تھے اور ایسے کہ دنیا بھر میں ان کی مانگ ہونے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ راج گڑھی میں ایک بھی گھر کچا نہ رہا' پکے مکان بنے۔ لوگوں کے پاس پیسہ آیا تو مختلف کاروبار شروع ہوئے اور پھر راج گڑھی میں ہی راج گڑھی میں رہنے والوں کی ضرورتیں پوری ہونے لگیں اور جب راج گڑھی کو راج گڑھی بنانے والے کا انتقال ہوا تو راج گڑھی کی آبادی ساڑھے تین لاکھ کے قریب تھی اور وہ پھلوں کی صنعت میں ملک بھر میں اپنا مقام رکھتی تھی لیکن بس وہ جو کہا جاتا ہے کہ ولی کے ہاں شیطان پیدا ہو جاتا ہے اور شیطان کے ہاں ولی۔ وزیر شاہ اب راج گڑھی کا مالک تھا۔ باپ سے بالکل مختلف انسان اور غلام شاہ کے

نام کو بٹہ لگانے والا۔ وزیر شاہ بہت ہی تنگ نظر اور بدفطرت انسان تھا۔ کسی کو اپنے آپ سے برتر نہیں سمجھتا تھا اور لوگوں پر مظالم کرنا اس کا شوق تھا۔ ویسے بھی وہ بڑی ظالم فطرت کا مالک تھا اور ظالمانہ کام اسے پسند تھے۔ بہرحال وزیر شاہ نے باپ کے کیے دھرے پر اچھی طرح پانی پھیرا۔ باغات میں جو ملازم کام کرتے تھے اور بے انتہا خوشحال ہو چکے تھے ان سے سب کچھ چھین لیا۔ بہت سے بدقماش شخص اپنے اردگرد جمع کر لیے اور انہی کا یہ مشورہ تھا کہ محنت کش کو اگر پیٹ بھر کر روٹی دے دی جائے تو پھر وہ محنت نہیں کرتا۔ خود اپنی عقل سے تو سوچنے کا مزاج ہی نہیں تھا۔ وزیر شاہ دوسروں کے کہنے پر عمل کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی سال باغوں کی فصل آدھی رہ گئی لیکن اس کی وجوہات پر غور کرنے کے بجائے ہاریوں کو ایک جگہ جمع کر کے انہیں کوڑے لگوائے گئے اور ان سے کہہ دیا گیا کہ اگر کسی نے دونوں وقت کھانا کھایا تو اس کا پیٹ چاک کر دیا جائے گا۔ ایک وقت کھانا کھاؤ اور محنت کرو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ظلم کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ روکنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ سرکار کی طرف سے پولیس چوکی تھی لیکن ایسی جگہوں پر پولیس چوکی جاگیرداروں اور زمینداروں کی ملکیت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ وہاں بھی غریب عوام کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ لوگ ظلم و ستم کی چکی میں پسنے لگے۔ جو سرسبزی راج گڑھی پر آئی تھی وہ رخصت ہونے لگی۔ لوگوں نے خفیہ طور پر راج گڑھی چھوڑ کر بھاگنا شروع کر دیا اور ساڑھے تین لاکھ کی آبادی میں سے کوئی تیس ہزار افراد گھر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ جب اس بارے میں وزیر شاہ کو علم ہوا تو اس نے منادی کرا دی کہ کوئی بستی چھوڑ کر نہیں جائے گا اور خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دی جائے گی۔ لوگوں نے تھوڑی سی احتیاط کی لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ سزا کیا ہو گی۔ جب کچھ گھرانوں نے خفیہ طور پر رات کو راج گڑھی سے نکلنے کی کوشش کی تو پھر بستی والوں کو ان کی لاشیں ہی ملیں اور انہوں نے فائرنگ کی آواز اپنے کانوں سے سنی۔ اس کے بعد بستی والوں نے کبھی باہر جانے کی کوشش نہیں کی۔ بہرحال یہ ساری کارروائیاں ہوتی رہیں۔ وزیر شاہ نے اتنے مظالم کیے کہ لوگ اس کی موت کی دعائیں مانگنے لگے لیکن ایسے لوگوں کو موت بھی مشکل سے آتی ہے۔ بوڑھا رنگو! ایک بار بستی کے چوک میں ناچتے ہوئے بولا۔

"وہ نہیں مرے گا ابھی تو اسے بستیوں کو مارنا ہے۔ وہ نہیں مرے گا۔ اسے مارنے کی کوشش کرنے والا مر جائے گا۔"

بوڑھے رنگو کو لوگ بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ تین نسلیں بوڑھے رنگو کو دیکھ رہی تھیں اور تینوں نے اسے ایک ہی شکل' ایک ہی رنگ میں دیکھا تھا۔ دبلا پتلا' سوکھا بوڑھا جس کے بال جھاڑیوں کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ درویش منش تھا۔ کبھی کسی سے کچھ لے کر نہیں کھاتا

تھا لیکن زندہ تھا۔ لوگوں نے اسے کبھی کھاتے اور پیتے نہیں دیکھا تھا۔ اس کے بارے میں طرح طرح کی داستانیں مشہور تھیں۔ پتہ نہیں کہاں کہاں سے گودڑ سمیٹے وہ عموماً بستی کے آخری کناروں پر ہی نظر آتا تھا۔ کبھی دو چار مہینے میں بستی میں نظر آ جاتا لیکن نہ کسی سے کچھ لیتا نہ کسی کو کچھ دیتا۔ بس بہکی بہکی کچھ نہ کچھ بولنے لگتا تھا۔ ورنہ خاموش ہی رہتا تھا۔ بہرحال اس دن جب اس نے بستی میں یہ بات کہی تو لوگوں کے دلوں میں اور مایوسی پھیل گئی۔ دعائیں مانگی جاتی تھیں کہ الٰہی ان مظالم سے نجات دلا لیکن بہرحال ایسا کوئی موقع نہیں آیا تھا۔

فیض خاں! جس کے بارے میں وزیر شاہ نے حکم دیا کہ اسے صرف فیضہ کہا جائے' فیض خان نام کا مستحق یہ شخص نہیں ہے۔ وہ وزیر شاہ کے باڑے کی بھینسوں کا دودھ نکالتا تھا۔ اس کا کام یہی تھا کہ گوبر اور مٹی میں زندگی گزارے۔ باڑے سے تھوڑے ہی فاصلے پر اس کی کچی جھونپڑی ڈال دی گئی تھی۔ جہاں وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔ وزیر شاہ کے اندر جتنی بھی خرابیاں تھیں' کم از کم وہ عورت پرست نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو بستی والوں کو اپنی عزتیں بچانا مشکل ہو جاتا۔ البتہ بے حد لالچی تھا کبھی کسی کے پاس کوئی اچھی چیز دیکھنا گوارہ نہیں کرتا تھا۔ سب کچھ اپنی ہی ملکیت بنا لیتا تھا۔ بہرحال فیضہ! جسے عام لوگ پھیچہ کہا کرتے تھے کے ہاں ولادت ظاہر ہوئی اور پھر اس دن منگل کا دن تھا جب اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ غریب لوگوں کو ہر طرح کی خوشیاں منانے کی ممانعت تھی۔ بہرحال خفیہ طور پر فیضہ نے اپنے بیٹے کا نام منگل ہی رکھ دیا۔ اس سے بہتر نام اور کوئی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ بیوی سے کہا۔

"بچے کا نام منگل خان ہے مگر خبردار اسے خان کبھی مت کہنا بس منگل اور منگو کہنا مناسب ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" فیضہ کی بیوی چھیمہ بچے کو دیکھ کر دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ بہت خوبصورت بچہ تھا۔ بالکل تندرست اور چمکتا' دمکتا۔ بہرحال غریب کے ہاں کوئی خوشی بھی ہو تو اس میں شرکت کرنے والا کون لیکن رنگو نے کمال کر دکھایا۔ اس وقت سورج ڈھل رہا تھا اور فیضہ باڑے میں جلدی جلدی بھینسوں کا دودھ نچوڑ رہا تھا۔ مغرب ہونے سے پہلے ہی اسے یہ کام کر لینا تھا۔ چونکہ دودھ مغرب کے بعد حویلی میں چلا جاتا تھا۔ بہرطور ادھر فیضہ اپنا کام کر رہا تھا اور ادھر چھیمہ بچہ گود میں لیے بیٹھی تھی کہ نجانے کہاں سے رنگو نمودار ہوا اور پھر وہ ایک بھیانک آواز کے ساتھ چھیمہ کی طرف لپکا۔ چھیمہ سہم گئی تھی لیکن رنگو نے جو کچھ کیا وہ سمجھ میں نہ آنے والا تھا۔ اس نے چھیمہ کی گود میں دبے ہوئے بچے کو اپنی گود میں لیا اور پھر دفعتاً ہی رنگو نے اس کی گردن دبانا شروع کر دی۔ بچے کے حلق سے چند آوازیں نکلیں تو چھیمہ کا خوف ختم ہو گیا۔ مامتا بھول کر شیرنی بن گئی۔ رنگو کا سب ہی احترام کرتے تھے لیکن اس وقت چھیمہ ماں تھی۔ اس نے زور

سے ایک لات رنگو کی کمر پر ماری اور بچے پر جھپٹ پڑی۔ رنگو بوڑھا اور کمزور تھا لیکن اس نے شدید مدافعت کی۔ وہ بار بار چھیمہ سے بچے کو چھین رہا تھا اور اس کی گردن دبا رہا تھا۔ بچے کا رنگ نیلا پڑ گیا تھا۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی۔ چھیمہ نے رنگو کو مارنا شروع کر دیا اور اس کے بعد باہر کے لوگ بھی آ گئے۔ خود فیضہ بھی آ گیا تھا۔ چھیمہ کو بھوکی شیرنی کی طرح رنگو پر لپکتے دیکھ کر فیضہ نے جلدی سے بیوی کو پکڑا اور گرج کر بولا۔

''اری کم بخت کیا کر رہی ہے یہ۔ جانتی ہے یہ کون ہے' بزرگ ہے' بابا ہے' درویش ہے' منہ سے کچھ نکل گیا تو کتیا کی موت ماری جائے گی۔''

''ارے اس کا خون پی جاؤں گی میں' ہوگا اپنی جگہ کا درویش! بچے کو دیکھو ذرا...... جلدی سے دیکھو ہائے...... اس کا دم گھٹ رہا ہے۔ اس کا تو سانس رک رہا ہے۔'' چھیمہ نے رونا شروع کر دیا۔

''ہیں...... رنگو نے کچھ کیا ہے۔''

''گردن دبائی ہے اس کی...... اگر اسے کچھ ہو گیا تو...... تو میں اس بوڑھے کتے کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔''

''بکے مت' بکے مت...... میں دیکھتا ہوں۔'' بڑی مشکل سے منگل کا سانس بحال کیا گیا تھا۔ رنگو بڑبڑاتا ہوا چلا گیا تھا۔ اس کی بڑبڑاہٹیں لوگوں نے سنی تھیں اور فیضہ کو بتائیں تھیں۔

''کہہ رہا تھا مر جاؤ گے' بھگتو گے' بھگتو گے' بہتوں کو مارے گا' بہتوں کو مارے گا' دیکھ لینا تم...... خونی درندہ' خونی درندہ۔''

''پاگل ہے سسرا! دماغ خراب ہے۔ ارے باپ رے باپ۔ میرے بچے کو تو اس نے مار ہی دیا تھا۔ بھائیو اللہ کے واسطے جو بات دیکھی اور سنی اسے ختم کر دو۔ شاہ جی! کو اگر معلوم ہو گیا تو پتہ نہیں کیا کریں۔ ان کے مزاج کا کیا ٹھکانہ۔ ان پر بھلا کون قابو پا سکتا ہے۔ جو دل چاہے گا کر بیٹھیں گے۔ منت سماجت کر کے اس نے لوگوں کو بات یہیں دبا دینے کیلئے کہہ دیا۔ لیکن چھیمہ بری طرح رو رہی تھی۔

''مار دے گا وہ میرے بچے کو! کہیں دوبارہ نہ آئے۔''

''تو ہوشیار رہنا اب ایسا تو نہیں ہے کہ میں اس کے ہاتھوں اپنے بچے کو مروا دوں۔''

''شاہ جی سے کہو اسے بستی میں نہ گھسنے دیں۔ آج سے پہلے تو میں نے کبھی اس کے بارے میں برے انداز میں سوچا نہیں تھا۔ لیکن اب میں بتائے دے رہی ہوں۔ ڈنڈا رکھوں گی اپنے پاس' دوبارہ بھی میری جھونپڑی کے آس پاس نظر آیا تو سر پھاڑ دوں گی کم بخت کا۔''

''خود کو سنبھال چھیمہ خود کو سنبھال۔ وہ بہر حال ایک درویش ہے۔''

''چولہے میں جائے ایسا درویش! آگ نہ لگا دوں ایسی درویشی کو۔'' چھیمہ بری طرح رنگو کو کوستی رہی۔ لیکن فیضہ پریشان تھا کہ رنگو کو کیا سوجھی۔ اس سے پہلے کبھی اس نے کسی پر ایسے حملہ نہیں کیا تھا۔ بہر حال فیضہ بھی ہوشیار تھا اور چھیمہ بھی ہر لمحے خیال رکھتی تھی۔ اس نے واقعی ایک موٹا سا ڈنڈا سنبھال کر رکھا ہوا تھا اور اس بات کیلئے تیار رہتی تھی کہ اگر کبھی رنگو نظر آئے تو اس سے نمٹ لے۔ بہر حال کافی دن گزر گئے اور آہستہ آہستہ ان لوگوں کے دل سے یہ خیال مٹنے لگا کہ رنگو اب دوبارہ ان کے بچے پر حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن ایک دن پھر ایک خطرناک بات ہو گئی۔ منگل اب اتنا چھوٹا نہیں تھا اور چھیمہ اسے لے کر باہر نکل جایا کرتی تھی۔ ایک دن وہ منگل کو ساتھ لے کر باہر نکلی۔ کسی کام سے جانا تھا۔ سامان وغیرہ لانا تھا۔ چھیمہ کو راستے میں اس کی ایک سہیلی مل گئی اور وہ چھیمہ کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ سامان کی پوٹلی چھیمہ نے اپنے سر پر رکھی اور منگل کو گود میں لے کر چلی تو اس کی سہیلی نے کہا۔

''نہیں نہیں منگل کو میں لے کر آتی ہوں تم چلو۔'' چھیمہ کو اپنی سہیلی پر مکمل اعتماد تھا اور پھر وہ بات بھی ذہن سے نکل چکی تھی۔ وہ سامان لے کر تیزی سے اپنے گھر چل پڑی اور اس کی سہیلی منگل کو لے کر آنے لگی کہ راستے میں رنگو نظر آ گیا۔ رنگو نے منگل کو دیکھتے ہی چھیمہ کی سہیلی پر حملہ کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں اس وقت موٹا سا ڈنڈا تھا جو اس نے پوری قوت سے منگل پر دے مارا لیکن چھیمہ کی سہیلی منگل کو بچانے میں کامیاب ہو گئی اور اس کے بعد اس نے دہشت زدہ انداز میں دوڑ لگا دی۔ رنگو اس کا پیچھا کرتا ہوا گھر تک آیا تھا لیکن چھیمہ کی سہیلی منگل کو لیے ہوئے گھر میں گھس گئی اور چھیمہ جو اس وقت سامان رکھ کر سیدھی کھڑی ہوئی تھی۔ سہیلی کے پیچھے رنگو کو دیکھ کر بپھر گئی۔ اس وقت وہ ڈنڈا تو اس کے پاس نہیں تھا لیکن ٹوٹی ہوئی چارپائی کا ایک پایہ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے پوری قوت سے پایہ اٹھا کر رنگو پر حملہ کر دیا۔

''کیا کر رہی ہے؟ کیا کر رہی ہے؟ مارنے دے مجھے اسے مارنے دے۔ یہ مر جائے گا اس کا مر جانا بہتر ہے۔ اسے مر جانا چاہئے۔'' لیکن چھیمہ دیوانہ وار رنگو پر وار کر رہی تھی اور وہ اچھل اچھل کر اس کے وار بچا رہا تھا۔ پھر وہ اسی طرح دروازے سے باہر نکل گیا۔ چھیمہ غیض وغضب سے خونی شیرنی کی طرح غرا رہی تھی۔

''مار دوں گی میں اس کتے کو جہاں بھی دیکھوں گی میں اسے جان سے مار دوں گی۔ میرے بچے کا دشمن ہو گیا ہے۔ نہیں چھوڑوں گی میں اسے۔'' ایک بار پھر سنسنی پھیل گئی تھی۔ رنگو آخر اس معصوم سے بچے کو کیوں مار دینا چاہتا تھا۔ بہر حال اس کے بعد واقعی چھیمہ رنگو کی دشمن ہو گئی۔ کئی بار وہ بچے کو اپنے سینے سے باندھ کر موٹا سا ڈنڈا لے کر رنگو کی تلاش میں نکلی حالانکہ

فیضہ نے اسے بیشتر منع کیا۔

''نہیں چھیمہ! اگر مل بھی جائے گا تو تو کیا کرے گی اسے مار ڈالے گی۔''

''ہاں مار ڈالوں گی۔''

''ارے پاگل! جانتی ہے کسی کو مارنے کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر تو نے اسے مار دیا تو پولیس تجھے چھوڑ دے گی۔''

''اور اگر وہ میرے بچے کو مار دے گا تو۔''

''نہیں نہیں ایسے کیسے مار سکتا ہے۔''

''دیکھو فیضہ! کوئی فیصلہ کر لو اس کا' ایک بار وزیر شاہ جی کے کان میں بات ڈال دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بری بات ہو جائے۔ اگر اس نے میرے بچے کو کوئی نقصان پہنچایا تو میں اسے جیتا نہیں چھوڑوں گی۔''

''ارے پاگل! کان دبا کر کام کر۔ کیا بیوقوفی کی بات کر رہی ہے۔ سمجھ رہی ہے نا تو ایسی کوئی بات مت کر' پاگل پن کی حرکتیں مت کر۔'' بہرحال رنگو ویسے بھی بستی میں کم ہی نظر آتا تھا۔ کافی دن تک وہ بستی میں نظر نہیں آیا اور بات پھر آئی گئی ہو گئی۔ لیکن پھر ایک سانحہ ایک حادثہ گزر گیا۔ چھیمہ ہی بچے کو لے کر جا رہی تھی اور اب یہ بچہ ایک سال کے قریب ہو گیا تھا۔ تندرست وتوانا اور خوش شکل۔ رنگو اس دوران نہیں ملا تھا۔ چھیمہ منگل کو ساتھ لیے سفر کر رہی تھی کہ اچانک ہی بستی والے چیخ پڑے۔ چاچا ہری داس بکریوں کا گلہ لے کر ادھر سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے رنگو کو دیکھا۔ جو ایک پہاڑی ٹیلے پر بڑا سا پتھر لیے کھڑا تھا۔ پھر اس نے وہ پتھر چھیمہ پر اچھال دیا اور چاچا بڑی زور سے چیخے۔

''بچ چھیمہ بچ...... پتھر...... پتھر۔'' لیکن بات چھیمہ کی سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی۔ پتھر پورے کا پورا اس کے سر پر پڑا اور بچہ اس کی گود سے نکل کر دور جا گرا۔ لیکن چھیمہ کا بھیجہ ناک کے راستے باہر نکل آیا تھا۔ اس کے ہاتھ فضا میں پھیلے اور دوسرے ہی لمحے وہ نیچے آ رہی۔ بہت سے لوگ دوڑ پڑے اور رنگو اچھلتا ہوا بھاگ گیا۔ چھیمہ نے تو ایک لمحے کے اندر دم توڑ دیا تھا۔ بچے کو گود میں اٹھا لیا گیا اور اس کے بعد پوری بستی میں ایک ہنگامہ سا ہو گیا۔ بڑی خطرناک بات ہوئی تھی۔ ساری بستی شدید سنسنی کا شکار ہو گئی۔ فیضہ کی تو بری حالت ہو گئی تھی۔ بیچارہ نیم پاگل سا ہو گیا تھا۔ ماں نے بچے پر جان دے دی تھی۔ فیضہ خود گنڈاسا ہاتھ میں لے کر بستی کے سنسان اور پراسرار علاقوں میں رنگو کی تلاش میں بھاگتا پھرتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ رنگو اگر اسے مل جاتا تو فیضہ اس کی گردن ہی اتار دیتا۔ لیکن رنگو اب بستی میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ فیضہ کی دنیا تاریک ہو گئی تھی۔ وہ اب بھی زمیندار وزیر شاہ کی چاکری کرتا تھا۔ لیکن اب اس کے ہونٹوں کی

مسکراہٹ گم ہو گئی تھی۔ بچے کو اس نے بھینس کے نیچے ڈال دیا تھا اور چھوٹا سا بچہ بڑے اطمینان سے بھینس کا میلا کچیلا تھن منہ میں لیے اسے چوستا رہتا تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ زبردست صحتمند بچہ ہو گیا تھا۔ زمیندار وزیر شاہ کیلئے ایک بھینس کا دودھ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ لاتعداد بھینسیں تھیں لیکن ایک دن جب زمیندار نے وہاں سے گزرتے ہوئے بھینس کے نیچے انسان کے بچے کو دیکھا تو حیرانی سے رک گیا۔ بھینس بڑے پیار سے گردن گھما کر بچے کو چاٹ رہی تھی اور وہ چسر چسر کر کے بھینس کا دودھ پی رہا تھا۔

''یہ کس کا بچہ ہے؟'' اس نے کسی سے پوچھا۔

''گوالے کا بیٹا ہے مائی باپ۔ گوالہ ہے آپ کا فیضہ! اسی کا بیٹا ہے یہ۔''

''لیکن فیضہ نے کس کی اجازت سے اس بچے کو بھینس کا دودھ پلانا شروع کر دیا۔ یہ وہی بچہ ہے نا جس کی ماں کو رنگو نے مار ڈالا تھا۔''

''جی مائی باپ وہی ہے۔''

''فیضہ کو بلاؤ ذرا۔ ہمارے پاس بھیجو۔'' وزیر شاہ کو نجانے کیا سوجھ گئی تھی۔ فیضہ وزیر شاہ کے سامنے پہنچا۔

''یہ کیا تمہارے باپ نے بھینس تمہیں انعام میں بخشی تھی یا ترکے میں چھوڑ کر گئے تھے۔ بچے کو اس طرح بھینس کے نیچے ڈال دیتے ہو جیسے تمہارے باپ کی ملکیت ہو۔ میں کہتا ہوں کہ کس سے پوچھ کر تم اسے بھینس کا دودھ پلاتے ہو۔''

''مائی باپ ہماری تو رگوں میں آپ کا نمک ہے۔ بچے کی ماں نہیں ہے۔ بس اتفاق ہی سے بھینس کے نیچے لگ گیا ہے۔ آپ کو کیا فرق پڑتا ہے مائی باپ تھوڑا سا دودھ پی لیتا ہو گا۔''

''ہمیں واقعی فرق نہیں پڑتا لیکن بغیر اجازت کے تم نے یہ کام کیوں کیا؟''

''اگر مائی باپ ناراض ہو رہے ہیں تو معافی چاہتا ہوں۔''

''جوتے مار مار کر تمہارا بھیجا نکلوا دوں گا خیال رکھنا۔ بغیر اجازت کوئی کام نہ کرنا اس کے بعد۔''

''جی مائی باپ......'' بچے کو تو خیر ویسے بھی پلنا تھا۔ دو سال' تین سال' چار سال' پانچ سال لیکن دیکھنے والوں کی نگاہیں جب منگل کا جائزہ لیتیں تو ان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات ابھر آتے اور وہ طرح طرح کی باتیں کرتے۔

''اسے کہتے ہیں اللہ کا پالا۔ پتہ نہیں کیا کھاتا ہے دیکھ رہے ہو شیر کا شیر نکل رہا ہے۔ بڑی بات ہے بستی میں ایک بھی اس کے مقابلے کا بچہ نہیں ہو گا۔ ابھی عمر ہی کتنی ہے۔''

''بس جی اللہ کی دین ہے وہ جو چاہے کرے۔'' اور اللہ کی یہ دین دن دوگنی اور رات چوگنی جسامت حاصل کرتی رہی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں ایک کرخت سی کیفیت ایک عجیب سی وحشت نظر آنے لگی تھی۔ شاید نو سال کی عمر تھی اس کی جب اس نے اپنی اس شخصیت کا پہلا جوہر دکھایا۔ رنگو کا تو اب کوئی پتہ نہیں چلتا تھا۔ بستی ہی سے بھاگ گیا تھا۔ یہ واردات کرنے کے بعد۔ لیکن فیضہ مستقل زمیندار ہی کے ہاں نوکری کرتا تھا۔ پھر ایک دن باڑے میں سانپ گھس آیا اور اس نے تین بھینسوں کو کاٹ کر ہلاک کر دیا۔ وزیر شاہ کو جب اس بات کی اطلاع ملی تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔

''حرام زادے! پوری زندگی تجھے پالا ہے۔ تین بھینسوں کی قیمت جانتا ہے تو کیا ہو گی۔''

''قصور ہمارا نہیں ہے مائی باپ۔ باڑے میں کہیں سے سانپ گھس آیا ہے۔ ہم تو خود تلاش کر رہے ہیں اسے۔ مائی باپ ساری بھینسیں وہاں سے ہٹا دی ہیں ہم نے۔ پر وہ نظر نہیں آ رہا۔ ہمیں خود دکھ ہے ان تینوں بھینسوں کی موت کا۔ بڑا پرانا ساتھ تھا ہمارا۔''

''زیادہ بکواس مت کر' تین بھینسوں کی قیمت تجھے ادا کرنی ہو گی۔''

''ہماری ہی کھال اتروا لیجئے اور تو ہم کیا قیمت ادا کر سکتے ہیں اور ایسا کیجئے کہ سانپ بھی خود ہی پکڑوا اپنے اور اگر نہیں تو ہم چلے۔''

''چلے...... قیمت ادا کیے بغیر۔''

''مائی باپ! جو کچھ ہے لے لیجئے۔ تن کے کپڑے بھی اتار لیجئے۔ ہو سکتا ہے آپ کے کام آ جائے۔ یہ آخری الفاظ فیضہ کے منہ سے غصے میں نکلے تھے لیکن یہ الفاظ اس کیلئے وبال جان بن گئے۔''

''اسے پکڑ کر حویلی کے سامنے کھتے میں بندھوا دو۔ میں بتاؤں گا اس کے بعد کیا کرنا ہے۔'' وزیر شاہ ظالم اور خونخوار آدمی تھا۔ بہت سے لوگوں کو خود ہی سزائیں دے دیا کرتا تھا۔ پولیس کے بارے میں تو پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ اس کے گھر کی لونڈی تھی۔ بہرحال فیضہ کو کھتے میں بندھوا دیا گیا۔ کھتے میں ٹکٹکی لگی ہوئی تھی اور یہیں وزیر شاہ کے ملازموں کو یا دشمنوں کو سزا دی جاتی تھی۔ فیضہ کو بھی وہاں بندھوا دیا گیا۔ بیچارہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ابھی تک وزیر شاہ نے کسی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ فیضہ کو کیا سزا ملے گی لیکن پھر اس نے اپنے ایک خاص آدمی گامو کو بلا کر بتایا کہ کل صبح جب بہت سے لوگ جمع ہو جائیں۔ فیضہ کو پچاس جوتے لگائے جائیں۔ یہ بھی ایک رسم تھی اس کیلئے کافی بڑے سائز کا پرانا جوتا رکھا گیا تھا اور اسے جوتے لگوانے کی رسم کہا جاتا تھا۔ چھوٹا منگل یہ معلوم ہونے کے بعد کہ باپ کیلئے کیا سزا تجویز کی گئی ہے۔ تڑپتا پھر

رہا تھا۔ اسے باپ کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی لیکن چھ چھ آدمیوں نے مل کر اسے روکا تھا۔ وہ ایک دو کے بس کی بات نہیں تھا۔

''جانے دو مجھے میرے باپ کے پاس آخر کیوں میرے بابا کو جوتے لگائے جائیں گے۔ وہ سالہ وزیر شاہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ کیوں مارے گا وہ میرے بابا کو جوتے؟'' لوگوں نے اس کی زبان بند کر دی۔ کہیں کوئی جا کر وزیر شاہ کو یہ بات نہ بتا دے کہ منگل اسے گالی دے رہا تھا۔ لیکن منگل بپھرا ہوا تھا۔ آخر میں وہ گامو کے پاس پہنچا۔

''گامو چاچا! میرے بابا کو جوتے مارو گے تم۔''

''کیوں رے...... مجھ سے کیوں پوچھنے آیا ہے زمیندار جی سے جا کر بات کرنا۔''

''دیکھ! میں تمہیں بتاؤں گامو چاچا! زمیندار تم سے کچھ بھی کہے لیکن میرے بابا کی ایسی بے عزتی نہیں کرنا ورنہ تم نہیں جانتے کہ میں تمہارا کیا حشر کروں گا۔''

''اچھا...... رک تو سہی حرام کے پلے۔'' گامو وزیر شاہ کا خاص آدمی تھا اور ویسے بھی ذرا جلاد قسم کا تھا۔ خطرناک کاموں کیلئے وزیر شاہ نے اسے رکھا ہوا تھا۔''

''ٹھیک ہے گامو چاچا۔ ذمے داری خود تمہارے اوپر ہو گی۔ یہ میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔''

''سسرے! ذرا رک تو جا۔ ایک منٹ میرے قریب آ۔ میں تجھے بتاؤں کہ میری کیا ذمے داری ہے۔ لیکن منگل وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ وہ ساری رات باپ کے گرد چکراتا رہا۔ لوگوں کو پتہ چل گیا تھا کہ فیضہ کھتے پر بندھا ہوا ہے اور صبح کو اس کی پٹائی ہو گی۔ جوتے لگیں گے اس کے۔ بہرحال کچھ لوگ تو اس بات پر سخت دکھی تھے۔ چونکہ فیضہ بہت شریف آدمی تھا۔ بعض لوگوں کو ایسی باتوں میں لطف آتا تھا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ پھر جب وزیر شاہ صبح کی سیر کے بعد یہاں پہنچا تو اس نے کہا۔

''ہاں رے فیضہ! کیا کہا تھا تم نے ہم سے۔''

''مائی باپ آپ کے جوتے کھا رہے ہیں نا۔ کھا لیں گے۔ جو ہماری اوقات ہے اللہ نے بنائی ہے وہی سمجھا ہے۔ آپ کی مرضی ہے۔''

''مارو اس حرام زادے کو۔ کدھر گیا رے گامو'' اسی وقت کسی طرف سے منگل نکل آیا۔

''مالک...... سرکار...... ہمارے باپ کو چھوڑ دیجئے۔ اس کی ایسی بے عزتی نہ کرائیے۔ ہم آپ کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں۔ معافی مانگتے ہیں۔''

''ہاتھ جوڑتا ہے معافی مانگتا ہے۔''

"مائی باپ...... چھوڑ دیجیئے آپ انہیں۔"

"نہیں جوتے کھائے بغیر نہیں جا سکے گا یہ۔"

"تو پھر سن لیجیئے ایک بھی جوتا مارا اگر آپ نے ہمارے باپ کے' تو آپ کے سارے کھیت جلا دیں گے۔ سارے باغ جلا دیں گے۔ یاد رکھیئے باغوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے آپ کو فصل نہیں ہونے دیں گے ہم اس کے بعد آپ کے کھیتوں کی۔"

"ارے ارے ذرا پکڑو اسے زبان چلاتا ہے۔ زبان کاٹ دو حرامی کی۔" وزیر شاہ نے کہا لیکن منگل نے دوڑ لگا دی تھی اور منگل کے بارے میں یہ بات بستی کا ہر شخص جانتا تھا کہ تیز دوڑنے میں اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ابھی چھوٹی سی عمر تھی لیکن وہ کسی ہرن ہی کی طرح چوکڑیاں بھرتا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سامنے آنے والی تمام رکاوٹیں پھلانگتا ہوا کھیتوں میں جا گھسا۔ اس کے بعد وہ لوگ اسے تلاش ہی کرتے رہ گئے۔ ادھر تیاریاں ہو چکی تھیں۔ گامو پھٹا ہوا جوتا لے آیا تھا اور پھر فیضہ کو جوتے لگائے جانے لگے۔ ہو سکتا ہے دس' پانچ جوتوں کے بعد زمیندار اس کی سزا معاف ہی کر دیتا لیکن منگل اسے چڑا گیا تھا۔ پچاس جوتے کھاتے کھاتے فیضہ بیہوش ہو گیا تھا۔ کچھ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور کچھ اسے دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ بہرحال بیہوش فیضہ کو کھول کر وہیں ڈال دیا گیا اور وید جی ! کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کی مرہم پٹی کر دیں۔

☆......☆......☆

وزیر شاہ کیلئے یہ سزا کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ اس قسم کی سزائیں تو وہ اپنے ملازموں کو عام طور پر دیتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کیلئے تو یہ یاد رکھنا بھی مشکل تھا کہ اس نے اپنے ایک ملازم کو کیا سزا دی ہے۔ لیکن بہرحال فیضہ کیلئے یہ بہت بڑی سزا تھی کہ سر عام اسے جوتے لگائے گئے۔ وہ تھوڑا بہت زخمی ہوا تھا۔ وید جی نے مرہم پٹی کر دی تو اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے گھر واپس آ گیا۔ بیٹے سے بھی وہ سخت شرمندہ تھا۔ حالانکہ منگل کی عمر ابھی صرف دس گیارہ سال تھی لیکن اپنی جسامت اور اپنی عقل کی وجہ سے وہ باپ کو کافی بڑا بڑا لگتا تھا اور اسے سب سے زیادہ شرمندگی اپنے بیٹے سے ہی تھی۔ بہرحال جب وہ اپنے گھر واپس آیا تو منگل موجود نہیں تھا۔ وہ ایک چارپائی پر لیٹ کر غم کے آنسو بہانے لگا۔ بہت کچھ سوچنا تھا اس وقت دل اندر سے بغاوت کر رہا تھا اور چاہ رہا تھا کہ اب دنیا کو منہ نہ دکھائے۔ موت کو اپنا لے لیکن بستی کے مولوی صاحب کہا کرتے تھے کہ خودکشی حرام ہے اور اپنے آپ کو مارنے والے جہنم میں جاتے ہیں اور پھر بیٹے کو کس پر چھوڑ جائے گا۔ یہ تمام باتیں دل میں آتی تھیں اور وہ انہی پر غور کر رہا تھا۔ آخر کار اس نے یہی سوچا کہ تقدیر میں یہی لکھا تھا سو یہ ہو گیا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا اور آگے

بھی کچھ نہیں کر سکوں گا۔ چنانچہ تقدیر کے دیئے ہوئے اس غم کو قبول کر لیا جائے۔ وزیر شاہ تو بہت سوں کو اس طرح کی سزائیں دے چکا ہے۔ اب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دنیا کے سامنے نگاہیں جھکا کر جینا پڑے گا۔ یہ تو اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت۔ صبر کے گھونٹ پی لیے اور بھینسوں کو دیکھنے چل پڑا۔ اس کی ذمے داری ہوا کرتی تھی۔ بھینسوں کو کوئی اور نقصان نہ پہنچ جائے۔ سانپوں کی وجہ سے بھینسوں کو باڑے سے نکال دیا تھا۔ بہرحال مالی کو اور دوسرے ملازموں کو بلا کر باڑے میں سانپوں کی تلاش شروع کر دی تھی لیکن کوئی سانپ نہ ملا۔ پتہ نہیں کم بخت کدھر سے آیا اور کدھر چلا گیا۔ اس کی تقدیر میں جوتے لکھوا گیا تھا سو پڑ گئے جوتے۔ بہرحال رات کو بیٹے سے ملاقات ہوئی تھی۔ منگل سامنے آیا تو اس کی نگاہیں خود بخود جھک گئیں۔ منگل آہستہ آہستہ باپ کے سامنے آ گیا۔

"میں جانتا ہوں ابا جی ! آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ کچھ باتیں معلوم کرنی ہے مجھے آپ سے۔" باپ نے بیٹے کو دیکھا اور بولا۔

"کیا بیٹے !"

"ابا جی ! یہ کوئی مالک اور کوئی ملازم کیوں ہوتا ہے۔"

"بیٹے ! یہ تو اللہ کا بنایا ہوا قانون ہے۔ وہ کسی کو دولت مند بنا دیتا ہے اور کسی کو غریب' غریب نوکر ہوتا ہے اور دولتمند مالک۔"

"ابا جی ! دولت کسے کہتے ہیں؟"

"سونے چاندی کے ڈھیر' کرنسی نوٹوں کی گڈیاں' یہ ساری چیزیں دولت کہلاتی ہیں بیٹے۔"

"تو غریب لوگ یہ دولت کیوں نہیں لے آتے۔"

"دولت اتنی آسانی سے نہیں آتی بیٹے ! اسے حاصل کرنا پڑتا ہے۔"

"کیسے ابا جی؟"

"بس محنت مزدوری کرنے سے دولت کبھی نہیں ملتی۔ جو لوگ دولت کے انبار پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ صحیح معنوں میں ڈاکو ہوتے ہیں۔ دوسروں کے حقوق چھین کر۔ دوسروں کو لوٹ کر ان کی جیبیں خالی کر کے وہ اپنی جیبیں بھرتے ہیں اور پھر اپنے ہی جیسے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے ابا جی ! کہ دولت حاصل کرنا بڑا ضروری ہے ورنہ انسان نوکر بن جاتا ہے۔" باپ نے کوئی جواب نہیں دیا تو منگل نے سوال کیا۔

"آپ کے کہاں کہاں چوٹ لگی ہے؟"

"نہیں بیٹا ! کوئی خاص چوٹ نہیں لگی بس دل پر چوٹ لگی ہے۔"

''ابا جی! میں نے زمیندار سے کہہ دیا تھا کہ اگر میرے باپ کو کوئی نقصان پہنچا تو میں اس کے باغ جلا دوں گا' کھیت کھلیان جلا دوں گا۔''

''ایسی باتیں نہیں کرتے بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ دولت مندوں سے ٹکر لینا تو مشکل ہے۔''

''وہ کیوں؟''

''ارے پاگل! تو سمجھتا نہیں ہے اتنی سی بات؟ وہ دولت کے بل پر دنیا کا ہر کام کر سکتے ہیں۔ ہمیں جیل میں بند کرا سکتے ہیں۔ ہماری گردن کٹوا سکتے ہیں۔ اب دیکھ نا ہم زمیندار جی کو جوتے نہیں لگوا سکتے وہ ہمیں لگوا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے پاس دولت ہے۔''

''میں نے گامو سے کہا تھا کہ گامو! میرے ابا جی کو جوتے مت لگانا ورنہ میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا۔''

''ایسی باتیں نہیں کرتے بیٹا! ایسی باتیں نہیں کرتے۔ اس طرح کے کام کرنے کا نتیجہ بھی تو بھگتنا پڑتا ہے۔'' منگل خاموش ہو گیا۔ بہرحال باپ بیٹے دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔ منگل نے بیشمار باتیں اپنے باپ سے معلوم کی تھیں۔ اس کے بعد فیضہ بھول گیا کہ بیٹے کا ذہنی رجحان کیا ہے؟ کیا سوچ رہا ہے وہ؟ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ چھوٹی سی عمر کا بچہ کسی بات کو اس طرح اپنے دل میں بٹھا لے گا۔ بات آئی گئی ہو گئی لیکن ایک رات گامو پر قیامت گزر گئی۔ وہ اپنے معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد درخت کے نیچے ٹھنڈی ہوا میں لیٹا ہوا تھا۔ موسم بہت ہی خوشگوار تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور بڑی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ گامو مست نیند کے مزے لے رہا تھا۔ لیٹے لیٹے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر حمیدہ بیٹھا ہوا بانوں کی رسی بنا رہا تھا۔ خاصی لمبی رسی بنا چکا تھا وہ۔ پٹ سن کی مونجھ اس کے پاس پڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے بٹ بٹ کر رسی بنا رہا تھا کہ اس نے منگل کو دیکھا جو آہستہ آہستہ اس طرف آ رہا تھا۔ زبردست جسامت کا یہ لڑکا حمیدہ کیلئے ہمیشہ دلچسپی کا باعث رہا تھا۔ حمیدہ اپنا کام کرتا ہوا اسے دیکھتا رہا۔ منگل کی باتیں بڑی مزیدار ہوا کرتی تھیں۔ جس کے پاس بھی بیٹھ جاتا تھا اسے بٹھا کر ہنساتا رہتا۔ لیکن اس وقت وہ چوروں کی طرح آہستہ آہستہ گامو کے پاس پہنچا تھا اور پھر جو ہوا اس نے حمیدہ کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ اچانک ہی منگل نے بھینسوں کیلئے چارہ کاٹنے والا گڑاسہ اپنے لباس سے نکالا یہ۔ گڑاسہ بھینسوں کے باڑے میں رہا کرتا تھا۔ تیز' چمکدار اور مضبوط لوہے کا ٹوکا منگل نے دونوں ہاتھوں میں پکڑا اور پھر اچانک ہی اس نے اسے گامو کے ہاتھوں پر مارا۔ وار اتنا شدید تھا کہ گامو کے دونوں ہاتھ کلائیوں پر سے کٹ کر نیچے گر پڑے اور گامو بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ وہ پلنگ سے نیچے زمین پر گر

پڑا تھا اور اس کے حلق سے خوفناک چیخیں نکل رہی تھیں۔ حمیدہ رسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے میا رے میا۔ ارے بچاؤ کوئی گامو کو! ارے بچاؤ رے۔'' یہ کہہ کر وہ بری طرح دوڑا اور گامو کو قریب سے دیکھنے لگا۔ منگل آرام سے وہاں کھڑا ہوا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا حمیدہ چاچا! کہا تھا میں نے اس سے کہ میرے باپ پر جوتا مت اٹھا ورنہ تیرے دونوں ہاتھ کاٹ دوں گا۔ حمیدہ چاچا میں نے وزیر شاہ سے بھی کہا تھا کہ میرے باپ کی بے عزتی نہ کرو ورنہ تیرے سارے کھیت اور باغ جلا دوں گا۔ ایک کام تو کر دیا ہے میں نے دوسرا کام بھی کر ڈالوں گا۔ سمجھا ایک کام کر دیا ہے میں نے۔''

''ارے تیرا بیڑا غرق ہو۔ گامو تو مر جائے گا۔''

''میرا باپ بھی تو مر چکا ہے۔ بے عزتی کی ہے تم لوگوں نے اس کی۔ چھوڑوں گا نہیں تم دیکھ لینا حمیدہ چاچا! میں زمیندار کے سارے کھیت جلا دوں گا۔'' حمیدہ نے ایک لمحے کیلئے سوچا غریب کو غریب سے ہمدردی ہوتی ہے۔ اس نے سوچا کہ گامو کے بارے میں زمیندار کو اطلاع دینے سے پہلے بہتر ہے کہ فیضہ کو اس بات کی تفصیل بتا دی جائے تاکہ فیضہ اپنی بچت کرے اور درحقیقت حمیدہ نے یہ احسان ہی کیا تھا فیضہ پر۔ گامو تو دو منٹ کے بعد ہی بیہوش ہو گیا۔ اس کی کلائیوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں اور دونوں کٹے ہوئے ہاتھ کچھ فاصلے پر پڑے تڑپ رہے تھے۔ وہ دوڑتا ہوا بھینسوں کے باڑے میں پہنچا اور ہانپتے ہوئے فیضہ سے کہا۔

''فیضہ...... فیضہ...... غضب ہو گیا ہے۔ فیضہ بھاگ جلدی سے۔ جیسے یہاں سے بھاگ سکتا ہے بھاگ جا۔''

''ارے پاگل کیا ہوا؟ بتاتا کیوں نہیں رہے۔'' فیضہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

''تیرے بیٹے منگل نے گامو کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے۔''

''ہاتھ کاٹ ڈالے۔''

''ہاں۔''

''مگر کیسے؟''

''ٹوکے سے۔''

''ارے کیا کہہ رہا ہے بھائی تو؟''

''ارے جو کہہ رہا ہوں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں بیٹھا ہوا رسی بٹ رہا تھا اور گامو درخت کے نیچے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا کہ میں نے منگل کو دیکھا۔ ٹوکا تھا اس کے ہاتھ میں۔ اس نے ٹوکے

سے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گامو کے۔ پھر کہنے لگا کہ میں نے کہا تھا گامو سے کہ میرے باپ کو جوتا مت مار ورنہ تیرے دونوں ہاتھ......''

''ارے باپ رے باپ۔ ارے مر گیا۔ گامو کا کیا ہوا؟''

''ابھی کچھ پتہ نہیں۔ پلنگ پر پڑا ہوا ہے۔ مجھے زمیندار جی کو اطلاع دینی چاہئے تھی مگر میں تیرے پاس آیا بھاگ جا...... بھاگ ورنہ زمیندار تجھے چھوڑے گا اور نہ تیرے بیٹے کو۔''

''مگر وہ ہے کہاں؟''

''وہ آ رہا ہے...... وہ آ رہا ہے۔ یہیں آ رہا ہے۔'' اچانک ہی حمیدہ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ منگل کے ہاتھ میں ٹوکا دبا ہوا تھا اور اس سے خون ٹپک رہا تھا۔

''میں چلتا ہوں اس پر خون سوار ہے کہیں یہ نہ سمجھے کہ میں اس کی شکایت کرنے آیا ہوں اور مجھ پر ہی حملہ کر دے۔'' یہ کہہ کر حمیدہ دوسری طرف سے کھسک گیا۔ لیکن فیضہ کے ہوش وحواس جواب دے گئے تھے۔ وہ یہ تو سمجھ گیا تھا کہ منگل اپنا کام کر چکا ہے۔ اب اس سے کچھ کہنا سننا بالکل بیکار تھا۔ منگل جب قریب پہنچا تو اس نے خون ٹپکتے ہوئے ٹوکے کو دیکھا اور پھر بولا۔

''آ جلدی سے آ! میرے ساتھ۔''

''ہاتھ کاٹ دیئے میں نے گامو چاچا کے' جوتے لگائے تھے نا انہوں نے تمہارے۔ اب زندگی بھر کسی کے جوتے نہیں لگا سکے گا۔ کمینہ کہیں کا۔ منع کیا تھا میں نے اسے۔''

''آ...... میرے ساتھ آ...... جلدی سے آ......'' فیضہ نے کہا اور اسے لیے ہوئے اپنی جھونپڑی کی جانب چل پڑا۔ جھونپڑی میں تھا ہی کیا کچھ جوڑے کپڑے پھٹے پرانے بس بدن ڈھانپنے کے کام آ سکتے تھے۔ تھوڑی سی رقم جو فیضہ نے پائی پائی کر کے جمع کی تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کہیں نہ کہیں سے مل جاتی تھیں اسی طرح سے پرانے اترے ہوئے کپڑے بدن ڈھانپنے کے کام آ جاتے تھے۔ جو تنخواہ ملتی تھی اس میں تھوڑے بہت پیسے خرچ ہو جاتے تھے۔ باقی فیضہ آنے والے کسی برے وقت کیلئے محفوظ کر لیتا تھا اور برا وقت آ گیا تھا۔ اس سے زیادہ برا وقت اور کیا ہو سکتا تھا کہ اپنی ہی نہیں بیٹے کی زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ جو کچھ منگل کر چکا تھا اس کے بعد زمیندار دونوں کو زندہ کیسے چھوڑے گا۔ چنانچہ عقل کا تقاضہ یہی تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے بستی سے نکل جایا جائے۔ باہر جانے کیلئے فیضہ نے پیچھے ہی کا راستہ استعمال کیا تھا۔ منگل نے اس سے پوچھا۔

''جا کہاں رہے ہیں بابا!''

''دیکھو بیٹا! تو میرا بیٹا ہے یا باپ۔''

''ایں...... ہوں تو بیٹا ہی۔''

''بس تو پھر آ جا میری بات مان۔'' منگل خاموش ہو گیا۔ فیضہ پچھلے راستے سے نکل کر باہر گیا۔ تھوڑا سا فاصلہ اس نے ایسے ہی پیدل چل کر طے کیا اور اس کے بعد جیسے ہی کھیت آئے اس نے پگڈنڈی پر دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ بیٹے سے بولا۔

''تو بہت تیز دوڑتا ہے نا۔''

''ہاں پوری بستی میں مجھ سے زیادہ تیز کوئی بھی نہیں دوڑ سکتا۔''

''چل میرا اور تیرا مقابلہ ہو جائے۔'' منگل ہنسنے لگا پھر بولا۔

''ارے نہیں بابا! تم بھلا کہاں میرے مقابلے پر دوڑو گے۔''

''چل تو سہی بیٹا!'' فیضہ نے کہا اور ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ کافی دور تک آگے نکل گیا تو منگل ہنستا ہوا اس کے پیچھے دوڑنے لگا۔ تھوڑی دور تک تو وہ فیضہ سے چند قدم پیچھے ہی رہا اور اس کے بعد فراٹے بھرتا ہوا آگے نکلا تو نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ فیضہ بھی دوڑ رہا تھا پھر اس وقت تک دونوں باپ بیٹے دوڑتے رہے جب تک فیضہ کے دم میں دم رہا۔ یہاں تک کہ اس کا سانس چڑھ گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تو اس نے منگل کو آواز دی۔

''رک جا بیٹا...... رک جا...... میں ہار گیا تو جیت گیا۔'' منگل ہنستا ہوا رک گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''ابھی سے کیوں رک گئے بابا...... ابھی تو ہماری دوڑ شروع ہوئی ہے۔''

''میری ختم ہو گئی بیٹا! اب ذرا آرام آرام سے چلو۔''

''مگر پھر وہی بات ہوتی ہے جا کہاں رہے ہو؟''

''اس بستی سے الگ کسی ایسی جگہ جہاں بستی کا کوئی بھی آدمی ہمارے سامنے نہ ہو۔ ہمیں نہ پہچانے۔''

''کیوں؟''

''اب کہہ رہا ہوں تم سے ہر بات میں کیوں؟ کیا نہیں کرتے۔'' بستی کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ کھیتوں اور باغوں کے سلسلے بھی کے ختم ہو چکے تھے۔ انہیں اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اب اگر زمیندار کے آدمیوں نے گھوڑوں پر بھی ان کا پیچھا کیا تو آسانی سے یہاں نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کسی قدر سست قدموں سے چلنا شروع کر دیا۔ فیضہ کو رام گڑھی کے قریب ہی سٹیشن پہنچنا تھا۔ اس کے بعد وہ سمجھتا تھا کہ کام بہتر ہو جائے گا۔ سٹیشن تک پہنچنے میں اسے کافی وقت لگ گیا تھا لیکن جب وہ سٹیشن پر پہنچا تو ایک ریل آگے جانے کیلئے تیار کھڑی تھی۔ سوچے سمجھے بغیر اس نے جیب سے کچھ رقم نکال کر ٹکٹ بابو کو دی اور کہا۔

''ٹکٹ دے دو بابو جی۔''

''کہاں جاؤ گے؟''

''دو ٹکٹ چاہئیں اتنے پیسوں میں جہاں تک کے ٹکٹ مل جائیں۔''

''ارے کسی خاص جگہ نہیں جا رہے۔''

''نہیں بابو جی! بس سیر سپاٹے کو نکلے ہیں۔''

''ہوں۔'' ٹکٹ بابو نے اس کے پیسے دیکھے اور پھر دو ٹکٹ اسے دیتے ہوئے بولا۔

''ایمان پور چلے جاؤ وہاں تک کے ٹکٹ دے دیئے ہیں میں نے تمہیں۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کم از کم ایمانداری سے تو رہیں گے۔'' فیضہ ہنس کر بولا۔ اس کے بعد ٹکٹ لے کر ریل میں جا بیٹھا۔ اس کی نگاہیں بار بار کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا بس ریل چل پڑے تو مشکل حل ہو جائے اور تھوڑی دیر کے بعد انجن نے سیٹی دی اور تھوڑی دیر بعد ریل آہستہ آہستہ رینگنے لگی تو فیضہ نے سکون کی گہری گہری سانسیں لی تھیں۔ ادھر منگل کو اس سفر میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔ ایک بار باپ کے ساتھ ریلوے سٹیشن آیا تھا اور ریل کو چلتے ہوئے دیکھا تھا تو بہت سے سوالات کئے تھے۔ وہ اسے چلتا ہوا گھر کہتا تھا۔ اس چلتے ہوئے گھر میں پہلی بار بیٹھا تو بڑا مزہ آنے لگا اور وہ کھڑکی سے باہر جھانکتا رہا۔ جبکہ فیضہ نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور سر جھکائے بیٹھا زندگی کے اس نئے موڑ پر غور کر رہا تھا۔ کیا زندگی گزاری تھی اس نے سوچتا تو دل کی حالت خراب ہونے لگتی تھی۔ بیوی نے ساتھ چھوڑ دیا۔ بیٹے کی پرورش کیلئے نوکری کرتا رہا۔ ساری زندگی ہی راج گڑھی میں گزار دی تھی۔ اسے چھوڑ کر دکھ بھی ہوا تھا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ جب سے وزیر شاہ نے اس کی بے عزتی کرائی تھی اور اس کے جوتے لگوائے تھے بستی میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ یہ الگ بات ہے بستی چھوڑنے کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا تھا۔ کرتا بھی تو کہاں جاتا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں تھا۔ لیکن اب بیٹے کی محبت میں آنکھیں بند کر کے گھر سے نکل آیا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کی اپنی زندگی تو مختصر سی ہی ہے لیکن زمیندار دیوانہ ہو جائے گا اور جو سلوک بیٹے کے ساتھ کرے گا وہ بہرحال فیضہ کو گوارا نہیں تھا۔ چنانچہ گھر سے نکلنا ہی پڑا تھا۔ ایمان پور کے بارے میں اسے کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ بس ریلوے بابو نے نام لیا تھا تو اسے اس کا علم ہوا تھا۔ لیکن بہرحال جو کچھ بھی ہو گا محنت مزدوری کر کے بیٹے کی پرورش کرے گا۔ یہ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ انسان کی اپنی سوچ کچھ اور ہوتی ہے اور تقدیر کے فیصلے اس سے بالکل مختلف۔ واقعات کبھی کبھی اس تیزی سے اپنا رخ بدلتے ہیں کہ کسی کو یقین نہ آئے۔ ایسا ہی اس وقت ہوا تھا۔ ریل اپنا سفر طے کر رہی تھی اور ماحول بڑا عجیب سا تھا۔ ان لوگوں کو سفر کرتے ہوئے کوئی سات گھنٹے ہوئے تھے۔ اب کسی قسم کا

خطرہ تو باقی نہیں رہا تھا لیکن بس نجانے کیوں فیضہ کے دل میں ایک عجیب سا اضطراب تھا۔ نجانے کیوں اسے الگ رہا تھا جیسے کچھ ہو جائے گا۔ کیا ہو جائے گا؟ اس کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ لیکن دل کبھی کبھی بڑی صحیح نشاندہی کرتا ہے۔ اس وقت ٹرین ایک ویران اور سنسان علاقے سے گزر رہی تھی۔ اس بے چاروں کو تو کچھ نہیں معلوم تھا کیونکہ کبھی کوئی لمبا سفر کیا ہی نہیں تھا لیکن ٹرین کے دوسرے مسافر کچھ خوفزدہ سے نظر آ رہے تھے۔ وہ اس علاقے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ فیضہ نے بھی ان کی باتیں سنیں۔

''سرکار تو کچھ کر ہی نہیں رہی۔ اتنی وارداتیں ہو چکی ہیں یہاں کہ کہا نہیں جا سکتا۔ وہ خوفناک ڈاکو اسی علاقے میں ملتا ہے اور کتنی ہی بار وہ ریلیں رکوا کر لوٹ چکا ہے۔ اس دور میں بھی ڈاکوؤں کو اتنی ہمت ہے کہ وہ آسانی سے اپنا کام کر سکیں۔''

''ریل میں اسی لیے پولیس اس علاقے میں چوکس رہتی ہے اور جہاں تک بھیا! ان ڈاکوؤں کی ہمت کی بات کر رہے ہو تو اس دور میں تو ڈاکوؤں کی ہمت اور زیادہ ہے۔ پہلے تو پھر بھی انہیں کوئی مشکل پیش آ جاتی تھی لیکن اب تو ایسے ایسے ہتھیار ہیں ان کے پاس کہ فوج اور پولیس کے پاس بھی نہیں ہوں گے۔ وہ بھی ماڈرن ہو گئے ہیں اور ماڈرن طریقے سے ہی ڈاکے ڈالتے ہیں۔''

کہیں سے ایک بڑی بی کی آواز سنائی دی۔ ''ارے بھیا! اللہ رسول کا نام لو ڈاکے...... ڈاکے...... جو نہیں ہونی ہوتی وہ بھی ہو جاتی ہے۔''

''اماں جی کرنے ہی سے سب کچھ ہوتا ہے خودبخود کچھ نہیں ہو جاتا۔'' کسی نے کہا اور اسی وقت ٹرین کی بریکیں لگنے کی آواز سنائی دی اور لوگ چونک پڑے۔ پھر ایک دم گولیاں چلنے کی آوازوں سے جنگل کا سنسان ماحول گونج اٹھا اور بہت سے لوگوں کی دہشت بھری چیخیں گونج اٹھیں۔

''ڈاکو آ گئے...... ڈاکو آ گئے۔'' فیضہ بھی چونک گیا تھا۔ منگل نے کہا۔

''ابا جی! یہ ڈاکو کیا ہوتے ہیں؟''

''ارے بیٹا! خاموش رہو۔ اللہ رحم کرے۔'' فیضہ بولا۔ ٹرین رک گئی۔ شاید ڈاکوؤں نے انجن کے ڈرائیور کو قابو میں کر کے ریل رکوا لی تھی۔ ایسی ہی وارداتیں اس علاقے میں ہوا کرتی تھیں۔ بہرحال ریل میں جو حفاظتی پولیس تھی وہ مورچے بنا کر ڈاکوؤں پر گولیاں چلانے لگی اور ادھر سے ڈاکو ٹرین پر گولیاں برسانے لگے۔ ایک انتہائی ہولناک فضا پیدا ہو گئی تھی۔ عورتیں، مرد اور بچے چیخ رہے تھے۔ فیضہ نے بڑی مشکل سے منگل کو روکا جو بھاگ کر ٹرین کے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے دل میں ڈاکوؤں کو دیکھنے کا شوق تھا۔ جسامت کتنی ہی

بڑھ گئی تھی لیکن عقل ابھی چھوٹی ہی تھی۔ گولیوں کی اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ ایک مرتبہ جو اسے موقع ملا تو وہ پھرتی سے بھاگ کر ٹرین کے ڈبے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ وہ تو اتفاق ہی تھا کہ فیضہ کی نگاہ اس کی جانب اٹھ گئی۔ دوسرے مسافر سیٹوں وغیرہ کے نیچے چھپے ہوئے تھے لیکن منگل شوق میں دروازے تک چلا گیا تھا۔ فیضہ بھاگ کر دروازے تک پہنچا اور اس نے اسے کھینچ کر نیچے گرا دیا۔ لیکن ڈاکوؤں کے رائفل سے چلائی گئی گولی نے فیضہ کی کمر میں سوراخ کر دیا تھا۔ پھر کئی گولیاں اس کے جسم پر لگیں اور وہ تڑپنے لگا۔ منگل نے باپ کو خون میں لت پت دیکھا تو اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات پیدا ہو گئے۔

''ابا جی! یہ...... یہ کیا ہو گیا؟''

''وہی کیا نا تو نے جس کا مجھے خطرہ تھا۔ وہی کیا نا تو نے۔ آخر مارا گیا نا میں...... تیرے ہی ہاتھوں...... ہوتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے بیٹا! کبھی کبھی اولاد ہی ماں باپ کی قاتل بن جاتی ہے۔ تیری ہی وجہ سے تیری ماں بھی ماری گئی اور تیری ہی وجہ سے میں بھی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہوں۔'' فیضہ نے کہا۔ دفعتاً اس کے منہ سے خون کی پھوار نکلی اور اس کی آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ منگل حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

''ابا جی...... ابا جی...... جاگیں گے نہیں آپ' ابا جی!'' وہ آوازیں دیتا رہا پھر اسے کوئی اور احساس نہیں رہا تھا۔ باپ کی موت سے اس کے دل کو ایک عجیب سا صدمہ ہوا تھا۔ اسے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ کب ڈاکو ڈبے میں گھس آئے۔ لوٹ مار ہوئی۔ کچھ لوگوں کو گولیاں مار کر نیچے گرا دیا گیا اور کچھ کو چھوڑ دیا گیا۔ جس آدمی نے اسے دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں تھیں وہ لمبی چوڑی جسامت کا ایک خوبصورت سا آدمی تھا۔ اچھی خاصی عمر کا مالک' چوڑے چکلے بدن والا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

''لو اسے سنبھالو۔ خبردار کوئی نقصان نہ پہنچے' اسے ساتھ لے جانا ہے۔'' منگل کے ذہن پر باپ کا صدمہ کچھ اس طرح بیٹھا تھا کہ وہ بول بھی نہ سکا۔ کچھ ہاتھوں نے اسے پکڑ کر ریل سے نیچے اتارا پھر کچھ نے اسے گھوڑے پر بٹھایا اور ایک شخص اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔ منگل پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ پھر جب اسے پہلی بار ہوش آیا تو وہ کسی ایسے پہاڑی غار میں تھا جسے سجانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ دنیا بھر کی چیزیں اس غار میں سجا کر اسے ایک خوبصورت اور آرام دہ کمرہ بنا دیا گیا تھا۔ منگل کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ بدن کے نیچے شاندار مسہری تھی۔ اس نے اسے ٹٹول کر دیکھا اور پھر اس طرح اٹھ کر بیٹھ گیا جیسے بجلی کا کرنٹ لگا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھرتے آ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک عمر رسیدہ عورت غار کے دہانے

سے اندر داخل ہوئی اور منگل اسے دیکھ کر حیرانی سے آنکھیں پھاڑنے لگا۔

''کیسی طبیعت ہے بیٹا!'' عورت نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''کون ہو تم؟''

''ارے بولنے لگے۔ بول پڑا...... بول پڑا سردار! بول پڑا۔'' عورت یہ کہہ کر خوشی سے چیختی ہوئی باہر بھاگ گئی۔ منگل کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ حیرانی سے اب بھی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو شخص اندر داخل ہوا اسے دیکھ کر منگل ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ یہ خوب لمبا چوڑا آدمی تھا اور اس کی شکل بڑی رعب دار تھی۔ بڑی بڑی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت چمک رہی تھی۔ قریب پہنچ کر اس نے غور سے منگل کو دیکھا اور بولا۔

''تم ہوش میں آ گئے۔ کیا نام ہے تمہارا؟''

''منگل۔''

''کیا......؟'' اس شخص کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

''ہاں...... منگل ہے میرا نام کیوں؟''

''نہیں میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔ کیا اچھا نام ہے تمہارا۔ اس کا مطلب ہے کہ وقت اور تقدیر میری رہنمائی کر رہی ہے۔''

''تم کون ہو؟''

''لوگ مجھے شیر دل کے نام سے پکارتے ہیں۔ ویسے میرا نام کچھ اور ہے جو میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔''

''یہ کون سی جگہ ہے؟''

''میرا ٹھکانہ ہے۔''

''ٹھکانہ کیا ہوتا ہے؟''

''ارے! تم نہیں جانتے......؟'' اس نے کہا۔

''میرا باپ کہاں ہے؟ اسے ڈاکوؤں نے گولی مار دی تھی۔'' جس شخص نے اپنا نام شیر دل بتایا تھا وہ افسوس بھری نگاہوں سے منگل کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''جس آدمی نے تمہارے باپ کو گولیاں ماری تھیں وہ موت کا شکار ہو چکا ہے۔ اسے سرکاری آدمیوں کی گولیاں لگ گئی تھیں۔ کہاں جا رہے تھے تم؟''

''مجھے نہیں معلوم......''

''مطلب یہ کہ کہیں تو جا رہے ہو گے نا اپنے باپ کے ساتھ......''

''میں نے کہا نا یہ سب کچھ میرے باپ کو ہی معلوم تھا۔''

''اچھا خیر چلو چھوڑو۔ میں تمہارے کھانے پینے کیلئے بندوبست کرتا ہوں۔ سنو! تمہار باپ مر چکا ہے۔ اب اس بات کو اپنے ذہن میں رکھنا کہ تم اب شیر دل کے ٹھکانے پر ہو اور شیر دل کے اچھے دوست اور اچھے مہمان ہو۔ مہمانوں کی طرح یہاں وقت گزارنا آنے والے وقت میں تمہیں بہت سے فائدے ہو سکتے ہیں۔''

''میرا باپ مر چکا ہے؟''

''ہاں......''

''تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟''

''کچھ نہیں تم آرام سے یہاں رہو۔ یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ ٹھیک ہے؟ کوئی حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا۔ تمہیں یہاں رہ کر بہت اچھا لگے گا۔ میں تمہارے باپ کو واپس نہیں لاسکتا ورنہ ضرور واپس لے آتا لیکن تم یہ سمجھ لو کہ یہاں تم محفوظ ہی ہو۔ خوش بھی رہو گے۔ بات یہ ہے بیٹا! کہ تم مجھے پسند آ گئے ہو۔ پتا نہیں کیوں تمہارے اندر میں اپنے بچپن کی تصویر دیکھتا ہوں اور اسی وجہ سے میں تمہیں یہاں اٹھا کر لایا ہوں۔''

''اٹھا کر لائے ہو؟''

''ہاں......لیکن تم بے فکر رہنا جہاں بھی تم جانا چاہو گے میں تمہیں پہنچا دوں گا۔''

منگل خاموشی سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ شیر دل نے اس سے بہت سی باتیں کیں اور پھر اس کے بعد وہاں سے چلا گیا۔ لیکن منگل کے دل پر یہ بات نقش ہو گئی تھی کہ اب اس کا باپ اس دنیا میں نہیں ہے۔ لیکن اب وہ اپنے باپ کا انتقام کسی سے لے بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ شیر دل کے کہنے کے مطابق جس شخص نے اسے گولی ماری تھی وہ خود بھی مر چکا تھا۔ باپ کو یاد کر کے منگل کو تھوڑا سا دکھ ہوا۔ لیکن وہ ایک الگ ہی انوکھی فطرت کا مالک تھا۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ سب کچھ بھول گیا۔ کھانے پینے کیلئے جو چیزیں آئیں وہ ایسی تھیں کہ منگل نے کبھی زندگی میں نہیں کھائی تھیں۔ ہاں ایسی چیزوں کو اس نے ایک دو بار اس وقت دیکھا تھا جب وزیر شاہ کی حویلی میں اس کیلئے کھانا جاتا تھا۔ آج یہ ساری چیزیں منگل کے سامنے تھیں۔ بہر حال منگل نے انہیں شوق سے کھایا۔ ویسے تو وہ خوب کھاتا لیکن اس وقت جتنی زیادہ مقدار میں چیزیں اس کے سامنے لائی گئی تھیں منگل انہیں ختم نہ کر سکا' اس کا دل انہیں کھا کھا کر بھر گیا تھا۔ منگل کو اس جگہ آنے سے بڑی خوشی ہو رہی تھی۔ ایک عجیب سا احساس اس کے دل میں جاگ رہا تھا۔ اگر یہ شخص جس کا نام شیر دل ہے اسے مستقل یہاں رکھ لے تو کیا حرج ہے۔ دن گزر گیا۔ رات گزر گئی۔ دوسرے دن صبح اس نے گولیاں چلنے کی آوازیں سنی تو ایک دم سنبھل گیا۔ ادھر ادھر دیکھا

اور پھر اس جگہ سے باہر نکل آیا جہاں اس کا ٹھکانہ بنایا گیا تھا۔ باہر بھی ویرانے پھیلے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی چٹانیں اور غار چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ پھر اس نے ان گولیاں چلانے والوں کو دیکھا جو نشانہ بازی کی مشق کر رہے تھے۔ لمبے چوڑے لوگ پتھروں پر نشانہ لگا رہے تھے۔ منگل کو یہ منظر بڑا دلچسپ محسوس ہوا اور وہ اس وقت چونکا جب کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ پلٹ کر دیکھا تو ہاتھ رکھنے والا شیر دل تھا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

''کیوں بچے......کیسا لگ رہا ہے یہ سب کچھ؟''

''بہت اچھا......''

''گولی چلانی آتی ہے تمہیں؟''

''نہیں میں نے تو کبھی بندوق ہاتھ میں بھی نہیں لی......''

''شوق ہے؟''

''ہاں......''

''کسی کو مار سکتے ہو؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ ضرورت پڑے تو مار بھی سکتا ہوں۔''

''بہت اچھے۔ شاباش شاباش۔ میں تمہیں ایک شاندار رائفل دوں گا جس سے تم نشانہ بازی کی مشق کرو گے۔ آؤ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔''

''میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں'' منگل نے کہا۔

''ہاں دیکھو دیکھو آؤ اس چٹان پر بیٹھتے ہیں۔'' وہ اسے تھوڑے فاصلے پر ایک چٹان کے قریب لے گیا۔ پھر دونوں وہاں بیٹھ گئے۔ منگل بہت دیر تک نشانہ بازی کی مشق دیکھتا رہا۔ اسے یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ شیر دل اس کے چہرے کے نقوش کا جائزہ لے رہا تھا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی پھر اس کے بعد شیر دل نے کہا۔

''ہاں کیسا لگ رہا ہے یہ سب کچھ؟''

''بہت اچھا......''

''میرے ساتھ رہنا پسند کرو گے؟''

''ہاں! کیوں نہیں؟''

''تمہارا باقی خاندان کہاں ہے۔ باپ کے ساتھ کہاں جا رہے تھے کیا تم مجھے بتاؤ گے؟''

''میرا کوئی خاندان نہیں ہے۔ میرا باپ وزیر شاہ کے بھینسوں کے باڑے میں کام کرتا

تھا۔ وزیر شاہ کے بہت سے باغ اور کھیت ہیں۔ ہماری بستی کا نام راج گڑھی ہے۔ میری ماں مر گئی تو میرے باپ نے مجھے پالا پوسا۔ وزیر شاہ بہت ظالم ہے۔ لوگوں کے ساتھ بڑا ظلم کرتا ہے۔ میرے باپ سے کوئی غلطی ہوگئی تو وزیر شاہ نے میرے باپ کو بندھوا کر جوتے لگوائے۔ میرے باپ نے بہت خوشامد کی اور کہا ہم عزت دار لوگ ہیں ایسا سلوک نہ کرو ہمارے ساتھ۔ لیکن وزیر شاہ اپنے علاوہ کسی کو عزت دار نہیں سمجھتا۔ میں نے ہاتھ جوڑے' منت ساجت کی پھر میں نے کہا کہ وزیر شاہ اگر تو نے میرے باپ کو جوتے لگوائے تو میں تیرے سارے کھیت کھلیان جلا دوں گا۔ تیرے باغوں کو اجاڑ دوں گا۔ پھر میں نے گامو سے کہا کہ گامو اگر تو نے میرے باپ کے جوتے لگائے تو میں تیرے دونوں ہاتھ کاٹ دوں گا۔ مگر سب نے میری بات کو مذاق سمجھا۔ میرے باپ کو جوتے لگوائے گئے اور اس کے بعد وہ زخمی ہوگیا۔ اس کا دل بھی زخمی ہو گیا۔ مگر انہوں نے میری بات نہیں مانی تھی۔ مجھے بچہ سمجھا تھا' بے وقوف سمجھا تھا۔ میں نے پہلا کام کر دیا۔ گرسالے کر گامو کے دونوں ہاتھ کلائیوں کے پاس سے کاٹ کر پھینک دیئے پھر جب میرے باپ کو پتا چلا کہ میں نے ایسا کر دیا ہے تو وہ بری طرح ڈر گیا اور اس کے بعد مجھے لے کر وہاں سے نکل بھاگا۔ لمبا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم بہت دور نکل آئے اور پھر ریل میں بیٹھ گئے۔ ریل میں میرا باپ مارا گیا اور نجانے مجھے کیا ہوگیا۔ یہاں آ کر مجھے ہوش آیا تھا۔

شیر دل بڑے غور سے اس کی یہ کہانی سن رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ خاموشی سے اس کی کہانی سنتا رہا اور پھر جب وہ خاموش ہوگیا تو شیر دل نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''بچے میرا دل بھی بلا وجہ تجھ پر نہیں آیا۔ ایک نگاہ ہی دیکھا تھا تجھے۔ مجھے یوں لگا جیسے میرا ماضی زندہ ہوگیا ہو۔ میں تجھے اپنے بارے میں بتاؤں گا۔ تو بے فکر رہ۔ یہاں تیرے لیے دنیا کی ہر چیز موجود ہے۔ زندگی کے سارے عیش' کیا سمجھا۔ میں تجھے پہلے اپنے بارے میں بتاؤں گا اور پھر اس کے بعد تجھ سے پوچھوں گا کہ اب بول کیا چاہتا ہے۔'' نجانے کیوں منگل کو بھی یہ آدمی اچھا لگ رہا تھا۔ یہاں اس کی بڑی خاطر مدارات کی جا رہی تھیں۔ رات کو غار میں جب اپنے بستر پر وہ سونے کیلئے لیٹا تو اس کے ذہن میں بہت سے سہانے خواب جاگ رہے تھے۔ نہ اسے باپ کی موت کا کوئی خاص رنج تھا نہ اپنی بستی چھوڑنے کا۔ وہ تو ان بندوقوں اور گولیوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جنہیں وہ خود اپنے ہاتھوں سے چلائے گا۔

☆......☆......☆

عیش و عشرت میں دن گزرتے تھے۔ صبح ہوتی تھی' شام ہوتی تھی۔ پھر ایک دن ڈاکوؤں کا گروہ کسی مہم پر نکلا تو منگل نے اپنی آنکھوں سے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر گھوڑے سواروں کو بندوقوں سے مسلح گھڑ دوڑاتے ہوئے دیکھا تھا اور اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''کتنا اچھا لگتا ہوگا ان لوگوں کو جب یہ گھوڑوں پر جاتے ہیں اور کسی بستی پر حملہ کرتے ہیں یا ریل پر گولیاں چلاتے ہیں۔ بہت ہی مزہ آتا ہوگا انہیں۔''

''ہاں بہت ہی مزہ آتا ہے انہیں اور تم جب خود بھی انہی کی طرح گولیاں چلاؤ گے تو دیکھو گے کہ زندگی کتنی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ بات اصل میں یہ ہے بیٹے کہ اگر تم دنیا کو نہیں مارو گے تو دنیا تمہیں مار دے گی۔ یہی دنیا کا اصول ہے۔'' منگل نے گھوم کر دیکھا وہ بھی ایک عمر رسیدہ آدمی تھا۔ اس نے اپنی روشن آنکھوں سے منگل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا نام دیپا ہے اور میں بھی شیر دل کا ساتھی ہوں۔ سردار شیر دل تمہاری بڑی تعریفیں کر رہا تھا اور مجھے لگتا بھی ہے کہ تم سردار کے صحیح جانشین ثابت ہو گے۔'' منگل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیپا نے کہا۔

''آؤ میں تمہیں پورا اڈا دکھاتا ہوں۔ ہماری ایک ٹولی ایک بستی لوٹنے گئی ہے اور دوسری ٹولی یہاں موجود ہے۔ وہ لوگ لوٹ مار کر کے واپس آ جائیں گے تو ہمارے پاس دولت کے انبار لگ جائیں گے۔'' دیپا کے ان الفاظ پر منگل ایک دم چونک پڑا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر دیپا کو دیکھا اور بولا۔

''دولت؟''

''ہاں! کیا سمجھتے ہو تم؟ اس دنیا میں دولت کے بغیر کچھ بھی نہیں رہ جاتا.....''

''میں جانتا ہوں میرا باپ بھی یہی کہا کرتا تھا لیکن دولت......''

''ہاں ہم لوگ دولت کے انبار جمع کر رہے ہیں۔ کبھی سردار شیر دل سے بات کرنا وہ تمہیں اپنی دولت کے ذخیرے دکھائے گا تو تم حیران رہ جاؤ گے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ڈاکے ڈالنے سے دولت ملتی ہے۔''

''تو اور کیا ہوتا ہے؟ ہم لوٹتے کیا ہیں دولت کے سوا؟ سونا' چاندی' ہیرے جواہرات' زیورات' نوٹ' اشرفیاں یہی بس ہمارا مقصد ہوتی ہیں۔''

''کیا میں ڈاکو بن سکتا ہوں؟'' اچانک ہی منگل نے سوال کیا اور دیپا ہنس پڑا۔

''ہاں کیوں نہیں' کیوں نہیں بن سکتے؟''

''تو پھر سمجھ لو کہ میں ڈاکو بنوں گا......'' منگل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور دیپا خوب ہنسا۔ پھر اس نے کہا۔

''کیا نام ہے تمہارا منگل نا؟''

''ہاں۔''

''نجانے کیوں مجھے اس بات کا یقین ہو رہا ہے کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ڈاکو منگل کا نام ان علاقوں کے درودیوار کو لرزا دے گا۔'' شیر دل رات کے کسی حصے میں واپس آیا تھا۔ اس کی واپسی کا منگل کو کوئی پتہ نہیں چلا تھا کیونکہ وہ سو گیا تھا۔ دوسرے دن دوپہر تک بھی شیر دل سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ شام کو چار بجے کا وقت تھا جب شیر دل مسکراتا ہوا خود اس کے غار میں آ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے منگل؟''

''آپ آ گئے سردار؟'' منگل نے کہا تو شیر دل ہنس پڑا پھر بولا۔

''تمہاری زبان سے لفظ سردار سن کر مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ ہاں میں واپس آ گیا۔ کیا تم میرا انتظار کر رہے تھے؟''

''ہاں......''

''تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

''بالکل نہیں......''

''ٹھیک...... ہو گی بھی نہیں۔''

''سردار میں ڈاکو بننا چاہتا ہوں۔'' منگل نے کہا اور شیر دل کے منہ سے قہقہہ نکل گیا۔

''وہ تو تم بن چکے ہو......''

''کیسے؟'' منگل نے سوال کیا۔

''یہاں میرے پاس آ کر......''

''ابھی کہاں' ابھی تو مجھے گولی چلانا بھی نہیں آتا۔''

''دیپا مجھے بتا رہا تھا کہ تمہاری اس سے بات چیت ہوئی ہے اور تم نے اس سے بھی

اسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ وہ بہت بڑا نشانے باز ہے اور وہ تمہیں بھی نشانے بازی سکھائے گا۔ میرے بارے میں کچھ بتایا اس نے؟''

''نہیں۔''

''میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔ میرا باپ بہت بڑا زمیندار تھا۔ لمبی چوڑی زمینیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور میں اس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ چھ بہنیں تھیں میری اور ان چھ بہنوں کا میں اکیلا بھائی تھا۔ بڑے لاڈ اٹھائے جاتے تھے میرے۔ میری ہر خواہش پر سب کو سر جھکانا پڑتا تھا۔ اس عمل نے مجھے بڑا سرکش کر دیا اور میں برائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ میری عمر سترہ سال تھی جب میں نے ایک لڑکی کو قتل کیا۔ وہ بہت خوبصورت تھی اور اس نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اس کی لاش کو ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا۔ مجھے جب بھی رقم کی ضرورت ہوتی میں کسی نہ کسی سے چھین لیا کرتا تھا۔ زیادہ تر یہ میرے باپ کے ملازم ہوتے تھے یا پھر بستی کے وہ دکاندار جو اپنا کاروبار کرتے تھے۔ میں سرعام ان سے ان کی رقمیں چھین لیا کرتا تھا۔ مجھے جواء کھیلنے کی عادت پڑ چکی تھی۔ میرے باپ نے انتہائی کوشش کی کہ میں تعلیم حاصل کر لوں لیکن ایک سکول ماسٹر میرے ہاتھوں شدید زخمی ہوا تو میرے باپ نے مجھے وہاں سے ہٹا لیا۔ پھر میں نے سکول ہی کے ایک لڑکے کو بھی قتل کر دیا اور اس طرح میرے پہلے قتل کا راز بھی کھل گیا لیکن پولیس ہمارے ہاں آنے سے کتراتی تھی کیونکہ میرے باپ نے دو تین تھانیدار غائب کرائے تھے اور ان کا نام و نشان نہیں ملا تھا۔ میرے باپ کے اندر اتنی طاقت تھی کہ وہ سارے معاملات دباتے رہتے تھے۔ لیکن بہرحال وہ مجھ سے خوش نہیں تھے اور زیادہ تر میرا ان سے اختلاف رہتا تھا۔ لیکن میری ماں بہت اچھی تھی۔ وہ ہر طرح سے میرا ساتھ دیتی تھی۔ میں دنیا کی ہر برائی کرتا تھا لیکن ماں کے علم میں لا کر۔ شراب اور جواء میرے لیے آسان سی چیز تھی۔ اس کے علاوہ میرے ساتھ میرے کچھ ایسے دوست شامل ہو گئے تھے جو میرے بل پر عیش کرتے تھے۔ دولت کی میری نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ کیونکہ میرے باپ کے پاس بڑی دولت تھی۔ بہرحال اس دولت کے بل پر حسین سے حسین لڑکیاں میرے پاس آتی رہیں۔ مجھے ایسے لوگوں کا ساتھ مل گیا تھا جو دنیا کا ہر برا کام کرنا جانتے تھے۔ بات اصل میں صرف برائی کی نہیں تھی مجھے اس کام میں جو دلکشی محسوس ہوتی تھی وہ میرے لیے بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن میں اپنے باپ کی عزت بھی کرتا تھا اور ماں کی بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ باپ تو مجھ سے ہمیشہ ناراض ہی رہتا تھا۔ کتنی ہی بار وہ ماں سے میرے بارے میں کہہ چکا تھا کہ تم دیکھ لینا شہریار ایک دن کیا بن جائے گا اور بہت ہی نقصان اٹھائے گا۔ وہ اپنی بری صحبت کے ہاتھوں۔''

''شہریار...... کون شہریار؟'' منگل نے فوراً ہی سوال کیا اور شیر دل مسکرا اٹھا پھر بولا۔

''میرا اصل نام شہریار ہی ہے۔ شیر دل مجھے کسی اور نے کہا تھا۔ بہرحال میں زندگی کے ان راستوں پر آگے بڑھتا رہا۔ میرے ہاتھوں کئی اور قتل ہوئے کسی کی جان لے لینا میرے لیے اب کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں تھا بھی بے پناہ طاقتور۔ پھر ایک دن میرے ایک دوست نے مجھ پر انکشاف کیا کہ درحقیقت وہ ڈاکوؤں کا ساتھی ہے اور ڈاکوؤں کے گروہ میں کام کرتا ہے۔ دیپا ایک لمبا چوڑا آدمی تھا۔ طاقتور اور خطرناک لیکن میرا بچپن کا دوست۔''

''یہ وہی شخص تو نہیں ہے جس کے بارے میں ابھی تم نے بتایا تھا کہ اس نے تمہیں میری بات بتائی تھیں۔''

''ہاں' وہی دیپا ہے۔ بہرحال دیپا ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل تھا۔ درجنا کا گروہ بڑا مشہور تھا۔ میں نے کئی بار ڈاکو درجنا کی کہانیاں سنی تھیں۔ بڑا دلیر ہے' بڑا سنگدل ہے' بہت ہی خطرناک ہے۔ نجانے کیوں مجھے اس کی شخصیت میں ایک دل کشی کا احساس ہوتا تھا لیکن دیپا نے جو انکشاف کیا وہ بڑا سنسنی خیز تھا۔ اس نے بتایا کہ درجنا آج میرے باپ کی حویلی میر ڈاکہ ڈالنے کیلئے آ رہا ہے اور اسے بھی اس کے ساتھ اس ڈاکے میں شریک ہونا پڑے گا۔ میں یہ بات سن کر حیران رہ گیا تھا۔ پہلے تو میں نے دیپا کی بات پر یقین ہی نہ کیا لیکن جب اس نے قسمیں کھا کر بتایا کہ یار آج صورتحال کافی خراب ہے۔ وہ خود تو اس ڈاکے میں حصہ نہیں لے گا اور چھپ جائے گا لیکن درجنا حویلی کو ضرور لوٹ لے گا۔''

''وہ حویلی نہیں لوٹ سکے گا۔'' میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر میں نے اپنے ساتھیوں کو تیار کیا کہ ہم درجنا کا خفیہ مورچے بنا کر مقابلے کریں گے۔ دیپا سے میں نے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اپنی جان بچانا چاہتا ہے تو بے شک درجنا کے ساتھ یہاں پر آئے اور کہیں چھپ جائے ورنہ اس کی زندگی بچنا مشکل ہو جائے گی۔ دیپا نے وعدہ کر لیا تھا۔ پھر آدھی رات کے قریب درجنا گھوڑے پر سوار ہو کر ڈاکہ ڈالنے کیلئے حویلی آیا لیکن ہم سب تیار تھے۔ میرے باپ کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ آج کی رات اس کیلئے کیسی قیامت خیز ہو سکتی ہے۔ درجنا نے بھرپور طریقے سے حویلی پر حملہ کیا تھا لیکن ہر جگہ اس کا مقابلہ گولیوں سے کیا گیا اور ہم نے اس کے بیشمار ساتھی مار ڈالے۔ گھوڑے زخمی کر دیئے۔ درجنا کو بدترین شکست سے دوچار ہو کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ ساری بستی جاگ گئی تھی۔ ساری بستی میں خوف و دہشت کا راج تھا۔ لیکن جب ڈاکو اس طرح سے بھاگے تو بستی کا ہر چراغ روشن ہو گیا۔ ہر گھر میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔ درجنا نے ان علاقوں میں بڑی تباہی پھیلا رکھی تھی۔ اس کا کوئی بھی ڈاکہ ناکام نہیں ہوتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اسے بہت سی لاشیں چھوڑ کر یہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ خود میرے والد

شدید حیران تھے لیکن پھر انہوں نے میرے ہاتھ میں رائفل اور میرے ساتھیوں کو قریب دیکھا تو حیرانی سے منہ کھول کر رہ گئے۔ بستی میں شور مچ گیا تھا اور میری بہادری کے گیت ہر طرف گائے جا رہے تھے۔ تب میرے باپ کو احساس ہوا کہ اس کا بیٹا کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ یہ بہت بڑا معرکہ سرانجام دیا تھا میں نے۔ ورنہ میں مزاحمت کرنے والوں کو درجنا کبھی زندہ نہیں چھوڑتا تھا۔ یہاں تو ہم لوگ شاندار طریقے سے کامیاب ہو گئے لیکن ادھر درجنا کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ دیپا اسی بستی کا رہنے والا اور زمیندار کے بیٹے کا دوست ہے تو اس نے انتقام کے طور پر دیپا کو گرفتار کر لیا اور پھر اسے اپنی دانست میں جان سے مار کر پھینک دیا۔ لیکن دیپا زندہ بچ گیا پھر جب مجھے اس کے بارے میں علم ہوا تو میں نے درجنا سے دیپا کا انتقام لینے کی قسم کھائی اور دیپا ہی کے ساتھ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ہم دونوں کئی دنوں تک جنگل اور سنسان راستوں کی خاک چھاننے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے۔ دیپا کو درجنا کے ٹھکانوں کا پتہ تھا لیکن درجنا کو اس کے ٹھکانوں پر جا کے نہیں مارا جا سکتا تھا۔ بہرحال اس کے بعد ہم ایک گاؤں کے قریب رات گزارنے کیلئے ٹھہرے تو درجنا نے اسی رات اس گاؤں پر حملہ کیا۔ خوب قتل و غارت ہوئی۔ خوب لوٹ مار ہوئی لیکن جب وہ گاؤں میں لوٹ مار کر کے واپس جانے لگا تو میں نے بڑی ہوشیاری سے اس کا پیچھا کر کے اس کا ٹھکانہ معلوم کر لیا اور اس کے بعد میں وہیں پوشیدہ ہو گیا۔ دیپا کی حالت حالانکہ کافی خراب تھی۔ وہ بار بار میری خوشامد کر رہا تھا کہ میں درجنا سے ٹکرانے کا خیال ترک کر دوں لیکن میں ایسا نہیں کر سکا تھا۔ پھر دو تین دن کے بعد درجنا کے کچھ آدمیوں نے مجھے دیکھ لیا اور چاروں طرف سے گھیر کر مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن ان میں سے تین آدمی میرے ہاتھوں سے مارے گئے اور دو شدید زخمی ہو گئے۔ میں نے بڑی دلیری سے ان سے مقابلہ کیا تھا لیکن مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ درجنا مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے اور میری اس کاوش کو دیکھ رہا ہے۔ وہ خود بھی بہادر تھا۔ چنانچہ میری بہادری سے وہ بہت خوش ہوا اور اس کے بعد وہ مجھے اپنے ٹھکانے پر لے گیا۔ میں نے اسے تفصیل نہیں بتائی بلکہ ایک خوبصورت سی کہانی گھڑ کر سنا دی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں محبت کا مارا ہوں۔ ایک لڑکی سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں لیکن اس لڑکی کو حاصل کرنے کیلئے مجھے دولت چاہیے۔ لڑکی کے باپ کا کہنا ہے کہ وہ بہت سے سونے کے عوض اس لڑکی سے میری شادی کرے گا۔ سونے کا حصول میرے لیے کسی طور ممکن نہیں۔ چنانچہ ایک سادھو کے کہنے پر میں پارس پتھر کی تلاش میں نکلا ہوں۔ درجنا میری یہ کہانی سن کر خوب ہنسا اور پھر اس نے کہا۔

''بیٹا پارس پتھر تو انسان خود ہے۔ سونا اس کے بازوؤں سے نکلتا ہے جب بھی وہ ہمت کرے سونے کے ڈھیر اس کے قدموں میں لگ جاتے ہیں۔ دولت کیا چیز ہے؟ میں تجھے

دکھاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ مجھے اپنے خزانے پر لے گیا جو ایک غار میں محفوظ تھا۔ دولت کے اتنے انبار دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی تھی۔ میں نے اداکاری کرتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ مجھے سونا دے تو درجنا نے انکار کر دیا۔

''نہیں...... جو کچھ حاصل کرنا ہے اپنے بازوؤں کی قوت سے حاصل کرو۔ کسی کی چیز لے کر زندگی کو نہیں بنایا جا سکتا۔ کل جب یہ سونا اس شخص کے پاس پہنچ جائے گا اور تو اپنی منزل پا لے گا تو پھر تجھے کیا حاصل ہوگا؟''

''مطلب میں سمجھا نہیں، درجنا سنگھ......''

''سیدھی، سیدھی بات ہے مکھن سمجھنے کی کوشش کر۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ تم نے مجھے اپنا یہ خزانہ دکھایا کیوں ہے؟''

''یہ بتانے کیلئے کہ میرے پاس کتنا خزانہ ہے۔''

''مجھے کیوں بتانا چاہتے تھے؟''

''بس، تجھ سے پیار جو ہو گیا ہے۔''

''اور اس کے ساتھ ساتھ ہی تم یہ کہتے ہو کہ تم مجھے اس میں سے کچھ نہیں دے سکتے۔''

''ہاں پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔''

''اسی کو پیار کہتے ہیں؟''

''ہاں اسی کو پیار کہتے ہیں۔''

''تعجب ہے۔''

''نہیں تعجب کی بات نہیں ہے۔ بات وہی ہو جاتی ہے۔ میں تجھے مفت خور نہیں بنا چاہتا۔ ڈاکو بن اور سونے کے انبار لگا لے۔ سنسار میں کوئی کام آسان نہیں ہوتا۔''

اس خطرناک آدمی کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ درحقیقت میرے سامنے بیش بہا زیورات بکھرے پڑے تھے لیکن میں سیر چشم انسان تھا ان زیورات کی میری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ کیا کرنا تھا مجھے ان بے حقیقت چیزوں کا۔ لیکن میں نے ایک ایسے انسان کی کہانی سنائی تھی جسے سونے کی ضرورت تھی۔ اس لیے میں نے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کر لئے جیسے اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر میرے حواس جواب دے گئے ہوں۔ میں بت کی مانند ساکت رہ گیا تھا۔

''ہوش کھونے کی ضرورت نہیں ہے مکھن۔ تیری عمر اتنی چھوٹی ہے کہ میں تجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی دنیا دیکھا ہوا آدمی ہوتا تو سالے کی گردن مروڑ کر انہی زیورات میں دفن

کر دیتا۔ ویسے تیرے بازوؤں کے سامنے سونے کے یہ چمکدار ڈھیر کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ دیکھ تو اگر لونڈیا کو اٹھا کر لے آئے تو پھر پرتھوی راج کہلائے گا اور اگر تو نے لالچی بوڑھے کی شرط پوری کر دی بس تو تیری حیثیت ایک تاجر سے زیادہ کچھ نہیں ہوگی۔''

''درجن لال میں تم سے کہہ چکا ہوں میں نے اسے سونے کا وچن دیا ہے۔''

''وچن دیا ہے۔'' درجنا نے پرخیال انداز میں کہا۔

''ہاں۔''

''وچن پورا کرنا بہت اچھی بات ہے میری جان! مگر ایسے لوگوں سے جو غیرت مند ہوں۔ تو نے اس بنیے کو وچن دیا ہے خیر میں تجھے منع نہیں کرتا۔ تیرے من میں کوئی بات ہے۔''

''کیسی بات۔''

''کہاں سے حاصل کرے گا سونا۔''

''ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

''ابے جان ہے تو مجھ سے لڑ۔ دوسرا کوئی نہیں بولے گا اگر مجھے ہرا دیا تو جو کچھ تو لے جائے گا منع نہیں کروں گا۔''

درجنا نے کہا...... درحقیقت ابھی عمر بہت سے تجربات سے ناآشنا تھی۔ میں نے خونخوار نگاہوں سے درجنا کو دیکھا اور بھاری آواز میں کہا۔

''مجھے منظور ہے۔''

''ارے واہ...... کیا یہ تیرے باپ کا مال ہے۔ میں نے اپنی محنت سے حاصل کیا ہے اگر تو نے مجھے ہرا دیا اور یہاں سے کچھ لے بھاگا تو پھر درجنا ڈاکو میں اور تجھ میں کیا فرق رہ جائے گا۔''

''مجھے بہرحال سونے کی ضرورت ہے درجنا۔''

''دیکھ جیالے! بھگوان کی سوگند! ہم برے لوگ بھگوان کے ساتھ کوئی مذاق نہیں کرتے۔ جب ہم بھگوان کی سوگند کھاتے ہیں تو ہمارے من میں سچ ہی سچ ہوتا ہے۔ بھگوان کی سوگند اگر تیری ضرورت پوری ہو جائے تو میں تجھے یہ سارا خزانہ دینے کو تیار ہوں مگر من نہیں کرتا۔ تیرے جیسے نوجوان کو حرام خور بنانا پاپ ہے۔ میری بات مان میری جان تو خود اپنے بازوؤں کی قوت سے یہ سونا حاصل کر۔'' درجنا نے کہا۔

''میں بھی تجھ سے بھیک مانگنا نہیں چاہتا درجنا۔ لیکن میں کیا کروں۔''

''میرے ساتھ ڈاکے پر چل صرف ایک بار...... اور اس کے بعد تجھے تیرا سونا دے دوں گا اور تو یہاں سے چلا جانا پھر اپنی پریمیکا کو لے کر اگر تیرا من کرے تو میرے پاس آ

جانا۔ میں تجھے اور تیری پتنی کو عزت دوں گا۔"

"ہوں۔" میں نے گردن جھکا لی۔ چند سیکنڈ سوچتا رہا اور پھر میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"مجھے منظور ہے۔"

"ہے نا شیر ٹماٹر بھگوان کی سوگند مجھے تیرے اندر نجانے کیا نظر آ رہا ہے۔ کیسے بتاؤں اب آ جا۔" درجنا نے کہا اور میں اس کے ساتھ خزانے سے باہر نکل آیا۔

درجنا میرے ساتھ چل رہا تھا۔ پھر وہ مجھے ایک اور غار میں لے آیا۔ یہ اس کی اپنی رہائش گاہ تھی۔ اس نے مجھے احترام سے بٹھا دیا اور پھر گرجا۔

"کوئی ہے...... اندر آؤ......" اور دو آدمی اندر آ گئے۔

"رات کا کھانا یہ میرے ساتھ کھائے گا۔ جانکی کو بھجوا دو۔" اس نے حکم دیا اور دونوں آدمی سر جھکا کر باہر نکل گئے۔

"آرام سے بیٹھ ٹماٹر...... اب باتیں کریں گے۔" وہ بولا اور میں نے جوتے اتار دیئے۔

"منہ ہاتھ دھونا ہو تو اندر چلا جا۔" اس نے ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ دوسری طرف پانی وغیرہ کا معقول انتظام تھا۔ میں نے منہ ہاتھ دھویا اور خاصہ تازہ دم ہو گیا۔ باہر کسی نے درجنا کے سامنے حقہ بھر کر رکھ دیا تھا اور وہ حقہ گڑگڑا رہا تھا۔

"دارو پیتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"ہائے کنوارا ہے ابھی۔ ویسے ایک لونڈیا کو سر سے نہ باندھ! جیون بھر کا روگ بن جاتی ہے۔ پھر سالے بچے پیدا کرتا رہے گا اور کسی کام کا نہیں رہے گا۔"

"نہیں سردار! میں اس سے پریم کرتا ہوں۔"

"ہاں...... پریم بری شے ہوتی ہے پیارے اور اچھا ہی ہے بری باتوں سے بچا رہے لیکن اگر تو چاہے تیرا من کرے تو عیش کر سکتا ہے کیا سمجھا؟"

"کچھ نہیں سمجھا سردار!"

"سمجھاؤ اسے۔" درجنا نے پھر کہا اور اچانک غار میں موسیقی پھیل گئی۔ ڈھول، طبلہ ہارمونیم، گھنگھرو میں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ سوراخوں سے دو لڑکیاں نکل پڑیں۔ انتہائی خوبصورت لباس، پیروں میں گھنگھرو، خود بھی کافی خوبصورت تھیں اور پھر انہوں نے رقص شروع کر دیا۔

سازوں کی آوازیں سوراخوں سے ہی آ رہی تھیں۔ دونوں لڑکیوں نے عجیب سا سماں باندھ دیا۔ میں نے بہت سے مجرے دیکھے تھے لیکن یہ لطف نہیں آیا تھا۔ درجنا میرے اوپر انعامات نچھاور کر کے انہیں دیتا رہا اور جھوم جھوم کر دونوں لڑکیاں رقص کرتی رہیں۔ میرے سامنے تازہ پھل لا کر رکھ دیئے گئے تھے۔

کافی دیر تک رقص جاری رہا۔ باہر شاید گہری رات ہو گئی تھی۔ بہرحال ان غاروں میں کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا اور پھر کافی رات گزر گئی اور درجنا نے ہاتھ اٹھا لیا۔

"بس...... اب بھوک لگ رہی ہے۔" وہ غرایا اور ساز بند ہو گئے...... رقاصاؤں نے ہاتھ جوڑے اور سوراخوں میں واپس چلی گئیں اور پھر کھانے کا بندوبست ہونے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد مختلف کھانوں کے انبار لگا دیئے گئے اور درجنا نے مسکراتے ہوئے مجھے دعوت دے ڈالی۔ میں نے کوئی تکلف نہیں کیا۔ ظاہر ہے یہاں رہنا تھا۔ کام کرنا تھا۔ اس لیے کسی قسم کے تکلف کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم کھانے سے فارغ ہو گئے اور پھر درجنا نے اپنا غار چھوڑ دیا۔ وہ دوسرے بڑے ہال میں آ گیا جہاں دوسرے لوگ موجود تھے اور مختلف مشاغل میں مصروف تھے۔ شاید اس وقت درجنا کی طرف سے انہیں اجازت تھی کہ اپنے رنگ میں رہیں۔ بہرحال احترام یا خوف کی ہلکی سی فضا ضرور پیدا ہو گئی تھی لیکن لوگ تفریحات میں مشغول تھے۔ ایک بار پھر سازندے آئے۔ ان کے ساتھ خوبصورت عورتیں بھی تھیں۔ رقص کے ساتھ آواز بھی تھی اور بلاشبہ درجنا کو غزلوں کا خوب ذوق تھا۔ خوبصورت آواز میں گانے والیاں گاتی رہیں اور درجنا انہیں بیش بہا انعامات سے نوازتا رہا۔ رات گئے تک یہ محفل جمی رہی۔ تب درجنا نے میری طرف جھک کر کہا۔

"تھک گیا مکھن۔ کیا خیال ہے نیند آ رہی ہے۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا اور درجنا نے ہاتھ بلند کر دیا۔ ساز رک گئے اور رقص کرنے والیاں تھم گئیں اور پھر درجنا اٹھ گیا۔ غاروں کا یہ انتظام خوب تھا۔ میری خواب گاہ مجھے دکھا دی گئی اور میں شاندار خواب گاہ میں داخل ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔

اور پھر میرے ذہن میں کھچڑی پکنے لگی۔ درجنا نے مجھے اپنے درمیان شامل کر لیا ہے۔ بلاشبہ اس نے ابھی تک میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا لیکن میں اپنا مقصد تو فراموش نہیں کروں گا۔ میں درجنا سے دیپا کا انتقام لینے آیا ہوں۔ انتقام ضرور لوں گا لیکن میرے ذہن میں دو راستے تھے اول تو یہ کہ پولیس کو اس گروہ کے ٹھکانے کی اطلاع دے دوں۔ دوم یہ کہ خود درجنا سے مقابلہ کروں۔ ویسے میں اس سے مرعوب ضرور تھا لیکن خوفزدہ نہیں تھا۔ کافی دیر تک جاگنے کے بعد میں نے بالآخر فیصلہ کیا کہ گروہ کی نشاندہی ایک مذموم فعل ہے۔ یہ بزدلی بھی ہو

گی کیونکہ اگر یہ لوگ مجھے ان غاروں میں نہ لاتے تو مجھے ان کے بارے میں اس قدر تفصیلات نہ معلوم ہوتیں۔ ان کے درمیان گھس کر اگر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تو قابل عزت بات نہیں تھی۔ میری دشمنی ضرور درجنا سے تھی اور پھر آئندہ پروگرام کیلئے میرے ذہن میں خاکہ مرتب ہوگیا پھر میں سکون سے سوگیا۔

دوسری صبح آنکھ کھلی۔ حالات معمول پر تھے۔ غاروں کے دن رات کا کوئی اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا۔ ناشتے پر درجنا پھر میرے ساتھ تھا اور حسب معمول مہربانی سے پیش آرہا تھا۔

''میں نے نیا پروگرام طے کرلیا ہے لیکن...... آج رات...... ہم پہاڑوں میں نہیں گزاریں گے۔''

''اوہ۔'' میں نے گردن ہلائی۔''

''تجھے اعتراض تو نہیں ہے؟''

''نہیں......'' میں نے مختصر جواب دیا۔

''اوہ...... جیو...... جیو...... یار...... نجانے کیوں میں تیرے بارے میں سپنے دیکھنے لگا ہوں۔''

''کیسے سپنے درجنا۔'' میں نے پوچھا۔

''بڑے بڑے...... تیرے انداز...... تیرے جوہر بتاتے ہیں ٹماٹر! کہ درجنا کے بعد تو ہی اس کا جانشین ہوگا۔ یہاں اتنے سارے ہیں۔ ایک سے ایک طاقتور' ایک سے ایک سورما مگر کسی میں وہ بات نہیں جو تجھ میں ہے۔ میری جان تیرا اور اس گروہ کا مستقبل شاندار ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ درجنا کی آنکھیں خوابوں میں ڈوب گئیں اور کئی سیکنڈ کھوئے رہنے کے بعد وہ بولا۔

''کیا نام بتایا تھا تو نے اپنا لکھن...... پورنا' واہ کیا نام ہے میری جان' جس وقت تیرا نام گونجے گا' پورنا اس وقت بھگوان کی سوگند...... لوگ درجنا کو بھول جائیں گے۔''

میں خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ نجانے کیسا انسان تھا۔ باتیں ایسی کرتا تھا کہ ذہن متاثر ہوتا تھا لیکن بہرحال میں دشمنی نہیں بھول سکتا۔ میں نہیں بھول سکتا تھا کہ میں نے اس سے انتقام لینے کیلئے طویل عرصے تک صحرا گردی کی ہے۔ کافی دیر تک درجنا باتیں کرتا رہا۔ پھر بولا۔

''اچھا میری جان! اب تھوڑی دیر تک آرام کرو اس کے بعد نشانہ بازی کی مشق کرنے چلیں گے۔'' اور پھر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔

''میں تنہائی میں درجنا کے بارے میں سوچتا رہا اور اپنے پروگرام پر غور کرتا رہا۔ کچھ

بھی ہو میں اپنے پروگرام میں تبدیلی نہیں کرسکتا تھا۔ میں درجنا کو معاف نہیں کرسکتا تھا۔ بس ایک ضد تھی اور میں ہر قیمت پر اسے پورا کرنا چاہتا تھا۔ نشانہ بازی کی مشق دوپہر کے کھانے کے بعد کی گئی اور میں نے نہایت مشاقی سے نشانے لگائے۔ درجنا نے جوش مسرت سے مجھے بری طرح بھینچ لیا تھا۔ وہ خوشی سے نعرے لگا رہا تھا۔ کئی دفعہ اس نے پورنا کی جے کے نعرے لگائے۔

''اے ٹماٹر۔ بلیدان ہو جاؤں تجھ پر۔ کہاں پیدا ہوا تھا' کس نے جنا تھا تجھے؟ بھگوان کی سوگند اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے بیس سال پہلے شادی کیوں نہ کرلی۔ اگر شادی کر کے تجھ جیسا ایک لونڈا پیدا کرلیتا تو آج میرا سر کس قدر اونچا ہوتا۔ مگر کسی اور نے تجھے پیدا کر دیا۔ جیون رہا لکھن تو ایک بار تیرے پتا سے ضرور ملوں گا۔ یقیناً وہ بھی جیالا ہوگا کیونکہ بزدل باپ ایسا جیالا سپوت نہیں پیدا کرسکتا۔

اور میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے باپ کے بارے میں تفصیل نہیں پوچھ لی۔ ورنہ خاصی مشکلات پیش آجاتیں۔ نشانہ بازی کی مشق کافی دیر تک جاری رہی۔ شام جھک آئی تھی۔ ہم واپس غاروں میں آگئے اور پھر رات کے پروگرام کی تیاریاں ہونے لگیں۔

''جگت پور رات کو تقریباً گیارہ بجے۔'' درجنا نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا۔ یہ ٹھاکر جگت سنگھ کی بستی ہے۔ ٹھاکر کو مرے ہوئے تو بہت سمے بیت گیا۔ اب اس کا پوتا بلرام سنگھ جگت پور کا مالک ہے۔ سنا ہے بڑی دولت کمائی ہے اور بڑا ہی مغرور ہے۔ ہم آج اسے کنگال کریں گے اور بلرام سنگھ کا مان توڑیں گے۔

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ میں بھی اپنے مخصوص گھوڑے پر سوار تھا۔

''تیرا نیا نیا کام ہے پورنا اس لیے زیادہ بہادری مت دکھانا۔ اپنوں سے دور جانے کی کوشش مت کرنا۔ حملے کی اور واپسی کی سیٹیوں کے بارے میں میں نے تجھے بتا ہی دیا ہے۔''

''بالکل۔'' میں نے جواب دیا۔ تب درجنا لال مجھے ساتھ لے کر آگے بڑھ آیا اور پھر رات کے راہی درجنا کی قیادت میں گھوڑے دوڑانے لگے۔ گھوڑوں کی رفتار کافی تیز تھی۔ ڈاکوؤں کے انداز میں کافی وحشت تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ سارے راستے ان کے جانے پہچانے تھے جبکہ میرے لیے یہ راستے اجنبی تھے۔

گھوڑا دوڑاتے ہوئے میرے ذہن میں مختلف خیالات آرہے تھے۔ بڑی عجیب سی کیفیات محسوس کر رہا تھا۔ میں ایک ڈاکو کی حیثیت سے ڈاکہ ڈالنے جارہا تھا۔ ممکن ہے وہاں بھی کوئی شہریار استقبال کیلئے تیار ہو۔ بہرحال فیصلہ زیادہ دور نہیں تھا۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا اس

کیلئے طویل انتظار نہیں کرنا پڑتا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم مطلوبہ بستی پہنچ گئے۔ بستی کے باہر چند ساعت رک کے چاروں طرف تاریکی تھی۔ دور سے کتوں کے رونے کی آوازیں ابھر رہی تھیں اور پھر ایک خوفناک آواز ابھری۔

''درجنا...... بستی والو...... گھروں میں بند ہو جاؤ...... گھروں سے باہر مت نکلنا ورنہ زندگی کھو بیٹھو گے۔ درجنا...... درجنا...... درجنا'' اور اس کے ساتھ ہی ہوائی فائرنگ شروع ہو گئی۔ چاروں طرف خوف کی چیخیں ابھریں۔ دروازوں کے بند ہونے کی آوازیں سنائی دیں۔ بچوں کے رونے کی آوازیں بھی ان آوازوں میں شامل تھیں اور دھماکے ہوتے رہے۔

درجنا نے پہلے صورتحال کا جائزہ لیا پھر وہ ٹھاکر بلرام سنگھ کی حویلی کی طرف بڑھ گیا۔ حویلی سے مقابلہ نہیں کیا گیا تھا۔ درجنا نے دیوار پھلانگی میں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا۔ ہمارے پیچھے ہمارے دوسرے بہت سے ساتھی بھی تھے اور لوٹ مار شروع ہو گئی۔ درجنا نے ٹھاکر بلرام سنگھ کو پکڑ لیا اور اس سے اس کے خزانے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ بلرام سنگھ نے انکار کیا تو درجنا نے اس کے نوجوان بیٹے کو پکڑ لیا اور اس کی کنپٹی پر پستول رکھ دیا۔ محبت کے مارے باپ نے جلدی سے بیٹے کے اوپر خزانہ قربان کر دیا۔ کافی بڑا خزانہ تھا جسے قبضے میں کرنے کے بعد درجنا نے واپسی کی سیٹی بجا دی اور مجھے اشارہ کیا۔

ہم دونوں باہر نکل آئے اور ہمارے گھوڑوں نے باآسانی دیواریں پھلانگ لیں۔ درجنا نے لوٹا ہوا مال اپنے ساتھیوں کے حوالے کیا اور میرے گھوڑے کو تھپکی دی۔ میں بھی حتیٰ المقدور درجنا کے ساتھ لگا رہا تھا اور ہر معاملے میں اس کی مدد کی تھی۔ درجنا بہت خوش تھا۔

ہم نے بستی چھوڑ دی اور درجنا نے گھوڑے کی رفتار سست کر دی۔

''مکھن......'' اس نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا بات ہے درجن لال۔''

''کیا محسوس کر رہے ہو پیارے؟''

''بہت لطف آیا درجنا۔''

''ہاہا...... میں نہ کہتا تھا ٹماٹر...... اب کیا خیال ہے رہے گا میرے پاس؟'' درجنا نے کہا۔

''ہوں...... لیکن اس لڑکی کا کیا ہو گا درجنا۔''

''لڑکی۔'' درجنا نے پرخیال انداز میں کہا۔

''میری مانو مکھن! تو اسے اٹھا لاؤ، لے آؤ ان غاروں میں اور ہاں اگر تم چاہو تو اس

کے باپ کو اس کا مطلوبہ سونا دے دو۔ بس۔''

''جب اٹھا کر ہی لانا ہے درجنا! تو پھر اسے کچھ دینے کی کیا ضرورت ہے؟''

''جیسا تم پسند کرو پورنا۔ مجھے کسی بات میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' درجنا نے جواب دیا اور پھر میں خاموش ہو گیا۔ گھوڑوں کی رفتار بہت سست تھی۔

''مکھن......'' درجنا پھر بولا۔

''ہوں۔''

''کیا سوچا۔ کیا ارادہ ہے میری جان۔''

''میں تیار ہوں ورجن لال۔''

''ارے جیو میری جان! ارے جیو میرے شیر، جیتے رہو۔ شیر جنگل میں ہی دہاڑتا اچھا لگتا ہے۔ میری مان ٹماٹر تو آج ہی اسے اٹھا لا دیر کس بات کی۔''

''تم میرے ساتھ چلو گے۔''

''ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کیوں نہیں چلیں گے؟''

''لیکن میں زیادہ لوگوں کو نہیں لے جاؤں گا درجن لال۔''

''ابے ایک لونڈیا کو اٹھا کر لانا ہے کسی فوج سے جنگ کرنے تو نہیں چل رہے۔ چل میری جان! میں ذرا اپنے آدمیوں سے کہہ دوں۔ ہے کہاں کی رہنے والی۔''

''بستی گورکھ ناتھ۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ...... یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ میں اس پر ہاتھ صاف کر چکا ہوں ٹھہر جا میں ذرا اپنے آدمیوں سے کہہ دوں۔'' درجنا نے کہا اور میں نے گھوڑا روک لیا۔ درجنا نے اپنے آدمیوں کو ہدایات دیں اور واپس میرے پاس آ گیا۔ پھر ہم سست رفتاری سے چل پڑے۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ خوف سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ بہرحال میں اپنے دشمن کو پھانسنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

''دن کی روشنی میں کام کرنے سے ڈرتا نہیں مکھن۔''

''نہیں...... لیکن کیوں؟''

''رات کافی ہو چکی ہے گورکھ ناتھ ہم صبح تک پہنچیں گے۔ تیری وہ پنگھٹ پر تو آتی ہو گی۔''

''ہاں۔''

''بس وہیں سے اٹھا لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا اور ہم چلتے رہے۔

’’تو یقین کر لے پورنا تیرے آ جانے سے میری زندگی بڑھ گئی ہے۔ بڑا پیار ہو گیا ہے سالے تجھ سے۔‘‘ درجنا نے کہا اور میرے بدن میں ہلکی سی تھرتھری پیدا ہوئی لیکن میں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ اس کے بعد خاموشی سے فاصلہ طے ہوتا رہا۔ گھوڑوں کو بہر حال ہم ایک حد کے اندر دوڑا سکتے تھے۔ اس وقت دن کی روشنی پھوٹ پڑی تھی۔ جب ہم ایک ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ دراصل گورکھ ناتھ بستی کا نام میں نے یوں ہی نہیں لے لیا تھا۔ میں اس سے واقف تھا اور یہاں ایک دفعہ پہلے آ چکا تھا۔ اس ندی سے بھی بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ ندی کے کنارے ہم نے گھوڑے روک دیئے۔

’’گھوڑے بہت پیاسے ہیں ورجن لال۔‘‘

’’آؤ انہیں پانی پلائیں۔ خود بھی کمر سیدھی کر لے تھک گیا ہوگا۔‘‘ درجنا نے اپنا گھوڑا روک دیا اور پھر ہم دونوں گھوڑوں سے اتر آئے۔ درجنا نے اپنے گھوڑے کی زین اتاری اور میں نے اپنے گھوڑے کی اور پھر دونوں گھوڑوں کو پانی پر چھوڑ دیا۔ ہم دونوں بھی اپنے بدن کا اسلحہ اتارنے لگے اور اس کے بوجھ سے آزاد ہو گئے اور اب میرے تیور بدل رہے تھے۔ گو دل میں ابھی ذرا سی مروت کی جھجک تھی لیکن بہر حال میں نے درجنا کو پھانسنے کیلئے بڑی محنت کی تھی۔

’’کیا سوچ رہا ہے؟‘‘ درجنا نے پوچھا۔

’’بہت بڑی بات درجنا۔‘‘ میں نے بدلی ہوئی آواز میں کہا جسے درجنا نے محسوس کر لیا۔ اس نے چونک کر میری شکل دیکھی اور حیران رہ گیا۔

’’ابے تجھے کیا ہوا مکھن؟‘‘

’’میں تجھے کچھ ضروری باتوں سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں درجنا۔‘‘ میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

’’تیرے لہجے سے گستاخی ٹپک رہی ہے۔‘‘ درجنا کے خدوخال بھی بدل گئے۔

’’میں تیرا بدترین دشمن ہوں درجنا! اور کان کھول کر سن لے میں تجھے پھانس کر بمشکل تمام یہاں لایا ہوں میں نے تیری تلاش میں طویل عرصہ گزارا ہے۔‘‘ درجنا کا چہرہ سرخ ہو گیا اور پھر وہ ہذیانی انداز میں ہنس پڑا۔

’’پھانس کر لایا ہے مجھے۔‘‘

’’ہاں درجنا۔‘‘

’’تو کیا پولیس نے مجھے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔‘‘ وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

’’پولیس۔‘‘ میں استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

’’پولیس نہیں ہے۔‘‘ درجنا نے پوچھا۔

’’نہیں درجنا پولیس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔‘‘

’’پھر میرے یار تو کون ہے اور تیری مجھ سے کیا دشمنی ہے؟‘‘ درجنا پرسکون ہوتا جارہا تھا لیکن اس کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

میں شہریار ہوں۔ دیپا کا دوست اور وہ جس نے اپنی حویلی پر تیرے آدمیوں کی لاشوں کے انبار لگا دیئے تھے۔ میں وہی ہوں درجنا جس نے اس رات تجھے بدترین شکست دی تھی۔‘‘

’’شہریار۔‘‘

’’ہاں......شہریار خاں۔‘‘

’’مسلمان ہے۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’لیکن میں تو تیری حویلی میں ڈاکے میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔‘‘ درجنا آہستہ سے بولا۔

’’لیکن تو نے میرے دوست دیپا کو مارا تھا۔‘‘

’’اس نے غداری کی تھی۔‘‘ درجنا غرایا۔

’’اس نے دوستی نبھائی تھی۔ وہ میرا دوست تھا۔‘‘

’’تجھے کیسے معلوم ہوا کہ اسے میں نے قتل کیا تھا؟‘‘

’’خود اسی نے مجھے بتایا تھا درجنا۔‘‘

’’تو......تو کیا وہ زندہ ہے۔‘‘

’’ہاں......اور اب ہمیشہ زندہ رہے گا اور میں اسے یہ خوشخبری سناؤں گا کہ میں نے اسے مار دیا ہے جس نے میرے دوست کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔‘‘

’’ہائے مکھن! تیری اپنی اداؤں نے مار ڈالا ہے۔ سالے مسلمان نکلا۔ ابے جھوٹ کیوں بولا تھا تو نے۔‘‘ درجنا نے کہا اور مجھے گھورنے لگا۔

’’میں تمہیں تمہارے ساتھیوں سے دور کرنا چاہتا تھا۔‘‘

’’تاکہ مجھے آسانی سے مارے کیوں؟‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’اور تو نے کسی سے پریم بھی نہیں کرتا۔‘‘

"نہیں۔"

"تبھی سالے اتنا بہادر ہے عورت کے چکر میں پھنس جاتا تو بہادری نام کو نہ رہتی سن تیرا دوست زندہ ہے مرا تو نہیں آ صلح کر لیں تجھے مارتے ہوئے مجھے دکھ ہوگا۔"

"اب تو بزدلی کی باتیں کر رہا ہے درجنا! اگر خوف محسوس کر رہا ہے تو اٹھ' میرے ساتھ چل' دیپا کے قدموں پر گر کر معافی مانگ لے۔ میں وعدہ کرتا ہوں تیری جان بخشی کرا دوں گا۔"

"پورنا" درجنا غرایا۔

"بکواس بند کر پورنا ورنہ میں تجھے جیتا نہ چھوڑوں گا۔ سالے اپنے دوست کیلئے اپنی جان خطرے میں ڈال رہا ہے۔ میرے دل میں تیری اس بات کی عزت ہے ورنہ تیری زبان گدی سے کھینچ کر تیرے دوست کو بھجوا دیتا۔"

"بزدل اب باتوں سے مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ صاف کیوں نہیں کہتا کہ مجھ سے خوفزدہ ہے۔"

میں نے زہریلے لہجے میں کہا اور درجنا نے ہتھیاروں کی طرف چھلانگ لگا دی۔ لیکن میں غافل تو نہیں تھا میں نے اچھل کر اس کی کمر پر زوردار لات رسید کی کہ وہ اوندھے منہ گر پڑا۔ ہتھیار اس کی زد سے باہر تھے لیکن وہ گرتے ہی سیدھا کھڑا ہو گیا تھا اور اب اس کی آنکھوں میں خون ہی خون تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے اور مجھے بھی اپنا لباس تنگ ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ نجانے کہاں سے میرے بدن میں بے پناہ قوت ابھر آئی تھی۔ میرے دل میں خوف کا کوئی احساس نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا تھا اور اچانک اس نے میرے سینے پر زوردار ٹکر ماری۔ میں نے اس کا وار خالی نہیں جانے دیا تھا۔ ٹکر سینے پر جھیل کر میں نے پوری قوت سے اس کے منہ پر گھونسہ جڑ دیا اور اس کی گردن ٹیڑھی ہو گئی۔ دوسرے گھونسے نے اسے زمین دکھا دی تھی۔

درجنا وحشیانہ انداز میں اٹھا اور اس بار پھر اس نے پوری قوت سے حملہ کر کے مجھے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ درحقیقت آہنی گرفت تھی لیکن میری کیفیت اس وقت خود میری سمجھ سے باہر تھی۔ میرا لباس میرے بدن پر تنگ ہو کر پھٹ گیا تھا۔ میں نے اپنے بازوؤں کی قوت سے درجنا کی گرفت توڑ دی اور ایک بار پھر میرے گھونسے نے اسے زمین چٹا دی۔ لیکن اس بار درجنا ہتھیاروں کے پاس گرا تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر رائفل اٹھا لی۔ لیکن میں نے اسے موقع نہ دیا۔ رائفل نال کی طرف سے اس کے ہاتھ میں آئی تھی۔ میں نے اس کی ٹانگ پکڑ لی اور اس نے رائفل لٹھ کی طرح گھما کر میرے کندھے پر ماری۔ لیکن میں نے وار خالی کر دیا اور

پھر وہ رائفل کو لاٹھی کے طور پر استعمال کرنے لگا۔ میں اچھل اچھل کر اس کے وار خالی دے رہا تھا۔ بالآخر ایک بار رائفل میرے کندھے پر لگی اور اسی وقت نجانے کس طرح میرا ہاتھ اس پر جا پڑا۔

دوسرے ہی لمحے رائفل میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے بھی اسے لٹھ کی طرح ہی استعمال کیا۔ درجنا نے میرے وار کو کلائی پر روکا اور پھر اس کی کراہ نکل گئی۔ اس کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ دوسرا وار میں نے اس کے سر پر کیا اور درجنا کا سر کھل گیا۔ سر سے خون کا فوارہ بلند ہوا اور مجھے محسوس ہوا کہ جیسے اس کا سر کئی حصوں میں بٹ گیا ہو۔ اس نے ثابت ہاتھ سے سر پکڑ لیا اور زمین پر گر کر لوٹنے لگا! تب میں نے کئی اور وار اس کے بدن پر کیے اور درجنا کی دہاڑیں گونجتی رہیں۔ اس کا بدن ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا پھر ساکت ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور خون کی چادر پورے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ یقیناً وہ مر چکا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر میں واپس اپنے علاقے کی طرف چل پڑا۔ نجانے کیوں میرا ذہن صاف نہیں تھا۔ میں نے وہ کام پورا کر دیا تھا جس کا عہد کر کے میں چلا تھا لیکن نجانے کیوں میرا دل خوش نہیں تھا۔ اندر سے ایک آواز ابھر رہی تھی۔ ٹھیک نہیں ہوا۔ کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔ بس کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔ بہرحال درجنا مر چکا تھا۔ میرا عہد پورا ہو چکا تھا۔ میں سرخرو ہو کر اپنی بستی کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اتنے دن کی مشقت نے چہرے پر کچھ تبدیلیاں بھی پیدا کر دی تھیں۔ بہرحال میں سب سے پہلے دیپا کی طرف گیا۔ بستی کے کسی فرد نے مجھے نہیں پہچانا تھا۔ میں نے دیپا کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھولنے والا دیپا ہی تھا۔ اسے اپنے قدموں پر کھڑے دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی تھی۔

دیپا نے ایک نگاہ میں مجھے پہچان لیا تھا۔ وہ دوڑ کر میرے گلے لگ گیا۔

"ارے بھیا! یہ کیا حالت بنا لی تم نے؟ کہاں چلے گئے تھے؟ آؤ...... اندر آ جاؤ۔"

دیپا نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اندر گھسیٹ لیا اور پھر مجھے اپنی بیٹھک میں لے گیا۔ بڑے احترام اور پیار سے بٹھایا اور پھر میرے لئے گرم دودھ لے آیا۔ دودھ کا پیالہ وہ میرے ہاتھ میں دے کر میرے سامنے بیٹھ گیا۔

"گھر ہو آئے بھیا! بڑے سرکار تو سخت ناراض ہوئے ہوں گے؟" دیپا نے پوچھا۔

"نہیں ابھی گھر نہیں گیا۔ سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں۔"

"ارے" دیپا گھبرا سا گیا پھر بولا۔

"مگر بھیا! گھر کے لوگ تو سخت پریشان ہیں۔ آپ کے نانا جان اور نانی جان بھی آئے ہوئے ہیں۔ سوار چاروں طرف دوڑے ہوئے ہیں اور آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"

''چلا جاؤں گا اب تم ٹھیک ہو بالکل۔''
''ہاں بھیا! زخم بھر چکے ہیں۔ مگر تم کہاں چلے گئے تھے؟''
''درجنا کی تلاش میں۔'' میں نے جواب دیا۔
''اس۔'' دودھ کا دوسرا پیالہ دیپا کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔
''میں نے تم سے وعدہ کیا تھا دیپا کہ میں درجنا سے تمہارا بدلہ لوں گا۔''
''ارے پھر کیا ہوا بھیا...... کیا درجنا ملا۔'' دیپا سخت ہراساں نظر آ رہا تھا۔
''ہاں...... اس کی لاش جگت پور کی ندی کے پاس پڑی ہوئی ہے۔''
''بھیا......'' دیپا پاگلوں کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔
''یہ...... یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ سب کیسے ہوا؟''
''جگت پور تک کا فاصلہ طے کرو اور جا کر دیکھ لو۔ میں نے اسے خون میں نہلا دیا ہے۔''
''تو نے...... تو نے درجنا کو مار ڈالا۔''
''ہاں دیپا۔'' میں نے آہستہ سے جواب دیا اور دیپا مجھ سے لپٹ گیا۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ بمشکل تمام وہ خود پر قابو پا سکا اور پھر تعجب سے بولا۔
''لیکن کیسے بھیا! مجھے تفصیل تو بتا۔''
''اور میں نے دیپا کو پوری تفصیل بتا دی۔ پوری تفصیل سن کر دیپا فکر مند ہو گیا تھا پھر وہ آہستہ سے بولا۔
''میرے لیے خطرات اور بڑھ گئے بھیا!''
''کیا مطلب......؟''
''ہمیں زمیندار صاحب سے بات کرنا ہوگی۔ بڑے سرکار کو یہ تفصیل بتانا ضروری ہے۔''
''کیا بکواس کرتا ہے میرے والد صاحب کو اس بارے میں پتہ نہیں چلنا چاہئے۔'' میں نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
''مگر بھیا! اس کے جلائے ہوئے ساتھی انتقام ضرور لیں گے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ بستی کو ہی نہ پھونک دیں۔''
''اپنے طور پر ہم کوئی انتظام کر لیں گے دیپا! مگر بڑے سرکار کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم ہونا چاہئے۔'' میں نے کہا اور دیپا کسی خیال میں ڈوب گیا۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

''مگر بھیا...... بھگوان کی سوگند...... تو بڑا ہی جیالا ہے۔'' درجنا جیسے پاپی کو ختم کرنا سان نہیں تھا۔''
''لیکن دیپا...... مجھے اپنا عہد پورا کرنا تھا۔ اسی لیے میں نے اسے مار دیا۔ سچی بات ہے کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرنے لگا تھا۔ اسے مار کر مجھے زیادہ خوشی نہیں ہوئی ہے۔''
''اس میں یہ بات ہے بھیا جو اس کے من کو بھا جائے اس کیلئے موم ہو جاتا ہے۔''
''اچھا دیپا! اب مجھے اجازت دے میں گھر جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا اور پھر میں یپا کے گھر سے نکل آیا۔ اپنی حویلی میں داخل ہوا تو کہرام مچ گیا۔ والدہ صاحبہ' نانا جان اور نانی ان نے وہ واویلا کیا کہ توبہ۔ نجانے کتنے نظر نذرانے دیئے گئے۔ ایک طوفان برپا ہو گیا تھا۔ لد صاحب سنجیدہ تھے۔ ظاہر ہے وہ میری بات سے کیسے خوش ہو سکتے تھے کہ میں بغیر کسی اطلاع ے شکار کھیلنے چلا گیا تھا۔ لیکن دوسرے لوگ میرے اس حق کو تسلیم کرتے تھے۔ آخر کار ایک ے باپ کا بیٹا تھا۔

اس کے بعد میں نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا۔ خفیہ طور پر انہیں بندوقیں دیں اور ت کو خفیہ پہرہ ہونے لگا۔ اب سب پوری طرح چوکنے تھے اور درجنا کے آدمیوں کے حملے کا ظار کر رہے تھے۔ دو دن' چار دن' آٹھ دن اور مہینہ گزر گیا لیکن درجنا کے آدمیوں کا کوئی پتہ یں تھا۔

تب دیپا نے اور میں نے فیصلہ کیا کہ گروہ ٹوٹ گیا یا پھر کوئی نیا سردار بن گیا۔ نئے ردار کو کیا پڑی ہے کہ وہ پرانے سردار کا انتقام لے اور ہم کافی حد تک مطمئن ہو گئے۔ یہ دن ب گزر رہے تھے۔ میرے نوجوان دوستوں میں کافی دلچسپی پائی جاتی تھی۔ پھر کافی عرصے تک جنا کا نام بھی کہیں سنائی نہیں دیا تھا۔ ابھی تک والد صاحب کو اس بارے میں کوئی اطلاع نہیں ی۔ میرے بارے میں کوئی شکایت بھی انہیں موصول نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے گھر کے لوگ بھی ش تھے۔

پھر ایک شام میرے مخصوص دوستوں کی میٹنگ ہوئی۔ اس میٹنگ میں دیپا بھی شامل ا۔ دیپا کو بھی اب مکمل طور سے یقین آ گیا تھا کہ درجنا مر چکا ہے اور وہ خوش تھا۔ میٹنگ میں ل نے پوچھا۔
''تو دوستو! اب کیا ارادے ہیں؟''
''جو بھیا کے ارادے۔''
''میرا خیال ہے یہ روز روز کے پہرے لایعنی ہیں یا تو درجنا کا گروہ ٹوٹ گیا یا پھر وئی نیا سردار بن گیا ہے اور اس نے ادھر کا رخ کرنا پسند نہیں کیا؟''

''کچھ بھی ہو۔ بہر حال درجنا خاموش ہو گیا۔''
''بس تو اب عیش کرو میں بھی آج خود کو بندشوں سے آزاد کرتا ہوں۔ اب پہلے
طرح محفلیں جمیں گی عیش ہوں گے۔ کیا سمجھے؟''
''بالکل ٹھیک بھیا! لگے دم مٹے غم۔'' اور بے تکے لوگ احمقانہ قہقہے لگانے لگے۔ لی
دیپا خاموش تھا۔ پھر جب ہم وہاں سے واپس ہوئے تو دیپا میرے ساتھ تھا۔ راستے میں ا
نے گھمبیر آواز میں کہا۔
''شہریار بھیا! ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانو گے۔''
''کیا بات ہے کہو؟'' میں نے کہا۔
''تم اس ٹولی میں مت بیٹھا کرو۔''
''کیوں......؟''
''بھیا! ان میں ایک بھی اس قابل نہیں جو تمہیں ڈھنگ کی بات سجھائے۔ سب
غلط ہیں۔ تم جو کچھ بھی ہو بھیا! وہی رہو۔ بس میرا من نہیں مانتا۔''
''بے وقوفوں کی سی باتیں مت کرو دیپا! ان کے ساتھ نہ رہوں تو پھر کہاں ملیں
اور پھر ان بے چاروں میں کیا خرابی ہے؟ خواہ مخواہ تم مجھے ان کے خلاف بھڑکا رہے ہو۔''
''بھڑکا نہیں رہا تھا بس سمجھا رہا تھا۔''
''اب زیادہ سمجھدار بننے کی کوشش مت کرو۔ جو کچھ ہے ٹھیک ہے۔ میں ان
بارے میں کوئی ایسی ویسی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ میں نے خشک لہجے میں کہا اور د
خاموش ہو گیا اور اس وقت تو میں نے غور نہیں کیا لیکن واپس آنے کے بعد میں دیر تک دیپا
اس بات پر غور کرتا رہا۔ نجانے کیوں اس نے یہ بات کہی تھی۔ بہر حال میں نے اس پر زیادہ تو
نہیں دی تھی اور آرام سے سو گیا۔ دوسرا دن حسب معمول تھا۔

سارے جھگڑے نمٹ چکے تھے۔ چنانچہ اب میرے دل میں وہی پرانی خواہشا
جاگ رہی تھیں۔ یوں بھی طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ کسی کا قرب نہیں حاصل ہوا تھا۔ آخری عور
کھلیان والی تھی۔ میرے ذہن میں کئی بار اس کی شکل ابھری تھی لیکن جنون نے ایسی شکل
اختیار نہیں کی تھی کہ میں اتنا طویل سفر طے کرنے کی سوچ لوں لیکن اسی شام دوستوں میں ا
پری وش کا ذکر نکل آیا اور یہ وہ تھی جس کے تذکرے میں پہلے بھی سن چکا تھا۔
''آج تو کرامت کی دکان ہی بند تھی۔'' غفور نے کہا۔
''ارے کیوں؟'' کسی دوسرے نے پوچھا۔
''اس کی بیٹی کے رشتے کیلئے کچھ لوگ آئے تھے۔''

''کہاں سے؟''
''عالم کے بنگلے سے دو میل گاڑیوں میں آدمی اور عورتیں بھر کر آئے تھے۔''
''اوہ۔''
''مولوی کرامت کی بات ہو رہی ہے۔'' میں نے مداخلت کی۔
''ہاں چھوٹے سرکار۔ دیکھی ہے اس کی بیٹی۔''
''ارے کہاں۔ تم لوگ بس تذکرہ کر کے ہی رہ گئے۔''
''آئے ہائے بھیا اسے نہ دیکھا تو کچھ بھی نہ دیکھا۔'' غفور نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔
''یہ غفور تو روز چکر لگاتا ہے اس کی دکان کے۔''
''اچھا بے...... اکیلے اکیلے۔'' میں نے غفور کو گھورا۔
''بھیا نے توجہ ہی نہیں دی تھی اور پھر اپنے کو وہ لونڈیا اتنی پسند آ گئی ہے کہ بس۔ سچی
یا! اپنے اماں ابا اپن سے بڑے ناراض رہتے ہیں ورنہ کرامت علی کے ہاں رشتہ کرا دیں۔''
ور نے جواب دیا۔
''کبھی نہ کرائیں گے۔'' اجن نے کہا۔
''ہاں یار نکھٹوؤں سے شادی کون کرتا ہے۔'' غفور نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
''تم لوگوں نے کہا تھا کہ دوپہر کو کرامت علی سونے چلا جاتا ہے اور اس وقت سودا وہ
تی ہے۔'' میں نے پوچھا۔
''ہاں۔''
''تو نے کبھی اس سے بات بھی کی ہے غفور۔''
''ہمت نہیں پڑی بھیا! آج تک۔'' غفور نے جواب دیا اور سب ہنس پڑے۔
''عاشق کو دیکھو...... بات کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔''
''غفورے کل تو اکیلا نہیں جائے گا۔'' میں نے کہا۔
''بھیا بھی چلیں گے۔'' غفورے نے خواہ مخواہ دانت نکال دیئے۔
''ہاں یار...... میں بھی تو دیکھوں بہت دنوں سے تعریفیں کر رہے ہو تم لوگ۔'' میں
نے جواب دیا اور پھر بہت دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ واپسی میں غفورے سے
ہ گرام بن گیا تھا۔ آج دیپا چوپال پر نہیں آیا تھا۔ نجانے کیوں۔ بہر حال ایسا اکثر ہو جاتا تھا
ا لئے میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔

دوسرے دن دوپہر کو سخت دھوپ میں غفور میرے پاس پہنچ گیا۔ میں اس کا انتظار کر
ا تھا۔

''چلیں بھیا۔'' اس نے پوچھا۔

''ہاں...... چلو وقت ہو گیا۔''

''ہاں بھیا! مگر دھوپ بڑی سخت ہے۔'' غفور میرے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں دونوں کرامت علی کی لڑکی کے بارے میں ہی گفتگو کر رہے تھے اور پھر بہت دور سے غفور مجھے کرامت علی کی دکان دکھائی اور بولا۔

''وہی بیٹھی ہے بھیا۔''

''ہوں بس تو یہاں رک کر میرا انتظار کر۔''

''میں نہ چلوں۔'' غفور بولا۔

''ابے، جس چیز میں میں دلچسپی لے رہا ہوں اس میں کسی اور کی کیا گنجائش۔'' نے غفور کو گھورا۔

''ہاں۔ ہاں بھیا! ٹھیک تو ہے۔ اب تو وہ میری بہن ہے، میری ماں ہے۔''

''چل آرام سے بیٹھ کہیں درخت کے سائے میں۔ ادھر آنے کی کوشش مت کر اور پھر میں کڑی دھوپ میں طویل سفر طے کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں کرامت علی کی دکان پر پہنچ گیا لیکن اتنا فاصلہ طے کرنے سے سرخ ہو گیا تھا۔ گرمی نے پریشان کر دیا تھا۔ پھر جب دکان میں نگاہ ڈالی تو ٹھنڈی ہوائیں لگیں۔ دھوپ ڈھل گئی اور روح خوش ہو گئی۔ بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی۔ دودھ کا سا رنگ، آنکھیں، تیکھے خدوخال، میلے کچیلے کپڑوں نے اس کے حسن کو اور اجاگر کر دیا تھا۔ بھورے بکھرے بکھرے تھے۔ اسے بھی گرمی لگ رہی تھی۔ میں قریب پہنچا تو وہ کھڑی ہو گئی اور تعجب سے دیکھنے لگی۔

''بڑی سخت گرمی ہے تھوڑا سا پانی مل سکے گا۔'' میں نے کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی اور پھر اس نے قریب ہی رکھی ہوئی کوری مٹکی سے کٹورے میں پانی انڈیلا اور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے دونوں ہاتھوں کٹورا لے لیا اور وہ آہستہ سے بولی۔

''چھاؤں میں آ جائیں چھوٹے سرکار! تھوڑے سے آگے آ جائیں۔''

''ارے تم مجھے جانتی ہو۔'' میں نے پوچھا۔

''آپ کو نہ جانیں گے چھوٹے سرکار! پانی پی لیں۔'' اس نے کہا اور میں نے خالی کر دیا۔

''اور دوں چھوٹے سرکار۔''

''ابھی نہیں۔ ہاں اگر یہاں چند منٹ دم لینے کی اجازت دے دو تو۔''

''آپ کہیں تو بابا کو جگا دوں؟ وہ بیٹھک کھول دیں گے۔'' وہ بولی۔

''ارے نہیں...... بالکل نہیں...... اس کی ضرورت نہیں ہے، بس دو منٹ تم سے باتیں کروں گا اور چلا جاؤں گا۔'' میں نے کہا اور اس نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔

''کرامت علی سو رہے ہیں۔'' تھوڑی دیر کے بعد میں نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''جب کرامت چاچا سوتے ہیں تو دکان بند کیوں نہیں کر دیتے۔''

''اور گاہک جو آتے ہیں؟''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر تمہیں دکان پر بٹھانا بھی تو اچھا نہیں ہے۔''

''کیوں......؟''

''تم بڑی ہو گئی ہو؟'' میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے سینے پر دوپٹہ برابر کر لیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' میں نے پوچھا۔

''رقیہ......'' اس نے جواب دیا۔

''تمہیں یہ بات پتہ نہیں رقیہ کہ تم بڑی ہو گئی ہو۔''

''پتہ ہے چھوٹے سرکار اس نے آہستہ سے جواب دیا۔''

''اور...... بے حد خوبصورت بھی ہو۔'' میں نے کہا اور وہ اور خوبصورت ہو گئی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''کوئی تمہیں اور کرامت علی کو پریشان بھی کر سکتا ہے۔'' میں نے کہا اور وہ چونک پڑی۔

''مگر پھر کیا کریں چھوٹے مالک۔ ہمارا کوئی بھائی تو ہے نہیں۔ بابا پورا دن تو نہیں بیٹھ سکتے۔ ہمیں ہی سنبھالنا پڑتا ہے۔''

''گھر کا کام بھی کرتی ہو گی۔''

''تو اور کیا؟''

''بڑی محنت کراتے ہیں کرامت چاچا تم سے۔''

''اس سے کیا ہوتا ہے چھوٹے مالک؟'' وہ مسکرا کر بولی۔

''لیکن کرامت چاچا سوتے کیوں ہیں۔ تمہاری شادی ہو جائے گی تو وہ کیا کریں گے؟'' میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور رقیہ بھی سرخ ہو گئی۔ میں اسے دیکھتا رہا۔

درحقیقت رقیہ بے حد خوبصورت تھی۔ اس کا عضو عضو خوبصورت تھا اور اس سے جوانی پھوٹتی تھی۔ مجھے یہ لڑکی بہت پسند آئی تھی اور پہلی بار خود میں نے کسی لڑکی کے حصول کے بارے میں سوچا تھا۔ بلاشبہ رقیہ اتنی حسین ہے کہ اس کیلئے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اچھا ہو یا برا۔

''خاموش کیوں ہو گئیں رقیہ!''

''کیا کہیں چھوٹے سرکار؟''

''تم بھی سوچ رہی ہو گی نجانے کہاں سے آ گیا ہے باتیں کیے جا رہا ہے۔''

''نہیں چھوٹے سرکار۔ آپ تو ہمارے اپنے ہیں۔ ہمیں تو اچھا بھی نہیں لگ رہا کہ آپ کھڑے رہیں...... پر ہم......''

''اوہ نہیں رقیہ...... اگر تمہیں میری باتیں بری نہیں لگ رہی ہیں تو سب ٹھیک ہے۔''

''بری نہیں لگ رہی ہیں چھوٹے سرکار۔'' اس نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا۔

''شکریہ...... رقیہ تو تم بتاؤ نا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے سرکار مگر کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟''

''کرامت علی سونے کی عادت چھوڑ دیں۔''

''پر بابا سے یہ بات کون کہے؟''

''اور کسی دن کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو......؟''

''نہیں ہو سکتی نا۔ بڑے سرکار کے ہوتے ہوئے کسی کی مجال ہے کہ بستی کی کسی لڑکی کو کچھ ہو جائے۔''

''اور بڑے سرکار ہر وقت تو یہاں نہیں رہتے۔''

''ان کا خیال تو رہتا ہے۔''

''بہرحال رقیہ! میں نے ایک بات کہی تھی۔ ارے ہاں تمہارا رشتہ بھی تو آیا تھا کہیں سے۔'' اور رقیہ شرما گئی۔ اس نے شرمگین نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے گردن ہلا دی اور مجھے اس کی یہ ادا بے حد پسند آئی۔

''پھر کیا ہوا؟''

''ہمیں نہیں معلوم۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''معلوم تو ہو گا بتا نہیں رہیں یہ اور بات ہے؟''

''چھوٹے سرکار۔'' اچانک وہ سنجیدہ ہو گئی۔ ''ہم نہیں چاہتے چھوٹے سرکار!''

''کیا نہیں چاہتے؟''

''یہی...... کہ بابا یہ رشتہ منظور کریں۔'' اس نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا

لیا۔

''اوہ۔'' میں نے اسے غور سے دیکھا۔ دیر تک دیکھتا رہا اور پھر میں نے کہا۔

''اگر تم نہیں چاہتیں رقیہ! تو ٹھیک ہے یہ رشتہ نہیں ہو گا۔''

''چھوٹے سرکار...... چھوٹے سرکار...... آپ ضرور ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ یہ رشتہ نہ ہونے دیں...... یہ رشتہ نہ ہونے دیں۔''

''نہیں ہو گا رقیہ...... بے فکر ہو جاؤ۔ یہ رشتہ نہیں ہو سکے گا۔'' اسی وقت کرامت علی کی کھانسی کی آواز سنائی دی اور رقیہ چونک پڑی۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اندر کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

''بابا جاگ گئے ہیں۔''

''اوہ ڈرنے کی کیا بات ہے؟ تاہم میں چلتا ہوں۔ ہاں ایک بات اور بتا دو۔''

''کیا چھوٹے سرکار۔''

''کل آؤں۔ انتظار کرو گی۔''

''اسی وقت؟''

''ہاں۔'' میں نے کہا اور اس نے گردن ہلا دی۔ میں وہاں سے چل دیا۔ اس وقت دھوپ کا کوئی احساس نہیں رہ گیا تھا۔ رقیہ کی آواز کانوں میں کھنک رہی تھی۔ یہ سب کچھ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ اس سے قبل عورتیں ملی تھیں لیکن سہی معنوں میں وہ عورتیں نہیں تھیں۔ کنواری نہیں تھیں۔ معصوم نہیں تھیں۔ وہ زندگی کی ابتداء بہت پہلے کر چکی تھیں جبکہ رقیہ ابھی جوان ہوئی تھی۔

لیکن پسندیدگی کے جذبات کوئی بہت بڑی حیثیت نہیں اختیار کر سکے تھے۔ بس وہ ایک خوبصورت لڑکی کی حیثیت سے مجھے پسند آئی تھی اور میں اس کے حسین جسم کی لطافتوں سے محظوظ ہونا چاہتا تھا اور بس......

غفور میرا انتظار کر رہا تھا۔ نجانے اس کے دل میں کیا تھا لیکن بظاہر وہ مسکرا رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

''مبارک ہو چھوٹے سرکار۔ کام بن گیا۔''

''آؤ......'' میں نے کہا اور ہم واپسی کیلئے چل پڑے۔ غفور غور سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ وہ میری زبان سے کچھ سننا چاہتا تھا۔ تب میں نے کہا۔

''واقعی وہ بہت خوبصورت ہے۔''

''ہے نا چھوٹے سرکار! کیا کہہ رہی تھی۔'' وہ بولا۔

’’کوئی خاص بات نہیں۔‘‘

’’مرگئی نا تمہارے اوپر۔‘‘

’’بکواس مت کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔‘‘

’’باتیں تو بہت گہری کر رہی تھی۔ پانی بھی پلایا تھا۔‘‘

’’ہوں۔‘‘ میں نے گردن ہلا دی اور پھر میں نے غفور کو چھٹی دے دی اور خود حویلی کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں حویلی میں تھا۔

اس کڑی دھوپ میں سب خس کی ٹٹیوں میں گھسے ہوئے تھے۔ آرام کا وقت تھا۔ میں بھی اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ دھوپ میں سے آنے کی وجہ سے بدن جلنے لگا تھا۔ دل چاہا کہ نہا لوں لیکن گرم جسم کو ٹھنڈے پانی سے نقصان بھی پہنچ سکتا تھا۔ اکثر یہ بات کہی جاتی تھی اس لیے میں نے نہانا پسند نہیں کیا اور کپڑے تبدیل کر کے لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کیں تو ذہن میں رقیہ کی شکل ابھر آئی۔ اس کا سراپا نگاہوں میں گھومنے لگا اور دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

رقیہ...... نجانے کب اس کا قرب حاصل ہو سکے گا۔ کب اور کیسے؟ اور میرے ذہن میں پروگرام بنتے رہے۔ اچھی لڑکی ہے۔ واقعی کافی دن ہو گئے یہاں اس حویلی میں بھی لڑکیاں موجود تھیں۔ بیشمار۔ ان میں سے کچھ ایسی تھیں کہ ایک اشارے پر چلی آتیں لیکن ان سے رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ اب دوبارہ انہیں سر پر سوار کرنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن...... اس وقت رقیہ کے خیال نے اس ویران دوپہر میں خاصا پریشان کر دیا تھا۔ بدن ٹوٹ رہا تھا۔ ذہن میں عجیب عجیب خیالات آ رہے تھے۔ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا۔ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہاں جاؤں' کیا کروں۔ اسی وقت ایک ملازمہ نظر آئی۔ سولہ سترہ سال کی لڑکی تھی۔ گھر کے متفرق کام کرتی تھی۔ بالکل نوخیز...... جوانی آہستہ آہستہ آ رہی تھی۔

’’سن۔‘‘ میں نے اسے اشارہ کیا اور وہ ٹھٹک گئی۔ پھر میرے پاس آ گئی۔

’’جی چھوٹے سرکار۔‘‘ اس نے آہستہ سے کہا۔

’’کہاں جا رہی ہے؟‘‘

’’اپنے کوارٹر میں سرکار۔‘‘

’’ارے تو ڈر کیوں رہی ہے کھا جاؤں گا کیا تجھے۔‘‘ میں نے کہا۔

اس پر ایک عجیب طرح کی گھبراہٹ طاری تھی۔

’’سن۔‘‘ میں نے اسے مخاطب کیا۔

’’جی چھوٹے سرکار!‘‘

’’انعام لے گی۔‘‘ میں نے پوچھا اور اس نے گردن جھکا لی۔ تب میں نے کچھ نوٹ

نکال کر اسے دیئے اور وہ بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔

’’چل بھاگ یہاں سے۔‘‘ میں نے کہا اور وہ تتلی کی طرح دروازہ کھول کر بھاگ گئی۔ میں کچھ اور بور ہو گیا تھا۔ بلاوجہ وقت ضائع کیا۔ میں نے کمرہ بند کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ نیند نے آ کر ساری کیفیتوں کو بھلا دیا۔

اور پھر شام تھی' چوپال تھی۔ دیپا آج پھر غائب تھا۔ آج میں نے اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا اور دوسروں سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ لیکن کسی کی دیپا سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ تب میں نے روپ چند کو دیپا کے گھر بھیجا کہ اسے بلا لائے۔ روپ چند نے آ کر بتایا کہ دیپا دو دن سے کہیں گیا ہوا ہے۔

’’دو دن سے۔‘‘ میں سوچ میں ڈوب گیا۔ دو دن سے کہاں جا سکتا ہے۔ دیپا میں یہ خوبی تھی کہ کہیں جاتا تھا تو بتا کر جاتا تھا۔ واپسی کا تعین بھی کر دیتا تھا۔ پھر کہاں گیا؟ ایک الجھن سی ذہن میں پیدا ہو گئی۔ بہرحال میں نے اس کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ظاہر ہے میں اسے کہاں تلاش کرتا۔

دوسرے دن دیپا میرے ذہن سے نکل گیا۔ میں نے رقیہ کے بارے میں سوچا تھا۔ آج تک جس انداز میں عورتوں کا قرب ملتا رہا تھا رقیہ کا معاملہ اس سے مختلف تھا اور تھوڑا سا خطرناک بھی۔ بہرحال میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آج رقیہ سے کچھ اور کھل کر باتیں کروں گا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ رقیہ بھی مجھ سے کسی حد تک متاثر ہے۔

بڑی مشکل سے دوپہر کا وقت ہوا اور جب سب گھر والے آرام کرنے چلے گئے تو میں گھر سے باہر نکلا اور کرامت علی کی دکان کی طرف چل پڑا۔ میں لوگوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا چل رہا تھا تاکہ کسی کے پاس رکنا نہ پڑ جائے لیکن تیز دھوپ نے میرا ساتھ دیا۔ اس وقت عموماً لوگ گھروں میں دبکے ہوئے تھے۔ رقیہ کی گفتگو میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

’’آپ کوشش کریں گے تو یہ رشتہ نہیں ہو سکے گا۔‘‘

بھلا کون کر سکتا تھا میری مرضی کے بغیر رقیہ کا رشتہ۔ وہ میری منظور نظر تھی۔ جس وقت میں رقیہ کے پاس پہنچا تو میرا چہرہ دھوپ کی تمازت سے تمتما رہا تھا۔ رقیہ نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا تھا اور وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔

’’آ گئے چھوٹے سرکار......‘‘ اس نے خوش ہو کر کہا۔

’’ہاں رقیہ۔‘‘

’’ارے تمہارا چہرہ تو لال بھبھوکا ہو رہا ہے۔‘‘

’’دھوپ بہت سخت تھی۔‘‘

''تو تم اس دھوپ میں صرف مجھ سے ملنے آئے ہو؟''

''تو اور کیا؟''

''کیسے اچھے انسان ہو تم چھوٹے سرکار...... چھاؤں میں آ جاؤ۔ بابا اندر کے کوٹھے میں ہے۔ ابھی گئے ہیں دیر میں آئیں گے۔'' رقیہ نے کہا اور میں دکان میں چلا گیا۔ رقیہ نے جلدی سے مٹکی سے ٹھنڈا پانی انڈیلا اور مجھے پیش کر دیا۔ وہ بہت مسرور نظر آ رہی تھی۔

''ایک بات بتاؤ رقیہ۔''

''جی چھوٹے سرکار۔''

''اس کڑی دھوپ میں کون سودا لینے آئے گا۔ کرامت علی اس وقت دکان کیوں کھولے رہتے ہیں؟''

''میں کیا بتاؤں۔ ہمارے حالات زیادہ اچھے نہیں ہیں۔ کوئی بھائی ہوتا تو۔''

''اوہ ہاں...... تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے۔''

''کہاں ہے؟''

''مگر یہ دکان کی بات......''

''بابا سوچتے ہیں کہ ممکن ہے کوئی گاہک آ ہی جائے۔ گاہک کا واپس لوٹنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''اوہ......'' میں بات سمجھ گیا۔ کرامت علی لالچی انسان تھا۔ میں نے پانی پیا اور کسی حد تک پرسکون ہو گیا۔ میں نے رقیہ کو غور سے دیکھا وہ کل والے ہی کپڑے پہنے ہوئے تھی اور کل ہی کی مانند حسین نظر آ رہی تھی۔

''ایک بات پوچھوں رقیہ۔''

''پوچھو چھوٹے سرکار۔''

''تمہیں وہ رشتہ کیوں پسند نہیں؟''

رقیہ کا سر جھک گیا۔ وہ دوپٹے کے پہلو کو انگلی میں لپیٹ رہی تھی۔

''جواب دو رقیہ۔'' میں نے اسے خاموش دیکھ کر پھر کہا۔

''ہم کیا بتائیں چھوٹے سرکار؟''

''کچھ تو بتاؤ۔''

''ہم نہیں بتا سکتے سرکار۔''

''آخر کیوں؟''

''ہماری زبان نہیں کھلے گی۔'' رقیہ نے کہا اور میں مسکرا اٹھا۔ رقیہ اپنے انداز میں مجھ

سے اظہار محبت کر رہی تھی۔ اس سے زیادہ وہ کیا کر سکتی تھی۔

''زبان کھول دو رقیہ۔'' میں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ہم نہ کھولیں گے سرکار۔''

''تمہیں کسی سے محبت ہے؟'' میں نے پوچھا اور اس نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔

''اوہ کس سے۔''

''سرکار۔'' رقیہ اور شرما گئی۔ اس نے میرے بازو سے اپنا ہاتھ ہٹانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ میں نے اس کے بازو کو پوری طرح گرفت میں لے لیا۔

''ہم بھی تمہیں چاہتے ہیں رقیہ۔ ہم بھی تمہیں پسند کرنے لگے ہیں۔ فکر مت کرو کرامت علی کے حالات بدل جائیں گے۔ ہم اسے فکر معاش سے بے پرواہ کر دیں گے۔'' میں نے رقیہ کی کمر میں ہاتھ ڈال دیئے۔

''سرکار۔'' رقیہ کی سہمی ہوئی آواز ابھری اور وہ ایک جھٹکے سے میری گرفت سے نکل گئی۔

''کیوں...... کیا ہوا رقیہ؟''

''نہیں...... نہیں سرکار...... نہیں...... نہیں۔'' وہ سخت ہیجان کے عالم میں بولی۔

''ارے کیا ہو گیا تمہیں...... ابھی تو......''

''ہم...... ہم تو سرکار...... ہم تو سرکار تمہیں بھائی کی طرح چاہتے ہیں۔'' رقیہ نے کہا اور میرا سر گھوم گیا۔

''کیا کہتی ہو؟'' میں غرایا۔

''خدا کی قسم...... چھوٹے سرکار...... میرے بیرن...... میرا کوئی بھیا نہیں ہے میں تو...... میں تو......''

''بکومت...... میں نے اس کا منہ بند کر دیا۔ مجھے سخت غصہ آ رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا اس کی گردن دبا دوں۔ الو کی پٹھی...... کیا سمجھتی ہے خود کو؟ وہ میری بہن بننے کے لائق ہے؟ میں دکان سے باہر نکل آیا۔

''سرکار!'' رقیہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

''ہمیں بہن بنا لو سرکار۔'' میں غصے سے کھولتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ دھوپ کچھ اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ میرا بدن غصے کی شدت سے کھول رہا تھا۔ سیدھا گھر آیا...... کسی کو یہ بات پتہ نہیں چل سکی تھی۔ یہ کیا ہو گیا؟ عجیب احمق لڑکی تھی۔ آخر کیسے چاہتی ہے بے وقوف

گا دی۔"

اپنے کمرے میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور میں چونک پڑا۔

"کون ہے؟" میں نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مکھنی سرکار" جواب ملا اور میں نے دروازہ کھول دیا۔ کل والی نوخیز لڑکی میرے سامنے مسکرا رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے جلتی آنکھوں سے پوچھا۔

"بدن دبواؤ گے سرکار۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میرے پورے بدن میں چنگاریاں دوڑ گئیں۔ وہ انعام کے لالچ میں آج پھر آ گئی تھی۔ لیکن میں کل کی طرح پرسکون نہ رہ سکا۔ آج میری ذہنی کیفیت درست نہیں تھی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر کھینچ لیا۔ زور سے بھینچ لیا۔ پھر میں اسے گود میں اٹھا کر مسہری پر لے آیا۔ مکھنی سخت حیران تھی۔ میں نے واپس پلٹ کر دروازہ بند کیا اور مسہری پر پہنچ گیا۔

مکھنی ایک بھرپور عورت کی طرح مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔ یا تو وہ میرے اس انداز پر ششدر رہ گئی تھی اور اٹھنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی یا اس کا دل ہی اٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

"کیوں آئی تھی......" میں نے اس پر چھاتے ہوئے پوچھا۔

"بدن...... بدن دبانے سرکار۔" اس کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔

"انعام کے لالچ میں۔"

"انعام......نہیں سرکار انعام نہیں۔" اس نے اپنی میلی اوڑھنی کا پلو کھولا اور جو کچھ کل میں نے اسے دیا تھا کھول کر میرے سامنے ڈال دیا۔

"پھر کیوں آئی تھی مکھنی۔" میں نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"سرکار کی خدمت کرنے۔"

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مکھنی میرے کمرے سے باہر نکلی تو مسکرا رہی تھی۔ وہ پرسکون تھی اور میرے جلتے ہوئے ذہن کو بھی سکون مل گیا تھا۔ رقیہ نے جو آگ ذہن میں لگا دی تھی وہ مکھنی نے سرد کر دی تھی۔ چنانچہ مجھے نیند آ گئی اور میں شام کو کافی دیر تک سوتا رہا۔ پھر اٹھا نہانے دھونے کے بعد چائے وغیرہ پی۔ اور باہر نکل آیا۔ رقیہ کی باتوں سے ذہن ابھی تک مکدر تھا لیکن ایک میلی کچیلی چودہ پندرہ سالہ لڑکی نے میرا تکدر کافی حد تک دور کر دیا تھا۔ حویلی سے میں گھوڑے پر نکلا تھا۔ بس باہر نکلا ہی تھا کہ ذہن میں دیپا کا خیال آ گیا اور میں نے گھوڑے کا رخ دیپا کے مکان کی طرف موڑ دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں دیپا کے دروازے پر کھڑا تھا۔ میں نے

دستک دی تو دیپا کا باپ باہر آ گیا۔ میں نے اس کے چہرے کی اداسی محسوس کی۔

"ارے چھوٹے سرکار...... سلام چھوٹے سرکار۔" اس نے میرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

"آؤ سرکار...... نیچے اترو۔" اس نے محبت سے کہا۔

"دیپا ابھی نہیں آیا چاچا۔" میں نے پوچھا اور بوڑھے کے چہرے پر غم کے تاثرات ابھر آئے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور غمزدہ آواز میں بولا۔

"اندر نہیں آئیں گے چھوٹے سرکار۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں چاچا۔" میں گھوڑے سے اتر آیا پھر بولا۔

"آپ نے دیپا کے بارے میں نہیں بتایا۔" میں نے اس کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"دیپا شاید اب کبھی نہیں آئے گا؟" دیپا کے باپ نے جواب دیا اور میں چونک پڑا۔ بوڑھے کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔

"مگر کیوں چاچا! اسے کیا ہوا؟" بوڑھے نے کمرے میں آنے تک کچھ نہیں بتایا۔ وہ مجھے بیٹھک میں لے آیا اور پھر بولا۔

"دودھ لے آؤں چھوٹے سرکار۔"

"اس وقت کچھ نہیں پیوں گا چاچا! تم مجھے دیپا کے بارے میں بتاؤ۔"

"کا بتاویں چھوٹے سرکار۔ زبان نا ہی کھلے ہے۔ پر تم سے چھپانے کو بھی دل نہیں چاہے۔ کسے بتاویں آخر من کا روگ' کون سنے گا۔" بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں سنوں گا چاچا! جلدی بتاؤ میں پریشان ہوں۔" میں نے کسی قدر جھنجھلاہٹ سے کہا۔

"دیپا...... دیپا برے راستے پر تھا بیٹا! دیپا کے لچھن بہت بگڑ چکے تھے۔ پر بھگوان کی سوگند مجھے معلوم نہیں تھا ورنہ میں یہ سب کچھ نہ ہونے دیتا۔ وہ ڈاکوؤں کا ساتھی تھا چھوٹے سرکار۔" وہ درجنا کے گروہ میں شامل تھا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا چاچا؟" میں نے گہری نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے تو نہیں معلوم تھا سرکار!" وہ اکثر راتوں کو چلا جاتا تھا اور دو دو دن میں آتا تھا۔ اس نے بہت مال کمایا مگر چھپا چھپا کر اپنی ماتا کو دیتا رہا۔ اس بیوقوف نے مجھے نہیں بتایا۔ بیٹے کی شادی کی خوشی میں ایسی مگن تھی کہ یہ بھی نہ سوچا کہ بیٹا یہ مال کہاں سے لاتا ہے۔ پھر وہ

زخمی ہو کر آیا اور میں پاگل اس سے بھی نہ سمجھ سکا کہ ماجرا کیا ہے۔ وہ ٹھیک ہو گیا اور پھر اس شام...... وہ کھیتوں میں گیا۔ میں بھی ادھر سے ہی آ رہا تھا کہ گھوڑوں پر سوار چار آدمیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان کے پاس بندوقیں بھی تھیں۔ میں اس سے دیپا کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن میں تاک میں ضرور تھا تب میں نے دیکھا کہ وہ دیپا کو کچھ نقصان نہیں پہنچا رہے۔ بلکہ سب آپس میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے چپ چاپ آگے بڑھ کر ان کی باتیں سنی۔ تب بھید کھلا۔

''کیا باتیں ہو رہی تھیں چاچا۔'' میں نے جلدی سے پوچھا۔

''ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ مگر دیپا بھیا تم گروہ کو کیسے چھوڑ سکتے ہو؟''

''گروہ تو میں چھوڑ چکا ہوں لکھو۔'' درجنا نے مجھے ختم کرنے میں کون سی کسر چھوڑ دی تھی۔

''مگر تم مرے تو نہیں۔''

''ہاں اتفاق ہے۔''

''یہ بات تو تم جانتے ہو بھیا! کہ جیون میں درجنا کے گروہ کا کوئی آدمی گروہ نہیں چھوڑ سکتا۔ جب گروہ میں رکھتے ہیں تو سوگند لی جاتی ہے۔''

''مگر درجنا نے میرا جیون ہی کہاں چھوڑا تھا۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے' بہر حال تم زندہ ہو۔ ڈاکو ہمیشہ ڈاکو رہتا ہے بھیا...... چلو تمہیں سردار نے بلایا ہے۔''

''سردار نے۔'' دیپا اس خبر پر چونک پڑا تھا۔ وہ بہت دیر تک خاموشی سے اس آدمی کو گھورتا رہا تھا اور پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا تھا۔

''میں نہیں جاؤں گا لکھو۔ اب میں نہیں جاؤں گا۔''

''مگر ہم تو تمہیں لینے آئے ہیں۔''

''زبردستی لے جاؤ گے۔'' دیپا نے پوچھا۔

''جیسے بن پڑے گا۔'' لکھو نے کہا اور باقی تینوں نے بندوقوں کی نالیں دیپا کے بدن پر رکھ دیں۔ تم ہی بتاؤ چھوٹے سرکار ایسے سمے میں کیا بولتا۔''

''پھر کیا ہوا چاچا۔'' میں نے سخت اضطراب کے عالم میں پوچھا۔

''ہونا کیا وہ لوگ دیپا کو لے گئے۔ جانے کیا کیا اس پاپی کا؟ میں کسی کو کیا بتاؤں۔ ہم سب تو رو بھی چپکے چپکے رہے ہیں تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔'' بوڑھے نے سسکتے ہوئے کہا۔

''میرا ذہن سنسنا اٹھا تھا تو دیپا پھر ان کے چکر میں پھنس گیا لیکن وہ کس سردار کی

بات کر رہے تھے؟ کون سردار بن گیا؟ اور سردار بننے کے بعد اس نے دیپا کو اٹھوا لیا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوا اب کیا کیا جائے۔ یہ تو بڑی احمقانہ بات ہو گی کہ میں دوڑا جاؤں اور انہی غاروں میں جا گھسوں۔ اس بار زندگی واپس لانا سخت مشکل ہو جائے گا۔ نجانے نیا سردار کون ہو اور کس خصلت کا انسان ہو۔ سخت بے چینی پیدا ہو گئی تھی۔ بوڑھا بھی خاموش بیٹھا تھا۔ بہر حال میں نے اس سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔

''بری خبر سنائی چاچا! مجھے بتاؤ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''کا بتائیں چھوٹے سرکار! کچھ سمجھ میں بھی تو نہیں آوے ہے۔''

''گھبرانے کی بات نہیں چاچا دیپا واپس آ جائے گا۔'' اس کے علاوہ میں بوڑھے سے کچھ نہیں کہہ سکا اور پھر وہاں سے اٹھ کر چلا آیا لیکن میں ذہنی طور پر پریشان ہو گیا تھا۔ اب کیا کروں۔ ان لوگوں میں جا گھسنا سیدھا سیدھا موت کے منہ میں جا گھسنے کے مترادف ہے۔ خودکشی تو بہر طور حماقت تھی ہاں اگر دیپا کی زندگی کی ضمانت مل سکتی تو میں ایک بار پھر درندوں کی کچھار میں گھسنے کی ہمت کر سکتا تھا۔ رات کو چوپال پر بھی میرا دل نہ لگا۔ چوپال پر رقیہ کے بارے میں گفتگو ہوئی لیکن میں نے اس میں زیادہ حصہ نہ لیا اور دوسرے لوگ سمجھ گئے کہ میں اس بات میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہا ہوں اس لیے خاموش ہو گئے۔

بہر حال میں واپس چل پڑا۔ میرا رخ حویلی کی طرف ہی تھا کہ چھوٹے تالاب سے گزرتے ہوئے میں نے اپنے گھوڑے کے علاوہ دوسرے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنی اور چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ایک گھوڑا میری طرف ہی آ رہا تھا۔ میں نے چونک کر اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ تب مجھے دیپا کی آواز سنائی دی۔

''ارے بھیا! بھگوان کی سوگند اس سے کچھ اور بھی مانگتا تو مل جاتا۔''

''اوہ دیپا! تم آ گئے۔''

''ہاں بھیا مجھے یقین تھا تم میرے لیے پریشان ہو گے۔'' دیپا نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا اور میں بھی نیچے اتر گیا۔ پھر دیپا بولا۔

''اس سمے میں یہی سوچ رہا تھا کہ بھگوان کرے تم حویلی سے باہر ہی مل جاؤ۔''

''تم بالکل ٹھیک ہو دیپا۔''

''بھگوان کی کرپا ہے۔''

''آؤ برگد کے نیچے جا کر بیٹھیں۔ وہیں باتیں کریں گے۔'' میں نے تالاب کے کنارے اُگے ہوئے برگد کی طرف اشارہ کر کے کہا اور ہم دونوں برگد کے نیچے پہنچ گئے۔ گھوڑے گھاس پر چھوڑ دیئے گئے۔

''اب بتاؤ کہاں سے آ رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''نیس گڑھی سے۔'' دیپا نے جواب دیا۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟''

''درجنا نے اپنے پہاڑوں کو نیس گڑھی کا نام دیا ہے۔ جہاں اس کا اڈا ہے۔''

''اوہ۔'' میں نے گہری سانس لی۔

''میں وہیں سے آ رہا ہوں۔''

''شام کو میں تمہارے گھر گیا تھا۔ چاچا نے مجھے بتایا کہ کچھ لوگ تمہیں پکڑ کر لے گئے ہیں۔''

''ارے بابا کو کیسے معلوم؟''

''انہوں نے تمہاری اور ان لوگوں کی گفتگو بھی سن لی۔ انہیں معلوم ہے کہ تم درجنا کے گروہ میں شامل ہو۔''

''اوہ یہ تو برا ہوا بھیا۔'' دیپا پریشانی سے بولا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ میرے لیے اب گھر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔''

''ایسی بات نہیں ہے دیپا! چاچا تمہارے لیے بلک بلک کر رو رہے تھے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے یار مگر یہ بات انہیں معلوم ہوگئی۔ یہ برا ہوا۔ بہر حال ٹھیک ہے۔ حالات دیکھ لیں گے اگر گھر میں رہ سکے تو ٹھیک ہے ورنہ اور ٹھکانہ کریں گے۔'' دیپا پھیکی مسکراہٹ سے بولا۔

''تیرے لیے ٹھکانوں کی کمی نہیں ہے دیپا۔ اس کی فکر مت کر۔ یہ بتا کہ وہ لوگ تجھے کہاں لے گئے تھے؟''

''لمبی کہانی ہے بھیا! بہر حال یہ سن کر خوش ہو جا کہ درجنا زندہ ہے۔''

''کیا......؟'' میں اچھل پڑا۔

''ہاں بھیا وہ زندہ ہے۔''

''ناممکن۔'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھیا...... ناممکن ضرور تھا لیکن یہ حقیقت ہے۔ وہ بڑا جاندار آدمی ہے۔ پورے بیس دن وہ موت اور زندگی کی کشمکش میں رہا ہے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ اس کا ایک ہاتھ کٹ چکا ہے۔ ابھی وہ اپنی ٹانگوں سے چل بھی نہیں سکتا۔

''مگر...... مگر وہ زندہ کیسے بچ گیا؟'' میں نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

''زندگی تھی بچ گئی۔ اس نے خود اپنی موت کا اعتراف کیا تھا۔''

''مگر تجھے اس نے کیوں پکڑوایا تھا؟''

''وہ تو بالکل بدل گیا ہے بھیا اور ایسا بدل گیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''اس نے مجھے جیون کی مبارکباد دی تھی اور پھر اس نے میرے کندھے تھپکتے ہوئے کہا۔

''تو تو بڑا ہی بھاگوان ہے دیپا! کہ جیون میں تجھے شہریار جیسا متر مل گیا ہے۔'' وہ بڑے جذباتی لہجے میں بولتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ اس جوان کے تیور بتاتے تھے کہ بڑا ہی جیالا ہے۔ بھگوان کی سوگند اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تیری بستی میں ایسا جیالا موجود ہے تو ہم اس کے احترام میں ادھر کا رخ کبھی نہ کرتے۔''

''اوہ۔'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''درجنا سچ مچ بڑا عجیب ہے۔ کسی کے گھوڑے کی ایک ٹھوکر غلط ہو جائے تو درجنا اس کی ٹانگیں توڑ دیتا ہے اور کسی کی بات پسند آ جائے تو نہال ہو جاتا ہے۔ تمہارے معاملے میں تو اس کی عجیب حالت ہے بھیا۔''

''کیا......؟'' میں نے پوچھا۔

''بس تمہارا نام ایسے لیتا ہے جیسے منہ میں مٹھائی گھل رہی ہو۔ زخمی ہونے کے بعد اسے کئی گھنٹے کے بعد ہوش آیا تھا۔ اس بستی میں بھی اس کا ایک آدمی رہتا ہے۔ لکھو جس نے اسے دیکھ لیا اور پھر وہ درجنا کو نیس گڑھی لے آیا۔ بیس دن تک درجنا کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے پھر اس کے آدمی شہر سے کسی بہت بڑے ڈاکٹر کو اٹھا لائے۔ اس نے جی توڑ کر علاج کیا۔ ایک ہاتھ کاٹا جب درجنا ٹھیک ہو سکا۔ ٹھیک ہونے کے بعد اس نے اپنے آدمیوں کو بتایا کہ اس کی یہ حالت بنانے والا کون تھا۔ تم نے وہاں اپنا نام پورنا بتایا تھا۔''

''ہاں۔'' میں نے جواب دیا۔

''درجنا نے بتایا کہ پورنا دراصل شہریار تھا۔ دیپا کی بستی کا رہنے والا جس نے ان کے ڈاکے کی کوشش ناکام بنا دی تھی۔ تب اس کے آدمی دیوانے ہو گئے۔ انہوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ پوری بستی کو راکھ کا ڈھیر بنا دیں گے۔ درجنا کا انتقام لیں گے لیکن درجنا نے انہیں بہت برا بھلا کہا اور بھیا اس نے کہا کہ وہ اس جیالے انسان سے کیا انتقام لیں گے جس نے درجنا جیسے جیالے کی یہ حالت بنائی ہے۔ درجنا کے لوگوں کا خیال تھا کہ اب شہریار پولیس کو اس جگہ کے بارے میں بتا دے گا۔ وہ بڑے مضطرب تھے اور دن رات پہرہ دے رہے تھے لیکن درجنا کو جب معلوم ہوا تو اس نے غراتے ہوئے کہا۔

''گدھے کے بچو! انسان کی تمیز کرو۔ بہادر آدمی کبھی گھٹیا پن نہیں کرتا۔ وہ پولیس کو خبر نہیں کرے گا۔ اطمینان رکھو۔ کیونکہ اس نے اپنی بستی سے درجنا کو بھگا دیا تھا اور اس نے اپنے دوست کا بدلہ بھی لے لیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو درجنا کا پورا خزانہ خالی کر دیتا مگر وہ جیالا ہے۔''

''اور بھیا درجنا نے میری بڑی عزت کی۔ اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ تو بہت بڑا آدمی ہے دیپا کہ تجھے ایسا دوست حاصل ہے۔ یار یہاں پوری زندگی کوشش کرتے رہے ایک بھی دوست نہ مل سکا! وہ تم سے بہت متاثر ہے۔''

''ہوں......'' میں نے ایک گہری سانس لی۔

''اس نے مجھ سے ایک درخواست بھی کی ہے بھیا۔''

''کیا......؟''

''اس نے کہا کہ شہریار کو کسی طرح اس سے ملا دوں۔ ایک بار تمہیں اس کے پاس لے آؤں۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر شہریار ہمارے گروہ میں شامل ہو جائے تو گروہ کی تقدیر جاگ اٹھے۔ درجنا جوش میں بولا۔

''ارے...... میں اسے گروہ کی سرداری سونپ دوں گا اور خود اس کے...... ماتحت کی حیثیت سے کام کروں گا۔''

''یہ اس کی چالاکی ہوگی دیپا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں بھیا...... ورجن لال ٹھاکر ہے۔ جو منہ سے نکالتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔''

''ارے...... تو تیرا کیا خیال ہے؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''میں کیا کہوں بھیا۔''

''تو چاہتا ہے میں درجنا کے گروہ میں داخل ہو جاؤں؟''

''سچی پوچھو تو بھیا! وہ جتنا تم سے متاثر ہے اس کے تحت تو میں یہی چاہتا ہوں۔''

''نہیں دیپا...... یہ ممکن نہیں ہے اور پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ ڈاکے مارتا پھروں۔''

''تمہاری مرضی ہے بھیا۔''

''میری جان دیپا...... تو اب تو بھی یہ چکر چھوڑ دے محنت مزدوری کر۔''

''مشکل ہے بھیا۔''

''کیوں......؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ درجنا کے جیون میں یہ ناممکن ہے۔ وہ یہ بات کبھی پسند نہیں کرے گا کہ اس کے گروہ کا آدمی ایسی زندگی بسر کرے جو اس سے الگ ہو۔ اگر میں ایسا کروں گا بھیا تو کسی دن خاموشی سے مجھے گولی مار دی جائے گی۔''

''برا پھنس گیا ہے تو۔ بہر حال تیری مرضی۔ اب گھر والوں سے کیا کہے گا؟''

''انہیں معلوم تو ہو ہی گیا ہے اب دیکھوں گا کہ وہ خود مجھ سے کیا کہتے ہیں' مگر بھیا......''

''کہو کیا بات ہے؟''

''تم اس بارے میں نہیں سوچو گے؟''

''درجنا کے گروہ میں شامل ہونے کے بارے میں۔''

''ہاں۔''

''یار دیپا ابھی عیش کی مل رہی ہے اگر کبھی ڈاکے ڈالنے کی ضرورت پیش آئی تو درجنا کے گروہ میں شامل ہو جائیں گے۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''مگر میں اسے کیا جواب دوں؟''

''میری طرف سے اسے زندگی کی مبارکباد دے دینا اور کہہ دینا کہ ضرورت پڑی تو اس کے پاس آ جاؤں گا۔'' میں نے کہا اور دیپا نے گردن ہلا دی۔ پھر میں واپس گھر کی طرف چل دیا۔ رات کو بستر پر لیٹا تو بہت سے خیالات ذہن میں گڈمڈ تھے۔ دیپا' رقیہ اور مکھنی۔ رقیہ کا خیال خون کھولا دیتا تھا۔ کیسی بے عزتی کی تھی اس نے میری۔ ہونہہ بھیا سمجھتی ہے۔ پھر عشق کس سے کرتی ہے؟ اوہ یہ بات معلوم تو ہونی چاہئے۔ پتہ تو چلے اس کا عاشق کون ہے۔ پھر دیکھوں گا یہ عشق کس طرح جاری رہتا ہے۔ دماغ نہ درست کر دیئے تو شہریار نام نہیں...... پھر دیپا کے بارے میں سوچا۔ درجنا ذہن میں آیا...... اور نجانے کیوں خوشی محسوس ہوئی۔ اچھا ہوا درجنا کی زندگی بچ گئی۔ ویسے عجیب انسان تھا میں نے اسے بالکل ناکارہ کر دیا اور اس کی زندگی بچ جانے سے بھی خوشی ہوئی تھی۔ اور پھر نوخیز مکھنی کمال کی لڑکی تھی۔ ایک دن پہلے اتنی معصوم محسوس ہوئی کہ مجھے اپنے جذبات کو تھپکیاں دینی پڑیں اور میں نے اسے بھگا دیا لیکن آج یوں محسوس ہوا جیسے یہ چھوٹی سی لڑکی زندگی کے سارے رموز سے آشنا ہو۔ نہایت حیرت کی بات تھی۔ انہی خیالات میں نیند آ گئی اور پھر صبح خوشگوار تھی۔ ذہن پر کوئی ناگوار بوجھ نہیں تھا۔ حسب معمول معمولات میں مشغول ہو گیا۔ کوئی خاص بات نہ تھی دن گزرا' دوپہر ہوئی اور مکھنی اندر آ گئی۔ حالانکہ مجھے اس کا انتظار نہیں تھا لیکن نوخیز لڑکی نے جوانی کا پہلا پھل چکھ لیا تھا اور اس کی لذت سے سرشار ہو گئی تھی اور اب وہ اس لذت کو بار بار حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس سخت دوپہر میں وہ میرے لیے ذہنی شگفتگی کا باعث تھی۔ میں نے اسے اندر آنے سے نہ روکا لیکن گڑبڑ ہو گئی۔ حویلی کے ایک بوڑھے ملازم نے اسے میرے کمرے سے نکلتے دیکھ لیا۔ بات پوشیدہ نہ رکھی گئی اور مجھے اسی وقت بلایا گیا جبکہ مکھنی کو نہ صرف حویلی سے بلکہ بستی سے بھی نکال دیا گیا

تھا۔ میری والدہ نے کڑی نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''تو نوبت اب یہاں تک پہنچ گئی۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''کیا تمہیں یہ احساس بھی نہ ہوا کہ وہ تمہارے معیار کی نہیں ہے۔''

''کون......؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''مکھنی کی بات کر رہی ہوں۔'' والدہ نے کہا اور ایک لمحے کیلئے تو میرے بدن م
سنسنی دوڑ گئی۔ حالانکہ میں ان باتوں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا تھا لیکن نجانے کیوں والدہ صاح
کے اس اچانک حملے سے میں بوکھلا گیا۔ فوری طور پر مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور م
خاموش رہا۔

''شادی کرنا چاہتے ہو؟'' والدہ صاحبہ نے کہا۔

''نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''پھر یہ جوانی کیوں ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے؟''

''میری درخواست ہے میرے کسی معاملے میں دخل نہ دیا جائے۔'' میں نے بھار
آواز میں کہا۔

''شہریار......شہریار ساری زندگی تیری وجہ سے ذلیل ہوتی رہی ہوں۔ پوری عمر گز
دی ہے اپنے شوہر کی نگاہوں میں حقیر ہوتے' لیکن برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ میں تو ما
ہوں لیکن......''

''کوئی برداشت کر سکے یا نہ کر سکے مجھے پرواہ نہیں۔'' میں کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ جا شہریار! تجھے سننا ہو گا۔''

''ہرگز نہیں امی......ہرگز نہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ
جائے۔ میرے کسی معاملے میں مداخلت نہ کی جائے۔'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ پھر میں گ
میں ہی نہیں رکا۔ چوپال پر پہنچ گیا۔ ساتھیوں نے میرے بدلے ہوئے موڈ کو محسوس کیا لیکن ک
نے کچھ نہیں پوچھا۔ دیپا بھی تھا۔

رات کو کافی دیر تک چوپال میں رہا پھر واپس حویلی چل پڑا لیکن ذہن ٹھیک نہیں تھ
گھر میں آزادانہ طور پر داخل ہوا اور اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ نوکروں نے اچھی طرح مجھے د
لیا تھا لیکن دوسرے دن کوئی باز پرس نہیں ہوئی اور میں دس گیارہ بجے ہی باہر نکل گیا۔ بس نجا
کیسی طبیعت ہو رہی تھی۔ اسی وقت سروپ مل گیا اور میں نے اسے اشارے سے بلایا۔ سرو
دوڑتا ہوا میرے پاس آ گیا۔

''ارے بھیا! کہاں چلے؟''

''کہیں نہیں سروپ تم نے کنستری پی ہے۔''

''نہیں بھیا کہاں! کئی دن سے ترس رہا ہوں۔''

''ایک بات بتاؤ سروپ۔''

''پوچھو بھیا۔''

''تمہارے پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں کوئی نہ پہنچ سکے۔ میرا مطلب ہے جہاں ہم
اکیلے ہوں اور جو چاہیں کر سکیں۔''

''ارے بھیا ہی ہی ہی تمہیں کیا ضرورت پڑ گئی۔'' سروپ ہنسنے لگا۔

''یہ میرے سوال کا جواب ہے۔'' میں غرایا۔

''ارے بھیا...... بھیا میرا مطلب ہے اپنے روپ رام کا گھر اسی کام تو آوے
ہے۔''

''روپ رام۔'' میں زیر لب بڑبڑایا۔ روپ رام کا مکان میں نے دیکھا ہوا تھا۔ کافی
ور سنسان جگہ میں تھا اور روپ رام بھی میرے مصاحبوں میں تھا۔

''تو اور کیا بھیا۔''

''اسی کام سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''بس بھیا کبھی کبھی وہاں کنستری پی لیویں ہیں اور کبھی ہاتھ لگ جاوے ہے تو......''

''کون ہاتھ لگ جاتا ہے؟''

''ہی ہی ہی کا بتاویں؟ بھیا یہ تمہاری سمجھ میں آنے والی باتیں نہیں ہیں۔'' سروپ
رگانہ انداز میں بولا۔

''سروپ۔'' میں نے آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور سروپ کے حواس ٹھکانے
گئے پھر بولا۔

''اور تم کہہ رہے ہو کہ تم نے پی نہیں ہے۔''

''بھیا...... بھیا......'' سروپ گھگھیانے لگا۔

''جواب دے کون ہاتھ لگ جاتا ہے۔''

''وہ بھیا......میستی اور چھمیا چمارن۔ جب ان کے پتی پنٹھ کو جاتے ہیں تو وہ آ جاتی
ما پھر سب اکٹھے ہوتے ہیں اور ڈھیلی پاؤلی انہیں دے دیتے ہیں۔''

''اوہ۔'' میں نے گھناؤنی عورتوں کا تصور کیا اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل
ما۔ اور پھر بولا۔

"تو یہ بات ہے مگر الو کے پٹھو تم نے آج تک یہ بات مجھ سے چھپائی کیوں؟"
"ہی ہی ہی......بس بھیا کیا بتاتے۔"
"اچھا چلو ٹھیک ہے رامو کہاں ملے گا؟"
"اس وقت اپنے گھر ہوگا۔"
"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "آؤ۔" اور میں سروپ کو ساتھ لے کر را
کے گھر کی طرف چل دیا۔ رامو گھر پر ہی تھا۔ ہمیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔
"رامو......تو نے مجھے پہلے کبھی اس بارے میں کیوں نہیں بتایا۔"
"کس بارے میں بھیا۔" رامو حیرت سے بولا۔
"میں نے بھیا کو سب کچھ بتا دیا ہے۔" سروپ نے کہا۔
"ارے وہ...... کچھ چھپانے کی بات نہیں تھی بھیا بس ایسے ہی اور تم ان کنجریوں کا
کرتے۔ تمہارے تو وہ قابل بھی نہ تھیں۔"
"چلو ٹھیک ہے رامو مگر یہ بتاؤ تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو۔"
"ارے خون گرا دیں گے سردار! کچھ بولو تو سہی۔"
"میں تم دونوں کو پچاس پچاس روپے دوں گا تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"
"حکم کرو بھیا بھگوان کی سوگند ہم تو جان بھی دے دیں گے۔"
"کرامت علی کو جانتے ہو۔"
"کون......وہ پرچون والا۔"
"ہاں۔"
"کبھی دوپہر کو ادھر سے گزرے ہو۔"
"ہاں بھیا...... کیوں نہیں، اس کی لونڈیا دکان پر ہوتی ہے۔"
"ہوں......اسے یہاں لانا ہے۔"
"اٹھا کر......" دونوں منہ پھاڑ کر بولے۔
"ہاں...... کیوں خوفزدہ ہوگئے۔" میں نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔
"نہیں بھیا......ایسی بات تو نہیں ہے مگر کیا وہ خوشی سے نہیں آئے گی۔ ہمارا مطلب
ہے اگر اس سے کہا جائے کہ تمہیں چھوٹے سرکار نے بلایا ہے تو کیا وہ انکار کر دے گی۔"
"ہاں۔" میں نے کہا۔
"تب سسری کو ہم اٹھا لائیں گے۔ مگر بھیا کیا یہ بات بعد میں کھلے گی نہیں۔"
"تم فکر مت کرو۔ ہر بات کا ذمے دار میں ہوں۔"

"بڑے سرکار کو پتہ چل گیا تو۔"
"بہانے کر رہے ہو۔" میں غرایا۔
"نہیں بھیا بھگوان کی سوگند نہیں۔ تم جانو بھیا جو تم کہو گے وہی کریں گے۔"
"تب پھر تھوڑی دیر کے بعد جاؤ کیا کرو گے؟ کیا کہو گے؟"
"کرامت علی تو دوپہر کو سو جاتے ہیں۔"
"ہاں۔"
"اور اس کی بیٹی دکان پر بیٹھے ہے۔"
"بالکل۔" میں نے جواب دیا۔ "تب تم کیا کرو گے۔"
"کچھ کر لیں گے بھیا۔ اب بھیا کا کام نہیں کریں گے کیا۔"
"یہ لو۔" میں نے انہیں پچاس پچاس روپے دے دیئے۔
"ٹھیک ہے بھیا! تم یہیں انتظار کرو گے۔"
"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔
"ہم جا رہے ہیں، سے پر واپس آ جائیں گے۔" دونوں باہر نکل گئے۔ میرا ذہن
بہت خراب ہو رہا تھا۔ بہرحال میں انتظار کرتا رہا۔ نہایت ہی بے تکا مکان تھا۔ ڈھنگ کی ایک
چیز بھی نہیں تھی۔ بہرحال وقت تو گزارنا ہی تھا۔ تب بیل گاڑی کی گھنٹیاں سنائی دیں اور پھر کسی
نے دروازہ کھٹکھٹایا۔
"کون ہے؟"
"دروازہ کھولو بھیا۔" سروپ کی آواز سنائی دی اور میں نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا۔
"لے آئے بھیا! بھگوان کی سوگند لے آئے۔" رامو نے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ
وہ دونوں نشے میں چور تھے۔ میں نے چونک کر بیل کی طرف دیکھا رقیہ اس میں بندھی پڑی تھی۔
"اندر اٹھا لاؤ جلدی کرو بے وقوفو۔" اور دونوں رقیہ کو نہایت بے دردی سے اٹھا
لائے۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔
"یہ بیل گاڑی کس کی ہے؟" میں نے پوچھا۔
"گوپال داس کی۔ باہر کھڑی ہوئی تھی ہم اڑا لائے۔" سروپ نے کہا اور ہنس پڑا۔
"ارے کسی نے دیکھا تو نہیں۔" میں نے پوچھا۔
"کسی نے نہیں...... بھگوان کی سوگند کسی نے نہیں۔" رامو شرابیوں کے انداز میں ہنس
کر بولا۔
"میں نے رقیہ کی طرف دیکھا وہ ہوش میں تھی لیکن اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

وہ سپاٹ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔
''مگر تم اسے لائے کیسے؟''
''ارے بڑی آسانی سے۔ میں نے اسے باہر بلایا اور پھر ہم دونوں نے اسے گاڑ
میں ڈال لیا۔''
''ہوں۔'' میں نے گہری سانس لی۔ ظاہر ہے ان دونوں نے شراب پی ہو گی اور اس
کے بعد یہ کام کیا ہوگا۔ کم بختوں نے کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کر دی ہو۔ میں نے سوچا۔
''ہم جائیں بھائی۔'' رامو نے پوچھا۔
''دفعان ہو جاؤ۔ بیل گاڑی کھڑی کر آنا۔''
''ہاں ہاں اور کیا ہم اس پر بیٹھ کر کلال خانے جائیں گے۔'' رامو جھوم کر بولا او
دونوں باہر نکل گئے۔ تب میں رقیہ کی طرف پلٹا اور میں نے اس کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔
''رقیہ کے حواس بحال ہو گئے تھے اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ
گئی۔
''کیوں بلایا ہے بھیا۔ بتاؤ کیا بہنوں کو اسی طرح بلاتے ہیں۔ دیکھو یہ رسی کے
نشان۔ کیا بہنیں بھائیوں کے پاس اسی طرح لائی جاتی ہیں۔''
''رقیہ...... بکواس مت کرو رقیہ۔ میں تمہارا بھائی نہیں ہوں۔'' میں غرایا۔
''ماں جائے نہیں ہو مگر خدا کی قسم میں تمہیں بھائیوں جیسا سمجھتی ہوں۔'' وہ روتی ہوئ
بولی۔
''مگر میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔''
''بھائی کی طرح پسند کرو۔ بہن کی طرح سے دیکھو اور جان مانگ لو۔ بہن کہہ د
ایک بار عزت بھی دے دوں گی' مر جاؤں گی مگر تمہارا دل اندر سے کیا کہے گا بھیا؟ کیا تم بہن کی
عزت لو گے؟ بتاؤ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ خدا کے سامنے جان کر تمہیں بھیا کہہ رہی ہوں۔ اگر
بھائی بہن کی عزت لے سکتے ہیں تو لے لو بھیا! میری عزت لے لو۔ لے لو میرے بیرن۔ میری
عزت لے لو۔'' رقیہ نے اپنا سینہ کھول دیا۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اور میرے ذہن میں
طوفان ابل رہا تھا۔ شاید ضمیر میں شرافت کی کوئی پھانس چبھی ہوئی تھی۔ میں نے دوسری طرف
منہ پھیر لیا۔ طوفان پرسکون ہو گیا اور میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
''رقیہ...... سینہ ڈھک لو...... ڈھک لو رقیہ...... میں تم سے شرمندہ ہوں...... میں ت
سے بہت شرمندہ ہوں۔''
''ایسے نہیں ڈھکوں گی۔ پہلے مجھے بہن کہو۔ اپنے ہاتھوں سے میرے سر پر دوپٹہ برا

کرو۔''
''سینہ ڈھک لے رقیہ بہن۔ ڈھک لے سینہ ورنہ میں سر پھوڑ لوں گا۔'' میں نے
تکلیف سے کہا اور منہ پھیر کر کھڑا رہا۔ تب رقیہ نے دونوں ہاتھ پشت سے میرے کندھوں پر رکھ
دیئے۔
''تب میں پلٹا لیکن اسی وقت دروازے پر شور سنائی دیا۔ بہت زور سے دروازہ پیٹا جا
رہا تھا۔ میں چونک پڑا۔ دروازے پر ٹھوکریں پڑ رہی تھیں اور پھر وہ اندر آ پڑا۔
''سب سے آگے گوپال داس تھے' ان کے پیچھے جگت لال' مولوی سلامت علی اور
دوسرے بے شمار لوگ تھے۔ سب کے سب اندر گھس آئے۔ سب کی آنکھوں میں خون اترا ہوا
تھا۔ گوپال داس نے آگے بڑھ کر اپنا انگوچھا رقیہ کے سر پر ڈال دیا اور اسے اپنے سینے کی آڑ
میں کر لیا۔
''تم نے اسے اغوا کرایا ہے چھوٹے سرکار۔''
''تم نے ان حرامزادوں سے اسے اٹھوایا ہے۔'' پیچھے سے آواز آئی اور انہوں نے
سروپ اور رامو کو سامنے دھکیل دیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ بہر حال ان باتوں سے میں
خوفزدہ نہیں ہوتا تھا۔
''اس سے پہلے اس بستی میں ایسا نہیں ہوا۔''
''اور آئندہ بھی نہیں ہوگا۔''
''ہم اس سانپ کا پھن کچل دیں گے جو ہماری عزت کا دشمن ہے۔'' بہت سی
آوازیں ابھر رہی تھیں۔ میں نے رقیہ کی طرف دیکھا۔ وہ سفید پڑ گئی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میری
صفائی میں وہ کچھ نہ بول سکے گی۔
''باندھ لو...... اسے رسیوں سے باندھ لو۔ لے چلو بڑے سرکار کے پاس لے چلو۔''
کسی نے کہا اور میرا خون اتر آیا۔ میں آگے بڑھ آیا اور آہستہ آہستہ رمضان کے قریب پہنچ
گیا۔
''کیا کہا تھا تم نے؟''
''رسی...... رسی۔'' رمضان نے مدد طلب نگاہوں سے دوسروں کی طرف دیکھا۔
''مجھے رسی سے باندھ کر لے چلو گے۔'' میں نے کہا اور رمضان پیچھے کھسک گیا مگر
میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ بول کون کون مجھے رسی سے باندھ کر لے چلے گا۔'' میں نے پوچھا
اور پھر میرا گھونسہ رمضان کے منہ پر پڑا۔ رمضان کٹتے ہوئے بکرے کی طرح چیخ پڑا۔ سب گھبرا
گئے۔ رمضان کے سامنے کے دانتوں کی لائن صاف ہو گئی تھی اور وہ خون کی کلیاں کر رہا تھا۔

"اور کون جیالا مجھے رسیوں سے باندھے گا۔" میں نے غرا کر پوچھا۔

"یہ ظلم ہے چھوٹے سرکار۔"

"یہ ناانصافی ہے آپ کتنوں کو ماریں گے؟ ہم عزت دے کر زندہ نہیں رہیں گے۔"

"جاؤ میں بڑے سرکار کے سامنے پہنچ جاؤں گا۔"

"ہمارے ساتھ ہی چلو۔" کسی نے کہا۔

"کون ہے سامنے آ کر کہو۔" میں نے مجمع کی طرف دیکھا لیکن کوئی سامنے نہیں آیا۔ "جاؤ تم لوگ میں بڑے سرکار کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"چل بٹی! ہم انصاف لے کر رہیں گے۔" گوپال داس بولے اور پھر مجمع نے میری کسر سروپ اور رامو کی پٹائی کر کے نکالی۔ وہ انہیں مارتے ہوئے لے چلے اور تھوڑی دیر کے بعد میں تنہا رہ گیا۔ میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ یہ جو کچھ ہوا تھا توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ اب میرے پاس کہنے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ دل نے کہا یہاں سے بھاگ جاؤں لیکن یہ بزدلی تھی۔ فیصلہ کچھ بھی ہو اس کے بعد دیکھا جائے گا لیکن بہرحال عقل سے کام بھی لینا تھا۔

میں باہر نکل آیا اور سب سے پہلے میں دیپا کے پاس گیا۔ دیپا گھر پر موجود تھا مجھے دیکھ کر اچھل پڑا۔

"یہ کیا خبر پھیلی ہوئی ہے بھیا؟"

"پوری بستی میں پھیل گئی کیا؟"

"ہاں لیکن......"

"ٹھیک ہے دیپا!" میں نے آہستہ سے کہا اور دیپا پریشانی سے میری شکل دیکھنے لگا۔ "کیوں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تو تعجب ہوا ہے یعنی بستی کی ہر لڑکی کی عزت اپنی ہوتی ہے۔" دیپا نے آہستہ سے کہا۔

"نصیحتیں کرے گا مجھے۔"

"نہیں بھیا! لیکن یقین کرو یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"ہاں دیپا اچھا تو نہیں ہوا لیکن اب مجھے تیری مدد درکار ہے۔"

"ہاں ہاں بھیا! حکم کرو۔ حکم دو بھیا۔" دیپا مستعدی سے بولا۔

"تیرے پاس اپنی رائفل ہے۔"

"گھر میں نہیں ہے بھیا۔"

"خیر اس کا انتظام میں کر لوں گا۔ گھوڑا تو مل جائے گا۔"

"ہاں بھیا! گھوڑا موجود ہے۔"

"بستی والے والد صاحب کے پاس گئے ہیں اور والد صاحب! میرا خیال ہے اس معاملے میں وہ میرے ساتھ کافی سختی سے پیش آئیں گے۔ ممکن ہے صورتحال کافی بگڑ جائے اس لیے تمہیں ایک گھوڑا حویلی کے بائیں طرف کے باغ کی دیوار کے دوسری طرف تیار رکھنا ہے۔ ممکن ہے فرار کی ضرورت پیش آ جائے۔"

"اوہ تو تم بستی چھوڑ دو گے بھیا۔"

"اگر ضرورت پیش آ گئی تو۔"

"مگر کہاں جاؤ گے؟"

"اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ میرا خیال ہے اب میں گھر جاؤں گا تو جلدی سے یہ کام کر دے۔"

"ٹھیک ہے بھیا۔" دیپا آہستہ سے بولا۔ اور میں واپسی کیلئے چل پڑا۔ حویلی میں داخلے کیلئے میں نے چور راستہ کا انتخاب کیا تھا اور پوشیدہ جگہ سے میں حویلی میں داخل ہو گیا۔ مجمع کا شور سنائی دے رہا تھا۔ گویا بات کافی بڑھ گئی تھی۔ بہرحال میں چوری چھپے اسلحہ خانے پہنچا۔ میرے پاس جتنی رقم تھی وہ احتیاط سے جیب میں ٹھونسی اور پھر باہر نکل آیا۔ اب میں اس جگہ کی طرف جا رہا تھا جہاں مجمع موجود تھا۔ ابا جان ان لوگوں کے سامنے مجرم کی طرح کھڑے تھے۔

"ہمیں انصاف چاہیے بڑے سرکار۔ ہم انصاف مانگنے آئے ہیں۔" کرامت علی بولا اور والد صاحب نے گردن اٹھائی۔

"اس حویلی کو آگ لگانے آئے ہو۔ کیا یہاں موجود لڑکیوں سے بدلہ چاہتے ہو۔" تو پھر انتظار کیوں کر رہے ہو اندر گھس جاؤ اپنے دل کی بھڑاس نکال لو۔" والد صاحب گرجے۔

"نہیں سرکار......ہمیں......ہمیں......" آوازیں دب گئیں۔

"تمہیں معلوم ہے مسلح سوار اسے گرفتار کر کے لاتے ہوں گے اس کے بعد میں اسے تمہارے سامنے پیش کر دوں گا۔ تم اسے جو چاہو سزا دینا مجھے اعتراض نہیں ہو گا۔"

اور میرے آتشیں ذہن کو اتنی تاب کہاں تھی۔ میں آگے بڑھ کر ان کے سامنے پہنچ گیا۔ "کیسے کیسے انصاف چاہیے کون مجھے سزا دے گا؟ ذرا سامنے آؤ۔" اور مجمع بھنبھنانے لگا۔

"میں نے رقیہ کو اپنے پاس بلایا ضرور تھا مجھے اس سے کچھ باتیں کرنا تھیں لیکن میں نے اس کی عزت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ سروپ اور رامو شراب کے نشے میں تھے اس لیے انہوں نے اپنی حرکت کی۔ لیکن میں تمہارے سامنے صفائی نہیں پیش کر رہا۔ جاؤ رقیہ سے پوچھ لینا اس کی

عزت محفوظ ہے یا نہیں اور اب تم سب اپنے گھروں کو بھاگ جاؤ ورنہ میں تمہارا سارا جوش سرد کر دوں گا۔" میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایسا تو کبھی نہیں ہوا سرکار...... ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔" گوپال داس نے دہائی دی۔

"شہریار......" والد صاحب گرجے۔ "تم اپنے آپ کو گرفتار سمجھو...... رقیہ کے معاملے کی تفتیش ہوگی۔ اگر تم مجرم نکلے تو یہ سب تمہیں اپنی پسند کی سزا دیں گے۔"

"تب پھر...... پہلے میں انہیں اپنی پسند کی سزا دے لوں۔" میں نے دونوں پستول نکال لیے اور پھر میں نے دو ہوائی فائر کیے اور مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ بہت کم تھے جو وہاں رکے تھے لیکن والد صاحب کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"ذلیل...... کمینے...... کتے...... ناخلف...... میرے سامنے تجھے اس درندگی کی جرأت کیسے ہوئی۔ پستول پھینک دے ورنہ...... ورنہ......" وہ غصے سے بے قابو ہو کر میری طرف بڑھے اور میں پیچھے ہٹ گیا۔

"بہت عرصے سے میرے اور آپ کے درمیان معاملات ٹھیک نہیں چل رہے ابا حضور۔ اس لیے اب میں نے آپ کی یہ بستی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں نے آپ پر احسان کیا ہے کہ آپ کے سامنے دس بیس کو ختم نہیں کیا۔ بہرحال ان کے اور میرے درمیان رنجش ہے پھر ملاقات کروں گا۔" میں اور پیچھے ہٹا۔

"گرفتار کر لو اسے۔" ابا گرجے اور ہچکچاتے ملازم میری طرف بڑھے لیکن جونہی میں نے پستول سیدھے کیے وہ گھگیانے لگے اور میں اپنی مقررہ جگہ پہنچ گیا۔ پھر میں نے دیوار کی دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ دیپا نے ایک عمدہ گھوڑا پہنچا دیا تھا۔ میں اس پر سوار ہو گیا اور پھر میں نے گھوڑے کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ حالات واقعی اب غیر مناسب ہو گئے تھے اور پھر اس بستی میں کچھ بھی تو نہ تھا۔ لیکن بستی سے نکلتے ہی ایک اور گھوڑا میرے پیچھے لگ گیا۔ وہ کافی تیز رفتاری سے میرے برابر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس پر غور کیا۔ وہ دیپا تھا۔ میں نے گھوڑے کی رفتار سست کی اور دیپا میرے پاس آ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو شیر دل بھیا۔"

"درجنا کے پاس۔"

"بھگوان تمہارا بھلا کرے میں بھی تم سے یہی کہنے والا تھا۔"

"مطلب......؟"

"درجنا نے تمہیں بلایا ہے۔"

"مجھے......"

"ہاں بھیا! مجھے خود حیرت ہوئی تھی لیکن درجنا تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ بہرحال درجنا کے پاس پہنچا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا لیکن اس نے بہت محبت سے مجھے اپنے سینے سے لگایا تھا اور پھر اس نے کہا کہ شیر دل، بہادر بہادر کی قدر کرتا ہے۔ تو نے میرا دل جیت لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے اس گروہ کی سرداری سنبھال لے۔ بس یہیں سے یوں سمجھ لو منگل کہ صورتحال بدل گئی اور شیر دل اپنا ماضی بھول گیا۔ آج یہاں جو کچھ ہے وہ درجنا ہی کا دیا ہوا ہے۔ درجنا مر چکا ہے لیکن اس کے بعد میں نے اپنا سب کچھ سنبھال لیا ہے اور یہ ایک بہت بڑا سچ ہے کہ دولت دنیا کی سب سے طاقتور چیز ہوتی ہے۔ میں نے چونکہ بچپن سے لے کر ایک طویل زندگی عیش عشرت میں گزاری تھی اس لیے دولت کی میری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی لیکن آج میرا یہ فیصلہ ہے کہ انسان کے پاس اگر دولت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ سارا ساز و سامان بے شک ان پہاڑوں میں چھپا ہوا ہے لیکن انہی کے بل پر میں ہر کام کر سکتا ہوں اور اب تو دولت کا حصول میری زندگی بن چکا ہے۔ میرے گروہ کے ان افراد کو تم دیکھ رہے ہو۔ ان سب کے پاس بہت کچھ ہے اتنا سب کچھ کہ یہ بڑے بڑے رئیس زادوں سے زیادہ رئیس ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ ڈاکے ڈالتے ہیں۔ یہ ان کا اپنا کام ہے جسے وہ کرتے رہنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں یہ بات ٹھیک ہے میرا باپ بھی یہی کہا کرتا تھا کہ وہ لوگ جو جوتے مارنے والے ہوتے ہیں دولت مند ہوتے ہیں اور وہ جو جوتے کھاتے ہیں غریب۔ میں خود بھی یہ بات جانتا ہوں کہ دولت حاصل کرنا سب سے ضروری کام ہے۔"

"لیکن دنیا مانگنے سے کچھ نہیں دیتی۔ اپنا حق چاہیے تو چھیننا سیکھ لو۔ چھین سکتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ دنیا تمہاری ہے اور اگر چھیننے کی صلاحیت نہیں ہے تو سب کچھ ختم ہے تمہیں صرف جوتے ہی کھانا پڑیں گے۔ بولو کیا چاہیے؟"

"میں چھیننا چاہتا ہوں۔ مجھے دولت درکار ہے۔" منگل نے کہا اور شیر دل مسکرانے لگا۔

"تو پھر ٹھیک ہے مجھ سے بات کرو میں تمہیں وہ سب کچھ دوں گا جو تمہیں زندگی سے روشناس کرا دے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" اور اس کے بعد شیر دل منگل کا سرپرست بن گیا اور منگل نے انہی پہاڑوں کی زندگی اپنا لی۔ بچپن ہی سے اس کے اندر ایک سرکشی کا عنصر تھا اور پھر جو جسامت اسے ملی تھی اس نے اسے ہوا دی اور منگل کچھ سے کچھ بنتا چلا گیا۔ شیر دل کے ساتھی

دیپا نے منگل کی سرپرستی سنبھال لی تھی اور وہ اسے نشانہ بازی، گھڑ سواری اور دوسرے علوم کی تربیت دے رہا تھا۔ منگل کی صلاحیتوں سے وہ سب بہت خوش تھے۔ منگل خطرناک سے خطرناک ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا نشانہ کبھی خالی نہیں جاتا تھا۔ گھوڑے کی پشت پر وہ اس طرح بیٹھتا کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رہ جاتے اور انہیں یقین نہیں آتا کہ گھوڑے کو اس طرح کھیل بنا لینا کسی انسان کے بس کی بات ہے اور پھر شیر دل اس کا چھپ کر بھی جائزہ لیتا تھا۔ منگل کی فطرت کے بارے میں وہ اندازے لگانا چاہتا تھا اور یہ اندازے ضرورت سے زیادہ ہی کے آگے کے ثابت ہو رہے تھے۔ مثلاً ایک دن ایک جنگلی بلے نے منگل کے شکار پر ہاتھ ڈال دیا۔ یہ شکار ایک خوبصورت پرندے کی شکل میں تھا۔ منگل نے وہ پرندہ شکار کر لیا تھا لیکن وہ جیسے ہی نیچے گرا جنگلی بلا اس کا شکار لے کر دوڑ پڑا۔ منگل نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے ڈال دیا اور اسے مختلف طریقوں سے گھیرتا رہا۔ شیر دل دلچسپی سے اس کی یہ تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ جنگلی بلا بھی بے حد خطرناک ہوتا ہے۔ جب وہ بری طرح گھر گیا تو اس نے اپنا شکار پھینک کر منگل پر چھلانگ لگا دی۔ وہ منگل کے نرخرے کو اپنے جبڑوں کی گرفت میں لینا چاہتا تھا لیکن منگل نے نہایت مہارت اور پھرتی کے ساتھ اسے گردن سے پکڑ لیا اور پھر جھٹکا دے کر اسے گھمایا اور اس کی دونوں ٹانگیں اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیں۔ جنگلی بلا بھی کافی وزنی تھا لیکن منگل پر اس وقت وحشت سوار تھی۔ اس نے جنگلی بلے کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر چیریں اور پھر وحشت کے عالم میں اسے گردن تک چیر کر پھینک دیا۔ شیر دل نے مسکراتے ہوئے دیپا کی جانب دیکھا اور بولا۔

''تم نے دیکھا دیپا! میری نگاہیں بہت دور تک دیکھتی ہیں۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ ہم تو اب خالص ڈاکو بن چکے ہیں۔ ماں کیا اور دوسرے رشتے ناطے سب ختم ہو گئے ہیں۔ ہم آج اگر اپنے گھر چلے جائیں تو سب پہلے دشمن ہمیں ہمارے گھر میں مل جائیں گے۔ فوراً ہی پولیس کو خبر کی جائے گی اور ہمیں اس دنیا سے رخصت کر دیا جائے گا۔ بہرحال اپنا ایک جانشین بنانا ضروری تھا اور جس طرح درجنا نے مجھے اپنی مملکت سونپی اسی طرح میں سمجھتا ہوں کہ یہ لڑکا منگل میرے بعد میرے گروہ کا سردار ہوگا۔ تم اس کی وحشت دیکھ رہے ہو۔ درندہ ہے پورا درندہ۔ تم نے بلے کی ٹانگیں چیرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں وہ خوفناک خون جھلکتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ جو میں نے دیکھا ہے۔'' پھر وہ منگل کو واپس لے آئے تھے۔ اس کے بعد منگل کی وحشت خیزیاں جاری رہیں۔ ابھی تک اس نے کسی انسان کا خون نہیں کیا تھا۔ بس پہلے جو کچھ کر آیا تھا وہی اس کی وحشت کا اظہار تھا۔ غرض یہ کہ یہ سارا سلسلہ چلتا رہا۔ پھر ایک دن ایک اور منظر دیکھنے میں آیا۔ وہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔ شیر دل اپنی مختلف تفریحات جاری رکھتا تھا۔ کئی بار وہ لڑکیوں کو بھی اٹھا کر لایا تھا۔ یہ اس کی فطرت کا حصہ تھا۔ شروع ہی سے برائی اس

کی زندگی میں شامل رہی تھی۔ ایک بستی پر ڈاکہ ڈالا تھا اور پھر اتفاقیہ طور پر یہ نوجوان لڑکی اس کی نگاہوں میں آ گئی تھی۔ ایک دلچسپ خیال اس کے ذہن میں ابھرا اور وہ لڑکی کو گھوڑے پر بٹھا کر لے آیا۔ لڑکی کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی۔ کافی دلکش اور خوبصورت تھی۔ ڈیرے میں لا کر اس نے لڑکی کو اپنے مخصوص انداز میں ایک جگہ بند کر دیا۔ منگل کو ابھی تک اس نے اپنے کسی ڈاکے میں شریک نہیں کیا تھا۔ یہ بات باقاعدہ طے تھی کہ پہلے اسے تربیت دی جائے گی۔ اس کے بعد اسے کام پر لگایا جائے گا۔ بہرحال شیر دل نے اپنے منصوبے کے مطابق لڑکی کو خوبصورت زیورات پہنائے۔ وہاں موجود دوسری عورتوں نے اس کا بڑا اچھا میک اپ کیا اور پھر شیر دل نے منگل سے کہا۔

''منگل! کتنے بڑے ہو گئے ہو تم غور کیا ہے تم نے اپنے آپ پر۔''

''سردار کے قدموں میں ہوں جو کچھ ہو رہا ہے سردار ہی کی مرضی سے ہو رہا ہے۔''

''ایک بات بتاؤ منگل! جھوٹ تو نہیں بولو گے۔''

''نہیں۔''

''اگر کسی بات پر میرا تم سے اختلاف ہو جائے تو کیا تم مجھ سے دشمنی پر آمادہ ہو جاؤ گے۔''

''سردار! تم اگر دن کو دن کہو گے اور رات کو بھی دن کہو گے تو تم سے محبت کے رشتے سے میں رات کو دن کہہ دوں گا۔ تم اگر مجھے کوئی جسمانی سزا یا اذیت دو گے تو میں اسے برداشت کر لوں گا اور اسے تمہارے احسانات کی کتاب میں رکھ دوں گا۔ اس لیے میرا خیال ہے میرا تم سے کبھی اختلاف نہیں ہوگا۔''

''فرض کرو کوئی ایسی صورتحال پیش آ جاتی ہے جو اختلاف کا باعث بن جائے۔ تو تم کیا کہو گے۔''

''سردار! مجھے معاف کرنا جب میں تم سے دشمنی پر آمادہ ہوں گا تو پھر دشمن ہی رہوں گا کیونکہ میں اپنی فطرت میں کوئی دہری کیفیت نہیں پاتا۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ میں تمہاری اس بات سے ایسا خوش ہوا ہوں کہ تمہیں ایک انعام دینا چاہتا ہوں۔''

''شکریہ سردار! آپ کے انعامات سے پہلے ہی میری گردن جھکی ہوئی ہے۔''

''جاؤ بلندی والے غار پر چلے جاؤ تمہارا انعام وہاں موجود ہے اور سنو جو کچھ وہاں موجود ہے وہ سب تمہارے لیے ہے اس سے گریز مت کرنا کسی کو تم پر اعتراض نہیں ہوگا۔ یہ میں کہہ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے سردار!'' منگل نے کہا اور اس کے بعد وہ اس انعام کے تصور میں اس غار کی جانب بڑھ گیا۔ شیر دل کا خزانہ کافی وسیع تھا۔ منگل نے اسے دیکھا تھا اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ لیکن بہر حال وہ جانتا تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کی ملکیت ہے جو اس کا محسن ہے اور کم از کم اس کی جانب غلط نگاہ سے دیکھنا بری بات ہے۔ بہر حال وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں مشعلیں روشن تھیں اور ان مشعلوں کی روشنی میں ایک ایسی روشنی جگمگا رہی تھی جسے دیکھ کر دل و دماغ پر قابو ممکن نہ رہے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو غار میں لڑکی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ لڑکی اشک بار آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ منگل آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور پھر لڑکی سے بولا۔

''کون ہے تو اور کیوں رو رہی ہے؟'' لڑکی نے نگاہیں اٹھائیں اور تیکھی آواز میں بولی۔

''ذلیل کمینے' ڈاکو مجھے میرے ماں باپ سے جدا کر دیا اور اب مجھ سے یہ پوچھ رہا ہے کہ میں کون ہوں؟ کوئی ہے تیرا اس دنیا میں دوسروں کو اپنوں سے جدا کرتے ہوئے تیرے دل میں رحم اور انصاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

''کون ہو تم' کہاں سے آئی ہو مجھے نہیں معلوم؟''

''ہاں۔ ڈاکوؤں کے اس ڈیرے پر تو ایک فرشتہ ہے نا۔'' آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور لڑکی کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

''بہت خوبصورت ہے۔'' اس نے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''لیکن ایک بات سمجھ لے جان دے دوں گی عزت نہیں دوں گی۔ تیرا غرور خاک میں مل جائے گا۔''

''بالکل اصلی ہے۔'' منگل بدستور اسے گھورتے ہوئے بولا۔

''ہاں محبت کرتی ہوں میں ایک لڑکے سے۔ زندگی میں اگر وہ نہ مل سکا تو میں کسی کو نہیں مل سکوں گی۔ یہ بات تو ذہن میں رکھنا۔'' منگل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔

''دیکھ میں کہتی ہوں مجھے چھونے کی کوشش مت کرنا۔'' منگل ایک قدم آگے بڑھا لڑکی کچھ اور پیچھے ہٹ گئی۔ اب اس کے چہرے پر وحشت کے نقوش نمایاں تھے۔ پھر وہ پیچھے ہٹتی رہی اور منگل آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ دیوار سے جا لگی۔ اب اس کے اندر خوف بری طرح بیدار ہو گیا تھا۔

''دیکھ دیکھ میں سچ کہتی ہوں تجھ سے۔ وہ میرے بغیر مر جائے گا۔ تو مجھے ہاتھ مت لگا۔ مجھے میری بستی پہنچا دے۔ تو مجھے میری بستی پہنچا دے۔''

''میں ضرور تجھے تیری بستی پہنچا دوں گا رک تو سہی۔'' منگل نے ہاتھ بڑھا کر اس کی گردن میں ڈالا اور پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس کی گردن میں پڑا ہار اتار لیا۔

''بہت خوبصورت ہے میں اسی کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ لاکھوں روپے کی مالیت کا ہو گا یہ۔'' منگل اسے آنکھوں کے سامنے نچاتا ہوا بولا۔ لڑکی کا چہرہ حیرت سے سکڑ گیا۔ پھر وہ جلدی سے بولی۔

''لے لے' لے لے' تو لے لے' مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ مم...... مگر مجھے دیکھ میری عزت پر ہاتھ مت ڈالنا۔''

''بک بک کیے جا رہی ہے بیوقوف لڑکی! کیا سمجھتی ہے تو اپنے آپ کو' میں نے ایک لفظ بھی تیرے بارے میں نہیں کہا۔ مگر تیرے بدن کے یہ زیورات' یہ ضرور مجھے چاہئیں' سردار نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ ضرور میرا انعام ہیں۔ تجھے میں قتل کر نہیں کھا سکتا۔ میری نظروں میں دنیا کی سب سے بڑی چیز دولت ہے۔ اگر میرا باپ دولت مند ہوتا تو مجھے اس کی زندگی سے یوں ہاتھ نہ دھونے پڑتے۔ دولت...... دولت...... دولت اس کائنات کی اصل حکمران دولت ہے۔ دولت ہے تو سب کچھ ہے۔ ورنہ انسان کتے سے بھی زیادہ کمتر ہے۔ لا یہ زیورات مجھے دے دے اور اس کے بعد تیرا جہاں دل چاہے چلی جا۔ مجھے اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔ لڑکی نے جلدی جلدی سارے زیورات اتار کر منگل کے سامنے ڈال دیئے۔ تو منگل نے انہیں سمیٹا اور ان کی پوٹلی باندھ کر مڑتا ہوا بولا۔

''اب تو جہنم میں جا' مجھے تجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' لڑکی کے انداز سے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ جیسے زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے ٹھکرائے جانے کو محسوس کیا ہو لیکن دروازے پر شیر دل کھڑا ہوا تھا۔

''منگل! یہ زیورات اور یہ سب کچھ تو زندگی بھر تجھے حاصل ہوتا رہے گا ایک ڈاکو کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حسن کا پرستار ہو۔ یہ لڑکی تیرے تصرف میں ہے۔ بول کیا تجھے ایک نوجوان لڑکی درکار نہیں ہے۔''

''مجھے اس سے جو کچھ چاہیے تھا میں نے لے لیا سردار! تم نے کہا تھا کہ غار میں جو کچھ ہے وہ میری ملکیت ہے۔ کیا یہ زیورات میں رکھ سکتا ہوں۔''

''بیوقوف لڑکے یہ تو تو رکھ ہی سکتا ہے لڑکی کا کیا کرے گا یہ بتا۔''

''سردار! کچھ نہیں' یہ کسی سے محبت وحبت کرتی ہے اسے جانے دو۔''

''مگر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس سے اپنی پسند کا کھیل کھیل لے۔ کیا سمجھا۔'' منگل

نے سردار کی طرف دیکھا اور پھر لڑکی کی طرف پھر لڑکی سے بولا۔

"باہر آ میرے ساتھ۔" لڑکی سہمی سہمی منگل کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ اس نے بھی سوچا تھا کہ منگل یقیناً اسے زندگی دینے پر آمادہ ہے۔ وہ لاپرواہی سے کہہ رہا تھا کہ اسے اس کے گھر بھیج دو۔ چنانچہ وہ باہر نکل آئی۔

"باہر کہاں لے جا رہا ہے اسے۔"

"تم نے کہا تھا کہ میں اس کے ساتھ اپنی پسند کا کھیل کھیل سکتا ہوں۔"

"ہاں اس کی تجھے اجازت ہے۔"

"تو بس یہی کھیل کھیلنے کیلئے میں اسے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

"بیوقوف لڑکے! کیا تو اسے اس کے گھر چھوڑنا چاہتا ہے۔" درجنا بولا۔

"تم نے مجھے اجازت دی ہے سردار! کہ میں اس سے اپنی پسند کا کھیل کھیل سکتا ہوں۔ وہ کھیل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نہ صرف اسے زندگی دے دوں بلکہ اسے اس کا محبوب بھی دے دوں۔ مجھے اجازت دو گے کہ میں اپنی پسند کا کھیل اس سے کھیل سکوں۔ شیر دل نے گردن ہلا دی تھی۔ منگل لڑکی کو لے کر آگے بڑھ گیا اور پھر اس سے بولا۔

"تو جانتی ہے تیری بستی کی سمت کون سی ہے؟"

"اگر تو مجھے جانے کی اجازت دے دے تو میں تجھ سے نہ گھوڑا مانگوں گی اور نہ کوئی رہبر، میں خود اپنا گھر تلاش کرتی چلی جاؤں گی۔"

"تو جا۔" منگل نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنس کر کہا۔ لڑکی کے چہرے پر خوشی کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ پر اس نے دوڑنا شروع کر دیا۔ شیر دل مایوسی سے ہونٹ سکوڑ کر کہہ رہا تھا۔

"یہ تو غلط ہے اس نے لڑکی پر رحم کیا اور اسے اس کے محبوب کیلئے جانے دیا۔ یہ غلط ہے یہاں میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا ہے۔ ایک ڈاکو کیلئے تو پتھر دل ہونا بیحد ضروری ہے۔ اسے چاہیے تھا کہ لڑکی کو پامال کرتا۔ مسلتا کچلتا اور اس کے بعد اسے اپنا غلام بنا لیتا۔ اپنے جوتوں کے نیچے رکھتا اس سے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی لیکن اس نے۔"

"ناتجربے کار ہے، بچہ ہے شیر دل!" دیپا سرد لہجے میں بولا۔ لیکن اسی وقت چونک پڑا پھر اس نے کہا۔

"دیکھو ذرا دیکھو، دیکھو ادھر شیر دل۔" شیر دل نے دیکھا کہ منگل نے اپنا پستول نکال لیا ہے پھر دھائیں دھائیں کی تین آوازیں اور لڑکی کے جسم سے خون کے فوارے بہنے لگے۔ وہ لڑکھڑاتی ہوئی نیچے گری اور مر گئی۔ شیر دل اچھل پڑا تھا۔

"ارے واہ! یہ کیا ہوا، یہ کیا ہوا۔ ارے باپ رے، یہ تو بہت ہی مشکل کام ہے جو اس نے کیا۔ بہت مشکل تھا یہ سب کچھ۔ بہت ہی مشکل تھا۔ دیپا تو نے دیکھا میں نے کہا تھا نا کہ وہ درندہ ہے۔ اس کے اندر انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ واہ دل خوش کر دیا اس گدھے نے۔ دل خوش کر دیا۔ آؤ واپس چلیں۔ دیپا! شیر دل کے ساتھ واپس چل پڑا تھا۔ منگل نے لڑکی کی لاش تک کو نہیں دیکھا اور واپس مڑ گیا۔ شیر دل نے خوشی کے عالم میں کہا۔

"وہ سچ مچ مجھ سے زیادہ طاقتور، دلیر اور مجھ سے زیادہ وحشی ہے۔ میرے سارے ماضی میں ایک کمزوری رہی ہے اور وہ ہے عورت، حسین عورتوں نے درجنوں بار مجھے ایسے معاملات کیلئے مجبور کر دیا جو میں نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ...... یہ عورت پرست بھی نہیں ہے۔ بہت ہی خوفناک نکلے گا یہ۔ میں دعوے سے کہتا ہوں یہ بہت ہی خوفناک نکلے گا۔ دیپا! نے پرخیال انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

☆......☆......☆

جوانی سمندری طوفان کی مانند ہوتی ہے۔ سمندر جوش میں آتا ہے اور اس کے ب
ہوائیں ساکت ہو جاتی ہیں اور سمندر پرسکون۔ وزیر شاہ ایک اچھے انسان کا بیٹا تھا لیکن نجا
کیوں اس کی فطرت میں درندگی تھی اور یہ درندگی اس نے نجانے کیسے کیسے طریقے سے کی
بیشار انسانوں کو اس سے شدید نقصان پہنچا۔ پھر آہستہ آہستہ اس پر تھکن غالب ہونے لگی اور ب
عرصے کے بعد وہ گزرے ہوئے طوفان کا سمندر بن گیا لیکن فطرت میں برائیاں بدستور تھیں
کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ کسی کے سکھ کا ساتھی نہیں تھا۔ ہاں اگر کسی کو دکھ پہنچانے کی با
ہوتی اور وہ یہ کام کر سکتا تو کبھی اس میں دقت محسوس نہیں کرتا تھا۔ ایک دن کہیں سے گزر رہا
کہ بوڑھے رنگو کو دیکھا جو زمین پر بیٹھا چھوٹی چھوٹی گٹھیاں کھیل رہا تھا۔ وہ گٹھیاں اٹھا کر ادھر
ادھر رکھ رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ انگلیوں پر حساب لگاتا جا رہا تھا۔ نجانے کیوں وزیر شاہ کو ک
دلچسپی محسوس ہوئی۔ آگے بڑھا اور رنگو کے قریب پہنچ گیا۔ کچھ اور افراد بھی اس کے ساتھ تھے۔

''کیا کر رہے ہو رنگو بابا؟''

''حساب لگا رہا ہوں۔ زندگی کا حساب لگا رہا ہوں۔'' رنگو نے جواب دیا۔

''کس کی زندگی کا؟'' وزیر شاہ نے سوال کیا۔

''سب کی زندگی کا' تیری زندگی اور اپنی زندگی کا۔ حساب تو حساب ہی ہوتا ہے لگ
گیا حساب' کیا بتاؤں کسی کو؟''

''میری زندگی کا کیا حساب ہے؟''

''بس کافی جی لیا اب مر جا۔'' رنگو نے کہا وزیر شاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''اور خود تیری زندگی کا کیا حساب ہے؟''

''تجھ سے پہلے مر جاؤں گا کیا سمجھا۔''

''مر تو تم ابھی جاؤ گے رنگو مگر میں نہیں چاہتا کہ تم ابھی مرو کیونکہ تم مجھ سے
گے اور میں تمہارے بعد۔''

''تو اب یہ سمجھ لو کہ تمہیں زندہ رہنا پڑے گا۔'' وزیر شاہ کے ساتھی ہنسنے لگے اور خ

وزیر شاہ بھی۔

''پاگل ہے بیچارہ چلو آگے بڑھو۔'' وزیر شاہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ آگے تو بڑھ گیا تھا لیکن دل پر ایک عجیب سی وحشت سوار ہو گئی تھی۔ کیا بک رہا تھا یہ بوڑھا رنگو کچھ اس طرح وحشت زدہ ہوا وہ کہ اس کے بعد اسے ایک فکر سی لگ گئی۔ رنگو کے الفاظ یاد آتے تو نجانے کیسی کیسی کیفیتوں کا شکار ہو جاتا۔ ہفتے میں ایک آدھ بار وہ اپنے ایک آدمی کو خفیہ طریقے سے بستی کے چوک میں بھیجتا اور اس سے کہتا کہ جاؤ ذرا رنگو کو دیکھو۔ ٹھیک ہے' بیمار وغیرہ تو نہیں ہے۔ رنگو کی اچھی خاصی حیثیت ہو گئی تھی۔ اس بات کے کہنے کے بعد کیونکہ ایک وہم سا پیدا ہو گیا تھا اسے' غرض یہ کہ وقت گزرتا رہا۔ پر ایک دن اس نے ایک خوفناک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک ویرانے میں تنہا کھڑا ہے۔ اس کے چاروں طرف چٹانیں بکھری ہوئی ہیں اور وہ سہم سہم کر ایک ایک کو آواز دے رہا ہے۔

''کہاں مر گئے تم لوگ' سارے کے سارے کہاں غائب ہو گئے۔ اکیلا چھوڑ دیا مجھے کمینوں' میں کہتا ہوں کہاں چلے گئے تھے تم سب لوگ' میرے سامنے آؤ ایک ایک کی ضرورت ہے مجھے' سامنے آؤ میرے سامنے آؤ مگر کسی کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا اور وہ چیختے جا رہا تھا کہ اچانک دور سے اسے ایک گھوڑا سوار نظر آیا۔ اس کے پورے بدن پر سیاہ لباس تھا۔ چہرہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے ایک لمبی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ وزیر شاہ کا گلا خشک ہو گیا تھا۔ اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''کک کیا۔ کون ہو تم؟ کیا چاہتے ہو؟'' جواب میں آنے والے گھوڑے سوار نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ ایک طاقتور جوان کا چہرہ تھا اور چہرہ کے نقوش بہت ہی عجیب سے تھے۔ ایک خوبصورت لیکن کرخت چہرہ۔ کالے لباس والا بولا۔

''پہچان لیا مجھے' پہچان لیا تھا ناں۔ کہا تھا میرے باپ کو جوتے مت لگواؤ ورنہ تمہارے کھیت کھلیان سب جلا کر راکھ کر دوں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے تلوار اٹھائی اور وزیر شاہ کی گردن اس کے کاندھوں سے دور جا پڑی۔ وزیر شاہ اپنی گردن اٹھانے کے لیے لپکا لیکن دو قدم چل کر گر پڑا۔ یہ خواب بے حد بھیانک تھا۔ وزیر شاہ پر ایک وحشت سوار ہو گئی تھی۔ نجانے کیوں اسے سب کچھ یاد آ رہا تھا۔ دوسرے دن صبح کو اس نے اپنے ایک خاص مشیر سے کہا۔

''سنو وہ لڑکا کیا نام تھا اس کا جو ہمارے سائس کا بیٹا تھا اور اس نے ہمارے کھلیانوں کو آگ لگانے کی دھمکی دی تھی۔''

''سائس کا نام فیضہ تھا۔ وہ سائس نہیں تھا سرکار دودھ نکالنے والا تھا گوالہ۔''

''ہاں' ہاں اس کے بارے میں کہہ رہا ہوں میں۔''

''اس کے بیٹے کا کیا نام تھا؟''

''منگل تھا شاہ جی منگل۔''

''فیضہ اسے اپنے ساتھ لے کر یہاں سے نکل گیا تھا۔ اس لڑکے نے گامو کے ہا
کاٹ دیئے تھے۔

''جی سرکار ایسا اس لڑکے نے کیا تھا۔''

''ہوں۔ پھر پتہ نہیں چلا کہ فیضہ اور اس کا بیٹا! کہاں چلے گئے۔''

''نہیں سرکار! اسے تھوڑا بہت تلاش کیا تھا اس کے بعد اس کا پیچھا چھوڑ دیا گیا۔''

''حالانکہ اسے ختم کر دینا چاہیے تھا تم لوگوں نے اسے کیوں زندہ چھوڑا۔ اس
جواب دو اور آج تم مجھے بڑی سادگی کے ساتھ بتا رہے ہو کہ صرف گامو کے قتل کے سلسلے م
اس کا پیچھا کیا گیا تھا۔ میرا مطلب ہے ان کے ہاتھوں کے زخموں کے سلسلے میں' گامو اتنا بڑا
گیا تھا تمہارے لیے اور ہمارے کھیت کھلیان کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔''

''نہیں سرکار! بس سرکار ہی کا تو حکم تھا یہ کہ لعنت بھیجو اس پر چلا گیا سو چلا گیا۔''

''اور تم نے لعنت بھیج دی۔ میں اگر تم پر لعنت بھیج دوں تو تمہارا کیا ہوگا اس بات
تمہیں اندازہ ہے۔''

''سرکار! بات تو بہت پرانی ہوگئی۔''

''ہاں پرانی ہوگئی لیکن تمہیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ اگر مجھے کبھی یاد آ گیا تو تم لوگوں
کیا حشر ہوگا؟''

''سرکار! معافی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہوگئی غلطی۔'' وزیر شاہ خاموش ہوگ
تھا۔ لیکن وہ خواب اس کے ذہن میں ہلچل مچاتا رہا تھا۔ ہمیشہ وہ اپنے اس احساس کا شکار ہو جا
تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے اور پھر جب سے رنگو نے وہ پیش گوئی کی تھی اس دن سے اس ک
حالت اور خراب ہوگئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کسی سے اپنے اس خو
کا اظہار کر بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی تقدیر بہت سے فیصلے وقت سے پہلے سنا دیتی ہے۔ ا
انسانی ذہن تک وہ پہنچا دیتی ہے جو ہونے والا ہوتا ہے۔ ادھر تو وزیر شاہ کی یہ کیفیت تھی۔ اد
منگل خاں طوفان بن چکا تھا۔ اسے دیکھ دیکھ کر آنکھیں جھک جاتی تھیں۔ ایسا قد و قامت نکالا
کہ دیکھنے والے دیکھیں تو دیکھتے رہ جائیں۔ شکل و صورت بھی بہت اچھی تھی۔ کچھ قدرتی طور
اس میں صفات تھیں جو ناقابل شکست سی محسوس ہوتی تھیں۔ خود شیر دل اسے دیکھتا تھا تو جھجک
رہ جاتا تھا۔ پھر ایک دن اس نے منگل سے کہا۔

''منگل میں چاہتا ہوں اب تم اپنا کام سنبھال لو اور اپنی زندگی کا پہلا کارنامہ سرانجا

دو۔ ایک ڈاکو کی حیثیت سے۔'' منگل نے بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر شیر دل کو دیکھا اور بولا۔

''جو سردار کا حکم۔''

''نہیں خود تمہارے دل میں کیا بات ہے مجھے وہ بتاؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ یہ کام اس انداز میں سرانجام دو۔''

''میں چاہتا ہوں سردار کہ پہلے میں اپنے سب سے بڑے دشمن کو ختم کروں۔ ویسے تو خیر میرے ہاتھ خون سے رنگین ہیں لیکن میں انہیں رنگ نہیں مانتا جب تک میں اپنے دشمن کا خون اپنی کلائیوں اور بازوؤں پر نہیں ملوں گا اپنے آپ کو قاتل نہیں کہوں گا۔''

''میں سمجھ گیا بڑا دشمن وزیر شاہ ہے نا تمہارا۔''

''ہاں سردار وزیر شاہ بھی ہے۔''

''اور بھی کوئی ہے۔''

''نہیں میں بات وزیر شاہ ہی کی کر رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے تم گروہ کو لے جاؤ اور بستی پر حملہ کرو۔ راج گڑھی ہے نا تمہاری بستی کا نام۔''

''وہ اب میری بستی نہیں ہے اور نہ ہی میں گروہ کے ساتھ بستی پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو پھر۔''

''تنہا جاؤں گا سردار! اور تنہا اپنے دشمن اور اس کے خاندان کو ختم کر کے آؤں گا۔ یہ مت سمجھنا کہ ایک نوجوان جذباتی ہو کر یہ الفاظ کہہ رہا ہے۔ تم اس بات کا اطمینان رکھو سردار! کہ جس کام کیلئے جا رہا ہوں وہ کر کے زندہ سلامت اور تندرست واپس آؤں گا اور جو کچھ میں کہتا ہوں وہ کر کے دکھا دیتا ہوں۔ یقین نہ آئے تو کوئی ایسی ذمے داری میرے سپرد کرو جو تمہارے خیال میں ناقابل یقین ہو۔'' شیر دل مسکرا دیا پھر اس نے کہا۔

''نہیں منگل! میں جانتا ہوں کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ٹھیک کہہ رہے ہو۔ چلو ٹھیک ہے تیاریاں کر لو میں تمہیں کھلی اجازت دیتا ہوں اور پھر سردار! نے خود اپنے ہاتھوں سے منگل کے جسم پر ہتھیار سجائے۔ اسے لوہے کا لباس پہنایا اور اوپر سے سیاہ رنگ کا ایک لبادہ پہنا دیا۔ یہ ایک سردار کی شان والا لباس تھا۔ ایک بہت ہی قد آور اور توانا گھوڑا اسے دیا گیا اور مکمل طور پر راستے کے بارے میں بتا دیا گیا۔ منگل کو تین پڑاؤ کر کے اپنی بستی راج گڑھی پہنچنا تھا۔ تینوں پڑاؤ کی تفصیل اسے بتا دی گئی تھی۔ اس سج دھج کے ساتھ آخر کار منگل ڈاکوؤں کے ڈیرے سے روانہ ہو گیا اور گھوڑا راستے طے کرتا ہوا پہلے پڑاؤ پر پہنچا۔ ادھر شیر دل نے اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا

بلکہ خود اس نے اپنے ساتھ پندرہ افراد لیے اور تیاریاں کر کے اتنا فاصلہ دے کر اس کے پیچھے چل پڑا کہ منگل کو کسی کی موجودگی کا شبہ نہ ہو سکے۔ اس کے بعد جب وہ پہلے پڑاؤ پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ منگل وہاں سے آگے روانہ ہو چکا ہے اور یہ حقیقت بھی تھی کہ منگل نے بہت عرصے پہلے پڑاؤ پر قیام نہیں کیا۔ بس تھوڑے سے وقت اس نے گھوڑے کو آرام دیا اور پھر دوبارہ چل پڑا۔ اور پھر دوسرا پڑاؤ' تیسرا پڑاؤ' بستی راج گڑھی تھی۔ منگل عالم ہوش میں اس بستی سے نکلا تھا چنانچہ بستی کے نواحات اسے یاد تھے۔ رام سنگھ کی دھرم شالہ کو اس نے اپنا مسکن بنایا۔ یہ دھرم شالہ بستی کے کھیتوں سے کچھ فاصلے پر تھی اور یہاں ایک آدمی رہا کرتا تھا۔ جو آنے جانے والوں کی دیکھ بھال کیا کرتا تھا۔ جب منگل وہاں پہنچا تو بوڑھا آدمی سو رہا تھا۔ منگل نے وہاں کچھ وقت گزارنے کا فیصلہ کیا۔ گھوڑے کو ایسے رخ پر باندھا کہ بستی سے وہ نظر نہ آ سکے پھر اس نے سونے والے شخص کو جگایا اور بوڑھا بیچارہ منگل کو دیکھ کر کانپنے لگا۔

''جے ہو مہاراج کی' مہاراج کون ہیں' دیوتا ہیں یا اوتار ہیں کہاں سے آئے ہیں کہاں جا رہے ہیں؟''

''بابا جی! مسافر ہوں یہ سامنے جو بستی پھیلی ہوئی ہے اس کا نام راج گڑھی ہے نا؟''

''ہاں مہاراج! راج گڑھی ہی ہے۔''

''راج گڑھی میں ایک بہت بڑا آدمی رہتا تھا نام تھا اس کا وزیر شاہ!''

''اب بھی رہتا ہے مہاراج!''

''کتنے بچے ہیں اس کے؟''

''تین ہیں مہاراج! دو بیٹے ایک بیٹی!''

''بیوی زندہ ہے۔''

''ہاں مہاراج! ابھی تو جوان ہیں وہ لوگ۔''

''اور کون رہتا ہے اس کی حویلی میں۔''

''نوکر چاکر ہیں' خاندان والے ہیں۔''

''اور بستی میں کوئی خاص بات ہوئی؟''

''نہیں مہاراج! لیکن آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''اس لیے بابا! کہ تھوڑی دیر کے بعد وزیر شاہ اس دنیا میں نہیں رہے گا اور اس کا خاندان بھی۔''

''کیوں مہاراج! اسے کیا ہونے والا ہے؟''

''اس کا ایک دشمن اسے مار دے گا۔''

''جو بھگوان کا حکم' بھلا بھگوان کے حکم سے کون انکار کر سکتا ہے مہاراج! پر آپ کون ہیں؟'' جواب میں منگل ہنس کر خاموش ہو گیا۔ اس وقت سورج آسمان کی آدھی بلندیوں پر پہنچ رہا تھا جب بستی راج گڑھی کے بھرے بازار سے ایک گھوڑے سوار گزرا۔ قد و قامت بے پناہ تھی۔ بدن کالے لبادے میں ڈھکا ہوا تھا۔ چہرہ بھی چھپا ہی ہوا تھا۔ بستی کے چوراہے پر پہنچا تو بوڑھا رنگو نظر آیا۔ اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور ادھر ادھر جمع ہوئے لوگوں سے کہنے لگا۔

''کہا تھا نا میں نے' کہا تھا مگر کوئی مانا ہی نہیں میری بات۔ میں نے اس کے باپ سے بھی کہا تھا۔ کہا تھا نا میں نے فیصلہ سے کہ مار دو اسے تم اس کی شکل میں ایک شیطان کو جنم دے رہے ہو۔ ایک راکھشش کو پروان چڑھا رہے ہو پر نہ مانے' میں نے خود مارنے کی کوشش کی' تو مجھے مارنے دوڑ پڑے۔ کہا تھا اس عورت سے مر گئی خود بھی' میاں بھی مر گیا اور اب......'' بوڑھا رنگو منگل کے سامنے کھڑا یہ بات کہہ رہا تھا۔ منگل کے چہرے پر وحشت ہی وحشت چھائی ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔

''تو رنگو ہے نا؟''

''ہاں ہاں میں رنگو ہوں میں ہی رنگو ہوں اور جانتا ہوں کہ تو کیوں آیا ہے یہاں' چل کام کر اپنا۔ کام کر' کام کر' کام کر۔'' رنگو نے کہا اور منگل نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کی گردن پکڑ لی۔ منگل کا لمبا چوڑا ہاتھ اور رنگو کی پتلی سی گردن۔ پر رنگو دونوں ہاتھ پیچھے باندھے ایسے کھڑا ہوا تھا جیسے اسے منگل کی کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔ منگل کے ہاتھ کی گرفت اس کی گردن پر تنگ ہوتی چلی گئی اور کچھ لمحے بعد رنگو کی زبان اور آنکھیں باہر نکلنے لگیں۔ منگل نے اسے چھوڑا تو وہ پٹ سے مردہ چھپکلی کی مانند نیچے گر پڑا۔ قرب و جوار میں پھیلے ہوئے لوگ سہمی ہوئی نگاہوں سے منگل کی یہ حرکت دیکھ رہے تھے۔ منگل نے رنگو کے بدن کو ایک ٹھوکر لگائی۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر حویلی کی جانب چل پڑا۔ قرب و جوار میں کھڑے لوگ دوڑ پڑے تھے اور سوکھے ہوئے رنگو کے پاس پہنچ گئے تھے جو اب اس دنیا کو چھوڑ چکا تھا۔ چاروں طرف شور سا مچ گیا۔ ادھر منگل حویلی کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازے کے چوکیدار مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ منگل نے ریوالور سیدھا کیا اور دھائیں دھائیں کی آوازوں کے ساتھ چاروں چوکیداروں کے سینے میں سوراخ ہو گئے۔ گولیاں صحیح نشانے پر عین دل کے مقام پر لگی تھیں۔ اس لیے چیخیں تک نہ سنائی دیں۔ منگل کا گھوڑا اندر داخل ہو گیا۔ اس وقت وزیر شاہ اپنے تین آدمیوں کے ساتھ باہر ہی موجود تھا۔ لان پر مونڈھے رکھے ہوئے تھے اور وزیر شاہ مونڈھوں پر بیٹھا اپنے آدمیوں سے باتیں کر رہا تھا کہ اسے فائرنگ کی آواز سنائی دی اور پھر وہ گھڑ سوار نظر آیا۔ اور گھڑ سوار کو دیکھ کر جیسے وزیر شاہ کے پورے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اس کے اعصاب نے ساتھ چھوڑ

دیا۔ پاؤں اسی جگہ جم کر رہ گئے۔ اپنی جگہ سے نہ اٹھ سکا۔ اس گھڑسوار ہی کو تو اس نے خوا
میں دیکھا تھا۔ وہ لوگوں سے کہہ بھی نہ سکا کہ یہ وہی خواب والی تصویر ہے۔ منگل نے بھی ا
دیکھ لیا اور پہچان بھی لیا۔ گھوڑے سمیت وہ لان پر پہنچ گیا۔ اس نے اپنی رائفل سیدھی کی ا
وزیر شاہ کی کھوپڑی سے لگاتا ہوا بولا۔

''تم میں سے دو آدمی اندر جاؤ اور پوری حویلی خالی کرا کر باہر لے آؤ۔ پوری حو
میں ایک بھی شخص اندر رہ گیا تو تم دونوں کو گولی سے اڑا دوں گا۔ جاؤ...... ورنہ میں اس
کھوپڑی میں سوراخ کیے دیتا ہوں۔ آواز اتنی خوفناک تھی اور غراہٹ اتنی خطرناک کہ ان لوگو
کے دل لرز گئے۔ منگل نے وزیر شاہ کے سر پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

''ان لوگوں سے کہو جو میں کہہ رہا ہوں وہ کریں ورنہ......''

''نن...... نہیں تم کون ہو...... مم...... میں انہیں نہیں جانے دوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' منگل نے کہا اور اپنے ریوالور سے دو فائر کر کے ان دونوں کو وہیں
ڈھیر کر دیا جنہیں اس نے یہ حکم دیا تھا باقی زمین پر گر پڑے تھے۔ وزیر شاہ نے اٹھنے کی کوشش
کی لیکن منگل نے اس کے سر پر دباؤ ڈال کر اسے نیچے بٹھا دیا۔

''ہوں اب باقی رہ گئے تم' دونوں جاؤ...... دوڑتے ہوئے جاؤ اور اگر حویلی کے
اندرونی حصے میں ایک بھی شخص باقی رہا تو مت سمجھنا چھپ جاؤ گے۔ میں بتاؤں گا تمہیں کہ میں
کون ہوں۔'' وہ دونوں اس طرح دوڑے کہ پلٹ کر نہیں دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حویلی سے
ایک ایک فرد باہر نکلنا شروع ہو گیا۔ وزیر شاہ کی بیوی' بیٹے' بیٹی اور دوسرے تمام رشتے دا
ملازموں سمیت اچھی خاصی فوج کی فوج تھی جب وہ سب لوگ قریب آ گئے تو منگل نے کہا۔

''تم میں سے جتنے لوگ نوکر ہیں وہ ہٹ کر پیچھے چلے جائیں چلو۔'' بہت سے لوگ
پیچھے چلے گئے تھے۔ اس نے دوبارہ کہا۔

''اور رشتے داروں میں کون لوگ ہیں تم لوگ ہو۔ کیا رشتے ہیں اپنے اپنے رشتے
بتاؤ۔'' لوگ کچھ نہیں سمجھ پائے تھے لیکن انہوں نے دو لاشیں دیکھی تھیں اور ان دونوں کو تھر تھر
کانپتے ہوئے دیکھا تھا جو وزیر شاہ کے مشیر تھے۔ چنانچہ اب انہوں نے رشتے بتانا شروع کر
دیئے۔ کوئی وزیر شاہ کا کزن تھا' کوئی ماموں زاد بھائی' چچا زاد بھائی۔ منگل نے ہنس کر کہا۔

لڑکے لڑکیاں پیچھے ہٹ جاؤ اور تم دونوں وزیر شاہ کے بیٹے اور بیٹی سامنے آ جاؤ۔
اس طرح یہ ساری ترتیب کی گئی۔ حویلی کے باہر گیٹ پر مجمع لگا ہوا تھا حالانکہ پہرے دار مر چکے
تھے لیکن کسی کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ اندر داخل ہو جائیں۔ ایک عجیب ہنگامہ' غلغلا مچا ہوا تھا۔
ادھر شیر دل کے تمام آدمی شیر دل سمیت اندر داخل ہو چکے تھے اور ڈاکوؤں کا یہ پورا گروہ ان

سب لوگوں کا دل ہلا دینے کیلئے کافی تھا۔ لیکن شیر دل قریب نہیں آیا۔ بس ایسی جگہوں پر اس
نے مورچے جما لیے تھے جہاں سے اگر منگل کے خلاف کوئی سازش ہو تو وہ اس کا مقابلہ کر
سکیں۔ وزیر شاہ اب تھوڑا سنبھل گیا تھا۔ اس نے منگل کی رائفل کا رخ اپنی طرف سے بدل کر
کہا۔

''بتا تو سہی تو ہے کون اور کیوں اس طرح یہاں آیا ہے اور کیا چاہتا ہے؟''

''ہاں مناسب وقت پر تو نے یہ سوال کیا وزیر شاہ! کتنی درخواست کی تھی ہم نے تجھ
سے ہاتھ جوڑ کر کہ ہمارے باپ کو جوتا مت لگوا' ہمارے باپ کو مت مار وزیر شاہ! کہا تھا نا ہم
نے تجھ سے کہ ہم تیرے کھیت کھلیان جلا دیں گے پھر نہیں مانا تو' فیضہ یاد ہے نا اور فیضہ کا بیٹا
بھی یاد ہو گا تجھے۔ بن ماں کا بچہ۔ ہم نے تجھ سے کہا تھا وزیر شاہ! نے تجھ سے کہا تھا۔ دیکھو یہ
تمہارے کھیت کھلیان ہیں یہی ہیں نا تیرے کھیت کھلیان۔ گامو کے ہاتھ کاٹ دیئے تھے ہم نے
پہچان گیا نا۔ فیضہ کے بیٹے ہیں ہم منگل۔ وزیر شاہ تو اس دنیا میں نہیں رہے گا اب لیکن جتنے تم
یہاں موجود ہو ایک بات تم یاد رکھنا کسی غریب کو مت چھیڑنا وہ ستم برداشت کرتا رہتا ہے لیکن سر
اٹھ جائے اس کا تو طوفان آ جاتا ہے۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور تم لوگ' یہ تمہارا باپ کتنا ظالم
ہے' کیا تم لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے؟ اسی کے بیٹے ہو نا تم' ارے تم تو اسے مجبور کر سکتے تھے کہ
وہ ظلم نہ کرے لیکن سنا ہے کہ اس کے بعد اس کے ظلم کی چکی اسی طرح چلتی رہی ہے اور راج
گڑھی کے لوگ اس میں پستے رہے ہیں۔ دیکھو باپ کا گناہ بیٹے کو کیسے بھگتنا پڑتا ہے۔ ہاں! تو
وزیر شاہ! بڑا ظالم' بڑا سنگ دل اور بڑا پاپی انسان ہے نا تو۔ دیکھ اپنے پاپوں کا نتیجہ۔ منگل نے
پیچھے ہٹ کر ریوالور نکالا اور اس کے بعد گولیاں چلنے لگیں۔ منگل نے ریوالور سے پہلے اس کے
دونوں بیٹوں کو ہلاک کیا اور پھر بیٹی کے ماتھے میں گولی مار دی۔ وزیر شاہ سینے پر ہاتھ رکھ کر اٹھ
کھڑا ہوا۔

''ارے تیرا ستیاناس' ارے خدا تجھے غارت کرے' یہ کیا کر ڈالا تو نے' مار دیا میرے
بچوں کو' مار دیا۔ ارے ختم کر دے میرے خاندان کو۔''

''ہاں وزیر شاہ اور یہ تیری بیوی ہے نا۔ عورت! دیکھ گناہ کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔'' منگل
نے وزیر شاہ کی بیوی کے سینے میں بھی گولی اتار دی تھی۔ پھر ان قریبی رشتے داروں کی طرف دیکھ کر
بولا۔

''دل چاہتا ہے کہ تمہیں معاف کر دوں لیکن تم اس کا نمک کھاتے رہے ہو نا۔ میں
اس سارے نمک کو خون بنا کر تمہارے جسموں سے بہا دینا چاہتا ہوں۔ سمجھے بہا دینا چاہتا
ہوں۔'' منگل نے دوسرا ریوالور نکالا اور اس کے بعد اس نے قتل عام شروع کر دیا۔ اچانک ہی

کسی طرف سے وزیر شاہ کے آدمی نکل آئے۔ یہ سب مسلح تھے۔ انہوں نے بندوقیں سنبھ
ہوئی تھیں لیکن ابھی وہ پہنچنے بھی نہیں پائے تھے کہ چاروں طرف سے ان پر گولیوں کی بارش ہو گ
اور وہ سب کے سب زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ منگل نے ایک نگاہ چاروں طرف دیکھا۔ اس کی سم
میں نہیں آیا کہ ان لوگوں پر گولیاں چلانے والے کون تھے۔ ادھر وزیر شاہ پر سکتہ ساطاری ہو گ
تھا۔ منگل نے کہا۔

''ہاں وزیر شاہ! تو نے اپنے خاندان کا خاتمہ دیکھ لیا۔ ایسے مرتے ہیں لوگ اور
نتیجہ نکلتا ہے ظلم کا۔ اب تو تیری کہانی ہی ختم ہو گئی۔ میں تجھے زندہ چھوڑ رہا ہوں یہ خوشخبری سن
مر جائے گا تو سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ ٹھیک ایک سال کے بعد میں تجھے مار دوں گا۔ ایک
سال دے رہا ہوں اس ایک سال میں تو سڑکوں گلیوں اور بازاروں میں اپنے خاندان کو تلاش
کرتا پھرے گا۔ تو پاگل ہو جائے گا اور دیوانوں کی طرح دیواروں سے ٹکر مارتا پھرے گا۔ یہ ہے
میرا انتقام۔ ٹھیک ایک سال کے بعد تو جہاں کہیں بھی ہو گا میں تجھے تلاش کر کے مار دوں گا۔
چلتا ہوں۔'' اس کے بعد منگل نے اپنے گھوڑے کا رخ تبدیل کیا اور پروقار انداز میں چلتا ہ
حویلی کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ شیر دل اور اس کے ساتھی یہ دیکھ چکے تھے کہ منگل نے اپ
کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا ہے اور اپنے اردگرد بکھرے ہوئے لوگوں کو اس طرح
ہپناٹائز کر دیا ہے کہ کوئی بھی اس کے خلاف کچھ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اب اس کے بعد
شیر دل یہ نہیں چاہتا تھا کہ منگل کو احساس ہو کہ اس کی پشت پناہی کی گئی ہے چنانچہ وہ بالکل
خاموشی سے ایک سمت اختیار کر کے ڈیرے کی جانب چل پڑا جبکہ منگل مردانہ وار پوری بستی کو
اپنے اس کارنامے کے بارے میں بتاتا چل رہا تھا۔

''دیکھ لو بے وقوفو! آخر کار میں نے وزیر شاہ سے اپنا انتقام لے لیا ہے۔ میں فیضہ
گوالے کا بیٹا منگل ہوں۔ اسی فیضہ گوالے کا بیٹا! جس کو وزیر شاہ نے اپنی ڈیوڑھی پر جوتے
لگوائے تھے آج ان جوتوں کا سارا حساب مکمل ہو گیا ہے۔ وزیر شاہ اب کتوں کی طرح بستی
میں بھونکتا پھرے گا۔ تمہیں اس کے مظالم سے نجات مل گئی ہے۔ منگل نے بستی کے آخری سرے
تک یہ پیغام دیا اور اس کے بعد اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

☆......☆......☆

آخر کار منگل واپس اپنے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ یہاں اس نے عجیب سماں دیکھا تھا۔
ڈاکوؤں نے پہاڑیوں میں رنگین جھنڈیاں باندھ رکھی تھیں۔ جگہ جگہ روشنی ہو رہی تھی۔ دیئے جل
رہے تھے اور جنگل میں منگل ہو گیا تھا۔ اونچے پہاڑی ٹیلوں پر ڈاکو ہتھیار سنبھالے دور دور تک
نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ شیر دل نے منگل کا استقبال کیا۔ دیپا بھی ساتھ تھا اور بہت سے لوگ

تھے۔ جب منگل نیچے اترا تو شیر دل نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور منگل کو سینے سے
لگا کر ہنس کر دیپا سے بولا۔
''دیکھتے ہو چڑھتا سورج اور جلتا سورج' منگل آج اپنے اس دشمن کا خاتمہ کر کے آیا
ہے جس نے اسے ڈاکو بنایا ہے۔ کیوں منگل' اب ڈاکو منگل خان! اپنا کام سرانجام دے گا۔''
''اگر سردار کی اجازت ہوئی تو۔''
''منگل خان! تجھے میں سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب میرا آرام کرنے کا وقت ہے
میں اور دیپا تجھے راستے دکھائیں گے کام تو خود کرے گا۔ اب شیر دل کے بجائے منگل خان کا
نام ابھرے گا تم میرے......
''نہیں سردار! تم میرے سرپرست ہی نہیں میرے لیے میرے بڑے ہو اور میں
بہت برا آدمی ہوں لیکن تمہارے سامنے میرا سر ہمیشہ جھکا رہے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے نام تمہارا ہی
چلے گا۔''
''اب اگر تو نے مجھے بڑا کہا ہے تو مجھے چھٹی پر جانے دے میں تیرے نام کے ساتھ
پہلا ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہوں۔'' اور پہلے ڈاکہ ڈالنے کیلئے جس بستی کا انتخاب کیا گیا تھا وہ راج
گڑھی کے بغلی حصے میں آباد تھی اور اس کا نام چندی پور تھا۔ چندی پور کے رہنے والے آرام کی
گہری نیند سو رہے تھے کہ اچانک ہی گولیوں کی آوازوں سے پوری بستی گونج اٹھی۔ ڈاکوؤں نے
بستی گھیرے میں لے لی تھی۔ ان کی روشنی میں مشعلیں بستی میں داخل ہو رہی تھیں۔ بستی کا اکلوتا
پولیس اسٹیشن یا پولیس چوکی کنارے پر ہی تھی۔ سپاہی تیار ہو گئے اور مورچے بنا بنا کر گولیاں
چلانے لگے لیکن انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان پر موت نازل ہو رہی ہے۔ بم دھماکے ہوئے اور پورا
پولیس سٹیشن تنکوں کی طرح فضا میں بکھر گیا۔ ان میں انسانی جسموں کے ٹکڑے بھی تھے اور پولیس
کا اسلحہ بھی اور اس کے بعد لوٹ مار شروع ہو گئی۔ منگل خان کے نام پر یہ لوٹ مار شروع ہوئی
تھی اور وہ خوفناک ہنگامہ ہوا تھا کہ اس سے پہلے کبھی اس طرح کا ڈاکہ نہیں ڈالا گیا تھا۔ شیر دل
اور دیپا بھی ساتھ تھے۔ وہ صرف ایک بات دیکھ رہے تھے کہ منگل خان کو خون بہانے کا بہت
شوق تھا۔ وہ ہر اس آدمی کو قتل کر رہا تھا جو اس کے سامنے آ جاتا تھا۔ جب کہ دوسرے لوگ لوٹ
مار کر رہے تھے۔ شیر دل نے ڈاکے کے خاتمے پر جب سارا سامان سمیٹ کر باندھا جا رہا تھا اور
بچے کھچے بستی والے اوندھے لیٹے ہوئے زندگی کی بھیک مانگ رہے تھے دیپا کو سرگوشی میں کہا۔
''کسی ایک ڈاکے میں اتنے لوگوں کو قتل نہیں کیا ہم نے۔''
''ہاں۔ میں دیکھ رہا ہوں وہ سنگدل دیوانہ ہے۔''
''شروع ہی سے اس کی یہ کیفیت رہی ہے۔ اسے انسانی زندگی سے کوئی ہمدردی نہیں

ہے۔ بے دریغ قتل کر دیتا ہے جانوروں کی طرح ذبح کر دیتا ہے۔''

''کہیں اس کی یہ فطرت اس کیلئے نقصان کا باعث نہ بن جائے۔''

''سمجھاؤں گا میں اسے۔'' اور ڈیرے پر پہنچ کر ایک جگہ جب تمام معاملات سے فراغت حاصل ہو گئی تھی اور سنگی اپنے پہلے ڈاکے کے مال میں سے اپنا حصہ وصول کر چکا تھا شیر دل نے منگل کو ایک جانب لے جا کر کہا۔

''بیٹھو منگل یہ جگہ میری پسندیدہ جگہ ہے تمہیں کیسی لگتی ہے؟''

''سردار بہت خوبصورت جگہ ہے اور شاید تم یقین کرو کہ میں اکثر یہاں آ کر بیٹھا کرتا ہوں۔''

''میں نے دیکھا ہے تمہیں اور اسی لیے میں تم سے بات کرنے کیلئے تمہیں یہاں بلایا ہے۔''

''سردار کی پسند کی جگہ میری پسند کی جگہ ہے حکم دیں۔''

''منگل تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی سردار!''

''ویسے تو تم مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتا چکے ہو۔ تمہارے ذہن پر خون کیوں سوار ہو جاتا ہے؟''

''سردار! اگر برا نہ مانو تو ایک بات کہوں۔ دنیا کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ انسان' انسان کے اوپر چڑھے نہ رہیں اتنے لوگ کم ہو جائیں کہ دوسروں کو سکون کی زندگی گزارنے کا موقع ملے۔ آزادی مل جائے۔''

''یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ یہ کام تم نہیں کر سکتے۔''

''کیوں سردار؟''

''ارے باؤلے دنیا کی آبادی تو بہت زیادہ ہے اور پھر ہمیں اس کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو سب نظام قدرت ہے ہمیں اپنا کام کرنا چاہیے۔''

''بس میرا دل یہی چاہتا ہے سردار!''

''میں اس سلسلے میں تمہیں کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں ضرور کہو۔''

''کسی کی بددعا نہیں لینی چاہیے یہ بددعا جب لگتی ہے تو پھر بچت نہیں ہوتی اس سے۔''

''ٹھیک ہے لیکن میں کسی کی بددعا کب لیتا ہوں۔''

''بیگناہوں کو مارو گے تو کوئی نہ کوئی تو ان کا وارث ہوتا ہی ہے۔ عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں' بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ باپ اولادوں سے محروم ہوتے ہیں اور پھر ان کے منہ سے بددعاؤں کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔''

''تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے سردار؟''

''صرف ڈاکے ڈالو اور دولت لوٹو اور واپس آ جاؤ۔ ہاں اگر کوئی مزاحمت کرے تم پر وار کرے تو بے شک اسے قتل کر دو لیکن بے مقصد نہیں۔'' البتہ جب دوسرے ڈاکے میں شیر دل نے منگل کی وہی کیفیت دیکھی تو اس نے ٹھنڈی سانس لے کر دیپا سے کہا۔

''خون دیکھ کر یہ دیوانہ ہو جاتا ہے میں سمجھتا ہوں یہ اس کے اندر کوئی بیماری ہے جسے ہم دور نہیں کر سکتے۔'' منگل ڈاکو قرب و جوار میں موت کا پیامبر بنا ہوا تھا اور جب اس کے ہاتھوں کی لمبائی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ بستی کے علاوہ وہ شہروں میں بھی ڈاکے ڈالنے لگا تو قرب و جوار کی ریاستیں اور حکومتیں اس بات پر تیار ہو گئیں کہ منگل کیلئے ایک باقاعدہ اور منظم کام شروع کیا جائے۔ ادھر منگل کے اپنے افکار و خیالات بہت ہی عجیب تھے۔ ایک اور نوجوان شخص سے اس نے دوستی کی تھی۔ اس کا نام زرغام تھا۔ زرغام بھی ایک خاموش طبع اور جیالا قسم کا نوجوان تھا۔ عام طور سے منگل کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ منگل نے زرغام سے کہا۔

''ہم روایتی انداز میں ڈاکے نہیں ڈال رہے زرغام باقاعدہ کسی بستی کا رخ کرتے ہیں تباہی پھیلاتے ہیں اور نکل جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ایک خطرناک بات جس پر ابھی تک غور نہیں کیا۔''

''وہ کیا؟'' زرغام نے پوچھا۔

''دیکھو اب ہم مشہور ہو چکے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ لوگ ہم سے واقف نہ ہوں۔ ہم اپنا کام کرتے ہیں اور نکل آتے ہیں۔ قرب و جوار کی بہت سی بستیاں ہم لوٹ چکے ہیں اور بہت سی ایسی ہیں جو ہمارا ٹارگٹ ہیں لیکن یہ کام کرتے ہوئے ہم اپنے ٹارگٹ پر غور بھی کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ کیا پولیس' یا ڈاکوؤں کے خلاف جمع ہونے والے لوگ یہ بات نہیں سوچ سکتے کہ ڈاکہ ڈالنے کے بعد ہم لازمی طور پر اس ڈیرے پر آتے ہوں گے۔ اگر کسی دن چالاکی سے کسی نے ڈیرے تک ہمارا پیچھا کر لیا تو یوں سمجھ لو کہ پولیس پوری طاقت سے ہمارے ڈیرے پر حملہ کرے گی اور اس کے بعد ہمارا خاتمہ کر دے گی۔'' زرغام کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے تھے۔ اس نے کسی قدر سرسراتی آواز میں کہا۔

''کیا بات سوچی ہے تم نے منگل! واقعی یہ بات تو ہے لیکن اب بتاؤ کہ اس کا تدارک کیا ہو سکتا ہے؟''

"ہمیں کسی ایک جگہ قیام نہیں کرنا چاہیے۔ گروہ کی شکل میں ہمیں جگہ جگہ
ہوتے رہنا چاہیے۔ ہم ایک بہت وسیع علاقے کو نشانہ بنائیں اور جگہ جگہ قیام کریں۔
ڈالنے کے بعد فوراً ہی ڈیرے کا رخ نہ کیا کریں جب بہت سا مال جمع ہو جائے تو ہم اپنا
ڈیرے پر منتقل کر دیں۔ یہ ایک بہترین طریقہ کار ہو سکتا ہے۔"

"واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس کیلئے سردار شیر دل سے اجازت
گی۔" منگل نے پرخیال انداز میں گردن ہلا دی۔ شیر دل ایک واحد انسان تھا جس کی
عزت کرتا تھا اور اس کی اپنی سنگدلی میں شیر دل کا احترام موجود تھا۔ شیر دل نے اس کی با
تو سوچ میں ڈوب گیا پھر کافی دیر تک غور کرنے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جوان خون ہے اور جوان ذہن ہے۔ دیپا! لڑکا کہہ تو ٹھیک رہا ہے۔ جب
مشہوری ہو جاتی ہے تو اس کے بعد دوسرے لوگ بھی سنبھل جاتے ہیں۔ واقعی اگر کوئی کبھی
کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا تو کام کافی خراب ہو جائے گا۔ مگر منگل تو یہ کام کرے گا کیسے؟"

"سردار باپ! اب میں تمہیں سردار باپ کہنے سے نہیں چوکتا' کیونکہ جو کام می
باپ نے نہیں کیا وہ تم نے میرے لیے کیا ہے۔ میں اس سلسلے میں ایک باقاعدہ منصوبہ بناتا
ہوں۔ ہم ان چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں اپنا کام کرتے رہے ہیں لیکن یہ آبادیاں اب خا
چکی ہیں ہمیں دولت کے انبار چاہئیں۔ اتنی دولت جمع کر لینا چاہتا ہوں میں کہ اس کے
دولت کی ہوس ختم ہو جائے اور ان بستیوں کے غریب اب اس قدر غریب ہو چکے ہیں ک
کے پاس کچھ نہیں رہا۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ ہمارے پاس منتقل ہو چکا ہے۔ یہ ساری
اپنی جگہ ہیں سردار! میں یہ چاہتا ہوں کہ اب ذرا جدید پیمانے پر کام کیا جائے کہ ہم جگہ جگہ
اڈے بنائیں' شہروں میں موجود لوگ ہمارے لیے کام کریں اور ہم آرام کے ساتھ اپنا کا
انجام دیں۔ سردار اس کیلئے میں زیادہ لوگوں کو نہیں حاصل کرنا چاہتا صرف تھوڑے سے
مجھے دے دیئے جائیں۔ چار پانچ آدمی اس سے زیادہ مجھے نہیں چاہئیں ہم لوگ مل کر
کریں گے۔"

"بات بہت اچھی ہے مجھے پسند آئی۔"

"جی سردار! اور ہم یہ مال جمع کرتے رہیں گے اور اس کے بعد جب ہمارے
اتنا مال جمع ہو جایا کرے گا کہ اسے سنبھالنا ہمارے لئے مشکل ہو تو پھر اسے ہم ان اڈوں پ
کر دیں گے۔ زمین کی وسعتیں پھیلی ہوئی ہیں اور یہ سب اپنا کام بڑی آسانی سے کر
گے۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں اپنے لیے ایسے لوگوں کا انتظام کر لو

کام کر سکیں۔"

"سردار مجھے دس آدمی چاہئیں۔"

"اتنے عرصے سے تم گروہ میں ہو دس بندے تلاش کر لو میں یہاں تمہارے لیے
طلاعات کا انتظار کیا کروں گا۔" شیر دل کو اب اپنے بڑھاپے کا احساس ہونے لگا تھا۔ زندگی
یں بہت خطرناک کھیل کھیلے تھے اس نے۔ اپنی زندگی کا بہت سا حصہ خوشیوں کے درمیان گزار
چکا تھا۔ لاتعداد کامیابیاں حاصل کی تھیں اس نے۔ اب منگل کی باری تھی اور منگل اپنا کام صحیح
معنوں میں کرنا چاہتا تھا۔ دس آدمیوں میں سے چار آدمی اس نے منتخب کیے جنہیں وہ مستقل
اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام ذرغام تھا' دوسرا ہیرا' تیرا جادو اور چوتھا
جانوں۔ ہیرا ہندو دھرم سے تعلق رکھتا تھا۔ جادو اور جانوں مسلمان تھے لیکن یہاں بات ہندو یا
مسلمان کی نہیں تھی۔ ان سب میں کچھ نہ کچھ خوبیاں تھیں۔ ذرغام ایک وفادار اور سمجھدار ساتھی
تھا۔ ہیرا تجوریاں توڑنے کا ماہر' جادو اور جانو گینڈے تھے۔ دلیر اور بہادر' ذہین بھی تھے۔ اڑ
جاتے تو جان بچانا مشکل ہو جاتا تھا۔ باقی چھ افراد کی ڈیوٹی الگ لگائی گئی تھی۔ ان میں سے دو کو
اس کام کیلئے مقرر کیا گیا تھا کہ جب خزانہ جمع ہو جائے تو ان کی سرکردگی میں ڈیرے تک پہنچا دیا
جائے اور سردار کو اطلاع بھی دی جاتی رہے کہ سارے کام خوش اسلوبی سے ہو رہے ہیں۔ باقی
چار کو مختلف جگہوں پر تعینات کرنا تھا۔ ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ حالات پر نگاہ رکھیں اور ان لوگوں
کو اطلاع دیں کے ان کے خلاف کیا کارروائی ہو رہی ہے۔ صحیح معنوں میں یہ ایک نظام تھا جو
منگل نے قائم کیا تھا اور یہ بڑی ذہانت کی بات تھی۔ بہرحال اس کے بعد وہ اپنی آبادیوں سے
باہر نکل آئے اور ان کے کام شروع ہو گئے۔ بڑے بڑے ڈاکے ڈالے گئے اور آبادیوں
میں کھلبلی مچ گئی۔ وہ لوگ گھاٹیوں اور پہاڑیوں سے گزرتے رہے اور درمیانی بستیوں میں ڈاکے
ڈالتے رہے۔ دوسری طرف ان کے خلاف کارروائیوں کا آغاز ہو گیا تھا اور حکومت ڈاکو منگل
خان کیلئے مصروف عمل ہو گئی تھی۔ پولیس آفیسر اپنے ذہین ترین لوگوں کے ساتھ تلاش میں
مصروف عمل ہو چکے تھے لیکن منگل کے بارے میں رنگو نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل سچ تھا۔ رنگو
بلاشبہ ایک درویش تھا اور اس نے منگل کو قتل کرنے کیلئے جو کوششیں کی تھیں وہ ایک درویش ہی کا
کام تھا۔ وہ ایک خطرناک شیطان کو پروان چڑھنے سے پہلے ہی ختم کر دینا چاہتا تھا کیونکہ اس
کے ہاتھوں مخلوق خدا کو سخت نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ ایسا نہیں ہو سکا تھا اور اب وہی ہو رہا تھا
جو سوچا گیا تھا۔ بہرحال اب ایسا ہو گیا تھا کہ قرب و جوار کے علاقے اس کے نام سے کانپنے لگے
تھے اور منگل کو ایک خوفناک حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ بڑے بڑے رئیسوں' جاگیرداروں اور
نوابوں کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی دولت کے

بل پر اپنے علاقوں میں لوگوں کی زندگیاں تلخ کر رکھی تھیں۔ غریب کسان اور دوسرے کارو
لوگ انہیں اپنی محنت کا بہت بڑا حصہ دینے پر مجبور تھے لیکن اب اچانک ہی ان کے دلوں
خوف نے بسیرا کر لیا تھا۔ منگل اس طرح خاموشی سے ان پر جا کر پڑتا کہ ان کے فرشتوں
پتہ نہیں چلتا تھا۔ منگل نے اپنے ساتھ وہی چاروں افراد رکھے تھے اور وہ اس کے ساتھ بہ
ساتھی بن گئے تھے۔ بہر حال منگل مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اپنے کام کر رہا تھا۔ خزانے کی
کھیپ اس نے ڈیرے پر بھیجی تو شیر دل کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
''اس کا مطلب ہے کہ یہ لڑکا تو بہت تھوڑے عرصے میں ارب پتی بن جائے گا۔
دولت کی بہت ہوس ہے دیپا!'' دیپا کی آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔
''وہ ایک عجیب و غریب کردار ہے سردار شیر دل! ہم اس کے بارے میں سوچتے ہ
حیران رہ جاتے ہیں۔ میں ہی نہیں کچھ اور لوگ بھی کتنی ہی بار یہ بات کہہ چکے ہیں کہ منگل
اندر ایک شیطان چھپا ہوا ہے۔ میں نے کچھ ڈاکوؤں میں اس کیساتھ کام کیا ہے اور میں
دیکھا ہے کہ وہ انسانی خون بہانے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتا۔ بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے اسے ا
مار سے زیادہ انسانوں کو ختم کرنے سے دلچسپی ہے۔ بڑی ہی درندگی چھپی ہوئی ہے اس کے اند
''اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن بہر حال اس نے یہ جو کچھ کیا ہے یہ بہت بڑا
ہے۔'' شیر دل اب واقعی گوشہ نشین ہو گیا تھا اور اس نے ساری ذمہ داری منگل کے سپرد کر
تھی۔ ادھر منگل بڑے زبردست طریقے سے اپنے کام سرانجام دے رہا تھا اور دوسری جا
حکومت نے اس کیلئے زبردست تیاریاں کی تھیں۔ ایک پولیس کا دستہ پوری تیاریوں کے
اس علاقے کی جانب بڑھ رہا تھا جدھر مخبروں نے منگل کی موجودگی کا اظہار کیا تھا۔ بہت
منظم طریقے سے کارروائی ہو رہی تھی اور پولیس مختلف لوگوں سے کام لیتے ہوئے منگل
خلاف کارروائی کر رہی تھی۔ بہر حال یہ سارا سلسلہ چل رہا تھا۔ منگل کو مخبری ہو گئی اسے پتہ
گیا کہ پولیس نے دور دور تک گھیرے ڈال دیئے ہیں۔ اگر وہ یہاں سے نکلنے کی کوشش کر
تو ہر طرح سے پولیس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اس نے ایک پہاڑی کا انتخاب کیا اور د
ایک بڑا حصہ وہیں کاٹا۔ شام کے سائے جب گہرے ہونے لگے تو اس نے وہاں سے
فیصلہ کر لیا۔ وہ ابھی آدھی پہاڑی بھی اتر نہیں پائے تھے کہ دور سے سپاہیوں کا ایک گروہ آتا
آیا۔ منگل سمجھ گیا کہ پولیس کے سپاہی صحیح راستے پر سفر کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے ہ
اس نے ذرغام کا شانہ دباتے ہوئے کہا۔
''دیکھو وہ ہمارے دوست آ گئے۔''
''میں نے انہیں دیکھ لیا ہے۔'' ذرغام نے کہا۔

''ڈر تو نہیں رہے ذرغام۔'' منگل بولا۔
''کبھی ڈرا ہوں اب تو ہمارا ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے بلکہ یہ نہیں ہوتے تو مزا ہی
یں آتا۔ آؤ...... پہاڑی پر چلتے ہیں اب نیچے اترنا خطرناک ہے۔'' یہ کہہ کر وہ واپس پہاڑی
چلنے لگے لیکن مخبری بڑی بھرپور ہوئی تھی۔ پولیس والوں کو شاید یہ بات بھی معلوم تھی کہ ڈاکو
گل کے ساتھ کتنے آدمی موجود ہیں۔ وہ اب بھی دوربین آنکھوں سے لگائے چاروں طرف
کھ رہے تھے اور غالباً انہوں نے اب منگل کو دیکھ بھی لیا تھا کیونکہ چاروں طرف سے سیٹیاں
جنے لگی تھیں۔ منگل نے جن پولیس والوں کو دیکھا ان کی تعداد اچھی خاصی تھی لیکن اس کے بعد
صورتحال ہوئی وہ بڑی خطرناک تھی۔ یعنی پولیس کی گاڑیاں چاروں طرف سے سمٹ سمٹ کر
ں پہاڑی کے گرد جمع ہونے لگیں۔ یہ صورتحال کافی سنگین تھی اور منگل یہ سوچ رہا تھا کہ اب کیا
رنا چاہیے۔ ذرغام نے کہا۔
''منگل خان اب کیا ارادہ ہے؟''
''ہم لوگ کوشش کریں گے کہ یہ پہاڑی پر نہ چڑھنے پائیں۔ جب تک اندھیرا نہ ہو
ائے ان کا مقابلہ کرو۔ جونہی ہمیں موقع ملا ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔''
''ہوں نکلنے کیلئے راستہ۔''
''رات ہو جائے دیکھا جائے گا جدھر سے بھی موقع ملا نکل جائیں گے۔ پریشان
ونے کی ضرورت نہیں۔''
''نہیں میں پریشان نہیں ہوں بس یہ سوچ رہا ہوں کہ ان کی تعداد بڑھ گئی ہے اور
اید انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔'' اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ پہاڑی کی چوٹی پر ایک نے
شرق کی طرف اور دوسرے نے مغرب کی طرف مورچہ سنبھال لیا۔ چاروں طرف انہوں نے
پی مورچہ بندیاں کر لی تھیں لیکن نیچے پولیس کی گاڑیاں برابر آ رہی تھیں۔ سپاہیوں کی تعداد میں
ضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ان لوگوں کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ سپاہی پورے یقین کے ساتھ اس پہاڑی
ی طرف اشارہ کر کے بتا رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو کہ منگل یہاں پر موجود ہے۔ پھر دس پندرہ
دمی اکٹھے ہوئے۔ دستہ پہاڑی کی جانب بڑھا۔ تیزی سے فاصلہ طے کرنے لگا۔ منگل نے
ہیں پہاڑ کی جانب آتے دیکھا تو ایک بڑے پتھر کی آڑ لے لی اس کے ہاتھ میں جدید قسم کی
ائفل دبی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کافی ایمونیشن بھی اس کے پاس موجود تھا۔ منگل ان کے رینج
ر آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جیسے ہی وہ رینج پر آئے تو منگل نے فائر کھول دیا۔ اس کے پہلے ہی
رسٹ نے بیشمار پولیس والوں کو اڑا دیا تھا۔ پھر اس کے بعد پہاڑی ٹیلے پر چاروں طرف سے
گولیاں برسنے لگیں۔ پہاڑی کے گوشے گوشے میں چھپے ہوئے سپاہیوں کے ہاتھ باہر کو نکلتے اور

تڑ تڑ گولیاں برسا کر اندر ہو جاتے۔ گولیوں کا طوفان آیا ہوا تھا۔ پہاڑی آگ اگل رہی تھی
سارا ماحول ایک دم سے خوفناک اور سنسنی خیز ہو گیا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی
اور ادھر یہ لوگ اپنے مورچے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ البتہ یہ چونکہ بلندی پر تھے اس لیے کوئی
کوئی سپاہی ان کی گولی کا شکار ہو ہی جاتا تھا۔ پہاڑی کے پتھر خون سے رنگین ہونے لگے۔ جگہ
جگہ خون کی دھاریں بہتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ان کی لاشیں جگہ جگہ پتھروں پر پڑی ہوئی تھیں
منگل نے اس منظر کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"ذرغام اس سے خوبصورت منظر کبھی تم نے دیکھا ہے پہاڑی پتھروں پر زند
سے محروم ہمارے یہ دشمن اوندھے پڑے ہوئے کتنا خوبصورت منظر پیش کر رہے ہیں۔"

"جی منگل خان۔" ذرغام نے ایک جھرجھری سی لے کر کہا۔ اب تک بہت سی جگہو
پر مقابلے ہوئے تھے۔ پولیس سے بھی واسطہ پڑا تھا لیکن اس طرح ان لوگوں نے لاشوں
انبار نہیں لگائے تھے۔ منگل کہنے لگا۔

"اس وقت میری سب سے بڑی آرزو کیا ہے جانتے ہو؟"

"نہیں منگل خان۔"

"کاش! جتنے افراد یہاں آئے ہیں میں انہیں قتل کر سکوں اور جب ہم نیچے اتر
ہمیں ان کی پیٹھ پر پاؤں رکھ کر اترنے پر مجبور ہونا پڑے۔ ٹیلے کا ایک حصہ بھی ان کی لاشوں
خالی نہ رہے۔" ذرغام خاموش ہو گیا تھا۔ بہرحال پولیس کی حالت بھی بہت خراب تھی۔ انہ
نے سوچا تھا کہ یہ کم لوگ ہیں اور وہ چاروں طرف سے چڑھ کر انہیں موت کے گھاٹ اتار د
گے لیکن وہ ایسا نہیں کر پائے تھے اور پھر جب بیشمار پولیس والے موت کا شکار ہو گئے تو وہ
ہٹے اور انہوں نے مشین گنوں کو آگے بڑھایا جن کی خوفناک آوازوں نے پہاڑی چٹانوں کو
شروع کر دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کچھ دیر میں پہاڑی پتھر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ مشین
کی آواز پہاڑی کے چاروں طرف پھیل رہی تھی اور کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔
وحشیانہ انداز میں پہاڑی پر چڑھنے کی کوشش کرتے لیکن ان کی ہر کوشش بیکار جاتی۔ ان کے
بھی اسلحہ بہت زیادہ تھا البتہ وہ ایک ایک کارتوس سوچ سوچ کر خرچ کر رہے تھے۔ منگل
اپنے ساتھ ان لوگوں کو بلاوجہ ہی نہیں لیا تھا۔ یہ سب کے سب اپنے طور پر ذہین تھے۔ انہیں
سے مقابلہ کرنا آتا تھا۔ منگل کیلئے بھی یہ ایک تاریخی اور یادگار مقابلہ تھا۔ اسے زندگی اور م
سے شاید کبھی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان پر نگاہیں جمائے اپنا کام سرانجام دے رہا تھا پھر اس نے
لوگوں کو پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ منگل کے سامنے سے نہیں بلکہ ایک ایسے حصے سے آ
تھے جو ان لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ تھا اور بیشمار پولیس والوں کی قربانی دینے کے بعد انہوں

حصے کو تاڑا تھا۔ اسے واقعی نہیں معلوم تھا کہ اس کے پیچھے اس طرح سے پولیس آ رہی ہے۔
کار وہ پولیس والے ایک پتھر کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا۔
میں سے ایک نے میگافون پر منگل کو مخاطب کیا۔

"ڈاکو منگل خان! تو بہت بہادر انسان ہے۔ اپنے گروہ سے کہہ کر ہتھیار پھینک
ے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے لیے معافی نامہ حاصل کر لیا جائے گا۔ تو اس سے باز آ جا
پولیس کو ہلاک مت کر۔ منگل ایک دم چونک پڑا۔ پھر اس نے گردن گھما کر دیکھا یہ اس سے
ی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ بری طرح سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک پولیس افسر کو دیکھا جو
لیوں کی بوچھاڑ میں جگہ جگہ بدل کر اوپر آ رہا تھا۔ کبھی وہ ایک چٹان کی آڑ میں ہو جاتا تھا
ی دوسری چٹان کی آڑ میں۔ منگل اس کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا پھر جونہی وہ اس کی
آیا اس نے گولی چلا دی۔ افسر کی چیخ ابھری اور وہ گہرائی میں لڑھکتا چلا گیا لیکن اس کے
ہی سیٹیاں پھر بجنے لگی تھیں۔ پولیس والوں نے سیٹیوں کی آواز سن کر اپنی جگہیں چھوڑ دیں
نیچے کھسکنے لگے۔ لیکن واپسی بھی ان کیلئے موت کی واپسی ہی ثابت ہوئی۔ ان میں سے کئی کھلی
آتے ہی موت کا نشانہ بن گئے تھے اور پولیس والوں کو اعتراف کرنا پڑا تھا کہ منگل بلاوجہ ہی
ل نہیں بنا ہے بلکہ اس کی کوئی بھی گولی بیکار نہیں جاتی۔ ریڈوانس کرنے والی ساری پولیس
پہنچ چکی تھی اور یہ لوگ مسلسل گولیاں چلا رہے تھے۔ ذرغام بھی ابھی تک اپنے نشانوں کو
ل رہا تھا لیکن اب کسی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ جانتے تھے کہ سب اپنی اپنی جان بچانا
ہتے ہیں۔ باقی سارا معاملہ اندھیرا پھیل جانے کا تھا اور پھر جب اندھیرا اچھی طرح پھیل گیا تو
ں کیلئے اور مدد آتی نظر آئی۔ آخرکار منگل نے اپنی جگہ چھوڑی۔ وہ پولیس والوں کی
رروائیوں کو دیکھ رہا تھا جو جگہ جگہ روشنی لگاتے پھر رہے تھے۔ منگل ذرغام کے پاس پہنچ گیا
سے کہا۔

"کہو ذرغام کیسا لگا؟"

"مزہ آ گیا کتنے مارے۔"

"اب تو گنتی تک نہیں ہے بھائی! مگر ابھی دل چاہتا ہے کہ مقابلہ جاری رہے۔"

"گولیاں ختم ہو گئی ہیں اب زیادہ بہادری اچھی نہیں ہے ان سے تو ملاقاتیں ہوتی
ہیں گے۔"

"ہوں۔" منگل نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی نگاہیں چٹانوں پر لگی
ڑیوں پر پڑی اور اس کی نگاہوں میں چمک آ گئی۔ اس نے اپنے لباس میں چاقو تلاش کیا اور
لمبی سی جھاڑی کی طرف بڑھا اور اس کے قریب زمین پر لیٹ گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد اس کی

پر مسرت آواز ابھری۔

''بن گیا کام۔'' ذرغام اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ
کیا کہنا چاہتا تھا لیکن منگل نے انتظار کیے بغیر جھاڑی کی طرف ہاتھ بڑھایا اور وزنی جھاڑی
جگہ سے کھسکا لی۔ خوب گھنی اور پھیلی ہوئی جھاڑی تھی۔ اس نے تھوڑی دور جا کر جھاڑی
پولیس کے جنریٹر چل رہے تھے۔ اس لیے اب سرسراہٹیں بھی معدوم ہوگئیں تھیں۔''

''ہاں اب بول بھئی کیا ارادہ ہے۔ کتنی گولیاں ہے تیرے پاس۔''

''ابھی تو کافی ہیں۔''

''تو پھر یہ جھاڑی سنبھال لے اور مجھ سے تھوڑی دور ہٹ جا ہم یہ جھاڑیاں لے
نیچے اتریں گے۔ بات پرانی ہے لیکن ہمیشہ یہ کارآمد رہی ہے۔ ان چٹانوں میں جگہ جگہ یہ جھا
موجود ہیں پولیس والوں کو پتہ نہیں ہوگا کہ جھاڑیاں کہاں کہاں ہیں۔ وہ ہمیں جھاڑیاں سمجھتے
گے۔ لیکن ہوشیار سے انہیں پتہ نہ لگے۔ اس وقت ہوشیاری ہی ہماری زندگی بچاسکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے دوسروں کو بھی یہی بات بتادوں۔''

''بتادو۔'' منگل نے کہا اور ذرغام اس کا یہ پیغام باقی افراد تک پہنچانے لگا۔
لوگوں نے منگل کے احکامات پر عمل کیا۔ بعض اوقات تقدیر بھی اس طرح ساتھ دیتی ہے تو ا
جو کچھ ہوتا ہے اسے اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔ یہ تقدیر ہی کی بات تھی کہ منگل اور اس کے
پولیس کے اتنے بڑے نرغے سے نکل آئے۔ البتہ انہیں محنت بہت کرنا پڑی تھی۔ پولیس
پہاڑی ٹیلے کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی کہ اس کے چنگل سے نکل جانا ایک ناممکن کام
لیکن خوش بختی یہ تھی کہ اس میدانی علاقے میں جگہ جگہ جھاڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے ہ
تھے اور منگل اور اس کے ساتھیوں نے جس کامیابی کے ساتھ اپنے آپ کو جھاڑیوں کا جھنڈ
اور جگہ جگہ رک کر یہ طویل فاصلہ طے کیا تھا وہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ
رفتاری سے اپنا سفر طے کرتے ہوئے آخرکار پولیس کی آخری گاڑی کے پیچھے نکل آئے
کے پاس ان کا اسلحہ بھی موجود تھا۔ چنانچہ جیسے ہی یہ فاصلہ طے ہوا انہوں نے جھاڑیاں اپ
چھوڑ دیں اور پھر وہاں سے سرپٹ دوڑ پڑے۔ منگل ایک بار پھر بے شمار پولیس کے نرغے
نکل گیا تھا۔ شیطان کی زندگی بہرحال بہت طویل ہوتی ہے۔ وہ بڑھتا رہا اور پھر انہوں نے
بستی کا رخ کیا۔ بستی کے سب سے پہلے مکان پر رک کر منگل نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ ک
پھر سب کے سب اندر داخل ہوگئے۔ یہ ایک اچھے خاصے کھاتے پیتے شخص کا مکان تھا۔
تین افراد کو قتل کر کے منگل نے کھانا کھایا اور جو کچھ ہاتھ لگا اسے سمیٹ کر چل پڑا۔ کبھ
ذرغام منگل کی کیفیت دیکھ کر خوفزدہ ہوجاتا تھا۔ یہ شخص دولت کے حصول کے سلسلے میں اس

درندہ تھا کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کو نہیں چھوڑتا تھا اور اسے اپنے قبضے میں لے لیا کرتا تھا جبکہ
ذرغام پروقار تھا اور اس کا نظریہ تھا کہ ہاتھ اس چیز پر ڈالو جس کی بڑی حیثیت ہو۔ لیکن بہرحال
اس سارے مسئلے کو سنبھالنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ منگل خونی درندہ تھا جس بستی پر جا کر
پڑتا وہاں بیشمار افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ رحم کی اس کے دل میں کوئی گنجائش نہیں تھی۔
کبھی کبھی تو بڑے بڑے غمناک الیے دیکھنے کو ملتے تھے اور ایسی جگہوں پر منگل کے ساتھی منگل
سے کترانے لگتے تھے۔ ذرغام نے ایک دن منگل سے پوچھا۔

''ایک بات بتاؤ منگل خان! انسانی خون بہاتے ہوئے تمہارے دل میں درد کا کوئی
احساس نہیں جاگتا۔''

''انسانی خون بہایا جاسکتا ہے نا؟'' منگل نے سوال کیا۔

''مطلب؟''

''میرا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی ایک عمل ہے نا۔''

''ہاں......لیکن نہایت ہی تکلیف دہ عمل۔''

''عمل بہرحال عمل ہوتا ہے۔ تکلیف دہ ہو یا نہ ہو۔ میرے باپ نے ایک بار کہا تھا
کہ اگر دولت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے اس دنیا میں جس کے پاس دولت نہیں ہوتی وہ جوتے
کھاتا ہے اور جس کے پاس دولت ہوتی ہے وہ جوتے لگاتا ہے۔ میں جوتے لگانے والوں میں
ہوں کیا سمجھے۔'' ذرغام اس عجیب بات پر خاموش ہوجاتا تھا۔ کئی بار منگل نے یہ بات اپنی زبان
سے دہرائی تھی۔ اب اس کا پس منظر کیا تھا یہ ذرغام کو نہیں معلوم تھا۔ بہرحال منگل خان کی یہ
خوفناک وارداتیں جاری رہیں اور اس نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا۔ بڑے بڑے لوگ اس کی
تاک میں لگ گئے۔ ہر طرف سے اس کی تلاش کی جارہی تھی۔ منگل نے بے شمار جاگیرداروں،
رئیسوں اور نوابوں کو قلاش کردیا تھا۔ زر و جواہر کے انبار دولت کے ڈھیر اب اس قدر بڑھ گئے
تھے کہ منگل کیلئے انہیں سنبھالنا مشکل ہوجاتا تھا۔ شیر دل وغیرہ حیران تھے کہ منگل کر کیا رہا ہے۔
پھر ایک دن اچانک ہی منگل کو اپنے مخبروں کے ذریعے اطلاع ملی کہ شیر دل سخت بیمار ہے اور
منگل کو اپنے پاس بلانا چاہتا ہے۔ منگل حیران رہ گیا یہ بیماری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اس نے
ذرغام سے کہا۔

''یہ شیر دل بیمار کیوں ہوگیا؟''

''کیا مطلب؟ کیا انسان کو بیمار نہیں ہونا چاہیے؟''

''شیر دل کو تو نہیں ہونا چاہیے۔''

''منگل! کیسی باتیں کرتے ہو تم؟''

"میں نہیں سمجھتا۔"

"سمجھنے کو تو بہت کچھ ہے۔"

"دیکھو اگر انسان جسم میں گولی لگ جائے اور وہ مر جائے تو یہ تو ایک بات ہوئی لیکن بیماری کی موت مرنا میں سمجھتا ہوں یہ تو بڑی بزدلی کی بات ہے۔" ذرغام ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"کبھی کبھی منگل! تم بالکل بچے بن جاتے ہو۔ جب تم قتل و غارت گری کر رہے ہوتے ہو تو یوں لگتا ہے جیسے تم اس دنیا کے سب سے ظالم آدمی ہو۔ انسانی زندگی تمہاری نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ تم قتل و غارت گری کے شوقین ہو اور مال دولت سے زیادہ تمہیں انسانوں کی زندگی لینے میں لطف آتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسی معصومیت کی بات بھی کرتے ہو۔ ارے بھائی بے شمار مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ بس تقدیر ہمارا فیصلہ کرتی ہے۔"

"میں کسی تقدیر وقدیر کو نہیں مانتا۔ خیر چھوڑو شیر دل شاید اس دنیا میں اکیلا انسان ہے جس کی میں بے حد عزت کرتا ہوں۔" منگل ڈیرے پر واپس پہنچ گیا۔ شیر دل کی حالت واقعی بہت خراب تھی۔ سردی لگی تھی۔ نمونیہ ہوا تھا اور وہ ابھی تک بدترین زندگی گزار رہا تھا۔ دیپا نے کتنی ہی بار یہ کوشش کی تھی کہ شیر دل کو شہر لے جائے۔ اچھے ہسپتال میں دکھائے لیکن شیر دل نے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"نہیں عام دنیا سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے دیپا! وقت نے ہم سے وہ دنیا چھین لی ہے جو عام لوگوں کی دنیا ہوتی تھی لیکن مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ اب جب وقت یہ کہتا ہے کہ یہیں پر زندگی گزارنی ہے تو پھر سمجھ لو کہ زندگی اور موت یہیں کی ہے۔ بہرحال شیر دل نے کسی طرح اس کی بات نہیں مانی اور وقت گزرتا رہا تھا۔ البتہ اسے منگل کا انتظار تھا۔ جب منگل اس کے پاس پہنچ گیا تو شیر دل نے کہا۔

"منگل کتنی عجیب بات ہے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میرے ہاں کوئی بیٹا پیدا ہوگا۔ ارے ایسا کوئی تصور ہی نہیں تھا میرے دل میں نہ کسی سے شادی کی نہ بیاہ کیا تو پھر وارث پیدا کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی دل میں ایک آرزو ابھرتی تھی کہ جو کچھ میں کر کے جا رہا ہوں اس کیلئے میرے جیسا ہی کوئی شیر دل جانشین ہو اور منگل جب تو مجھے ملا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ دیکھو بغیر کسی محنت کے مجھے پلا پلایا بیٹا مل گیا۔ تو نے میری ساری آرزوئیں اور امنگیں پوری کر دی ہیں۔ آج جب بستیوں میں منگل خان کے نام سے سناٹے چھا جاتے ہیں تو میرا رواں رواں خوشی سے کانپ اٹھتا ہے۔ خیر منگل زندگی کی انتہا موت ہوتی ہے اور موت کے بعد انسان کے پاس کچھ نہیں رہتا۔ آج میں یہ پورا گروہ اور سارا مال و دولت

تیرے سپرد کر رہا ہوں۔ اب تو ان کا نگراں ہے۔ اس میں جتنا چاہے اضافہ کر اور جس طرح چاہے زندگی گزار۔ دل نہ چاہے تو ڈاکہ زنی چھوڑ سکتا ہے۔ اس دولت کا آدھا حصہ ان سب میں تقسیم کر دے۔ باقی جو آدھا حصہ تیرے پاس رہے گا اس سے تو دنیا کے امیر ترین آدمی کی حیثیت سے زندگی گزار سکے گا۔ کیا سمجھا؟"

"نہیں سردار میں نے ایک بات کہی تھی کہ سردار تم ہی رہو گے۔"

"ارے پگلے تو میں نے کب انکار کیا اس بات سے سردار میں ہی تھا اور میں ہی ہوں لیکن اب جبکہ میرے سفر کا آغاز ہو گیا ہے تو پھر ایک سردار کی ضرورت تو ہے نا ہمیں اور وہ سردار اب تو ہے۔ میں سارے ڈاکوؤں کو بلاتا ہوں اور تیری سرداری کا اعلان کرتا ہوں۔" منگل نے لاکھ منع کیا لیکن شیر دل کو اب یہ احساس ہو چکا تھا کہ وہ اب اس دنیا میں زیادہ عرصہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس نے اپنا پورا گروہ جمع کر لیا اور پھر سارے گروہ کے سامنے یہ اعلان کیا کہ اب منگل خان ان کا سردار ہے اور سب کو اس کے سامنے سرنگوں رہنا پڑے گا۔ رسومات ادا ہوئیں ہر ڈاکو نے اپنی اپنی رائفلیں منگل کے قدموں میں رکھ دیں اور تمام ہتھیاروں سے بے نیاز ہو کر گردنیں جھکا لیں۔ اس کا مطلب تھا کہ اب منگل کے سامنے اپنے آپ کو وہ اس کا غلام سمجھتے ہیں۔ شیر دل بہت خوش ہوا تھا لیکن منگل کے ذہن میں شدید الجھنیں تھیں۔ اب وہ ڈاکہ ڈالنے بھی نہیں جا رہا تھا۔ شیر دل کی حالت بگڑتی جا رہی تھی اور پھر ایک صبح دیپا نے منگل خان کو جگایا اور کہا۔

"منگل! سردار شیر دل اب اس دنیا میں نہیں رہا۔"

"کہاں چلا گیا؟" منگل نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"مر گیا وہ۔"

"مر گیا۔"

"ہاں۔"

"مگر کیوں؟"

"کیسی باتیں کرتے ہو موت آئی مر گیا۔"

"موت۔" منگل نے عجیب سے انداز میں کہا۔ شیر دل کے سلسلے میں ساری رسومات ادا کی گئیں۔ مسلمان تھا اس لیے ایک ٹیلے پر اس کی قبر بنا دی گئی۔ منگل کو نجانے کیوں شیر دل کی موت کا بہت افسوس ہوا تھا۔ اتنا افسوس اسے فیضہ کی موت پر نہیں ہوا تھا جتنا شیر دل کی موت پر ہوا تھا۔ اب اکثر وہ شیر دل کی قبر پر جا کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر آج کل ایک عجیب سی کیفیت سوار تھی۔ اس نے اپنی اس کیفیت کے بارے میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ حالانکہ ذرغام اس کا گہرا دوست تھا لیکن اس نے ذرغام کو بھی نہیں بتایا تھا کہ ان دنوں اس پر کیا

بیت رہی ہے۔ پھر ایک دن وہ ٹہلتا ہوا بہت دور نکل گیا۔ نجانے کتنا فاصلہ طے کیا تھا اس
جنگل میں دور تک نکل جانے کے بعد اسے ہوش آیا۔ ویسے وہ انتہائی دلیر تھا۔ کسی بھی خوف
خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس لیے ایسی تو کوئی بات نہیں تھی البتہ ایک طرف ایک روشنی جلتی د
اسے حیرت ضرور ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس منگل خان کی تلاش میں نجانے کیا
کارروائیاں کرتی پھر رہی ہے۔ کہیں یہ روشنی ایسی ہی کسی کارروائی کا اشارہ نہ ہو مگر بہر حال تج
تو فطرت میں ہوتا ہے۔ رائفل البتہ اس کے پاس موجود تھی۔ پستول بھی تھا۔ یہ اس کی
بن چکی تھی کسی بھی جگہ جاتا تھا ڈیرے سے باہر نکلتا تھا تو پستول اور رائفل اس کے پاس
تھا۔ البتہ روشنی تک آتے ہوئے اس نے اپنے قدموں کی آواز نہیں آنے دی تھی پھر وہ
پہنچ گیا جہاں اس نے ایک انتہائی بوڑھے اور ضعیف انسان کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ بوڑھے
گردن جھکی ہوئی تھی اور اس کی لمبی داڑھی سینے پر پھیلی ہوئی تھی۔ سفید ڈھیلا ڈھالا لباس اس
بدن کا ایک حصہ تھا۔ منگل اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ یہ بوڑھا یہاں کہاں سے آیا۔ ویسے ا
علاقے میں وہ پہلے بھی آ چکا تھا۔ یہ اس کی عادت بن چکی تھی کہ وہ گھوڑے پر بیٹھ کر ان علاقو
میں کبھی کبھی گشت کرنے نکلا کرتا تھا۔ یہ دیکھنے کیلئے کہ کہیں ان کے دشمن کوئی چال تو نہیں چ
رہے ہیں۔ لیکن یہاں اس نے کبھی اس بوڑھے کو نہیں دیکھا تھا۔ بوڑھے نے اپنی چھوٹی سی
تھوڑے فاصلے پر بنا رکھی تھی۔ منگل اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر گزر گئی بوڑھا اسی طر
گردن جھکائے بیٹھا رہا تو منگل کو غصہ آنے لگا۔ اس نے غرائی آواز میں کہا۔

''تیری زندگی اور موت چند لمحوں تک نہیں کیا تجھے اس بات کا احساس نہیں ہے
میں تیرے سامنے کھڑا ہوں۔'' بوڑھے نے گردن اٹھا کر منگل کو دیکھا اور مسکرا دیا پھر بولا۔

''آ منگل! آ جا کیا بات ہے کیوں ناراض ہو رہا ہے؟''

''اس کا مطلب ہے کہ تو مجھے جانتا بھی ہے اس کے باوجود تو نے اتنی دیر تک
جھکائے رکھا۔''

''منگل! مطلب کیا ہے تیرا؟ کہنا کیا چاہتا ہے تو؟''

''یہ تو تو جانتا ہے کہ منگل خان تیرے سامنے ہے۔ تجھے اس کے احترام میں کھڑ
ہو جانا چاہیے تھا۔''

''جس کے احترام میں میں جھکا بیٹھا تھا اس سے بڑا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ تو
اوقات رکھتا ہے۔ کیا حیثیت رکھتا ہے تو؟''

''وہ کون ہے؟''

''اللہ۔ کیا تو اس ذات حقیقی کے بارے میں بھی کچھ جانتا ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں۔ مگر تو مجھے یہ بتا کہ تو یہاں کیا کر رہا ہے۔ میں نے پہلے تو کبھی تجھے
یہاں نہیں دیکھا۔''

''ایسے ہی بیٹا! بس فقیر آدمی ہیں ادھر سے ادھر گھومتے رہتے ہیں۔ یہاں آئے تو یہ
جگہ بڑی پسند آئی ہم نے سوچا ایک چھوٹی سی کٹیا بنا کر یہاں رہیں۔ یہاں کوئی پریشان کرنے
والا نہیں ہے۔ بس اللہ کھانے کو دے دیتا ہے اپنی پنکھ پکھیروں سے واسطہ ہے میرا۔ پر تو بتا
تیرے دل پر یہ اداسیاں کیوں چھائی ہوئی ہے۔''

''تجھے کیا معلوم کہ میں اداس ہوں۔''

''بیٹا چہرے بتاتے ہیں' چہروں پر سب کچھ لکھتا ہوا ہے۔''

''میں پریشان ہوں۔''

''بیٹھ جا' بیٹھ جا۔ ہو سکتا ہے میں تیری کوئی مدد کر سکوں۔ بیٹھ جا۔'' منگل اس کے
سامنے بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کہا۔

''بوڑھے مجھے ایک بات بتا یہ موت کیا چیز ہے؟''

''زندگی کا دوسرا نام۔''

''الجھی ہوئی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ مجھے صاف لفظوں میں بتا کہ موت کیا
چیز ہے۔''

''میں نے کہا نا' کونپلیں زمین سے اگتی ہیں۔ تناور درخت بنتی ہیں۔ درخت سوکھتے
ہیں مرجھاتے ہیں اور پھر زمین پر گر کر مٹی بن جاتے ہیں۔ انسان مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ مٹی
میں مل جاتا ہے۔ ہر چیز جو پیدا ہوتی ہے آخر کار ختم ہو جاتی ہے۔''

''کیا بیوقوفی کی باتیں کر رہا ہے کتنی عمر گزار دی تم نے اور ایسی احمقانہ باتیں کرتا ہے۔''

''نہیں بیٹا! اس میں حماقت کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ تو کیا کہنا چاہتا ہے۔''

''انسان پہاڑوں کو زمین سے اکھاڑ سکتا ہے۔ مجھے دیکھ میں ڈاکو منگل ہوں۔ پولیس
کے لوگ میرے نام سے کانپتے ہیں۔ بڑے بڑے لوگ مجھ سے خوف کھاتے ہیں۔ جن غاروں
میں میں رہتا ہوں وہ سونے کے غار ہیں۔ ہیرے جواہرات دولت کے انبار زندگی کا ہر عیش ہے
میرے لیے پھر یہ بتا کہ میں موت کو کیوں اپناؤں۔ اتنی محنت کر کے یہ سب کچھ جمع کیا جاتا ہے
اس سے لطف تو اٹھانا چاہیے۔'' بوڑھا ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

''بے وقوف لڑکے! اپنی ذرا سی طاقت پر ناز کر رہا ہے۔ قارون کو جانتا ہے۔''

''کون قارون؟''

''نہیں جانتا میں بتاتا ہوں تجھے اس کے بارے میں کائنات کا سب سے بڑا خزانہ

اس کے قبضے میں تھا۔ دولت کے اتنے انبار تھے اس کے پاس کہ جس جگہ اس نے دولت ج
رکھی تھی اسے عبور کرتے ہوئے تیز رفتار گھوڑے کو بہت دیر تک دوڑنا پڑتا تھا لیکن ذرا پوچ
سے کہ قارون موجود ہے یا نہیں۔"

"غلط ہے یہ سب کچھ بالکل غلط ہے۔ اتنی دولت جمع کرنے کے بعد مرنا
چاہیے۔ کوئی ایسی بات ہوسکتی ہے بزرگ کہ انسان ہمیشہ زندہ رہے۔"

"چشمہ حیواں کے بارے میں جانتا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ دنیا کے بارے میں میری معلومات بہت محدود ہیں میں ص
ایک بات جانتا ہوں کہ رائفل سے نکلی گولی جسموں میں سوراخ کر دیتی ہے۔ انسان کو جتنی
میں مارنا ہو گولی اسی انداز میں چلانی چاہیے۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا یا پھر یہ جانتا ہ
کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ دولت بہت بڑی چیز ہے۔ غریب جوتے کھاتا ہے اور دولت
جوتے مارتا ہے۔ بس یہی نظریہ میرا بھی ہے۔ میں ہمیشہ جوتے مارنے والوں میں ہونا چا
ہوں۔ دولت کے اتنے انبار لگانا چاہتا ہوں میں کہ دنیا میں اتنی دولت کسی کے پاس نہ ہو۔"

"تو پھر کیا کیا تو نے؟"

"اتنی دولت جمع کرلی ہے میں نے کہ ہزار سال دو ہزار سال تک بھی زندہ رہوں
بادشاہ بن کر زندگی گزار سکتا ہوں۔ لیکن شیر دل مر گیا' شیر دل کی موت نے مجھے یہ احساس دا
ہے کہ مرنا پڑتا ہے اور میں چاہتا ہوں ہمیشہ زندہ رہوں۔"

"چشمہ حیواں کی بات کی تھی میں نے' زمین کی ان وسعتوں میں ایک ایسا آ
حیات کا چشمہ ہے۔ جس کا پانی اگر پی لیا جائے تو انسان پھر کبھی نہیں مرتا۔ سمجھ رہا ہے نا تو۔"

"تو سچ کہہ رہا ہے۔"

"کہاں ہے وہ چشمہ مجھے بتا۔" جواب میں بوڑھا ہنسنے لگا پھر بولا۔

"پگلے! مجھے پتا ہوتا تو میں خود اس کے حصول کی کوشش نہ کرتا۔ لیکن ایک جگہ ہ
جس کے بارے میں میں نے سنا ہے کہ چشمہ حیواں وہاں ہے۔ بڑے مشکل راستے ہیں' بڑ
کٹھن اور ناقابل یقین۔"

"اگر ایسی بات ہے تو میں ان راستوں کو عبور کروں گا' جاؤں گا میں وہاں۔"

"کیوں اپنی زندگی برباد کرتا ہے۔ دولت ہے اگر تیرے پاس تو اسے یہیں استعما
کر اس سے عیش و عشرت سے زندگی بسر کر۔ چشمہ حیواں کی تلاش میں سرگرداں نہ ہو۔ وہ صرف
تیری حماقت ہوگی۔ کبھی کسی کو نہیں ملا ہے وہ اور اگر ملا بھی ہے تو اس کا دنیا میں اب کوئی نام
نشان نہیں ہے۔"

"مطلب تو تو کہتا ہے کہ چشمہ حیواں کا پانی پینے کے بعد انسان قائم و دائم رہتا ہے۔"

"ہاں۔ مگر کہاں رہتا ہے یہ نہیں معلوم۔"

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ جو راستے تیرے علم میں ہیں وہ مجھے بتا۔"

"ٹھیک ہے تیری مرضی۔"

"میں تجھے ان نقشوں سے آگاہ کیے دیتا ہوں۔ باقی جہاں تک رہا تیرے عمل کا
ساتھ تو اس میں صرف تیرا مقدر کام کرے گا۔ اگر تیری تقدیر تیرے ساتھ ہے اور تجھے زندگی کا
وہ مقام دینا چاہتی ہے تو پھر تو یہ سمجھ لے کہ تجھے وہ مقام مل جائے گا۔"

"مجھے ان نقشوں کے بارے میں تفصیل بتا۔ معمر بزرگ!" منگل نے غرائی ہوئی
آواز میں کہا اور بوڑھے نے زمین پر ایک نقشہ بنانا شروع کر دیا۔ وہ منگل کو تفصیل بتاتا جا رہا تھا
اور منگل یہ تفصیل ذہن میں نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ جب بوڑھا اسے اس پراسرار نقشے کی تفصیل بتا
چکا تو منگل نے کہا۔

"لیکن بزرگ مجھے یہ نقشہ یاد کیسے رہے گا؟ مجھے لگتا ہے کہ میری یادداشت میرا اتنا
ساتھ نہیں دے سکے گی۔ بزرگ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ دیکھتا رہا پھر اس نے زمین پر جو
نقشہ بنایا تھا اس پر اس نے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ منگل خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ بزرگ
نے کچھ لمحوں تک نقشے پر ہاتھ رکھے رکھا اور اس کے بعد وہ ہاتھ اٹھا کر اس نے منگل کی پیشانی پر
رکھ دیا۔ منگل کچھ نہیں سمجھ پایا تھا لیکن اچانک اسے اپنے ذہن میں بجلیاں سی کوندتی ہوئی محسوس
ہوئیں اور تھوڑی دیر کیلئے اس کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ بزرگ کچھ لمحے اسی طرح ہاتھ رکھے رہا پھر
اس نے ہاتھ اٹھا لیا تو منگل کہنے لگا۔

"یہ مجھے کیا ہوا تھا؟"

"لڑکے! یہ نقشہ میں نے تیرے ذہن میں اتار دیا ہے۔ تصور کرو میرے سامنے
دیکھو' تیرا ذہن تجھے تیرے نقشوں کے بارے میں بتائے گا۔ تجربہ کر کے دیکھ۔" منگل کو یہ بات
بڑی انوکھی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر کے بزرگ کے بتائے ہوئے نقشے پر غور کیا
تو اچانک ہی اس کے دماغ میں لکیریں سی گردش کرنے لگیں اور پھر ان لکیروں کی تفصیل اس
کے دماغ میں گونجنے لگی۔ منگل کے چہرے پر حیرت کے نقش پھیل گئے۔ اس سے پہلے اسے اس
بات کا احساس نہیں ہوا تھا کہ یہ بوڑھا آدمی اتنا پہنچا ہوا بزرگ ہے لیکن اب جب اس نے اپنے
ذہن میں نقشے کی تفصیل کو گونجتے ہوئے اور ان راستوں کی رہنمائی ہوتے ہوئے محسوس کی تو اس
کے دل میں یہ احساس گزرا کہ بوڑھا واقعی ایک عظیم شخصیت ہے۔ وہ تجربہ کرتا رہا اور اسے
احساس ہوا کہ اب یہ نقشہ اس کے ذہن سے کبھی محو نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس نے مطمئن انداز میں

گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں دل و جان سے تیری بڑائی کا قائل ہو گیا ہوں۔ بزرگ ! واقعی یہ نقشہ میرے دل و دماغ میں اس طرح پیوست ہو گیا ہے کہ شاید اب میں اسے کبھی نہ بھول سکوں۔"

"نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا۔"

موت ایک دلکش تصور ہے اور اگر انسان کو زندہ رہنے ہی کے احساسات مل جائیں سچی بات یہ ہے کہ زندگی سے نفرت ہو جائے۔ موت تو ایک حسین تصور ہے۔ بہر حال تیری موت ہے۔ یہ تجربہ بھی تیرے لیے زندگی کا ایک دلکش تجربہ ہوگا۔ میں تجھے سمجھا چکا ہوں اور اپنا فرض پورا کر چکا ہوں۔ باقی سب کچھ تیری مرضی پر منحصر ہے۔"

"دیکھ بزرگ مجھے نصیحتیں نہ کر جب تو اتنا روشن خیال ہے اور تجھے اتنی دور تک باتیں معلوم ہیں تو تجھے اس بات کا بھی علم ہوگا کہ میری شخصیت کی تشکیل کس طرح ہوئی ہے اور میرے وجود کی شکل کیوں بگڑ گئی ہے۔ سمجھ رہا ہے نا تو یہ بگڑا ہوا وجود بنیاد خراب ہو جانے کی وجہ سے یہاں تک پہنچا ہے۔" جواب میں بوڑھا ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔

"ہاں تھوڑا بہت علم ہے مجھے میں تجھے کوئی نصیحت نہیں کر رہا۔ بس آنے والے وقت سے آشنا کر رہا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ تجھے اپنے وجود کو مکمل طور پر تبدیل کرنا ہوگا۔ ایسا بھی ہوگا تجھے جیسے تو نے سوچا بھی نہ ہو۔ کیونکہ جیسا کہ تو کہتا ہے کہ برائیاں تیرے وجود میں شروع ہی سے گردش کر رہی ہیں۔ اب تجھے زندگی کے دوسرے راستوں پر چلنا ہے۔ چنانچہ اپنے آپ کو نیکیوں کی طرف لے جانا۔" منگل ہنس پڑا تھا پھر اس نے کہا۔

"ایک مثال دی جاتی ہے کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی۔" میں نے کیا نہیں کہا ہے بزرگ ! بار بار مجھ سے میرے برے عمل کا اظہار کراتا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد اگر نیکیوں کے راستے اپناؤں تو اس کا بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ دولت کے جو انبار میں نے جمع کیے ہیں انہیں غریبوں میں تقسیم کر کے خود گوشہ نشیں ہو جاؤں۔ بزرگ ! شیر دل کی موت نے مجھے بتایا ہے کہ زندگی تو بہت مختصر اور ناپائیدار چیز ہے۔ میں اس ناپائیدار زندگی کو پائیدار بنانا چاہتا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ جو دولت میں نے جمع کی ہے اسے اتنے آرام و آسائش کے ساتھ خرچ کروں کہ میری زندگی امر ہو جائے اور پھر موت کا تصور بھی میرے ذہن سے مٹ جائے۔ اس دولت کا کوئی فائدہ تو ہو مجھے۔ میں تو صحیح معنوں میں زندگی کا آغاز اس وقت کروں گا جب مجھے حیات ابدی حاصل ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے میں بس تجھے حالات سمجھا رہا تھا لیکن اس کے باوجود تجھے اپنے آپ کو تبدیل تو کرنا ہوگا۔"

"ہاں کیوں نہیں تبدیلی تو زندگی کا ایک حصہ ہوتی ہے اور پھر اپنے اس مقصد کی تکمیل کیلئے تو تبدیلی لازمی ہے۔ میں اپنے ہر رنگ کو بدل دوں گا لیکن جہاں تک میرے عمل کا تعلق ہے وہ تو میری زندگی کا ایک حصہ ہے۔"

"مجھ سے اور کیا چاہتا ہے؟"

"آخری کام صرف آخری کام۔"

"کیا؟"

"تو نے یہ نقشہ مجھے بتا دیا ہے یقینی طور پر یہ تیرے ذہن میں تھا مجھے اس بات کا جواب دے کہ تو نے خود کبھی کیوں نہیں ابدی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کی۔" جواب میں بزرگ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اس لیے کہ میں موت کو جانتا ہوں بس اس سے آگے مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔"

"ٹھیک ہے میں تجھے اپنے کسی اور سوال کا جواب دینے کیلئے مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن ایک سوال میں تجھ سے اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"بول۔"

"یہ نقشہ تو کسی اور کو بھی بتا سکتا ہے اور اگر کسی اور نے تیرے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق حیات ابدی حاصل کر لی تو وہ میرا مد مقابل ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی مد مقابل نہ ہے۔"

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ تجھ جیسا کوئی آدمی مجھے مجبور کرے تو میں اسے بھی اس نقشے سے آگاہ کر دوں۔"

"بالکل بالکل میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"اور یہ بھی کہنا چاہتا ہوگا کہ اس کے بعد تو مجھے زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ یہی بات ہے نا پھر میں بھی تجھ پر ایک انکشاف کروں گا۔"

"وہ کیا......؟"

"ایسے نہیں تو اپنا عمل کر میں تجھے بتاؤں گا کہ میں تجھ پر کیا انکشاف کروں گا۔"

"دیکھ میں الجھنوں میں رہنے کا عادی نہیں ہوں۔ مجھے بتا کہ کیا انکشاف کرنا چاہتا ہے تو؟"

"احمق شخص میں نے تجھے ہلاک کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ میں نے تجھے مارنے کی کئی کوششیں کی تھیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ تو انسانوں کا قاتل نکلے گا اور بہت سے لوگوں کو تیرے ہاتھوں نقصان پہنچے گا لیکن تیری ماں نے تجھے بچا لیا اور پھر تو نے اپنی دانست

میں مجھے قتل کر دیا۔"
"کیا مطلب ہے تیرا؟" منگل نے حیرانی سے پوچھا۔ تو بوڑھے نے دونوں ہا
اپنے چہرے پر رکھ لیے اور اس کے بعد جب اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے تو منگل حیران
گیا۔ اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔
"رنگو!" جواب میں رنگو ہنس پڑا پھر اس نے کہا۔
"اور اب تو مجھے قتل کر دے گا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک بار پھر تو مجھے قتل کر دے گا۔"
منگل دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔
"تو.....تو زندہ بچ گیا تھا لیکن جو کچھ تو نے کہا ہے کیا تمام سچ ہے۔" بوڑھا مسکرا
خاموش ہو گیا۔ منگل نے کہا۔
"چونکہ یہ نقشہ میرے ذہن پر منجمد ہو گیا ہے اور اب میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا
اسے یاد رکھتے ہوئے چشم حیواں تلاش کروں چنانچہ میں تجھے اس دنیا سے رخصت کر رہا ہوں
خود وہ کروں گا جو مجھے آگے چل کر کرنا ہے۔ رنگو ہنسنے لگا پھر بولا۔
"ہاں ہاں تجھے بہت کچھ ملے گا یہ میرا دعویٰ ہے لیکن بہر حال زندگی کے جو را
تیرے لیے متعین ہو چکے ہیں تجھے ان پر سفر تو کرنا ہی ہوگا۔ بالکل مختلف انداز میں۔"
"تو اب تو سب سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو جا۔ میرے راز دار۔" یہ کہہ کر منگل
نے ریوالور سیدھا کیا اور پھر پورا میگزین رنگو پر خالی کر دیا۔ رنگو خاموشی سے آنکھیں بند کیے کھڑا
تھا۔ اس کے جسم نے خون نکلنا شروع ہو گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا بدن زمین پر ڈھیر ہونے لگا
منگل نے اپنے ریوالور کو واپس اپنے ہولسٹر میں رکھا اور بڑبڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔
"مگر یہ بوڑھا پہلے کیسے بچ گیا؟ میں نے تو اسے زندگی سے بالکل دور کر دیا تھا۔"
آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور بوڑھے کے نزدیک بیٹھ گیا۔ پھر اس نے بوڑھے کے پورے بدن
اچھی طرح نگاہ رکھی اور غور کیا اور جب اسے اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ بوڑھا زندگی کھو
ہے تو منگل اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے بوڑھے کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔
"بہت بہت شکریہ میرے معزز دوست۔" بہر حال تجھے اس دنیا سے رخصت ہو
لیکن تیری نصیحتیں میرے لیے مشعل راہ ہیں۔ میں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں گا۔ یہ کہہ
اپنے ڈیرے کی طرف واپس چل پڑا۔

☆......☆......☆

دیپا کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ شیر دل کی موت نے اس پر بہت برا اثر ڈالا تھا اور وہ چند روز کے اندر اندر بوڑھا ہو گیا تھا۔ ادھر منگل جو کچھ سیکھ کر آیا تھا وہ مسلسل اس کے ذہن پر سوار تھا۔ بلاشبہ اس دولت کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو زندگی نہ دے سکے۔ اس دولت سے تو اس وقت فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے جب زندگی کا بھرپور یقین ہو جائے اور اس کے لیے وہ اپنی زندگی کو ایک نیا رنگ دینا چاہتا تھا۔ کافی دن تک اس بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ اپنی بستی سے نکلنے کے بعد زندگی کو جو رنگ ڈھنگ ملے وہ شیر دل نے دیئے۔ دوسری آبادیوں سے تو مکمل طور پر ناواقفیت رہی ہے۔ وہ جگہ جس کے بارے میں رنگو نے بتایا تھا بے شک اس کے ذہن میں موجود تھی لیکن وہاں تک جانے کا تصور کرتا تو راستے میں بڑی بڑی رکاوٹوں کا احساس ہوتا۔ اتنا لمبا سفر کیسے کیا جا سکتا ہے اور اس کیلئے یہ ضروری تھا کہ کسی شہری آبادی میں پہنچ کر اپنے آپ کو عام لوگوں کے درمیان شامل کر دے تاکہ دنیا کے بارے میں مزید واقفیت حاصل ہو۔ اب تک تو اس کی زندگی صرف اپنی بستی اور ان پہاڑوں تک محدود تھی لیکن اب پہاڑوں سے باہر آ کر اسے بہت کچھ کرنا ہے۔ بہت سی معلومات حاصل کرنی تھی۔ دیپا کے ساتھ بیٹھا تو دیپا نے کہا۔

"ایک بات بتا منگل! کیا شیر دل کی موت کے بعد دل چاہتا ہے کہ ڈاکے ڈالے جائیں اور لمبی زندگی حاصل کی جائے۔"

"زندگی اختیار کرنے کی چیز تو نہیں ہوتی دیپا بابا لیکن میں ایک بات سوچتا ہوں تم مجھے بتاؤ۔"

"ہاں۔"

"انسان مر کیوں جاتا ہے۔ ہر چیز تو اپنی مرضی کے مطابق کر سکتا ہے لیکن یہ زندگی اس کے قابو میں کیوں نہیں آتی؟"

"یہی تو قدرت کے راز ہیں بیٹا! ہم اگر ہر چیز سے آشنا ہو جائیں تو زندگی ہمارے لیے بالکل بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ تم غور بھی نہیں کر سکتے اگر تمہیں آنے والے دن کے

بارے میں معلوم ہو کہ تمہارا آنے والا وقت لمحہ کیسا گزرے گا تو تم اس سے بیزار ہو جاؤ کیونکہ تمہیں علم ہو کہ آنے والے وقت میں کیا ہو گا اور اگر علم نہ ہو تو ایک تجسس دل پر اور ذہن پر طاری رہتا ہے اور ہم اس تجسس ہی کو زندگی کہتے ہیں۔ زندگی کے بارے میں اگر مکمل معلومات حاصل ہو جائیں۔ زندگی سے زیادہ بے مزہ چیز اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ خود سے ناواقف رہنا ہی انسان کیلئے اچھی بات ہے۔"

"کم از کم اتنا تو ہونا چاہیے دیپا بابا! کہ انسان یہ جان لے کہ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے وہ اس کا اپنا ہے اور اس سے وہ اپنی پسند کے مطابق دلچسپی حاصل کر سکتا ہے۔"

"بس امید زندگی کا ایک حصہ ہے۔ چنانچہ امید پر قائم رہنا چاہیے۔"

"مگر میں یقین پر قائم ہونا چاہتا ہوں۔"

"انسان کیلئے یہ ممکن نہیں ہے۔"

"اور اگر میں اسے ممکن بنا لوں تو۔"

"یہ تیری بچپن کی سوچ ہے سب کچھ کرنے کے باوجود ابھی تیری عمر بہت زیادہ نہیں ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ دیپا بابا سردار شیر دل کی موت کے بعد تم کیا چاہتے ہو؟"

"موت۔"

"ٹھیک۔ ایک بات اور بتاؤ کیا حیات ابدی کوئی چیز ہے۔"

"ہاں ایک تصور' ایک دلکش اور دلچسپ تصور' قصے کہانیوں کی شکل میں۔"

"گویا تمہارے خیال میں اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہاں مختلف انداز میں انسان امر ہو جاتا ہے مگر یہ صرف ایک دلکش تصور ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

"میں اس تصور کو حقیقت بناؤں گا۔"

"مشکل ہے لیکن کوشش کر لو اور یہ کوشش پہلے مرحلے پر منگل خان نے کی۔ شیر دل کے نوادر خانے میں جہاں زر و جواہر کے خزانے موجود تھے اور جہاں ان کی نشاندہی شیر دل نے خود منگل کو کی تھی وہیں پر شیر دل اپنے آدمیوں کو قابو میں رکھنے کیلئے اور بہت سے عمل کرتا تھا مثلاً اس کے پاس چمڑے کی شیشیوں میں سانپوں کے حلق سے نکالے ہوئے انتہائی مہلک اور خوفناک زہر موجود تھے جنہیں ایک بار شیر دل نے منگل کو دکھاتے ہوئے کہا تھا کہ اگر اس زہر کے چند قطرے سو آدمیوں کی غذا میں ملا دیئے جائیں تو وہ اس طرح ہلاک ہو سکتے ہیں کہ انہیں سانس لینے کی مہلت بھی نہ مل سکے۔ وہ ہچکی تک نہ لے سکیں۔ یہ زہر میں نے اس لیے رکھے

ہوئے ہیں کہ کبھی ان کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے اور آج منگل یہ سوچنے لگا کہ اب سے زیادہ ان زہروں کی ضرورت کسی اور موقع پر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس نے ایک منصوبہ بنایا۔ اس شام بارش ہو رہی تھی اور چھما چھم بارش میں سردی بھی بے پناہ بڑھ گئی تھی۔ منگل کا پورا گروہ وہاں موجود تھا اور بارش سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ منگل نے ان سب کو دیکھا اور کہا۔

"کتنے دن سے ہم لوگوں نے کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا۔ کیوں دیپا بابا! ہم کیا اسی طرح خاموش بیٹھے رہیں گے۔

"جب سے سردار شیر دل اس دنیا سے رخصت ہوا ہے کم از کم میرا تو دل نہیں چاہتا اب کہ میں یہ کام جاری رکھوں۔ یہ تو سردار شیر دل کی خوشی تھی لیکن بہرحال اب ہم جو بن چکے ہیں اس سے واپس نہیں لوٹ سکتے۔ ہماری زندگی اسی میں ہے کہ ہم زندگی سے لڑتے رہیں۔ ورنہ زندگی ہم سے روٹھ جائے گی۔"

"موسم بہت اچھا ہے چائے بنائی جائے۔" منگل نے کہا۔

"سردار نے ہمارے منہ کی بات چھین لی اس وقت تو چائے کا بہترین موسم ہے۔"

"میں خود ایک خاص قسم کی چائے بناتا ہوں تم لوگوں کیلئے چلو کچھ لوگ میرے ساتھ تیاری کرو۔" منگل نے ایک خاص قسم کی بوٹی ڈال کر چائے بنوائی۔ دوسرے لوگوں نے اس کا ساتھ دیا تھا۔ یہ بوٹی چائے کے مزے میں اضافہ کر دیا کرتی تھی اور کتنی ہی بار ڈاکوؤں نے اس طرح کی چائے پی تھی لیکن منگل آج کچھ اور ہی چاہتا تھا۔ چائے تیار ہو رہی تھی۔ بہت بڑے بڑے برتنوں میں۔ یہ چائے بنائی جا رہی تھی اور منگل اس کی تیاری کا خود معائنہ کر رہا تھا۔ اس نے اس نوادر خانے سے زہر کی وہ شیشی اٹھالی تھی اور پھر چائے کی خوشبو سونگھنے کے بہانے اس نے چائے کے برتنوں میں زہر کے قطرے خود ٹپکائے۔ آخر کار چائے تیار ہو گئی تو منگل نے کہا۔

"چلو سب کو چائے دو۔" یہ بات اس نے اپنے دو آدمیوں سے کہی تھی۔ برتنوں میں چائے نکالی جانے لگی۔ منگل نے خود بھی اپنے ہاتھ میں چائے کا ایک بڑا پیالہ لے لیا تھا اور ایک پتھر پر بیٹھ کر باہر ہونے والی بارش کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ پھر جب سب کو چائے تقسیم ہو گئی تو منگل نے اپنا برتن ہونٹوں سے لگایا۔ خوشبو میں کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ اس نے دوسروں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور سب نے سردار منگل کے نام کا نعرہ لگا کر چائے پینا شروع کر دی۔ منگل اس طرح کا اظہار کر رہا تھا جیسے وہ خود بھی چائے پیتا جا رہا ہو اور اس کی نگاہیں مسکراتی ہوئی اپنے ساتھیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ زہر واقعی زہر قاتل تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے ساتھی ایک ایک کر کے لڑھکنے لگے اور آن کی آن میں وہاں بے شمار انسانوں کے جسم زمین پر لہراتے نظر

آئے۔ قاتل زہر نے انہیں واقعی زبان ہلانے کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ خود دیپا بھی انہی مرنے
والوں میں شامل تھا۔ بہرحال وہ ہو گیا تھا جو تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ ڈاکوؤں کا گروہ کا
گروہ زندگی سے محروم ہو گیا تھا۔ منگل انہیں دیکھتا رہا پھر یہ جائزہ لینے کیلئے کہ ان میں زندگی باقی
ہے یا نہیں اس نے لاتعداد جسموں میں زندگی تلاش کی لیکن سب کی نبضیں ڈوب چکی تھیں۔ ان
کے منہ سے اب گہرا نیلا پانی بہنے لگا تھا جو جھاگ سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھیں خوفزدہ انداز میں پھٹی
کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ یقینی طور پر وہ اپنی اذیت تک کو محسوس نہیں کر سکے تھے۔ گویا شیر دل نے
بالکل ٹھیک کہا تھا۔ وہ زہر' زہر قاتل تھا اور ایک لمحے کی مہلت نہیں دیتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ ہی
لمحوں کے بعد سب زندگی سے محروم ہو گئے اور منگل وہاں تنہا رہ گیا۔ اس کے حلق سے ایک قہقہہ
نکل گیا۔

''حیات ابدی کی جانب پہلا قدم میرے دوستو! تم سب کی زندگی میرے لیے تھی
اور اب تمہاری موت بھی میرے لیے ہے۔ اگر تم زندہ رہتے تو میرے سارے منصوبے
مقصد ہو جاتے۔ میں حیات ابدی کی تلاش میں نکلتا تو یہ خزانے تم آپس میں تقسیم کر لیتے اور ا
کیلئے تمہارے درمیان جنگ ہوتی۔ تم میں سے بے شمار مر جاتے اور جو باقی رہتے وہ ان خزانو
کے مالک کہلاتے۔ یہ کیسے ممکن ہے میرے باپ نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا تھا کہ جو دولت م
ہوتے ہیں وہ جوتے مارنے والوں میں سے ہوتے ہیں اور جن کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ جو
کھاتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ میں جوتے کھانے والوں میں سے نہیں ہوں مارنے والوں
ہونا چاہتا ہوں۔ ٹھیک ہے تھوڑی سی زندگی مختلف انداز میں گزرے گی اور اس کے بعد وقت ا
ماحول میرا اپنا ہو گا۔ مگر تمہاری لاشوں کا یہاں جمع رہنا مناسب نہیں ہے۔ تم یہاں پڑے ہو
سڑ جاؤ گے۔ تمہارا تعفن قرب و جوار میں پھیلے گا اور اگر کسی گزرنے والے کو یہ جگہ نظر آ گئی تو
وہ یہ تجسس کرے گا کہ یہاں ایسی کیا خاص بات تھی۔ اس لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا اور یہ جو
ہے وہ بڑی مشقت کا کام ہو گا۔ وہ سوچتا رہا اور اس کے بعد ایک تجویز اس کے ذہن میں
گئی۔ چنانچہ اس نے ایک گھوڑا حاصل کیا اور اس پر مرنے والوں کی تین لاشیں لا دیں۔
لاشوں کو اس نے گھوڑے کی پشت سے باندھ دیا تھا اور پھر اس نے گھوڑے کے ہنٹر لگا دیا۔ گھ
ان لاشوں کو لے کر دوڑ پڑا تھا اور اس کے بعد وہ یہ دلچسپ کھیل کھیلتا رہا۔ انسانوں کے جسموں
گھوڑوں پر باندھ کر اس نے گھوڑے مختلف سمتوں میں دوڑا دیئے تھے اور انہیں اس طرح ما
بھگایا تھا کہ وہ دوبارہ ادھر کا رخ نہ کریں۔ یہ کام اسے کافی دلچسپ محسوس ہوا تھا۔ ایک تنہا آ
پورا دن اور پوری رات یہ کام سرانجام دیتا رہا تھا۔ آخری لاش اور آخری گھوڑا دوڑانے کے
اس نے صرف ایک گھوڑا اپنے لیے رہنے دیا۔ اب اس کے بعد غاروں کا یہ سلسلہ خالی ہو

ما۔ چنانچہ اس نے بڑی احتیاط سے وہ خزانہ جو پہلے ہی ہزار جگہوں پر محفوظ تھا مزید محفوظ کیا اور
ے بڑے بڑے صندوقوں میں بند کر دیا تاکہ وہ وہاں سے غائب نہ ہو سکے۔ پھر وہاں تک
ہانے والے راستے کو اس طرح اس نے بند کیا کہ کسی کو اس کا نشان تک نہ مل سکے۔ یہ خزانہ اب
ں وقت اس کے استعمال میں آ سکتا تھا جب وہ ایک زندہ جاوید شخصیت بن کر نمودار نہ ہو جاتا
ور اپنا کام سرانجام نہ دے لیتا۔ چنانچہ وہ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ایک نیا روپ
ختیار کر کے اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں سے چل پڑا۔ آبادیوں کے بارے میں اسے تھوڑی
بہت معلومات حاصل تھیں۔ وہ ایک ایسی آبادی میں جانا چاہتا تھا جہاں کسی کو اس کا نام و نشان
بھی نہ معلوم ہو سکے اور آخر کار اسے اپنی پسند کی ایک جگہ مل گئی۔ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا لیکن
وہاں ریلوے سٹیشن تھا۔ قصبے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے اپنا گھوڑا چھوڑ دیا تھا کیونکہ
یہاں دور دور تک کے علاقوں میں منگل خان کے گھوڑے کو پہچانا جاتا تھا۔ اس نے اپنے پاس
کچھ رقم رکھی تھی۔ جو بہرحال اسے اپنے پاس رکھنا ضروری تھا۔ یہاں سے اس نے اپنا حلیہ اور
لباس تبدیل کیا۔ اس کے بال بہت لمبے لمبے تھے۔ انہیں تراش کر اس نے چھوٹا کرایا پھر قصبے
کے بازار سے اپنے لیے معقول قسم کے لباس خریدے اور آخر کار وہ ایک نیا روپ اختیار کرنے
کے بعد مختصر سے سامان کے ساتھ ریلوے سٹیشن پہنچ گیا۔ ایک بڑے شہر کا ٹکٹ خرید کر وہ ٹرین
میں بیٹھ گیا۔ یہ سفر اس کیلئے زندگی کا عجیب ترین سفر تھا۔ گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر بستیوں میں
خونریزی کرنا ایک الگ کام ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ان تمام کاموں سے روک کر کسی چیز کی
تلاش میں نکلنا ایک بالکل ہی مختلف اور الگ کام۔ وہ اس دوسرے کام میں اپنے آپ کو مصروف
کر چکا تھا اور اس نے بوڑھے کی ہدایت کے مطابق اپنے آپ کو بالکل بدلنے کی کوشش کی تھی۔
یسے ماضی پر اس کی جب بھی نگاہ جاتی وہ عجیب و غریب احساسات کا شکار ہو جاتا تھا۔ آخر
ڈھار نگو اس کے ہاتھ سے بچ کیسے گیا۔ یہ بات آج تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ غرض
یہ کہ وہ ان تمام باتوں کو سوچتا ہوا ریل کا یہ سفر کرتا رہا اور وقت تبدیل ہوتا رہا۔ اس نے اس شہر
تک پہنچنے کے بعد دوسرے معاملات پر نگاہ کی آخر کار اسے وہاں ایک ایسی رہائش گاہ حاصل ہو
گئی جو عارضی طور اس کی مددگار ہو سکتی تھی۔ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے لیے راستے بنانے شروع
کر دیئے۔ چالاک آدمی تھا معلومات حاصل کرتا جا رہا تھا اور کچھ عرصے کے بعد اسے پتہ چلا کہ
بندرگاہ پر ایسے جہاز مل جاتے ہیں جو تھوڑی بہت رقم لے کر ملک سے باہر نکال لے جاتے ہیں۔
جس علاقے کا نقشہ اسے بتایا گیا تھا وہ صحرائے اعظم افریقہ کا تھا۔ چنانچہ افریقہ کے بارے میں
وہ معلومات حاصل کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن اسے پتہ چلا کہ ایک جہاز افریقہ جانے کیلئے
تیار ہے۔ وہ کوششیں کر کے وہاں پہنچ گیا اور جہاز کے کپتان سے ملا۔ دراز قامت' بلند و بالا

شخصیت کا مالک یہ شخص ہر ایک کو پسند آ جاتا تھا۔ چنانچہ جہاز کے کپتان نے اس سے کہا۔

''مگر تم چاہتے کیا ہو؟''

''میں صحرائے اعظم افریقہ کا سفر کرنا چاہتا ہوں۔'' کپتان کے ہونٹوں پر مسکرا
پھیل گئی۔ اس نے کہا۔

''تم جیسے طاقتور اور جنگجو جوان صحرائے اعظم کا رخ اس لیے کرتے ہیں کہ ا
وہاں دولت کے انبار نظر آتے ہیں۔ چلو ٹھیک ہے میں تمہیں اپنے جہاز پر ملازم رکھ لوں گا۔
بتاؤ کچھ پڑھے لکھے ہو۔''

''نہیں۔'' منگل نے جواب دیا۔

''جسامت تمہاری بہت شاندار ہے کوئی قتل وتل کیا ہے؟''

''قتل۔'' منگل کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آتے آتے رہ گئی۔ لیکن وہ جانتا تھا
دنیا کو اس نے کیا جواب دینا ہے۔ چنانچہ وہ بولا۔

''نہیں۔''

''گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر بھاگ رہے ہو؟''

''کیا ان تمام باتوں کا جواب دینا ضروری ہے؟''

''نہیں میری جان! میں تو بس یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم کیا کام کر سکتے ہو۔ کی
پھلکا کام تمہیں پسند ہوگا۔ جہاز میں خلاصی کا کام کر سکتے ہو۔''

''میں ہر کام کر سکتا ہوں سمجھ لو کہ مجھے یہاں سے نکل کر افریقہ پہنچنا ہے۔''

''لگتا ہے کوئی نقشہ وقشہ ہاتھ لگ گیا ہے خیر چلو۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں۔
میں تمہیں بتاؤں کہ تمہیں کیا کام کرنا ہے۔ وردی پہن کر تمہیں خلاصیوں میں شامل ہونا۔
عرشہ دھونا' فرنیچر کی صفائی کرنا' مشینوں میں تیل ڈالنا تمہارا کام ہوگا۔ بولو یہ کام کر سکو گے
منگل نے ایک نگاہ اٹھا کر کپتان کو دیکھا پھر بولا۔

''ہاں کر سکتا ہوں۔''

''تو تم یہ سمجھ لو کہ اب تم ہمارے ساتھی ہو۔'' کپتان نے کہا لیکن وہ یہ بات مح
کیے بغیر نہیں رہ سکا تھا کہ اس نوجوان کی شخصیت میں کوئی ایسا طلسمی اثر ہے جو ایک دم ذہن
انداز ہوتا ہے۔ بہرحال منگل کو خلاصیوں میں شمار کر لیا گیا۔ پھر کچھ دن کے بعد جہاز نے سا
چھوڑ دیا۔ یہ جہاز دیکھ کر ہی منگل کی عقل خبط ہو گئی تھی۔ ایک عظیم الشان چلتی پھرتی آبادی
اس کیلئے ایک ناقابل یقین چیز تھی۔ بہرحال وہ کپتان کی ہدایت کے مطابق کام کرتا
دوسرے لوگوں سے اس کی شناسائی کرا دی گئی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنا کام کیا کرتا تھا۔ پھر ا

شخص سے اس کی ملاقات اس وقت ہوئی جب آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور وہ شخص نشے
کے عالم میں مست تھا۔ عرشے پر لہراتا اور گاتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اس کا پاؤں پھسلا اگر منگل
اسے پھول کی طرح اٹھا نہ لیتا تو یقیناً نشے میں ڈوبے ہوئے شخص کو بھاری چوٹ لگ جاتی۔ اس
نے منگل کا شکریہ ادا کیا اور بولا۔

''تم نے اس وقت مجھے زخمی ہونے سے بچا لیا ہے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ میں
تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''ابھی تو تم میرے لیے صرف یہ کر سکتے ہو کہ تم مجھے اپنی رہائش گاہ کا پتہ بتا دو تا کہ
میں تمہیں وہاں پہنچا دوں۔''

''بے شک میں نشے میں ہوں لیکن میری ایک خوبی ہے کہ شراب میرے ذہن کو تیز
کر دیتی ہے۔ البتہ جسم اور اعصاب کو نہیں سنبھال پاتی۔ اسی لیے میں گر پڑا تھا۔''

''کوئی بات نہیں میں تمہیں تمہارے کیبن تک پہنچا دوں گا۔'' یہ شخص جس سے منگل
کی پہلی شناسائی ہوئی تھی جہاز کا انجینئر تھا اور اس کا نام ڈیوٹ تھا۔ ڈیوٹ بہت اچھا آدمی تھا۔
یہ ان لوگوں کا ذاتی مسئلہ تھا کہ وہ شراب وغیرہ میں ڈوبے ہوا کرتے تھے۔ ڈیوٹ نے اس سے
بڑی محبت کا اظہار کیا اور ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولا کہ وہ اسے انگریزی زبان سکھائے گا تا کہ وہ
سب کے ساتھ مل کر بات چیت کر سکے۔ ڈیوٹ اس طرح منگل کا استاد بن گیا لیکن اس طرح
منگل خان کو جہاز میں زندگی گزارنے میں آسانی ہوتی چلی گئی۔ وہ اپنے اندر ایک خاص تبدیلی
محسوس کرنے لگا۔ اس کی فطرت میں وہ وحشت خیزی اب بھی موجود تھی جو اس کی فطرت کا ایک
حصہ تھی۔ بہرحال یہاں اس نے اپنے آپ کو تبدیل کرنے اور اپنا عظیم مقصد حاصل کرنے کیلئے
اپنے آپ کو بالکل بدل دیا تھا۔ خلاصیوں میں ایک بھی منگل کے مقابلے کا خلاصی نہیں تھا۔
قد وقامت میں اور جسمانی چوڑائی میں' منگل ویسے بھی اپنے آپ کو بدلنے کیلئے کافی محنت کیا
کرتا تھا اور لوگوں کی نگاہوں میں وہ اچھا خاصا مقبول ہو گیا تھا۔ دوسرے خلاصی اس کی جسامت
وغیرہ کی وجہ سے اس سے دبے دبے رہتے تھے۔ بہرحال یہ جہاز سفر کرتا رہا اور اس کے بعد اس
نے تقریباً گیارہ دن کے سفر کے بعد پہلی بندرگاہ پر لنگر اندازی کی۔ منگل کی زندگی میں یہ تمام
چیزیں بالکل اجنبی اور نئی تھیں۔ وہ ماحول سے تھوڑا سا خوفزدہ بھی تھا۔ یہاں تک کہ جب سب
خلاصی سیر کیلئے جہاز سے اتر جاتے تھے منگل عام طور سے اپنے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔
ادھر ڈیوٹ اسے اور بھی بہت سے کام اور گر سکھا رہا تھا۔ پھر جس بندرگاہ پر جہاز نے قیام کیا تھا
وہاں بھاری کرینیں جہاز کے مختلف حصوں میں سامان لوڈ کرنے لگیں۔ بھاری کرینیں وزنی مال
لوڈ کر رہی تھیں۔ اس شام بھی بارش ہو چکی تھی۔ مطلع اب بھی ابر آلود تھا۔ کچھ ایسا مال تھا جسے

باہر نہیں پڑے رہنا دیا جا سکتا تھا۔ اس لئے کرینیں اس موسم میں بھی کام کر رہی تھیں اور ا
بندرگاہ سے جہاز پر لوڈ کیا جا رہا تھا۔ جہاز کا کپتان خود اپنی نگرانی میں یہ لوڈنگ کرا رہا تھا۔
ایک حادثہ ہو گیا۔ کرین کافی وزن لاد کر جہاز کی طرف لا رہی تھی کہ کنڈے کا تار ٹوٹ گیا
بھاری پیٹیاں عین اس جگہ چھوٹ گئیں جہاں جہاز کا کپتان کھڑا ہوا تھا۔ بے شک منگل ا
کرین پر کام نہیں کر رہا تھا بلکہ اس سے کچھ فاصلے پر کام میں مصروف تھا۔ نجانے کس طرح ا
نے کرین کے کنڈے کے تاروں کے ٹوٹنے کی آواز سن لی۔ اس کی نگاہ اوپر اٹھی اور اس
بالکل غیر ارادی طور پر چھلانگ لگا دی۔ پیٹیاں بلندی سے ٹوٹ کر نیچے آ رہی تھیں اور ان
احاطہ بے حد وسیع تھا اور اس مختصر دائرے میں ان کی زد سے بچنا ناممکن تھا۔ کپتان کی جگہ کوئی ا
بھی ہوتا تو وہاں سے بھاگ نہیں سکتا تھا لیکن منگل اڑتا ہوا کپتان کے قریب پہنچا اور اس
کپتان کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھا لیا۔ یہ اسی کی طاقت تھی کہ ایک لمبی چھلانگ ا
اس دائرے سے باہر لے گئی جو پیٹیوں کی گرنے کی جگہ کا دائرہ تھا۔ وہاں رکتے ہی اس
دوسری چھلانگ پھر لگائی اور کپتان کو لیے ہوئے جہاز کی بلندی سے سمندر میں جا گرا۔ کپتان
بھونچکا رہ گیا تھا۔ ادھر پیٹیاں جہاز پر گریں اور چیخ و پکار کی آوازوں نے ماحول کو ایک دم عجیب
سا کر دیا۔ پیٹیوں کی زد میں آ کر کئی افراد ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے تھے۔ بلاشبہ کپتان کو یہ پ
پورا احساس تھا کہ وہ کسی طور نہیں بچ سکتا تھا کیونکہ پیٹیاں بہت دور دور تک گری تھیں اور ا
میں بھاری مشینری تھی۔ اگر منگل دوسری چھلانگ نہ لگاتا تو بھی کپتان نہیں بچ سکتا تھا۔ کیونکہ
عرشے کا وہ حصہ بھی متاثر ہوا تھا جہاں پہلی چھلانگ کے بعد منگل رکا تھا۔ بہرحال اوپر جو کچھ
رہا تھا ابھی اس کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن منگل کپتان کو بدستور سنبھالے ہوئے لنگر کی زنجیر
تک پہنچ گیا اور پھر یہاں سے دونوں زنجیر پر چڑھتے ہوئے اوپر آئے اور آخر کار جہاز پر آ
گئے۔ کپتان سکتے کے عالم میں تھا۔ اوپر پہنچنے کے بعد اس نے منگل سے کچھ نہیں کہا اور ا
طرف دوڑ پڑا جہاں زخمی اور مرنے والے پڑے ہوئے تھے۔ پھر جہاز کا عملہ ان لوگوں کے سلسلے
میں اپنے طور پر کارروائی کرنے لگا۔ لیکن کپتان اس حادثے سے بہت زیادہ متاثر ہو گیا تھا ا
بالکل کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ ادھر منگل کو بھی اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ کپتان نے اس کا شکریہ
ادا نہیں کیا۔ جہاز پر کارروائی ہوتی رہی اور ضروری کارروائی کے بعد اس نے یہ جگہ چھوڑ دی
اب اس کا رخ آگے کی جانب تھا۔ ادھر منگل اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔ پھر ا
بندرگاہ کو چھوڑے ہوئے دوسرا دن تھا اور دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد منگل آرام کرنے کے
ایک سائبان کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ خلاصیوں کا چیف آ گیا۔ اس نے آ کر کہا۔

''تمہیں کپتان نے طلب کیا ہے۔''

''مجھے؟'' منگل نے سوال کیا۔

''ہاں۔''

''خیریت کیا بات ہے کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔'' خلاصیوں کے چیف نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے خیر کوئی بات نہیں ہے۔ کپتان نے طلب کیا ہے اس لیے میں ضرور چلوں گا۔ وہ اس وقت کہاں ہے؟''

''برج پر موجود ہے آؤ میرے ساتھ۔'' چیف نے کہا اور منگل اس کے ساتھ چل پڑا۔ لیکن اس کے ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے کہیں اس سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔ اس نے ایک بار پھر چیف سے پوچھا۔

''خیریت تو ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ کپتان! غصے میں تو نہیں ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں معلوم۔ بس مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں بلا کر لاؤں۔ چنانچہ میں تمہیں لیکر جا رہا ہوں۔'' منگل نے آہستہ سے گردن ہلائی۔ ایک بار اس نے دل میں سوچا کہ بیوقوف کپتان کوئی ایسی ویسی بات مت کہہ دینا مجھ سے کیونکہ بہرحال میں اب خود بھی دولت مند ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ میری زندگی کا مقصد بدل چکا ہے۔ وہ کپتان کے کیبن میں داخل ہو گیا۔ کپتان ایک آرام کرسی پر دراز کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو کپتان کے چیف خلاصی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' خلاصی چلا گیا تھا۔ کپتان اپنی جگہ سے اٹھا اور منگل کے مدمقابل آ کھڑا ہوا۔ اس کا قد منگل کے سینے سے بھی نیچے تھا۔ چند لمحات وہ اسی طرح کھڑا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

''میرے آدمی مجھے ایک دراز قامت شخص کہتے ہیں اور میں بھی اپنے آپ کو یہ سمجھتا تھا لیکن تمہارے سامنے کھڑا ہو کر میں بہت چھوٹا ہو جاتا ہوں۔''

''نہیں سر! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انسان کا قد اسے بڑا یا چھوٹا نہیں ظاہر کرتا۔ اس کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا معاملہ بالکل مختلف ہوتا ہے۔''

''خوب! تم اپنے عمدہ طریقے سے بھی سوچ سکتے ہو۔ جب تم جہاز پر چڑھے تھے تو میں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ میں ایک اتنے بڑے آدمی سے ملاقات کر رہا ہوں۔''

''سر میں تو بہت چھوٹا سا آدمی ہوں۔'' منگل کو اب دنیا داری آ گئی تھی۔

''یہ بھی تمہاری بڑائی کی دلیل ہے نوجوان! میں نے آج تک تم سے اس بات کو نہیں کہا کہ تم نے میرے اوپر ایک ایسا احسان کیا ہے جس کے بعد کوئی اور احسان کوئی حیثیت نہیں

رکھتا۔ میں نے تمہارے احسان کا شکریہ ادا نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شکریہ اس احسان کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔''

''میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے آپ پر۔''

''مگر میں حقیقت پسند ہوں۔ آج دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو کسی دوسرے کیلئے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دے لیکن تم نے میرے لیے اپنی زندگی خطرے میں ڈالی تم اس کرین کی پہنچ میں نہیں تھے تم نے اس کی رینج میں آ کر مجھے سنبھالا اور چھلانگ لگائی۔ بے شک یہ بہت بڑا کام تھا لیکن جس جگہ چھلانگ لگا کر تم پہنچے تھے وہاں سے اگر تم دوسری چھلانگ نہ لگاتے تب بھی ہم لوگ نہیں بچ سکتے تھے۔ تم نے جان بوجھ کر اپنی زندگی اس شدید خطرے میں ڈالی۔ دوسری چھلانگ لگانے کی کوشش کر کے تم نے یہ ثابت کیا کہ تم نے سب کچھ سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا تھا۔ اگر تم دوسری بھرپور اور کامیاب چھلانگ نہ لگا سکتے جس کے ذریعے ہم سمندر میں جا گرے تھے تو نہ تم بچتے اور نہ میں۔''

''بہرحال مجھے خوشی ہے کہ آپ کی زندگی بچ گئی۔ لیکن اب یہ بات پرانی ہو چکی ہے۔''

''نہیں آج تو اس بات کا آغاز ہوا ہے کہ میں تم سے اپنی احسان مندی کا اظہار کر سکوں اور تم سے تمہارے بارے میں پوچھوں۔''

''میں کوئی سوال نہیں ہوں سر! ایک معمولی سا آدمی ہوں جو بس اپنا وطن چھوڑنا چاہتا تھا اور کہیں اور جانا چاہتا تھا۔ صحرائے اعظم کے بارے میں آپ نے جو مجھ سے سوال کیا تھا وہ بالکل سچ تھا۔ میں افریقہ میں جا کر اپنی تقدیر بنانا چاہتا ہوں۔''

''تمہارا کوئی گھر تھا۔''

''ہاں لیکن میں نے وہ گھر چھوڑ دیا۔''

''تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔''

''نہیں اس سلسلے میں میری رہنمائی یہاں جہاز پر ڈیوٹ نامی ایک شخص نے کی ہے اور اس نے مجھے انگریزی زبان بھی سکھائی ہے۔''

''تو پھر تم آئندہ کیا ارادہ رکھتے ہو۔''

''ابھی تو میں اسی جہاز پر ہوں۔''

''ٹھیک ہے تم یہاں آرام سے وقت گزارو میں تمہیں صحرائے اعظم افریقہ پہنچا دوں گا لیکن ابھی اس کیلئے تمہیں جہاز پر کافی وقت صرف کرنا ہو گا کیونکہ ہم بہت سے ممالک میں کام کرتے ہوئے افریقہ کا رخ کریں گے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے جناب!''

''آج سے تم کیبن سپروائزر کی ڈیوٹی انجام دو گے۔ خلاصی کا کام ختم کیا جا رہا ہے۔ مسافروں کے آرام کا خیال رکھنا تمہاری ذمے داری ہو گی۔ ان کے کیبنوں میں ضرورت کی چیزیں تم فراہم کرو گے۔ یہ تمہاری نئی ڈیوٹی ہے۔ بارہ افراد تمہارے زیر سایہ کام کریں گے۔''

''بہت بہت شکریہ جناب! آپ نے یہ مجھ پر احسان کیا ہے۔ مجھے کوئی بھی کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' منگل نے جواب دیا اور بوڑھا درویش اس کی نگاہوں میں آ گیا۔ رنگو نے کہا تھا کہ اپنے آپ کو تبدیل کرنے سے زندگی کا مقصد حاصل ہو سکے گا ورنہ نہیں۔ بہرحال یہ نئی ڈیوٹی منگل کو زیادہ اچھی لگی تھی اور اس وقت اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی زبان جو ڈیوٹ نے اسے سکھائی تھی کتنا کام آ سکتی ہے۔ مسافروں کے ساتھ منگل کی گفتگو ہوتی تھی اور منگل کو اب یہ زبان زیادہ آسانی سے حاصل ہوتی جا رہی تھی۔ بہرحال وہ یہ جانتا تھا کہ فوری طور پر افریقہ پہنچ جانا اس کیلئے ممکن نہیں ہے۔ رنگو کا بتایا ہوا نقشہ آج بھی اس کے ذہن میں محفوظ تھا اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ بہرحال جہاز دنیا کے مختلف ملکوں سے گزرتا رہا۔ جگہ جگہ قیام کیا جا رہا تھا اور منگل کو دوسرے شہر بھی دیکھنے کو مل رہے تھے۔ وہ خود وہاں کی عیش گاہوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پھر اس کے بعد جہاز کا پروگرام مصر جانے کا بنا تھا اور جہاز مصر کی جانب چل پڑا تھا۔ کیونکہ اب منگل کا تعلق جہاز کے مسافروں سے ہو چکا تھا اس لئے وہ مختلف اوقات میں مسافروں سے بھی ملاقات کرتا رہتا تھا۔ کبھی کبھی اسے اپنے آپ پر بہت ہنسی آتی تھی اور وہ یہ سوچتا تھا کہ کہاں ڈاکو منگل خان اور بستی کا وہ ماحول اور کہاں اب یہ جدید زندگی پھر جہاز میں اس کی ملاقات ایک ایسی شخصیت سے ہوئی جسے دیکھ کر منگل پہلی بار متاثر ہوا تھا۔ اس کا نام خاتون شہابہ تھا۔ خاتون شہابہ سے ایک سرسری سی ملاقات ہوئی تھی لیکن دوسری بڑی ملاقات اس وقت ہوئی جب جہاز کے کیبن انچارج کی حیثیت سے منگل نے کیبنوں کی چیکنگ شروع کی۔ فرسٹ کلاس کے ایک کیبن پر جب اس نے دستک دی تو اندر سے اسے ایک نغمہ بار آواز سنائی دی۔

''آ جاؤ۔ کون ہے؟'' منگل کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس ایک خاتون کسی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ اس نے منگل کو دیکھ کر نگاہیں اٹھائیں اور منگل کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا سا لگا۔ پہلے بھی اس نے خاتون کے نقوش کا جائزہ لیا تھا۔ وہ پہلی بار اسے ملی تھیں لیکن اس وقت اس نے اس کے نقوش پر توجہ نہیں دی تھی پھر بھی وہ تھوڑا بہت متاثر ضرور ہوا تھا اور اب اس نے اس عورت کو دیکھا تو اسے نجانے کیوں ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یہ آنکھیں ایک پراسرار داستان سنا رہی تھیں۔

منگل ان آنکھوں میں کچھ دیر کیلئے کھو گیا۔ دفعتہً ہی وہ مسکرا کر بولی۔

"آیئے ہماری ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔ آیئے۔ آیئے آپ رک کیوں گئے؟"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو یہاں کوئی دقت' کوئی پریشانی تو نہیں ہے اصل میں ان کیبنوں کی دیکھ بھال میری ذمہ داری ہے اور میں کیبن انچارج کی حیثیت سے ا فرض پورا کرنے کیلئے یہاں آیا تھا۔"

"چلئے یہ مان لیتی ہوں کہ آپ میرے لیے اور میری تلاش میں یہاں تک نہیں آ تھے لیکن اب آ گئے ہیں تو اس طرح اجنبیت کیوں برت رہے ہیں۔ آپ آ گئے تو آیئے

منگل چند قدم آگے بڑھا۔ وہ درحقیقت اپنی زندگی میں بہت نمایاں تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔ ا تک اس نے صرف خونریزی کی تھی۔ اب تک اس کی فطرت میں صرف وحشت کا عنصر شامل تھا اور اب بھی وہ اتنا ہی وحشی تھا لیکن بس صورتحال سے تعاون کرتے ہوئے اس نے یہ شک اختیار کی تھی۔ البتہ اب وہ ذرا مختلف ہو چکا تھا اور پہلی بار زندگی میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ عورت اپنے اندر کوئی ایسی پوشیدہ قوت رکھتی ہے جو دوسروں کے ذہن کو اپنی گرفت میں لے۔ بہرحال منگل آگے بڑھا۔ عورت کی سحر خیز آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

"آپ بیٹھیے۔"

"جی۔" منگل بیٹھ گیا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے منگل کو دیکھ رہی تھی پھر منگل نے کہا۔

"آپ کا حکم مان لیا ہے میں نے اور بیٹھ گیا ہوں لیکن میری ذمے داری ہے کہ م کیبنوں کا خیال رکھوں چنانچہ اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔"

"نہیں جب خیال رکھنے والی بات ہے تو پھر آپ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابھی میر ضرورت پوری نہیں ہوئی ہے۔"

"آپ کی ضرورت۔"

"ہاں۔"

"مجھے بتایئے کہ کیا ضرورت ہے آپ کی؟"

"آپ نے مجھ سے ایک سوال کیا تھا۔"

"جی۔"

"کیا سوال تھا آپ کو یاد ہے؟"

"یہی کہ کوئی تکلیف تو نہیں ہے آپ کو۔" منگل نے کہا۔

"ہے۔" وہ شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"جی فرمایئے میں آپ کی ہر خدمت کیلئے حاضر ہوں۔"

"دیکھ لیجئے آپ میری تکلیف ذرا مختلف قسم کی ہے۔" وہ شرارت آمیز انداز میں س پڑی۔ منگل نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ایک بار پھر اس کے ذہن کو احساس ہوا کہ اس کے اندر کوئی ایسی خاص بات ہے جو دل کو متاثر کرتی ہے۔ اس نے کہا۔

"ہم آپ کی تمام تکلیفوں کو دور کرنے کے ذمے دار ہیں۔"

"سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہیں آپ۔"

"ہاں۔"

"تو سنئے میں تنہائی کی تکلیف کا شکار ہوں۔ بوریت کا درد ہے میرے سر میں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جو میرے ساتھ بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرے۔"

"اوہ۔ واقعی اس تکلیف کا کوئی حل نہیں ہے ہمارے پاس۔"

"بھاگ گئے نہ میدان چھوڑ کر۔"

"نہیں کون سا میدان؟"

"یہی ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ ہماری ہر تکلیف دور کرنے کے ذمے دار ہیں۔"

"ہاں لیکن تنہائی کی یہ تکلیف تو دور نہیں کی جا سکتی۔"

"کی جا سکتی ہے آپ ایسا نہ کہیں۔ اچھا چلئے کبھی کبھی تو ہمارے لئے وقت نکال سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ مجھے فرصت ہو۔"

"ایمانداری سے اگر کوئی وعدہ کریں تو فرصت تو نکل سکتی ہے۔"

"پھر بھی خاتون! آپ ہماری معزز مہمان ہیں اور ہم آپ کی ہر خواہش کی تکمیل کیلئے حاضر ہیں۔"

"بس۔" اس نے کہا اور پھر یک دم چونک سی پڑی۔

"بہت بہت شکریہ اس وقت کوئی ضرورت نہیں اگر مجھے کوئی تکلیف ہوئی تو میں آپ کو اطلاع دے دوں گی۔ اب اگر آپ چاہیں تو جا سکتے ہیں۔" اس کا لہجہ ایک دم خشک ہو گیا اور منگل ایک دم چونک کر رہ گیا۔ کچھ دیر تک وہ خاموش ہو کر مسافروں سے ان کے بارے میں پوچھتا رہا۔ جب اس کا یہ کام ختم ہوا تو اسے پھر تنہائی نصیب ہوئی۔ ایک گوشے میں بیٹھ کر وہ اپنے آپ پر غور کرنے لگا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کیا میں وہی منگل ہوں۔ انسانوں کی زندگیاں ختم کرنے والا' خون بہتا دیکھ کر جو لطف آتا تھا اس کی مثال ہی کچھ اور تھی لیکن اب بہرحال وہ مختلف سوچوں سے گزرتا ہوا اس عورت پر آ گیا۔ وہ واقعی ایک سحر انگیز شخصیت تھی اور

اس کے بارے میں سوچ سوچ کر نجانے کیا کیا احساسات دل پر طاری ہو جاتے تھے۔ کبھی
تو منگل اپنے آپ پر ہنسنے لگتا تھا۔ کہاں وہ زندگی اور کہاں یہ۔ کسی کو کیا معلوم کہ اس کی گہرائی
میں کیا ہے۔ وہ حیات ابدی کی طرف نکلنے والا ایک ایسا خطرناک انسان ہے جس کے پاس
دولت ہے کہ وہ ایک پورا شہر بسا سکتا ہے اور اس کا مکمل طور پر حکمران بن سکتا ہے۔ بہر حال
اس کے بارے نا جانے یہی زیادہ بہتر ہے ورنہ صورتحال خطرناک بھی ہو سکتی تھی۔ منگل ا
کاموں میں مصروف رہا۔ شام ہو گئی۔ رات کو اس کی ذمے داریاں ختم ہو جاتی تھیں اور یہ ذ
داری دوسری شفٹ کا آدمی سنبھال لیتا تھا کہ وہ کیبنوں کی نگرانی کرے۔ منگل کو ایک ا
عہدیدار کی حیثیت سے ایک کیبن بھی رہائش کیلئے ملا تھا۔ چنانچہ وہاں سے آنے کے بعد وہ کیب
میں پہنچا لباس وغیرہ تبدیل کیا اور اس کے بعد باہر نکل آیا۔ جہاز کی فرصت کی زندگی خا
مختلف ہوتی تھی۔ منگل کا ذہن بھی آہستہ آہستہ روشن ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ماضی
بس اتنا ہی رشتہ رکھا ہوا تھا کہ ان پہاڑوں اور غاروں میں اس کیلئے اتنی دولت موجود تھی
حیات ابدی حاصل کرنے کے بعد لاکھوں سال تک اس کے کام آ سکے۔ اسے زندگی
دوسرے لوازمات سے بھی دلچسپی پیدا ہوتی جا رہی تھی اور وہ مختلف انداز میں سوچنے لگا تھا۔
سوچ رہا تھا کہ اب اسے کچھ ایسے دوست ضرور بنانے چاہئیں جو اسے زندگی کی دوسری ضرور
سے آگاہ کریں۔ ڈیوٹ اب بھی اس جہاز پر موجود تھا اور اس کے ساتھ اس کی بڑی اچھی د
تھی۔ بہر حال منگل نے لباس وغیرہ تبدیل کیا اور اس کے بعد وہ ایک کھلی تفریح گاہ میں دا
ہو گیا۔ جہاز کے تمام لوگوں کو اس بات کی اجازت تھی کہ اپنی ذمے داریاں ختم کرنے کے بع
ہر چیز میں دلچسپی لیں۔ جب وہ اندر داخل ہوا تو بہت سے لوگوں نے اس کی جانب ہا
ہلائے۔ ویسے بھی وہ ایک پسندیدہ شخصیت تھا۔ اپنی جسامت اور اپنی پرسنیلٹی کی وجہ سے ب
سے لوگوں میں وہ ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔ اچانک ہی اسے ایک میز سے آواز سنائی دی۔

''سنو'' منگل چونک کر اس سمت پلٹا تو اسے وہی سحر انگیز چہرہ نظر آیا جس نے
کے حواس کو تھوڑی دیر کیلئے معطل کر دیا تھا۔ وہ اپنی میز کے گرد تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ منگل کی جا
دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

''بیٹھ جاؤ۔ سوچو گے کہ کیسی بری عورت ہے۔ توجہ نہ دینے کے باوجود سر پڑ
ہے۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اس وقت ڈیوٹی پر تھا ذمے داری بہر
ذمے داری ہوتی ہے۔''

''چلئے اس وقت تو آپ ڈیوٹی پر نہیں ہیں نام بتائیں گے اپنا۔''

''ہنسیں گی میرا نام سن کر۔''

''نہیں۔''

''میرا نام منگل ہے۔''

''منگل۔''

''ہاں آپ کی اپنی زبان میں ٹیوزڈے۔''

''یہ نام ہے۔''

''ہاں۔''

''کس نے رکھا تمہارا یہ نام؟''

''تفصیل نہیں بتا سکتا لیکن آپ کو حیرانی کیوں ہوئی؟''

''نہیں ایسے ہی۔ ویسے یہ نام بدلا بدلا سا ہے۔ اس لیے کانوں کو اچھا لگتا ہے۔
آپ نے میرا نام نہیں پوچھا مسٹر منگل۔''

''بتا دیجئے۔''

''شہابہ۔ میرا نام شہابہ ہے' آپ بیٹھے نہیں ابھی تک۔''

''جی۔'' منگل نے کہا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا پھر وہ بولا۔

''آپ نے مجھے بہت زیادہ اہمیت دے دی ہے میڈم۔ میں جہاز کا ایک بے حیثیت
سا ملازم ہوں۔ آپ کو ایسے آدمی سے مل کر خوشی نہیں ہوگی۔ جسے گفتگو کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔''

''آپ کس قدر میرے اندر جھانک سکتے ہیں۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

''مطلب میں سمجھا نہیں۔''

''مطلب یہ کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے آپ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی۔ یہ بات
آپ اتنے دعوے سے کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''میں اپنے بارے میں جانتا ہوں۔''

''نہیں بالکل نہیں۔ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ یا پھر آپ کو اپنی شخصیت کا احساس ہی
نہیں ہے یا پھر ایک بات اور کہوں آپ کو یہ احساس دلانے والی کوئی نہیں ملی ہے۔''

''ہاں شاید ایسا ہے۔''

''اچھا آپ یہ بتائیے اب اس وقت آپ ڈیوٹی پر نہیں ہیں۔ اس لیے کیبن سپروائزر
بھی نہیں ہیں آپ۔ بلکہ صرف اور صرف میرے دوست ہیں۔ یہاں تک آئے ہیں تو آپ مجھے
بتائیے کہ آپ کو کیا پلاؤں۔'' منگل ہنس پڑا پھر بولا۔

''یہ ذمے داری آپ میرے سپرد کیجئے۔''

''نہیں ایسی بات نہیں ہے اچھا ہم کافی پیتے ہیں وہ بولی اور منگل نے شانے ہلا دیئے اور اپنے ویٹر کو اشارہ کیا اور پھر اس سے کافی لانے کیلئے کہا۔ پھر وہ کہنے لگی جہاز کے مستقل ملازم ہیں آپ۔''

''جی۔''

''تب تو اس سفر میں میرا اور آپ کا بہترین ساتھ رہے گا۔ ویسے جب دو آدمی ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں تو ان میں بڑی دوستی ہو جاتی ہے۔ خاص طور سے میں اور آپ۔ کیا میں یہ توقع کرسکتی ہوں کہ آپ میرے دوست بن جائیں گے۔''

''کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔'' منگل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سوچ تو رہے ہوں گے آپ کہ کیسی احمق عورت سے واسطہ پڑا ہے خواہ مخواہ کسی کے پیچھے پڑ جاتی ہے اور خود ہی باتیں کرتی رہتی ہے لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ میں ایک ذہنی مریضہ ہوں یا پھر آپ یوں سمجھ لوں کہ اگر ذہنی مریضہ نہیں بھی ہوں تو شدید ذہنی الجھنوں کا شکار ہوں۔ ایک عجیب وغریب مشکل میں گرفتار ہوگئی ہوں میں۔ اگر انتہائی مضبوط اعصاب کی مالک نہ ہوتی تو شاید پاگل ہو چکی ہوتی۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ سمندری سفر اپنے ذہن کو ایک طرف موڑنے کا ذریعہ بنایا ہے میں نے۔ آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں ہے کہ کچھ خطرناک لوگ میری تاک میں ہیں۔ وہ یقیناً یہ تصور کر رہے ہوں گے کہ میں یہاں سے مصر کی جانب نکلوں گی تو ہوائی سفر کروں گی لیکن میں نے انہیں دھوکا دینے کیلئے سمندری سفر اختیار کیا ہے۔ کیا سمجھے آپ؟''

''جی خاتون شہابہ۔''

''بڑی خوشی ہوئی مجھے یہ جان کر کہ آپ کے ذہن میں میرا نام موجود ہے۔''

''ہوں تو انسان ہی۔ انسانوں سے اتنا دور بھی نہیں کہ کوئی مجھے اپنا نام بتائے اور میں اسے یاد نہ رکھ سکوں۔'' منگل نے جواب دیا۔

''کھلتے جا رہے ہیں آپ' آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے ہیں۔ آپ مجھ سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ وہ کیا حالات تھے جن کا میں شکار ہوں۔'' منگل نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ایک لمحے تک سوچتا رہا۔ رنگو کے الفاظ ایک بار پھر اس کے ذہن میں گونجے تھے۔ انسانوں کے درمیان پہنچ کر انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کی کوشش کروں۔ یہی ایک مناسب طریقہ ہے ورنہ انسان انسان سے دور ہو جاتا ہے۔ بیشک اب تک جو زندگی گزاری تھی وہ غیر انسانی تھی۔ بستی سے نکلنے کے بعد تو میں مجسم انتقام بن گیا تھا لیکن اب مجھے انسانوں کی دنیا میں واپس آنا پڑے گا کیونکہ اس کے بعد جب مجھے حیات ابدی حاصل ہو جائے گی تو میں ایک شہنشاہ کی

حیثیت سے انہی انسانوں کے درمیان رہوں گا۔ کیا نہیں ہوگا میرے پاس طویل ترین زندگی' دولت کے انبار اور اس وقت مجھے ان تمام انسانی اعمال کو سیکھنا پڑے گا جن سے انسانوں کے درمیان زندگی گزاری جاتی ہے۔ ابھی منگل یہ سوچ ہی رہا تھا کہ شہابہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''وہ حالات خود میرے پیدا کیے ہوئے نہیں تھے۔ اگر میں پہلے سے ان کے بارے میں جانتی تو شاید اتنی پریشان نہ ہوتی۔ بس سمجھئے کہ وہ پراسرار لوگ پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ مجھے کیا نقصان پہنچانا چاہتے تھے اور کیوں؟ آپ یقین کریں منگل مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ میں اب بھی ان سے ناواقف ہوں لیکن ان کی کارروائیاں انتہائی عجیب تھیں۔''

''میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ سب کچھ کیا تھا مجھے یہ دنیا عجیب عجیب سی لگتی ہے لیکن میں اس پوری دنیا سے واقف ہونا چاہتا ہوں۔''

''ہاں کیوں نہیں دنیا کو جاننا بڑا ضروری ہے۔''

''آپ کبھی مصر گئے ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''نہیں کبھی نہیں۔''

''یہ جہاز پہلی بار مصر جا رہا ہے کیا؟''

''نہیں لیکن میں اس جہاز سے پہلی بار مصر جا رہا ہوں۔'' منگل نے مسکرا کر رہا۔

''اوہو اس سے پہلے آپ کسی اور جہاز پر تھے؟''

''نہیں یہ میری پہلی ملازمت ہے۔''

''کمال ہے آپ کی شخصیت کس قدر حسین ہے۔ آپ کسی ریاست کے شہزادے معلوم ہوتے ہیں۔ شکل وصورت اور کشادہ پیشانی اور پھر آپ کی شاندار جسامت۔ آپ کوئی معمولی آدمی نہیں لگتے۔ آپ یہ بتایئے کہ آپ نے ایک معمولی سے جہاز پر یہ ملازمت کیوں کی ہے؟''

''یہ فیصلہ آپ نے کیا ہے خاتون شہابہ! میں اتنا ہی معمولی آدمی ہوں۔''

''نہیں میرا تجربہ ہے زندگی کا آپ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی لکیر چلتی ہے وہ لکیر خون کی لکیر بھی ہوسکتی ہے۔ آپ مجھے معاف کیجئے گا مصر کی زندگی میں مجھے پراسرار علوم سے بہت واقفیت رہی ہے اور میں اپنے آپ کو انسان شناس کہتی ہوں۔ چہرہ شناسی میری زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔ آپ میرے اس تجربے کو چیلنج نہ کریں۔''

''کیا کہہ سکتا ہوں میں۔'' منگل نے جواب دیا۔ بہرحال ان دونوں کے درمیان خاصے اچھے تعلقات ہو گئے تھے اور اس رات جب وہ اپنے کیبن میں اپنے بستر پر لیٹا تو اس کے ذہن پر بہت سی سوچیں حملہ آور تھیں۔

☆......☆......☆

ماضی کی تیز ہوائیں اس کے دماغ میں آندھیوں کی طرح چل رہی تھیں۔ ایک ع
سی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا اور یہ بے چینی شاید پہلی بار اس کے دل و دماغ میں پیدا
تھی۔ حالانکہ جو وقت اس نے گزارہ تھا وہ انسانیت کے نام پر ایک دھبے کے طور پر تھا۔ ڈا
حیثیت سے اس نے شیر دل کو بھی لرزا کر رکھ دیا تھا اور اگر شیر دل کی موت نہ ہو جاتی اور
کے ذہن میں یہ نیا خیال جنم نہ لیتا تو نجانے کیا سے کیا ہو چکا ہوتا۔ وہ ایک وحشی ڈاکو ہی بنا
لیکن یہ بھی ایک دلچسپ بات تھی کہ آخر کار اس نے ڈاکوؤں کا یہ گروہ خود ہی اپنے ہاتھ
کر دیا تھا۔ شیر دل نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا کہ جس گروہ کو اس نے اپنا خون پ
پالا وہ اس طرح اسی کے ایک آدمی کے ہاتھوں ختم ہو جائے گا۔ بہرحال یہ ساری باتیں اس
ذہن میں آ رہی تھیں اور وہ عجیب وغریب کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ پھر رات گئے تک اس
ذہن پر بے چینی سی سوار رہی۔ خاتون شہابہ بھی اس کیلئے بڑی عجیب وغریب کیفیت کی حا
تھی۔ نجانے اس عورت کے اندر کیا خوبی ہے ورنہ اس سے پہلے تو کسی انسان نے اس کے ذ
پر اس طرح اثرات مرتب نہیں کیے تھے۔ صبح سے دوپہر تک وہ خاتون شہابہ سے بچتا رہا اور ج
بوجھ کر اس کے کیبن تک نہیں گیا۔ لیکن دوپہر کے بعد شہابہ خود ہی اسے تلاش کرتی ہوئی اس
پاس پہنچ گئی۔

''جناب کیبن انچارج صاحب! آپ کہاں ہیں یعنی سب کی خبر گیری کی جا رہی۔ ہمارے سوا۔''

''نہیں میڈیم! ایسی بات نہیں ہے میں آپ کی طرف آنے ہی والا تھا۔''

''پھر کیا کہیں یہی نا کہ بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے۔''

''میرے لائق کوئی خدمت۔''

''نہیں بھلا اب ہم آپ سے کیا خدمت لیں گے۔ اب تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمتگار بن جائیں۔''

''جی۔'' وہ حیرت سے بولا تو شہابہ نے جلدی سے کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ آپ تو سب کی خدمت کیا کرتے ہیں کوئی آپ کی خدمت بھی تو کرنے والا ہو۔''

''نہیں ہر شخص کی ڈیوٹی الگ الگ ہوتی ہے۔''

''ڈیوٹی' ڈیوٹی' ڈیوٹی کتنی تنخواہ ملتی ہے آپ کو یہاں اس جہاز پر؟ ہر وقت ڈیوٹی کی بات مت کیا کریں دوسروں کا بھی کوئی حق ہے آپ پر۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''

''جناب! ہم آپ کو ویسے بھی طلب کر سکتے ہیں۔ کپتان سے کہیں گے کہ ہمارے
کیبن میں یہ خرابی ہے وہ خرابی ہے۔ ذرا انچارج صاحب کو بھیج دیجئے آپ کو وہاں بھیج
یا جائے۔'' منگل کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی اور بے اختیار اس کے منہ سے
کل گیا۔

''خیر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ میں بھی وہ
ہیں کہوں گا جو میرے دل میں ہے۔''

''ہائے یہی تو غم ہے کاش! آپ وہ کہہ دیں جو آپ کے دل میں ہے۔'' شام تک
ہابہ منگل کے پیچھے پیچھے لگی رہی اور جب منگل کی چھٹی ہو گئی تو شہابہ نے کہا۔

''جانتے ہیں میں نے آپ کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑا؟''

''نہیں میں نہیں جانتا۔''

''اس لیے کہ آپ چھٹی کے بعد کہیں غائب نہ ہو جائیں۔ اب آپ چلئے میرے
کیبن میں اور وہاں لباس تبدیل کر لیجئے۔ ہم رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔ بیٹھیں گے باتیں
وں گی۔'' منگل اسے دیکھتا رہا آخر یہ عورت کیا چاہتی ہے۔ یہ انداز' یہ اپنائیت اس نے کبھی نہیں
یکھی تھی۔ عورت نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ تنہائی کا شکار ہے اور اس کی تنہائی اسے اس بات پر مجبور
کر رہی ہے کہ وہ منگل پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرے۔ لیکن وہی سحر کار کیفیت' شاید یہ کیفیت
ی وجہ سے منگل پر طاری ہو گئی تھی کہ پیدا ہونے کے بعد اس نے کسی عورت کا وجود نہیں دیکھا
ا۔ پھر اس کے بعد شیر دل کے ہاں جوان ہوا تو وہاں بھی اسے کوئی ایسی عورت نہ ملی جو اس کے
ل کو چھونے کی کوشش کرتی۔ بستیوں میں اس نے بے شمار عورتوں کو بھی قتل کیا لیکن ان میں سے
وئی ایسی نہیں تھی جو اس سے لگاوٹ کا اظہار کر چکی ہوتی۔ ورنہ شاید وہ عورت کو اس سے پہلے
نا جان لیتا۔ یہ پہلی عورت تھی جو اس کی قربتوں کی خواہشمند تھی۔ بہرحال اس نے اس کے
اتھ چلنے سے انکار نہیں کیا۔ شہابہ نے کہا۔

''وعدہ کریں آپ کہ لباس تبدیل کر کے آپ میرے پاس آ رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔'' اس نے کہا پھر وہ اپنے کیبن میں جا کر لباس بدلنے
ا۔ آج اسے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا۔ رنگو نے بلاوجہ ہی اس کے بارے میں
تنے برے تصورات قائم کر لیے تھے۔ شاید یہ بات بھی تھی کہ انسان کو جو ماحول ملتا ہے وہ اسے
ا ابتداء اور انتہا سمجھ لیتا ہے۔ جب اسے کوئی نئی چیز ملتی ہے تو وہ اس کے بارے میں بہت
نجیدہ ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت اس وقت منگل کی تھی۔ جب وہ شہابہ کے کیبن میں پہنچا تو شہابہ
یک خوبصورت سلیپنگ گاؤن میں ملبوس آرام کرسی پر دراز تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔

''آیئے جناب! آپ پر بڑی محنت کرنی پڑے گی مجھے۔ آیئے آیئے پلیز بیٹھے
منگل اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ شہابہ اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''دعوے سے کہتی ہوں آپ وہ نہیں ہیں جو نظر آتے ہیں۔ مجھے یوں لگتا ہے ج
آپ کا ایک ماضی ہے اور آپ نے اپنے ماضی کو ایک مضبوط گرفت میں لے کر گہری نیند سلا
ہے۔ آپ کسی کے سامنے اس ماضی کو آنے نہیں دیتے۔'' منگل نے سرد نگاہوں سے اسے د
اور بولا۔

''جہاں تک میری معلومات ہیں ہر شخص کا ایک ماضی ہوتا ہے اور اس ماضی کی کوئی
کوئی کہانی بھی ہوتی ہے۔ اب وہ اس کہانی کو اپنی پیشانی پر سجا کر گھومتا تو نہیں پھر سکتا تھا۔''

''خوب' خوب یہ پہلا ایسا جواب ہے جو آپ کی شخصیت کی گہرائیوں کو کھولتا ہے
اچھا خیر چھوڑیئے میں نے ویٹر سے کہہ دیا تھا کہ جب میرے مہمان آ جائیں تو وہ ہماری چا
یہاں پہنچا دے۔ کوئی اعتراض۔''

''نہیں بالکل نہیں۔'' منگل نے کہا۔ اس کا سوچنا درست ہی تھا۔ تھوڑی دیر کے ب
ویٹر چائے اور دوسرے لوازمات لے آیا۔ شہابہ اپنی جگہ سے اٹھی اور منگل کیلئے چائے بنا
لگی۔ اس نے دو تین بار دلکش نگاہوں سے منگل کو دیکھا تھا۔ چائے اسے پیش کرتے ہوئے
مسکرائی پھر اس نے کہا۔

''اور میں جو بلاوجہ کی پیش گوئیاں کرتی رہتی ہوں ایک پیش گوئی یہ بھی کرتی ہوں
گھریلو ماحول سے آپ دور رہے ہیں۔''

''کیسے اندازہ ہوا؟'' منگل نے سوال کیا۔

''ایک بات اور کہوں' جب آپ کسی سے مخاطب ہوتے ہیں اور بات کرتے ہیں
یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شیر غرا رہا ہو۔ ایک لیجنڈ بول رہا ہو۔ ایک حکمران بات کر رہا ہو
جب آپ کی دوسری شخصیت سامنے آتی ہے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے آپ
چھپا لیا ہے۔ چلئے اب آپ مجھ سے کچھ سوالات کیجئے میں آپ کے بارے میں بتائے جا
ہوں۔''

''ہاں یقیناً۔''

''تو پھر پوچھئے نا۔''

''آپ خود بتا دیجئے۔''

''آپ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟''

''بس یہی کہ آپ کی شخصیت بہت پراسرار ہے۔''

''آپ نے یہ نہیں سوچا کہ میں پراسرار کیوں ہوں؟''

''اصل میں دنیا کے بارے میں میری معلومات بہت کم ہیں۔ پتہ نہیں کس نے مجھ سے ایک بار سرزمین مصر کا تذکرہ کیا تھا اور کہا تھا کہ وہاں بے شمار راز زمین میں دفن ہیں۔''

شہابہ مسکرائی۔

''نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ویسے یہ حقیقت ہے میری زندگی سے کچھ ایسے واقعات وابستہ ہیں جنہیں پراسرار کہا جا سکتا ہے لیکن میں خود ٹھیک ہوں۔ یہ پراسرار واقعات میرے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ میں آپ کو پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ یہ بات میں نہیں جانتی کہ وہ لوگ کون تھے؟ آج تک نہیں جان سکی لیکن اتنا معلوم تھا کہ وہ مجھے زندہ دیکھنا نہیں چاہتے۔ اگر میں ان کے ہاتھ لگ جاتی تو یقیناً مجھے مار دیتے۔ موت کا خوف انسانی فطرت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اس سے قبل کبھی زندگی میں ایسے کسی ساتھی کی خواہش نہیں پیدا ہوئی جو میری زندگی میں داخل ہو جائے۔ جسے میری تنہائیاں میسر ہوں۔ جو بیشک میرا محافظ ہو لیکن ملازم نہ ہو اور اب یہ خواہش شدت اختیار کر چکی ہے کیونکہ میں نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''اب بھی مطلب پوچھیں گے۔''

''آپ مجھے ایک بات بتایئے شہابہ۔''

''ہاں پوچھیں۔''

''آپ نے شادی کی۔''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''اس کیوں کا کوئی جواب نہیں ہے میرے پاس۔''

''آپ کے سرپرست تو ہوں گے۔''

''کوئی نہیں ہے میرا بھی۔''

''یہ ایک اچھی بات ہے۔ بلاوجہ لوگ اپنے آپ پر مسلط ہوتے ہیں تو اپنی کوئی رائے نہیں رہتی۔ ویسے اگر آپ اس بات پر دکھی ہیں تو مجھے افسوس ہے۔''

''نہیں۔ یہ کاروباری افسوس میرے لیے بیکار بے مقصد ہے۔ میں رسمی الفاظ نہیں چاہتی۔ میری خواہش ہے کہ کوئی میرا ہمدرد بن جائے' میرا ساتھی بن جائے۔''

''ہاں کیوں نہیں یہ خواہش تو شاید ہر دل میں ہوتی ہے۔''

''آپ کے دل میں ہے۔''

"مم...... میرے دل میں، نہیں میرا نظریہ کچھ اور ہے۔"

"کیا نظریہ ہے آپ کا؟"

"میں نہیں بتانا چاہتا۔"

"تو آپ میری زندگی میں شامل ہو جائیں۔ ہم دونوں ایک ہو جائیں گے۔" اس نے کہا اور منگل چونک پڑا۔ کیا بکواس کر رہی ہے یہ عورت؟ کیا سمجھ رکھا ہے اس نے مجھے؟ میں جس کے پاس اتنی دولت ہے کہ اپنا ایک شہر بسا سکتا ہوں ایسے درجنوں جہاز خرید سکتا ہوں میں تو اپنی زندگی کیلئے حیات جاودانی حاصل کرنے جا رہا ہوں اور یہ عورت میری زندگی میں شامل ہو کر میرے راستے کی رکاوٹ بننا چاہتی ہے۔ لیکن ایک اور خیال بھی منگل کے دل میں فوراً ہی گزرا۔ زندگی میں یہ تبدیلی رونما ہوئی ہے اور خاصی خوشگوار ہے۔ ایک عورت کی قربت کیا معنی رکھتی ہے خنجر کا ایک وار ہر مشکل سے آزاد کر سکتا ہے۔ بہرحال وہ عورت سے بولا۔

"آپ بہت جذباتی ہو گئی ہیں خاتون! یا شاید موت کے خوف نے آپ کو ہر قسم کے لوگوں کو قبول کرنے کی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں اس جہاز پر ایک معمولی سا ملازم ہوں اور آپ۔"

"یہ تمہاری اپنی سوچ ہے مجھے پورا پورا یقین ہے کہ اگر تم میری زندگی میں شامل ہو جاؤ تو میں اپنی ساری پریشانیاں تمہیں سونپ دوں۔ تمہیں جہاز کی ملازمت چھوڑ دینی ہوگی۔ قاہرہ میں میرے پاس بہت کچھ ہے۔ میں ساری زندگی تمہاری خدمت کروں گی۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ یہ میرا وعدہ ہے اور تم اس بات پر یقین کر لو کہ میں نے زندگی میں پہلی بار اس بارے میں زبان کھولی ہے۔ میں کوئی آوارہ مزاج عورت نہیں ہوں۔ منگل تم میرے ساتھی بن جاؤ۔ سمجھے میرے ساتھی بن جاؤ تم۔ بس میں اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہتی ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک طرف جا کر کھڑی ہو گئی۔ منگل کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ رو رہی ہو۔ تھوڑی دیر تک وہ وہاں رہا پھر وہاں سے چلا آیا۔ ذہن میں عجیب سی تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ اپنے کیبن میں پہنچ کر اس نے بڑے عجیب سے انداز میں سوچنا شروع کر دیا۔ یہ پیشکش اس کیلئے بڑی انوکھی تھی۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس طرح عام انسانوں کی طرح زندگی گزارے گا۔ دولت کے حصول کے بارے میں سوچا تھا اس نے، تو دولت کے انبار لگا لیے تھے اور اب حیات جاودانی حاصل کرنے کیلئے اگر کوئی ساتھی مل جائے تو کیا حرج ہے۔ بلاشبہ وہ خلوص دل کے ساتھ شہابہ سے مخلص نہیں تھا لیکن اس کا دل یہ چاہ رہا تھا کہ اس عورت کی قربت حاصل کر کے زندگی کا یہ روپ بھی دیکھے اور یہ روپ اس کا راستہ نہیں روک سکتا تھا۔ کیا کرنا چاہیے پھر ساری رات الجھنوں میں گزری تھی اور رات کے آخری پہر میں اس نے خود کو

حالات کے دھارے پر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اب آگے دیکھنا ہے کہ کیا کیا جائے۔ فی الحال مصر پہنچا جائے۔ نقشہ ذہن میں ہے اور جب اس نے رات کے اس آخری پہر میں اپنے ذہن میں اس نقشے کی ترتیب کی تو اس میں مصر کا نام موجود تھا اور اس نام نے اسے مطمئن کر دیا۔ اس نے سوچا کہ حالات صحیح رخ پر چل رہے ہیں تو رخ بدلنا نہیں چاہیے۔ شہابہ کو زندگی میں شامل کر لینا ایک اچھا عمل تھا اور آخر کار اس سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے گا۔ لیکن کم از کم کوئی ایسی شخصیت تو ہوگی جس سے تبادلہ خیال کیا جا سکے اور اس آخری فیصلے کے ساتھ وہ مطمئن ہو گیا۔ پھر دوسری صبح اس کی ملاقات شہابہ سے ہوئی تو اس نے شہابہ کی حسین آنکھوں میں فکرمندی اور تجسس کے آثار محسوس کیے اور وہ مسکرا دیا۔ مسکراہٹوں اور ہنسی سے ناآشنا وہ شخص جس کی آنکھوں سے صرف شعلے نکلتے تھے اور سامنے والے کو خاکستر کر دیتے تھے آج ایک عورت کیلئے خوشی کا باعث بن گیا تھا۔ شہابہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یقین کرو میں رات بھر نہیں سو سکی۔"

"تمہاری سرخ آنکھیں اس بات کا اظہار کرتی ہیں۔"

"تم نے کوئی فیصلہ کیا؟"

"ہاں۔"

"کیا......؟"

"یہی کہ ایک دولت مند عورت کی دولت پر عیش و عشرت سے زندگی بسر کروں۔" اس نے جواب دیا اور وہ ایک دم خوشی سے اچھل پڑی۔

"کیا بات کر رہے ہو تم۔ کیا بات کر رہے ہو، دولت کیا میرا رواں رواں تمہارے قدموں میں ہے۔ تم نے...... تم نے گویا میرے حق میں فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہاں تم ایک خوبصورت اور دلکش لڑکی ہو۔ میں تمہیں عورت نہیں کہوں گا۔"

"اور تم نے جو کچھ کہا ہے وہ۔" شہابہ بولی۔

"کیا عورت کی دولت پر عیش کرنے کے بارے میں۔"

"ہاں کیا ایسا سوچتے ہو تم۔"

"نہیں ایسا نہیں سوچتا اس لیے کہ میری زندگی میں بھی ایک ایسا راز پوشیدہ ہے جو تمہیں اس وقت بتاؤں گا جب تم میری زندگی کی ساتھی بن جاؤ گی۔"

"آہ...... میں بہت خوش ہوں مجھے وہ سب کچھ مل گیا ہے جس کا میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ منگل مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ جوں جوں سرزمین مصر قریب آتی جا رہی تھی منگل کے دل میں عجیب سے خیالات پیدا ہونے لگے تھے۔ پھر اس نے کپتان سے کہا۔

''میں مصر میں جہاز چھوڑ دوں گا۔''

''کیوں اس کی کوئی وجہ ہے تم مجھے بے حد پسند ہو نوجوان! اگر تم جہاز سے اتر بھی گئے تو میں تمہیں زندگی میں کبھی نہیں بھول سکتا۔''

''میں بھی آپ کو یاد رکھوں گا جناب!''

''کیا تم جہاز سے اکتا گئے ہو۔ ویسے یہ بات تو سچ ہے کہ سمندر کی زندگی ابتداء میں تو دلکش لگتی ہے لیکن پھر اس کے بعد نیلے پانیوں کی اس سرزمین سے اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔ بہرحال اگر تم ایسا چاہو گے تو میں خوشی سے تمہیں خداحافظ کہوں گا۔ سرزمین مصر پر جب جہاز پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔ آج رات جہاز پر ہی رہنا تھا۔ دوسری صبح جہاز کو برتھ ملنے والی تھی۔ بہرحال رات کو دس بجے کے قریب کپتان نے منگل کو بلایا اور اس سے باتیں کرتا ہوا بولا۔

''دوست! میں نے تمہیں کبھی ملازم نہیں سمجھا تم میرے محسن ہو تم نے میری زندگی بچائی ہے اور اس بار جب میں اپنے بچوں سے ملوں گا تو اس میں تمہارا احسان شامل ہو گا۔ یہ کچھ رقم قبول کر لو۔ یہ میری طرف سے خراج عقیدت ہے۔''

''مجھے اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔''

''نہیں مجھے اس کی ضرورت ہے کہ میں تمہیں رقم پیش کروں۔ اس کے علاوہ یہ کاغذات جو میں نے تمہارے لیے تیار کر دیئے ہیں تاکہ تم ایک معزز شہری کی حیثیت سے سرزمین مصر پر اترو۔ بہرحال کپتان کی ان مہربانیوں نے منگل کو متاثر کیا تھا۔ اس سے رخصت ہو کر وہ شہابہ کے کیبن پر پہنچ گیا۔ وہ انتظار کر رہی تھی۔

''کپتان کے کیبن میں تھے۔''

''ہاں۔''

''اسے سب کچھ بتا دیا کیا؟''

''نہیں۔''

''آہ یہ تم نے بہت ہی اچھا کیا۔ میں یہی چاہتی تھی کہ تم کسی کو کچھ نہ بتاؤ۔ ویسے ایک بات بتاؤ تم خوش ہو۔''

''اگر خوش نہ ہوتا تو بے مقصد اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتا۔''

''تمہیں اس فیصلے پر کبھی شرمندگی نہیں ہو گی جان من۔'' دوسری صبح جہاز کو برتھ مل گئی۔ مسافر نیچے اترنے لگے تھے۔ بے شمار لوگ ان لوگوں کو لینے کیلئے آئے تھے۔ منگل بھی جہاز سے اتر آیا۔ یہاں سے وہ شہابہ کے ساتھ نہیں تھا اور نہ ہی جہاز کے دوسرے لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ علم تھا لیکن جب تمام مراحل سے فارغ ہو کر وہ باہر پہنچے تو شہابہ اس کے ساتھ آ

گئی۔ اس نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں منگل کے ساتھ چل پڑی تھی۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ پھر دونوں قاہرہ کے پررونق اور خوبصورت علاقے میں پہنچ گئے۔ جس عظیم الشان کوٹھی کے احاطے میں ٹیکسی رکی تھی وہ معمولی نہیں تھی۔ ایک شاندار لان اس کوٹھی کی عظمت کا اظہار کر رہا تھا۔ جیسے ہی شہابہ ان کے درمیان پہنچی وہاں کھلبلی سی مچ گئی۔ سامان وغیرہ ٹیکسی سے اتارا گیا اور شہابہ منگل کو ساتھ لیے ہوئے اندر داخل ہو گئی۔ اس عمارت میں ملازموں کی پوری فوج موجود تھی اور یہاں شہابہ تنہا رہتی تھی۔ منگل نے یہ سب کچھ دیکھا اور دنگ رہ گیا۔ جن بستیوں میں اس نے بڑے بڑے رئیسوں اور جاگیرداروں کے گھر لوٹے تھے اور ان گھروں میں داخل بھی ہوا تھا وہ معمولی قسم کی بستیاں تھیں اور وہاں بے شک ملازم بھی تھے۔ عیش و عشرت بھی تھی لیکن باہر کی یہ دنیا منگل کے تصورات سے بھی کہیں آگے کی دنیا تھی۔ یہاں جو کچھ نظر آ رہا تھا اسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا تھا۔ یہ اس کی معلومات میں ایک گرانقدر اضافہ بھی تھا۔ منگل یہ سوچ رہا تھا کہ جب حیات جاودانی حاصل کرنے کے بعد وہ ایک انتہائی دولتمند شخص کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کرے گا تو کچھ ایسے تجربات بھی اس کے ساتھ ہوں گے جو شاندار زندگی گزارنے میں اس کی مدد کر سکیں اور خاتون شہابہ کی یہ محل نما کوٹھی ایسی ہی کیفیت کی حامل تھی۔ اسے اس سے فائدے بھی ہو سکتے تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اتنی دولت مند عورت نجانے کیوں اور کس وجہ سے منگل جیسے معمولی سے آدمی کے ساتھ زندگی گزارنے کی خواہشمند تھی۔ یہ تجسس بھی منگل کے ذہن میں تھا جبکہ وہ یہ جانتا تھا کہ عورت اس کے بارے میں صرف اتنا جانتی ہے کہ وہ ایک جہاز کا ملازم ہے۔ نجانے کیوں اس نے منگل کو اپنے لیے ایک بہترین محافظ اور ساتھی تصور کر لیا ہے۔ بہرحال منگل اس عمارت کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ ایک وسیع و عریض کوریڈور تھا۔ جس میں سرخ قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر بھی سرخ پتھر سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ مصری طرز تعمیر کا حسین شاہکار نگاہوں کے سامنے تھا اور اس میں مصر کی قدیم وجاہت جھلک رہی تھی۔ منگل جس کمرے میں داخل ہوا وہ بھی قابل دید حیثیت رکھتا تھا اور انتہائی خوبصورت فرنیچر سے آراستہ تھا۔

''یہ کمرہ میں نے تمہارے لیے مخصوص کیا ہے۔''

''تمہارے علاوہ اس عمارت میں اور کون کون ہے؟''

''بس یہ میرے ملازم ہیں اور میں۔''

''اور کوئی نہیں ہے۔''

''میں بتا چکی ہوں کہ میں بھی اس دنیا میں تنہا ہوں۔''

''اور تمہارا کمرہ کون سا ہے۔'' میں نے پوچھا۔

''اس کمرے کے برابر لیکن میں عارضی طور پر تم سے الگ ہوں۔ اس کے بعد ہم ایک ہی کمرے میں ہوں گے۔'' منگل نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی جیسے جواب کا انتظار کر رہی ہو۔ پھر اس نے کہا۔

''تم نے کچھ کہا نہیں۔''

''بس کیا کہوں مرعوب ہو گیا ہو تم سے۔''

''ارے نہیں۔ ایسی کیا بات ہے تم میری زندگی کے ساتھی ہو۔ اب میں تمہیں پورے مصر کی سیر کراؤں گی۔ بلاشبہ منگل کی شخصیت ایک دم بدل گئی تھی۔ رنگو نے کہا تھا کہ وہ انسانیت کیلئے ایک بدترین خطرہ ہے۔ انسانوں کو اس کے ہاتھوں شدید نقصان پہنچے گا لیکن اسے منگل کی زندگی کے اس دور کے بارے میں بالکل نہیں پتہ تھا جس میں ایک حسین ماحول منگل کو حاصل ہو گیا تھا اور اس کی فطرت میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ یہی کیا کم تھا کہ اسے عجیب و غریب واقعات سے گزرنا پڑ رہا تھا ورنہ ڈاکوؤں کی پوری زندگی یا تو ڈاکے ڈالتے گزر جاتی ہے اور کوئی گولی کسی نہ کسی مرحلے پر انہیں زندگی سے آزاد کر دیتی ہے یا پھر پولیس تقدیر بار آور ہو جائے۔ تو وہ زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے یا تختہ دار پر ختم کر لیتے ہیں۔ لیکن رنگو کا نظریہ یہاں پر مختلف ہو گیا تھا۔ نجانے کیوں کچھ دنوں کیلئے منگل سحر زدہ ہو گیا تھا۔ وہ زیادہ تر شہابہ کے ساتھ گھومتا رہتا۔ شہابہ نے اسے مصر کی سیر کرائی۔ احرامین مصر' ابوالہول' اسوان' ویلی آف کنگز' ہر اس جگہ کی سیر کرائی جو قابل ذکر تھی۔ اس نے منگل کو دریائے نیل میں میلوں کشتیوں کا سفر کرایا۔ اس کے بعد اس نے کہا۔

''میں چاہتی ہوں منگل کہ تم زندگی کے ہر شعبے سے آشنائی حاصل کر لو اور اس کے بعد میں تمہیں اپنی زندگی کا ایک حصہ بنا لوں۔''

''تم کبھی کبھی اچانک ہی اس عمارت سے غائب ہو جاتی ہو اور پھر دوسرے دن واپس آتی ہو اس کی کیا وجہ ہے؟''

''میں ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے۔''

''نہیں۔''

''چاہے کتنی ہی بری بات کہہ دوں میں۔''

''ہاں۔''

''میں تمہیں پرکھ رہی تھی منگل! تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر رہی تھی میں۔ تم بہت کشادہ ذہن اور فراخ دل انسان ہو۔ تمہارے ساتھ زندگی کے بہترین دن گزریں گے۔''

''شاید۔ لیکن ایسا ہے کہ کہیں تمہیں کبھی میری اصل شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کر کے تکلیف نہ ہو۔''

''بس اب میں تمہارے بارے میں اور کچھ نہیں معلوم کرنا چاہتی۔ میری ایک آرزو ہے اب تم جلد از جلد مجھ سے شادی کر لو۔''

''ٹھیک ہے مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' منگل نے جواب دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شہابہ نے اس کے دل میں ایک جگہ بنا لی تھی اور پھر منگل یہ بھی جانتا تھا کہ انسانی زندگی کے مختلف مراحل ہوتے ہیں اور ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی زندگی کی صحیح حقیقتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ہر پہلو سے آشنائی ضروری ہے۔ اپنی بستی سے نکلا تھا تو اس قدر ذہین اور سمجھدار نہیں تھا۔ اس کے بعد کی زندگی پہاڑوں میں بسر کی تھی۔ بستیوں میں ڈاکے ڈالتے ہوئے گزاری تھی۔ دہشت اور درندگی کے وہ وہ مظاہرے کیے تھے اس نے' کہ خود اس کا استاد شیر دل بھی دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنے طور پر ہوتی رہی تھیں اور منگل کو باقی دنیا سے ناواقفیت ہی رہی تھی لیکن اب وہ یہ چاہتا تھا کہ جب عملی زندگی کیلئے اس نے قدم آگے بڑھا دیا ہے تو پھر معلومات مکمل ہونی چاہئیں تاکہ جب حیات ابدی حاصل ہو جائے اور زندگی تعیشات میں گزرے تو زندگی کے ہر پہلو سے آشنائی ہو۔ چنانچہ اس نے شہابہ سے شادی کر لی۔ شہابہ درحقیقت ایک انتہائی فراخ دل اور محبت کرنے والی عورت ثابت ہوئی۔ منگل کو زندگی کے ان بہت سے لوازمات سے واقفیت حاصل ہو گئی جن کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔

☆......☆......☆

اور پھر زندگی نے دوسری کروٹ بدلی۔ ظاہر ہے وہ یہاں شادی کر کے مصر میں آباد ہونے نہیں آیا تھا۔ بلکہ اس کی اپنی منزل کچھ اور ہی تھی۔ اپنے دماغ میں محفوظ نقشے کو وہ دیکھتا رہتا تھا اور کچھ نہیں تو کم از کم اس بوڑھے عالم نے یہ ایک شاندار عمل کیا تھا۔ ایک ایسا زندہ طلسم جس کے بارے میں اسے کسی سے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی بلکہ یہ حقیقتیں خود سامنے موجود تھیں۔ شہابہ ایک کشادہ ذہن اور کشادہ دل کی شخصیت تھی۔ اس کے اپنے مشاغل پر منگل نے کبھی توجہ نہیں دی تھی لیکن اس نے خود بھی منگل کو اعلیٰ طبقے میں روشناس کرا دیا تھا اور منگل اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ مستقبل کی زندگی میں لاتعداد مسئلوں سے واسطہ پڑے گا۔ ان سب کے بارے میں اگر علم نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ بہت سے لوگوں سے اس کی شناسائی ہو گئی تھی۔ ان میں اس کیلئے ایک پسندیدہ شخصیت ہاشم گزاز کی بھی تھی۔ ہاشم گزاز ایک لاابالی مزاج کا سرکش سا نوجوان تھا اور اس کی بے باک اور دلیر شخصیت منگل کو بھا گئی تھی۔ وہ بھی منگل سے اچھی خاصی انسیت کرنے لگا تھا۔ ایک دن اس نے

نشے کے عالم میں کہا۔

''تم انتہائی خوش نصیب انسان ہو منگل۔''

''کیوں تمہیں اس کا احساس کیسے ہوا؟''

''اس لیے کہ ایک دولت مند عورت تمہاری بیوی ہے۔''

''ہاں......''

''اور تم اس کی کمائی پر عیش کر رہے ہو۔''

''ایسا بھی ہے۔ وہ آخر کار میری بیوی ہے۔'' منگل نے کہا۔

''ہاں ہے تو تمہاری بیوی ہی لیکن۔''

''لیکن کیا؟''

''تم سے وفادار نہیں ہے وہ۔''

''کیا مطلب......؟''

''میں نے اکثر اسے قیصیتو میں دیکھا ہے۔ وہ اپنا روپ بدل لیتی ہے اور وہاں نظر آتی ہے۔ میں نے اسے پہچان لیا ہے۔''

''قیصیتو میں۔''

''تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ایسا کیسے ممکن ہے۔'' ہاشم گزاز نے کہا۔

''نہیں میں کچھ نہیں جانتا۔''

''تب پھر تم اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لینا کسی دن قیصیتو میں ہی میری محبوبہ بھی ہوتی ہے۔ ایک چھوٹے سے مگر خوبصورت بنگلے میں رہتی ہے وہ اور میں تمہاری بیوی کو وہیں جاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔'' ایک لمحے کے اندر اندر منگل کے دل میں رقابت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس شخص پر اسے غصہ آیا لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''اگر یہ غلط نکلا تو۔''

''یہ گردن جو ہے نا اسے میرے شانوں سے اتار کر جہاں چاہے پھینک دینا۔'' چاہو گے تو میں تمہیں لکھ کر دے دوں گا تا کہ تمہیں دقت نہ ہو۔'' ہاشم گزاز نے کہا۔ نجانے کیوں منگل کو یہ سب کچھ بہت برا لگا تھا۔ زندگی بدل ہی گئی تھی تو پھر [illegible] ہماری چیزوں سے کیا لینا دینا لیکن شہابہ نے اس سے وفاداری اور محبت کا اظہار کیا تھا۔ یہ تو مناسب نہیں تھا۔ ویسے اسے یہ بات یاد آ رہی تھی۔ وہ اکثر غائب ہو جاتی تھی اور ایک آدھ دن غائب ہو جانے کے بعد دوبارہ واپس آ جاتی تھی۔ اب بھی اس کے معمولات وہی تھے لیکن اب منگل نے پہلی بار اس کے بارے میں غور کیا تھا۔ اس شام وہ تیار ہو کر نکلی تو اس نے جاتے ہوئے کہا۔

''میں رات کو واپس نہیں آؤں گی منگل۔''

''ٹھیک ہے۔'' منگل نے ہمیشہ کی مانند کہا لیکن منگل پہلے سے تیار تھا۔ اس کے باہر نکلتے ہی منگل بھی باہر نکل آیا اور اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ اس کا تعاقب کیا۔ ہاشم گزاز کا کہنا بالکل درست تھا۔ وہ قیصیتو ہی کے علاقے میں پہنچی تھی اور ایک خوبصورت بنگلے میں داخل ہو گئی تھی۔ منگل کو ایک لمحے کیلئے الجھن سی ہوئی۔ یہ کون ہے؟ کون رہتا ہے اس مکان میں؟ کیا واقعی وہ عورت غلط ہے؟ کیا وہ دھوکا دے رہی ہے؟ لیکن ایسا کیوں کیا ہے اس نے؟ اس نے تو بڑی چاہت سے مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا ہے۔ خیر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ ویسے تو میرا اپنا بھی کوئی کردار نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لوگ اس انداز میں سوچ سکتے ہیں۔ بے شک میرے پاس بے پناہ دولت ہے کون جانے کہ میری یہ دولت کہاں ہے اور میں اس کیلئے کیا ارادے رکھتا ہوں۔ ایک کنجوس سیٹھ کی طرح جس نے اپنی زندگی بھر کی کمائی زمین میں دفن کر دی ہو اور وہ نہیں جانتا کہ اس کمائی کا بہترین مصرف کیا ہے۔ یہ اس کے کام آئے گی یا دوسروں کے۔ یہ ساری سوچیں منگل کے ذہن میں آتی تھیں تو وہ کبھی کبھی بری طرح جھنجلا جاتا تھا۔ ایک ڈاکو کی حیثیت سے اپنی مرضی کا مالک تھا جو دل چاہتا کرتا لیکن اب ایک لالچ نے اسے بزدل بنا دیا تھا اور وہ بہت سی الجھنیں خریدنے کیلئے مجبور ہو گیا تھا۔ ایسا کروں یا پھر واپس اپنی سرزمین پہنچ جاؤں۔ وہاں پہنچ کر ایک نیا گروہ بناؤں اور ایک بار پھر منگل کو ان علاقوں میں زندہ کر دوں۔ وہ زندگی زیادہ بہتر ہے یا دوسری لیکن یہ احساس اسے بزدل بنا دیتا تھا۔ شیر دل نے بھی کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ بڑا نام کما لیا تھا اس نے لیکن وہ نام اسے زندگی نہیں دے سکا۔ یہ کیا بات ہوئی تھوڑی سی زندگی حاصل کر لی جائے اور اس کیلئے شدید جدوجہد کی جائے۔ اگر یہ یقین ہو جائے کہ زندگی اس قدر پائیدار ہے اور اتنا عرصہ جیا جا سکتا ہے تو پھر جینے کا مزہ بھی آئے گا لیکن یہ بات بھی بالکل درست تھی۔ کچھ حاصل کرنے کیلئے انتظار کرنا ہوتا ہے۔ محنت کرنی ہوتی ہے۔ بہرحال یہ ساری چیزیں اپنی جگہ تھیں منگل دوہری کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ ایک طرف تو کبھی کبھی اس کے دل میں اصل حیثیت ابھرتی تھی اور وہ انتہائی خوفناک ہو جاتا تھا لیکن پھر مصلحت اسے سنبھال لیا کرتی تھی۔

''دوسرے دن وہ واپس آ گئی۔ معمول کے مطابق تھی لیکن اس نے منگل کے اندر تبدیلی محسوس کر لی تھی۔ منگل کی اس تبدیلی کو محسوس کر کے اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''کیا بات ہے منگل کیسے ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''نہیں ٹھیک نہیں ہو۔''

”میں نے کہا نا ٹھیک ہوں۔“

”مجھے بتاؤ کیا بات ہے؟“

”کیوں......؟“ منگل کی آواز میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور وہ چونک پڑی۔

”منگل! جو بات ہے بتاؤ' میں تمہاری بیوی ہوں۔“

”صرف بیوی نہیں ہو بلکہ سرپرست اور محافظ بھی ہو۔ تمہارا ایک اشارہ مجھے جیل
سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتا ہے کیونکہ میں غیر قانونی طور پر مصر میں مقیم ہوں۔“

”کیا......؟“ اس کی آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں۔

”ہاں ایسا ہے۔ میں نے اس بارے میں سوچا ہے اور یقین کر لیا ہے کہ یہاں میر
حیثیت کمزور ہے۔“

”مگر کیوں...... یہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا؟“

”اس لیے کہ یہ تمہارا شہر ہے تمہارا ملک ہے۔ سنو...... میں تمہیں اپنے بارے م
بتاؤں دل تو چاہتا ہے کہ بتا دوں۔ میں نے اپنی شخصیت کو کس طرح کچلا ہے۔ یہ تم نہیں جانت
شہابہ۔ دیوانہ ہوں میں' پاگل ہوں لیکن اب میں محسوس کر رہا ہوں کہ مصلحت نے مجھے نہ صر
بزدل بلکہ بے غیرت بھی بنا دیا ہے۔“

”تمہارا جو دل چاہیے کہتے رہو اگر کوئی تمہیں برا کہتا ہے تو مجھے برا لگتا ہے اور اگر
خود کو برا کہتے ہو تو بھی مجھے برا لگتا ہے۔“

”سنو میں تمہیں بتاؤں ایک ایسی بستی کا رہنے والا ہوں جو غربت و افلاس کی ب
تھی۔ میرا باپ ایک بہت بڑے زمیندار کے گھر بھینسوں کا دودھ نکالنے پر ملازم تھا۔ سمجھ رہی
نا۔ جب میں پیدا ہوا تو ایک بزرگ نے مجھے ہلاک کرنے کی کئی بار کوشش کی۔ اس کا کہنا تھا
میں زمین پر فتنہ و فساد پھیلاؤں گا۔ مجھے زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ مجھے مارنے کی کوشش میں ا
بزرگ نے میری ماں کو ہلاک کر دیا اور میں اپنے باپ کی آغوش میں تنہا رہ گیا۔ بھینسوں کا دو
پی کر پلا۔ میرا باپ مجھے بھینسوں کے پاس ڈال دیا کرتا تھا۔ یہاں سے میری زندگی کا آغاز ہوا
تھوڑا سا بڑا ہو گیا اور سمجھ آ گئی۔ زمیندار نے میرے باپ کو کسی بات پر ناراض ہو کر جو
لگوائے میں نے منع کیا تھا زمیندار کو کہ میرے باپ کی یہ بے عزتی نہ کرے۔ نہیں مانا پھر ج
شخص نے زمیندار کی اجازت سے میرے باپ کے جوتے لگائے تھے میں نے اس کے دونو
ہاتھ کاٹ دیئے اور اس کے بعد میرا باپ مجھے وہاں سے لے کر بھاگ نکلا۔ کیونکہ اسے خوف
کہ زمیندار مجھے ہلاک کر دے گا۔ باپ راستے میں مارا گیا۔ ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا۔ ڈاکو مج
اغوا کر کے لے گئے۔ وہاں میری پرورش کی گئی۔ پھر ان علاقوں میں ڈاکو منگل کا نام گونجنے لگ

میں نے بے پناہ دولت جمع کی اور اس کے بعد اچانک ہی میرے دل میں کچھ دوسرے خیالات
پیدا ہوئے اور میں اپنی دولت کو زمین کے نیچے غاروں میں پوشیدہ کر کے سیر و سیاحت کیلئے نکل
پڑا۔ منگل نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ حیات جاودانی کی تلاش میں ہے بلکہ اس نے کہا۔

”میں نے سوچا تھا کہ دنیا کی سیاحت کروں اور دنیا داری سیکھوں اور دیکھوں اس
کے بعد زندگی شروع کروں گا۔ چنانچہ میں نکل پڑا۔ میری اس ساری داستان میں تم جانتی ہو
شہابہ کہ عورت کہیں بھی نہیں ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ کسی انسان کے دل میں رقابت کیسے
ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عورت نے کبھی میرے دل کے دروازے نہیں چھوئے تھے۔ منگل نے
خونی نگاہوں سے شہابہ کو دیکھا لیکن شہابہ کے چہرے پر جو تاثرات پھیلے ہوئے تھے انہوں نے
منگل کو حیران کر دیا۔ شہابہ قربان ہو جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”منگل! دیکھو نا میں نے تمہیں تلاش کر لیا۔ پا لیا نا میں نے تمہیں۔ یقین کرو بڑی
ذہنی الجھن ہوتی تھی مجھے اس وقت جب میں تمہیں محسوس کچھ کرتی تھی اور پاتی کچھ تھی۔ تم نے
اپنے آپ کو صرف ایک معمولی سا انسان بتایا تھا لیکن میں تمہیں ایک بات بتاؤں میں جس معیار
کی عورت ہوں کوئی معمولی انسان میرے دل کے دروازوں کو کھول ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ وہی منگل
ڈاکو تھا جس نے اپنے نام کا لوہا منوا لیا تھا اور جس کے نام سے بستیوں کے رہنے والے تھر تھر
کانپتے تھے۔ کہا تھا نا میں نے تمہیں منگل اگر میری آنکھ اتنی ہی کمزور ہے کہ میں جہاز کے ایک
معمولی سے ملازم اور اس کے اندر چھپے ہوئے ایک بہت بڑے آدمی کو نہیں پہچان سکتی تو پھر مجھے
اپنے آپ کو روشن آنکھوں والا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ میں' میں جانتی تھی تمہاری ایک ایک ادا سے
بڑائی ٹپکتی ہے۔“

”لیکن ایک بات تم سن لو میں نے کبھی اپنی محبت میں شرکت نہیں پسند کی۔ آج تک
لٹے ہوئے مال سے محبت کرتا رہا ہوں اور اب وہ مال صرف میرا ہے مجھے تمہاری دولت سے کیا
دلچسپی ہو سکتی یہ بات اب تم بھی اچھی طرح جان سکتی ہو۔“

”مگر تم یہ سب کچھ کیوں کہہ رہے ہوں؟“

”اس لیے کہ مجھے ایک حکمران شوہر کا درجہ حاصل نہیں ہے۔“

”کوئی کمی رہ گئی ہے میری محبت میں۔“

”ہاں میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم ایک رات کیلئے کہاں جاتی ہے؟ کیا میری غیرت
یہ گوارا کر سکتی ہے کہ میری بیوی ایک ایسا عمل کرے جو میرے علم میں نہ ہو۔“ شہابہ ایک لمحے
کیلئے سکتے میں رہ گئی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں منگل مجھ سے غلطی سرزد ہوئی ہے میں اسے مانتی ہوں۔ اٹھو آؤ میرے

ساتھ۔"

"کہاں......؟"

"اب آ جاؤ کم از کم اب اتنا حق تو مجھے بھی دو کہ تم سے اپنی کوئی بات منوا سکوں"

منگل تیار ہو گیا اور پھر لباس تبدیل کر کے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ شہابہ بڑے احترام
اسے کار میں بٹھا کر لے چلی تھی۔ کچھ دیر کے بعد کار اسی علاقے میں داخل ہوئی جو قیصیو کا
کہلاتا تھا اور کچھ دیر بعد اسی بنگلے میں جس تک منگل اس کا تعاقب کر چکا تھا۔ اسی لمحے کچھ
کار کی جانب دوڑ پڑے تو شہابہ نے اس سے سوال کیا۔

"شہروز کہاں ہے؟"

"اندر موجود ہیں محترمہ!" ملازم نے جواب دیا اور شہابہ منگل کو ساتھ لے کر
داخل ہو گئی۔ بہت ہی خوبصورت بنگلہ تھا۔ ایک کشادہ اور خوبصورت کمرے میں اٹھارہ
سال کا ایک خوبصورت نوجوان موجود تھا۔ سرخ وسفید رنگ بھرا بھرا بھولا سا چہرہ۔ بڑی بڑی
آنکھیں، کشادہ پیشانی جس پر سنہرے بالوں کے گچھے نظر آتے تھے۔ یونانی سنگ تراش
کمال لگتا تھا۔ کیوپڈ کی ایک اعلیٰ تصویر۔ دیکھو تو دیکھتے ہی رہ جاؤ۔ خود منگل پر اس حسن
مثال کا بے پناہ اثر ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ وہ اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔

"خیریت آپ دوبارہ کیسے آ گئیں عالیہ!"

"شہروز انہیں پہچانو یہ کون ہیں؟" شہابہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ بھلا انہیں پہچاننے کی ضرورت ہے یہ علیم منگل ہیں۔" شہروز نے کہا۔

"ان کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"صرف اتنا عالیہ! کہ اگر آپ کسی مرد کے ساتھ یہاں آئی ہیں تو وہ صرف م
سکتے ہیں۔"

"میرے لیے ان کی کیا حیثیت ہے؟"

"آپ انہیں اپنا مجازی خدا کہتی ہیں۔"

"میں تمہارے پاس ہفتے میں کتنی بار آتی ہوں؟"

"صرف ایک بار۔"

"کس وقت آتی ہوں؟"

"عموماً دوپہر کو۔"

"کب جاتی ہوں؟"

"دوسرے دن۔"

"یہاں کیا کرتی ہوں؟"

"آپ میری دیکھ بھال کرتی ہیں۔ میرے لباس درست کرتی ہیں اور پھر ہم ہنستے
کھیلتے ہیں۔"

"تم میرے کون ہو شہروز؟"

"عالیہ! میں آپ کا بھائی ہوں۔ مگر براہ کرم آپ بتائیے تو سہی کہ یہ سارے
سوالات کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے آپ کو؟"

"کچھ نہیں بس منگل سے تمہارا تعارف کرانا چاہتی تھی۔ منگل کو یقین نہیں تھا کہ میرا
پیارا سا بھائی یہاں رہتا ہے۔"

"نہیں علیم میری بہن جتنی خوبصورت اور جتنی پیاری ہیں میں کچھ بھی نہیں ہوں ان
کے سامنے۔ زندگی میں پہلی بار منگل کو یہ احساس ہوا تھا کہ شرم و غیرت بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور
کسی غلط فہمی کی بنیاد پر کیسے کیسے احساسات سے گزرنا پڑتا ہے۔ منگل کی نگاہیں شہابہ کی جانب
اٹھیں۔ وہ منگل کو شکایت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ منگل نے خود کو سنبھالا اور نوجوان کے
سامنے دوزانو بیٹھا ہوا بولا۔

"میں تم سے مل کر بہت خوش ہوا ہوں شہروز! بہت ہی خوش ہوں میں۔ تم سے
ملاقات ہو گئی۔ بڑی اچھی بات ہوئی۔ میں یہی کہتا تھا شہابہ سے کہ مجھے اس سے ملاؤ جسے تم اتنا
چاہتی ہو......منگل نے بات بناتے ہوئے کہا۔ پھر شہابہ سے بولا۔

"شہابہ آؤ واپس چلتے ہیں۔ چلیں۔"

"ہاں......"

"آپ مجھ سے دوبارہ ملیں گے نا۔" شہروز نے سوال کیا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" پھر منگل شہابہ کے ساتھ باہر نکل آیا۔ شہابہ خاموشی سے کار
ڈرائیو کر رہی تھی۔ منگل کو یہ احساس ہو رہا تھا کہ اسے کچھ کہنا چاہیے۔ البتہ یہ احساس بھی اس
کے دل میں جڑ پکڑ رہا تھا کہ ایک عام زندگی اور ڈاکو کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے
چنانچہ اس نے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے شہابہ! کہ زندگی میں صرف وحشت خیزی کی ہے میں نے
اور سہی معنوں میں انسانیت سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ میں ایک ڈاکو ہوں اور ڈاکہ زنی
کرتا رہا ہوں۔ بستیوں میں درندگی کر لینا دوسری بات ہے اور کسی سے محبت کرنا اور اس پر اعتبار
کرنا ایک بالکل الگ چیز ہے۔ جس بات سے میں واقف نہیں تھا وہ میرے لیے تجسس کا باعث
تھا۔ ہاں اب یہ بات میں کہہ سکتا ہوں کہ شاید زندگی میں کبھی تم پر کوئی شک نہ کر سکوں۔" شہابہ

نے محبت بھری نگاہوں سے منگل کو دیکھا اور پھر اس کے شانے سے سر ٹکا دیا۔ کار نے ایک
تو منگل نے ہنس کر کہا۔

''تم مجھے کوئی سزا نہیں دو گی۔ اب مجھے شہروز کے بارے میں یہ بتاؤ کہ تم نے
خود سے اتنا دور کیوں رکھا ہے اور اس طرح اس سے کیوں ملتی ہو۔ شہابہ نے سامنے
جمائیں اور پھر سرد لہجے میں بولی۔

''جہاز میں سفر کے دوران میں نے تم سے یہ بات کہی تھی منگل! کہ کچھ لوگ
زندگی کے دشمن ہو گئے ہیں اور میں یہ نہیں جانتی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے؟ پہلی
میں تمہیں یہ بتاؤں کہ بیشک شہروز مجھے بہن سمجھتا ہے اور میں اسے بھائی لیکن وہ میرا بھائی
ہے۔'' شہابہ کے اس انکشاف پر میں چونک پڑا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''ہاں وہ میرا بھائی نہیں ہے۔ وہ میرا آقا زادہ ہے میرے مالک کا بیٹا!''

''مالک۔'' منگل کے منہ سے آواز نکلی۔

''ہاں یہ بچہ بہت عرصے پہلے سے میرے والد کے پاس پروان چڑھ رہا تھا۔
والد اسے اپنا آقا زادہ کہا کرتے تھے۔ وہ کسی بہت ہی دولت مند آدمی کے ملازم تھے
دولت مند آدمی نے شاید اپنے بچے کو ان کی پناہ میں دے دیا تھا کہ وہ اس کی پرورش کر
میرے والد اس کے سامنے ایک غلام کی حیثیت اختیار کیے رہتے تھے۔''

''مگر کیوں......؟''

''وہی میں تمہیں بتانے جا رہی ہوں۔''

''چلو گھر چلتے ہیں۔ گھر چلنے کے بعد تم مجھے اس داستان کے بارے میں بتانا
پہنچ کر شہابہ نے شہروز کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور کہنے لگی۔

''اس وقت شہروز کی عمر صرف پانچ سال تھی جب میرے والد پوشیدہ طور
لے کر اس گھر پہنچے تھے۔ اس وقت ہماری حالت بہت زیادہ اچھی نہیں تھی۔ ہم بالکل
درجے کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ بس ایک معمولی سی زندگی ہمیں حاصل تھی۔ میرے
کسی بہت دولتمند شخص کے پاس ملازمت کرتے تھے۔ اس دولت مند شخص کے بارے
انہوں نے بتایا تھا کہ وہ مصر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور قدیم شاہی نسل کا
تھا۔ بہت بڑی شخصیت تھی مصر میں اس کی۔ مرتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے کو میرے وال
سپرد کر کے کچھ ہدایات کی تھیں۔ جن کے بارے تم یقین کرو کہ مجھے بھی کچھ نہیں معلوم
میرے والد جب اس بچے کے ساتھ آئے تھے تو ان کے پاس لکڑی کا ایک قدیم طرز کا

بے حد وزنی اور بہت مضبوط۔ وہ صندوق اس عمارت کے تہہ خانے میں اب بھی موجود ہے
ں میں ہم لوگ رہتے ہیں۔ والد صاحب نے اس بچے کو اس عمارت میں منتقل کر دیا۔ یہ بچہ
طور پر بہت منتشر تھا۔ والد صاحب اس کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کے ساتھ پیش آتے
کافی عرصے تک یہ بچہ بری طرح سہما اور بھٹکا بھٹکا رہا لیکن اتنا پیارا تھا یہ کہ اس سے بلاوجہ
کرنے کو دل چاہتا تھا۔ یوں زندگی کے شب و روز گزرنے لگے اور جب یہ تقریباً نو سال کا
میرے والد شدید بیمار ہوئے اور مرنے سے کچھ وقت پہلے انہوں نے مجھے اپنا رازدار بناتے
ئے کہا کہ شہابہ' شہروز ہمارے پاس کسی کی امانت ہے ہمارے یہ بدلے ہوئے حالات شہروز
کی وجہ سے ہیں۔ یہ تمام دولت اور ثروت اسی کی ہے۔ لیکن یقین کرو کہ میں نے اپنے آقا
یہ دولت ان کی مرضی کے بغیر نہیں خرچ کی۔ میرے آقا نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی
میں اس بچے کو اپنی پناہ میں لے لوں اور اس کی پرورش کروں اور جب یہ جوان ہو جائے تو
لڑی کا صندوق اس کے حوالے کر دوں۔ لیکن اب موت مجھے یہ مہلت نہیں دے رہی کہ میں
پنے ہاتھوں سے اپنے آقا کا یہ حکم بجا لاؤں۔ اب یہ ذمے داری تمہارے سپرد کیے جا رہا ہوں۔
ندوق تہہ خانے میں موجود ہے اور اس کی چابی بھی اس کی پشت میں لگی ہوئی ہے۔ شہروز جب
وان ہو جائے تو یہ چابی اس کے حوالے کر دینا اور سنو یہ میری ہدایت ہے کہ اس وقت تک تم
کسی بھی حالت میں اس صندوق کو نہیں کھولو گی۔ یہ بات میرے علم میں ہے کہ اس صندوق میں
ہم ترین راز چھپے ہوئے ہیں۔ اور وقت سے پہلے ان کے بارے میں جاننے کی کوشش زندگی
کیلئے خطرہ بھی ہو سکتی ہے۔ پھر اس کے بعد میرے والد نے دم توڑ دیا۔ میں ان کے مشن کی
محافظ بن گئی اور میں نے اپنی زندگی شہروز کیلئے وقف کر دی۔ یہ تمام دولت' جائیداد اور کاروبار
یری تحویل میں ہیں۔ ہر چیز کی نگرانی کرتی ہوں اور اس کے بعد آخر کار مجھے کچھ پراسرار دشمنوں
کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نہیں جانتی وہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ وہ کئی بار مجھ پر جان لیوا حملے کر چکے
ہیں اور میں بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی۔ کاروبار کے سلسلے میں میں دنیا کے کئی ملکوں میں گئی اور
میں نے صرف اپنے تحفظ کی خاطر بحری سفر اختیار کیا۔ پھر نجانے کیوں جب تم مجھے نظر آئے تو
مجھے یہ احساس ہوا کہ تم ایک بہترین محافظ ثابت ہو سکتے ہو۔ یہ پراسرار احساس نجانے کیوں
میرے دل میں پیدا ہوا اور میں تمہاری جانب جھکتی چلی گئی۔ میں ایک عورت ہوں منگل! مکمل طور
پر وفادار اور صرف عورت۔ بس زندگی نے کچھ ذمے داریاں میرے سپرد کر دی ہیں جس کی وجہ
سے میں نے اپنے آپ کو تبدیل کیا تھا۔ میں کسی طور بے وفا نہیں ہو سکتی۔'' منگل نے گردن
ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں اب مجھے یقین ہے۔''

"اور منگل اب جب یہ راز تمہارے علم میں آ چکا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ تم صندوق بھی دیکھ لو۔ کون جانے آنے والا وقت کس حیثیت کا حامل ہو۔ ہمیں کیا کرنا پڑ جا
اب جبکہ تم اس راز سے واقف ہو چکے ہو تو خدارا میری زندگی کا کچھ بوجھ تم بھی سنبھال لو
منگل کو لے کر اس تہہ خانے میں اتر گئی اور منگل نے یہ پراسرار صندوق دیکھا۔ جس میں نجا
کیا کیا راز پوشیدہ تھے لیکن جب اسی رات اس نے اپنے ذہن میں اس نقشے کو ٹٹولا اور رنگو
بتائی ہوئی باتوں پر غور کرتا ہوا ان لکیروں پر چلتا رہا جو اسے اس کی منزل تک لے جاتی تھیں
اس میں اس نے احرام مصر کو دیکھا۔ ایک بے نقش چہرے والی لڑکی کو ایک چھوٹے سے بچے
ایک صندوق کو اور یہ صرف خواب یا تصور یا وہم نہیں تھا یا اپنے آپ کو بہلانے کی کوشش نہیں
بلکہ ایک ٹھوس حقیقت تھی کہ اسے ان راستوں سے گزرنا تھا۔ ویسے بھی زندگی کے ایک طو
عرصے اور ایک پراسرار عمر کے حصول کیلئے جو کچھ بھی تحیر انگیز واقعات نہ ہو جاتے کم تھے اور من
ان پراسرار واقعات کو ٹھوس حقیقتیں سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ جب اپنے دماغ میں محفوظ نقشے کو
کر اس نے یہ تعین کر لیا کہ یہ چار چیزیں جو اس کی زندگی میں شامل ہوئی ہیں یعنی احرام مص
نقشے میں چمکتی ہوئی لکیروں پر موجود تھا بے نقش عورت کا چہرہ سو فیصدی اسی لڑکی کا چہرہ تھا او
لڑکا۔ یہ تمام چیزیں یہ احساس دلاتی تھیں کہ اسے اسی طرح مصر آنا تھا۔ لڑکی سے ملنا تھا
لڑکے کے اسرار کو سینے سے لگانا تھا۔ چنانچہ اس نے خلوص دل کے ساتھ اپنی زندگی کے اس
کا یہ حصہ سنبھال لیا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہی صحیح راستہ ہے اور اسی پر چل کر وہ ایک لا
زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ حالات نے منگل کو یہ بتا دیا تھا کہ جن راستوں پر وہ سفر کر رہا ہے
اسے اس کی منزل تک لے جانے والے ہیں۔ چنانچہ اپنی زندگی میں شہابہ کی شمولیت اور
کے بعد کے یہ پراسرار واقعات اسے ناگوار نہیں گزر رہے تھے۔ ادھر شہابہ ایک وفا پرست عو
ثابت ہو رہی تھی اور منگل کو یہ احساس ہوتا جا رہا تھا کہ حیات ابدی حاصل کرنے میں اس عو
کا اپنا ضرور کوئی مقام ہے۔ درویش نے اس کیلئے جو راہ متعین کی تھی اس میں سب سے بڑا
یہ تھا کہ اسے اپنے ذہن میں ان باتوں کا احساس ہو جاتا تھا جو اس کی معاون اور مخالف تھ
ذہن میں نظر آنے والا وہ نقشہ ایک طرح سے ایک ساحرانہ عمل تھا اور اس نے پوری دلچسپی
ساتھ اس نوجوان لڑکے کی ذمے داریاں اپنے سپرد لے لی تھیں۔ اس نے شہابہ کو اطمی
دلاتے ہوئے کہا تھا۔

"جنگ و جدل اور انسانی زندگی سے کھیلنا میرے مشغلوں میں شامل رہا ہے۔ اس
اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہارے دشمن تمہیں یا شہروز کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں تو میں یہ سمجھتا ہو
اس احساس کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ میں تم دونوں کی بھرپور حفاظت کروں گا۔"

"تمہارے ذہن میں یہ تجسس ہو گا کہ آخر اس صندوق میں کیا ہے؟ اور ہمیں اسے
ب کھولنا چاہیے؟"

"دیکھو خود میری اپنی زندگی کا ایک مقصد ہے۔ ایک مشن ہے اور اس کیلئے بھی
رے پاس کچھ ایسی ساحرانہ رہنمائی ہے جو مجھے میرے مشن کی جانب صحیح راستے دکھائے گی۔
ر یہ عمل میری راہ میں رکاوٹ ہوتا تو لازمی طور پر میں اس تمام ہنگامہ آرائی سے گریز کرتا لیکن
ب صورتحال مختلف ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ میرے لیے یہی ایک مناسب منزل ہے۔ کیا
بھیں اس لیے میں کوئی مشکل یا تردد محسوس نہیں کر رہا۔"

"آہ کیا تمہارا وہ مشن جسے تم سرانجام دینا چاہتے ہو میری وجہ سے متاثر تو نہیں ہو
گا؟"

"میں سمجھتا ہوں تم بھی میرے مشن کا ایک حصہ ہو۔" منگل نے یہ کہہ کر بات ختم کر
ں۔ منگل کی ہمت پر شہابہ شہروز کو بھی اصلی عمارت میں لے آئی۔ چونکہ منگل نے اسے بتایا تھا
ہ لوگ اس بات پر شبہ کرتے ہیں کہ وہ اس عمارت میں تنہا جاتی ہے۔ بہرحال منگل اس
جوان کو چاہنے لگا تھا اور اس کے ذہن میں ایک احساس جاگنے لگا تھا۔ جس طرح درجنا نے
بردل کو اور شیر دل نے منگل کو اپنی اولاد کی مانند پروان چڑھایا تھا اسی طرح منگل کے دل میں
ی اس لڑکے کے لیے دلچسپی کا سامان پیدا ہو گیا تھا۔ ادھر شہروز بھی منگل سے بہت مانوس ہوتا
ا رہا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ گزرنے والا ہر لمحہ شہروز کی وجاہت میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔ اس
ا حسن بے مثال' اب جوانی کی دلکشی میں ڈھلتا جا رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک قد آور اور
وان رعنا بن گیا۔ اپنی عمر سے کافی بڑا معلوم ہوتا تھا۔ حسن و جمال تھا کہ اس پر ختم ہوتا تھا اور
نگل نے بے شمار بار یہ محسوس کیا تھا کہ مصر کے اچھے خاندانوں کی حسین لڑکیاں شہروز کے گرد
نڈلاتی رہتی ہیں۔ روز کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا رہتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے منگل اور شہابہ سے
جوع بھی کیا تھا کہ ان کی بیٹیوں سے اس لڑکے کا رشتہ کر دیا جائے۔ لیکن خود شہروز ایک انتہائی
ناط اور نفیس کردار کا انسان تھا۔ اس دوران منگل جس صبر و استقامت کے ساتھ تقدیر کے
وسرے مرحلے کا انتظار کر رہا تھا وہ بھی ناقابل یقین تھا۔ کبھی کبھی اسے یہ احساس ہوتا تھا کہ اس
کے اندر کوئی ٹھہراؤ تو نہیں پیدا ہوتا جا رہا ہے کہیں وہ ایک عورت کی قربت میں اپنے اصل مقصد
کو فراموش تو نہیں کر بیٹھا ہے۔ اپنی فطرت کی دیوانگی پر بھی غور کرتا تو اسے تعجب سا محسوس ہوتا
کہ وہ کیسے سرد ہو گئی ہے لیکن رنگو کے افکار و خیالات سے نجانے کیوں اسے عقیدت سی ہو گئی
ی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بزرگ شخصیت جس نے اسے چشمہ حیواں کے بارے میں تفصیلات بتائی
یں غلط نہیں کہہ سکتی۔ ایک بار رنگو مر چکا تھا دوبارہ زندہ ہوا اور منگل کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس چیز

نے منگل کے ذہن میں ایک عجیب سی کیفیت اور عقیدت پیدا کر دی تھی۔ خاص طور پر جب
اپنی آنکھیں بند کر کے دماغ پر زور دیتا اور وہ نقشہ اس کے ذہن میں ابھر آتا تو اس کی عقیدت
مستحکم ہو جاتی کیونکہ اس نقشے میں اس کی مکمل رہنمائی تھی۔ بہر حال اس طرح وہ پراسرار شخصیت
جس کے بارے میں خود شہابہ نہیں بتا سکتی تھی کہ کیا ہے منگل اور شہابہ کی قربت میں پروان چڑھ
رہی تھی لیکن پھر ایک حادثہ ہوا۔ ایک رات شہابہ کو سردی لگی اور وہ سخت بیمار ہو گئی۔ سینے کے
شدید درد نے اسے دیوانہ کر دیا۔ صبح ہوتے ہوتے اس کی حالت بے پناہ خراب ہو گئی۔ اس نے
خوفزدہ لہجے میں منگل سے کہا۔

"جو کچھ ہو رہا ہے میں نہیں جانتی کہ کیوں ہو رہا ہے لیکن مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے
میں اب زیادہ وقت نہیں گزار سکتی۔ میں سمجھتی ہوں کہ میرے باپ نے مرتے ہوئے اس لڑکے کو
میرے سپرد کیا تھا اور شاید یہ مجبوری اب آ گئی ہے کہ میں اسے تمہارے سپرد کروں۔ میں نہیں
جانتی کہ یہ وقت کیسے گزرے گا لیکن میں اب سمجھتی ہوں کہ شہروز اب اس قابل ہو گیا ہے کہ
اسے تمام حقیقت بتا دی جائے۔ آؤ تم ایسا کرو کہ اسے میرے سامنے تمام تفصیلات سے آگاہ کر
دو بلکہ میں خود اسے بتائے دیتی ہوں۔" شہروز کی حالت شہابہ کو دیکھ کر بہت خراب ہو گئی تھی
اس نے غمزدہ آواز میں کہا۔

"میری محسن! میری بہن تمہیں میرے لیے ٹھیک ہونا ہو گا۔ تم نے جس طرح میری
پرورش کی ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر میری زندگی بھی تمہارے کام آ جائے تو یہ میرے لیے ایک
نیک عمل ہو گا۔"

"شہروز! زندگی کی انتہا موت ہوتی ہے۔ اب یہ کہا بھی نہیں جا سکتا کہ کسے کس
میں موت آ جائے۔ عمر کا موت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن آج تم پر کچھ حیرت ناک انکشافات
کرنا چاہتی ہوں۔ تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟"

"میری بہن ہو تم۔"

"ہاں ہر طرح سے میں تمہاری بہن ہوں لیکن بد قسمتی سے تیری رگوں میں میری ماں
اور باپ کا خون نہیں دوڑتا۔ شاید ماضی میں تمہیں یہ باتیں یاد ہوں کہ میرے ابو تمہیں کہیں سے
لے کر آئے تھے۔ کہاں سے یہ مجھے بھی آج تک نہیں معلوم ہوا لیکن بہر حال جو کچھ بھی صورت حال
ہے وہ یہ ہے۔" یہ کہہ کر آہستہ آہستہ کراہتے ہوئے شہابہ نے ساری تفصیلات شہروز کو بتا دیں
شہروز حیرت کی تصویر بن گیا۔ اس کے منہ سے کوئی بات نہیں نکل سکی تھی لیکن یہ انکشاف اس
کیلئے انتہائی حیران کن تھا اور اس کے بعد شہابہ اپنے فرض سے فارغ ہو گئی۔ لیکن یہ فرض صرف
شہروز کو اس کی حقیقت بتانے کا نہیں تھا بلکہ زندگی اور دنیا کو نبھانے کا فرض تھا۔ اپنے فرض

اس ادائیگی سے وہ اس قدر مطمئن ہوئی کہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ حادثہ منگل
کیلئے بڑا دردناک تھا۔ اس نے اپنی شخصیت کو چھوڑ دیا تھا اور ایک عورت کے سحر میں گرفتار ہو گیا
تھا لیکن یہ سحر اس کا ساتھ نہیں دے سکا۔ اسے اس بات کا ہوش آیا کہ وہ کیا تھا اور کیا بن گیا ہے
تو وہ چکرا کر رہ گیا۔ ایک لمحے کیلئے اس کی فطرت ابھری اور اس نے سوچا بلاوجہ الجھنوں میں
پھنس گیا تھا۔ یہ الجھنیں اس طرح راستے میں دم توڑ دیتی ہیں۔ موت کا چکر۔ شیر دل بھی اسی
طرح سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے چلا گیا تھا۔ اب شہابہ بھی۔ آہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ انسان
زندگی کیلئے خوشیاں حاصل کرے اور موت اس سے اس طرح سب کچھ چھین لے۔ موت کے
خلاف نفرت کا جذبہ پھر اس کے دل میں پیدا ہوا اور نجانے کیوں اس کے اندر وہ عزم پھر سے
بیدار ہونے لگا۔ یعنی یہ کہ چشمہ حیواں کی تلاش میں سفر کا آغاز کرے۔ یہ دن اس پر بہت زیادہ
مشکل گزر رہے تھے۔ طرح طرح کے احساسات دل میں جاگ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ
یہاں سے ضرورت کا سامان لے اور اس کے بعد یہاں سے آگے روانہ ہو جائے۔ شہروز کے
بارے میں اس نے سوچا کہ اس پر لعنت بھیجے۔ وہ خود اپنے مسائل سے نمٹے گا۔ دوسری صورت
یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شہروز کو زندگی سے ہی محروم کر دے۔ ایک ایسی چیز جو ذہن میں چبھن بن
جائے اسے زندہ رہنے دینا حماقت ہے اور اس رات تو اس پر دیوانگی کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ
آدھی رات کو وہ جاگ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون کی چمک لہرانے لگی۔ اپنی جگہ سے اٹھا۔
ایک مڑا ہوا چمکدار خنجر نکالا اور تیار ہو گیا۔ رفتہ رفتہ چلتا ہوا وہ شہروز کی خوابگاہ تک پہنچا لیکن وہاں
پہنچنے کے بعد اچانک ہی وہ چکرا کر رہ گیا۔ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس نے چاروں طرف دیکھا
اسے یوں لگا جیسے سارا ماحول اجنبی ہو گیا ہو۔ وہ کوریڈور جس میں شہروز کی خوابگاہ کا ایک دروازہ
تھا یہاں موجود نہیں تھا۔ ایک سپاٹ سنگی دیوار کسی قطع کی مانند دور تک چلی گئی تھی اور یہ سب کچھ
وہم کی حالت میں نہیں ہوا تھا۔ ایک کھلی حقیقت نگاہوں کے سامنے تھی۔ ایک سحر انگیز ماحول اس
کے سامنے تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو بند کر کے اپنے ذہن میں نقشے کو تازہ کیا تو اچانک ہی
اسے وہ تمام لکیریں جو اس کے ذہن میں وہ راستے روشن کر دیتیں تھیں جن سے گزر کر انہیں اپنی
منزل تک پہنچنا تھا گڈمڈ نظر آئیں۔ چمکدار لکیریں ایک دوسرے میں الجھ گئی تھیں۔ منگل نے فوراً
ہی اپنے ذہن کے دروازے بند کر لیے اور چکراتے ہوئے قدموں سے آہستہ آہستہ آگے بڑھتا
ہوا خاصی دور نکل آیا اور پھر ایک بار اس کا قدم لڑکھڑایا تو اس نے گرنے سے بچنے کیلئے ایک
دیوار کا سہارا لیا اور آنکھیں بند کر کے زور سے جھپکیں۔ وہ اپنی خوابگاہ کے دروازے پر کھڑا ہوا
تھا۔ تبھی اسے اپنے کانوں میں ایک سحر آلود آواز ابھرتی سنائی دی۔ اس آواز میں سسکیاں سی
ابھر رہی تھیں پھر روتی ہوئی آواز نے سرگوشی کے عالم میں کہا۔

"نہیں۔ میں نے اپنی زندگی کے قیمتی لمحات تمہیں دیئے ہیں منگل ! مجھ سے اس طرح بے اعتنائی نہ برتو۔ میری روح مضطرب ہو جائے گی۔ یہ کیا تصور تم اپنے دل میں لے آئے۔ میں تمہارے راستوں کی رکاوٹ نہیں ہوں۔ دیکھو ان روشن لکیروں کو اپنے ذہن میں جو تمہیں تمہاری منزل کا راستہ دکھاتی ہیں اور محسوس کرو کہ ان راستوں میں شہروز بھی تمہارا شریک سفر ہے۔ وہی تو تمہیں وہاں تک پہنچائے گا جہاں تم جانا چاہتے ہو۔ اس سے اجتناب نہ برتو اب اسے اس کی حقیقت بتا دو تا کہ تمہیں اپنے مقصد میں رکاوٹ کا احساس نہ ہو۔ اس قدر روشن اور مکمل اشارے تھے یہ ایسی متاثر کن آواز تھی کہ منگل کسی بھی طرح اپنے آپ کو اس سے بے نیاز نہ رکھ سکا لیکن پھر بھی اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے ذہن کے اس پراسرار نقشے کو دیکھا جو رنگو کی دین تھی اور اس نے ان راستوں کو مکمل پایا جو اس کیلئے رہنما تھے۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ بہر حال اس حسین نوجوان کو اس طرح تنہا نہ چھوڑا جائے۔ چنانچہ وہ اس صبح شہروز کے پاس پہنچ گیا۔ شہروز اس کی بے پناہ عزت کرتا تھا اور اب اسے ہی اپنا سب کچھ سمجھتا تھا۔ اس نے مؤدب انداز میں منگل کو سلام کیا اور بولا۔

"جی بھائی جان ! مجھ سے کوئی کام؟"

"ہاں شہروز ! تم نے بڑے صبر وسکون کے ساتھ اس صندوق کے کھلنے کا انتظار کیا ہے۔ مجھے علم ہوا ہے کہ وہ وقت آ گیا جب تم اس صندوق کو کھول لو۔"

"آہ ! میں تو کئی بار اس تہہ خانے میں آ چکا ہوں۔ میں اپنی ذات سے آشنا ہونے کیلئے کس قدر بے قرار ہوں یہ بات آپ نہیں جانتے لیکن بہر حال میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک آپ کا حکم نہیں ہو گا میں ایسا کوئی عمل نہیں کروں گا جو آپ کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔ منگل نے اس نوجوان لڑکے کو دیکھا اور اپنی فطرت کے خلاف اسے یہ احساس ہوا کہ یہ واقعی اس قابل ہے کہ اسے چاہا جائے۔ صحیح معنوں میں یہ شہابہ کا دوسرا روپ تھا۔ چنانچہ اس کی آنکھوں کی روشنی منگل کو عجیب سی محسوس ہوئی۔ اس نے کہا۔

"کیا تم اپنے آپ کو اس کیلئے تیار پاتے ہو؟"

"بھائی جان ! میں نے تو ہر لمحہ اس صندوق کے خواب دیکھے ہیں جب سے مجھے اس کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔ اصل میں انسان اگر اپنی ذات سے نا آشنا ہو جائے تو اس کیلئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کوئی نہیں ہوتی۔ جب سے مجھے یہ پتہ چلا کہ میں شہابہ کا بھائی نہیں ہوں اور شہابہ کے والد مجھے کہیں سے لے کر آئے تھے۔ یقین کرو میرے بھائی ! میں خود اپنے آپ سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے ہمیشہ یہ سوال کیا کہ میں کون ہوں؟ لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا تاہم یہ بات میری بہن نے مجھے بتا دی تھی کہ میری ذات اس

صندوق میں پوشیدہ ہے۔ میری بہن مجھ سے جدا ہو گئی لیکن میں نے آج تک اس طرح نہیں سوچا کہ آپ کی مرضی کے خلاف اس صندوق کو کھولوں۔"

منگل بہت متاثر ہو گیا تھا۔ بہر حال وہ شہروز کو لیے ہوئے آخر کار تہہ خانے میں داخل ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ اس تہہ خانے میں آ چکا تھا اور اسے یہ احساس ہوا تھا کہ وہاں ایک صندوق موجود ہے لیکن آج جب وہ تہہ خانے میں داخل ہو رہا تھا تو کچھ عجیب و غریب سرسراہٹیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں جو انتہائی انوکھی کیفیت تھی۔ پتہ نہیں یہ ان دونوں کے احساسات تھے یا حقیقت تہہ خانے میں ایک پراسرار خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور اس کے تاریک گوشوں میں دھوئیں کے مرغولے سے اٹھ رہے تھے۔ اس نے شہروز کی جانب دیکھا۔ شہروز کا چہرہ فرط تجسس سے سرخ ہو رہا تھا اور اس قدر حسین لگ رہا تھا وہ کہ اس پر نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ کچھ غیر مرئی سی پراسرار آوازیں گونج رہی تھیں۔ کپڑوں کی سرسراہٹیں ادھر سے ادھر آتی جا رہی تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے لاتعداد روحیں تہہ خانے میں چکرا رہی ہوں۔ چمکدار آنکھیں دھوئیں کے مرغولوں سے جھانک رہی ہوں۔ ان کے جسموں میں ایک انوکھی ٹھنڈی سی کیفیت سرایت کر گئی تھی۔ بارہا یوں لگا جیسے کوئی انجانے ہاتھ ان کے جسموں کو چھوتے گزر جاتے ہوں۔ یہی کیفیت شہروز کی بھی تھی۔ وہ پتھرایا ہوا سا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے صندوق تک پہنچ گئے۔ پتہ نہیں شہروز کس انداز میں کیا سوچ رہا تھا۔ بہر حال منگل نے صندوق کی چابی اٹھائی اور شہروز سے کہا۔

"شہروز یہ صندوق تمہاری ملکیت ہے اور یہ چابی میرے پاس امانت ! تم اگر پسند کرو تو میں یہاں رکوں اور اگر چاہو تو میں یہاں سے ہٹ جاؤں۔ تو میں تمہیں یہاں تنہا چھوڑتا ہوں۔ شہروز نے نگاہیں اٹھا کر منگل کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شکایت تھی۔ جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ کیوں اپنے آپ کو مجھ سے اجنبی ظاہر کرتے ہو۔ میں تو بہن کی موت کے بعد تمہیں ہی اپنا سب کچھ سمجھتا ہوں لیکن بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ منگل ان حیران کن احساسات کا شکار تھا۔ جوان کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔ اچانک ہی ماحول میں سناٹا سا پھیل گیا۔ فضا اس طرح پرسکون ہو گئی جیسے مقدس روحیں منگل کے اس فرض سے پوری طرح مطمئن اور خوش ہوں۔ یہاں تک کہ شہروز کے کانپتے ہوئے ہاتھ اس تالے تک پہنچ گئے جس میں زنگ لگی ہوئی تھی۔ آخر کار زنگ آلود تالہ کھل گیا۔ لکڑی کے صندوق کے اندر ایک سنہری صندوق اور موجود تھا جسے دیکھ کر ایک لمحے کے اندر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ خالص سونے سے بنا ہوا ہے۔ اس پر قدیم مصری نقوش کندہ تھے۔ یہ نقوش ایک تحریر کی شکل رکھتے تھے لیکن اس تحریر سے وہ دونوں ہی ناواقف تھے۔ بہر حال سونے کے صندوق کو کھولا گیا تو سب سے اوپر ایک کاغذ نظر آیا۔ یہ گہرے

کتھئی رنگ کا ایک لفافہ تھا لیکن اس کا اصل رنگ کتھئی نہیں تھا سفید ہو گا جو وقت کے ا
بڑھنے سے رنگین ہو گیا تھا لیکن اس پر مصری زبان میں جو الفاظ لکھے ہوئے تھے وہ یہ تھے۔
''شہروز کیلئے میری جانب سے۔'' شہروز نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ نکالا اور ا
دونوں ہاتھوں سے بڑھاتے ہوئے منگل سے بولا۔
''آپ اسے کھولیے اور پڑھیے۔'' منگل کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی
اس نے کہا۔
''نہیں شہروز! یہ سب کچھ تمہارا حق ہے۔'' شہروز نے خشک ہونٹوں پر زبان پھ
اور لفافہ کھولنے لگا۔ اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ سے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ ا
وقت کس قدر عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہے۔ منگل اپنے طور پر سوچ رہا تھا کہ یہ ان
داستانیں اس کی زندگی میں کیوں شامل ہو رہی ہیں۔ وہ تو اپنا پورا گروہ ختم کر آیا تھا۔ اب
اس بات کی کیا گنجائش تھی کہ کچھ اجنبی لوگوں کو وہ اپنے اس مشن کا شریک کرے لیکن جو را
متعین کر دیئے گئے تھے ان پر تو سفر کرنا ہی تھا۔ اس سے گریز کا مطلب تھا کہ بھٹک جائے
ساری باتیں اپنی جگہ تھیں لیکن وہ بے وقوف نہیں تھا۔ اور بھٹکنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ ان
چیزوں سے پوری طرح دلچسپی بھی لے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا راز ہے
کا تعلق اس لڑکے کی ذات سے ہے اور کچھ کچھ منگل کی اپنی ذات سے بھی۔ آخر ایسا کون سا
اس صندوق میں مقفل کیا گیا ہے۔ لفافے سے ایک اور کاغذ برآمد ہوا۔ جس پر ایک طویل ت
تھی۔ شہروز نے اس کی جانب دیکھا اور کہا۔
''اب اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ تحریر بھی مجھے ہی پڑھنا ہو گی؟''
''ہاں...... یہ سب کچھ تمہیں ہی کرنا ہو گا میرے دوست! میرے پاس میری
اور تمہاری نگراں شہابہ نے یہ امانت رکھوائی تھی اور میں نے اس کی حفاظت اپنی فطرت
خلاف کی ہے۔ اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ تم اس کے آقا زادے ہو اور خود اس
کے والد بھی شہابہ کے والد تمہارے والد کے ملازم تھے۔ اس لحاظ سے یہ سب کچھ تمہاری اپنی
ملکیت ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ تمہیں ہی کرنا ہے اور اگر تم اسے کوئی اپنا راز محسوس کرو تو ایک
بار پھر میں تمہیں یہ پیشکش کرتا ہوں کہ خود تم اس کی محافظت کرو۔ اور جہاں میری ضرورت
مجھے اس بارے میں بتاؤ۔'' شہروز جلدی سے آگے بڑھا اور منگل کا دامن پکڑ کر بولا۔
''میں نے آپ کو پورے خلوص دل کے ساتھ بھائی جان کہا ہے اور میں چاہتا ہوں
کہ آپ لمحہ لمحہ میرے شانے پر ہاتھ رکھیں۔ میں آپ کو شاید یہ یقین نہ دلا سکوں کہ اس تحریر
صندوق میں میری زندگی کا کوئی اہم راز پوشیدہ ہے جس سے میں ابھی تک واقف نہیں ہوں لیکن

ر آپ کہیں کہ ان سارے ارادوں کو ترک کر کے میں آپ کے ساتھ ایک مناسب زندگی
گزاروں تو آپ میری بات پر بھروسہ کریں کہ میں اس سے قطعی طور پر منحرف نہیں ہوں گا اور
ہی کروں گا جو آپ چاہتے ہیں۔''
''یہ تحریر پڑھو۔'' منگل نے آخری فیصلہ یہ کیا کہ اس محبت کرنے والے نوجوان کو
اپنے آپ سے جدا کرنا اس وقت تک مناسب نہیں ہو گا جب تک کہ اسے اس کی منزل کا پتہ نہ
ل جائے۔ آخر کوئی تو ایسا راز ہو گا جو اس تحریر میں پوشیدہ ہے۔ لیکن بہرحال بڑی مشکل سے
اس نے شہروز کو مجبور کیا کہ وہ اس تحریر کی تفصیل کو پڑھے اور خود اس نے شہروز پر نگاہیں جما
یں۔ وہ جانتا تھا کہ ایک سنسنی خیز راز کا انکشاف ہونے والا۔

☆......☆......☆

میرے عزیز میری ہر دولت کے مالک میں زندہ رہنا چاہتا ہوں لیکن میں نہیں
کہ زندگی مجھ سے وفا کرے گی یا نہیں۔ چنانچہ میں اپنے جذبات اور اپنی زندگی کے اہم
واقعات کو اس خط میں تحریر کرر ہا ہوں۔ کاش میں یہ تمام باتیں اپنی زبان سے تمہیں بتا سکو
میں نہیں جانتا کہ تمہاری زندگی وفا کرے گی یا نہیں۔ کیونکہ موت ایک ایسی حقیقت ہے جے
چاہتے ہوئے بھی تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔ اگر تمہاری زندگی تم سے بے وفائی نہ کرے تو تم اس
کھولنے کے وقت جوان ہو چکے ہو گے اور میری بے گوشت ہڈیاں سینکڑوں من مٹی کے
پڑی ہوں گی۔ یا تو وہ خود بھی مٹی بن گئی ہوں گی یا پھر ان کی وہ شکل ہو گی کہ نگاہوں میں نہ
جا سکے۔ میرے شناسا میری مشکل بھول گئے ہوں گے۔ میرے ادب نے میرے وجود کو
طرح ڈھکا ہو گا کہ میرا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہ آ سکے۔ لیکن یہ تحریر اتنے عرصے کے بعد
میری یاد کچھ ذہنوں میں تازہ کر دے گی۔ میں جانتا ہوں کہ اگر تم میرا تصور کرو گے تو تمہارا
میری شکل کی تصویر نہیں تراش سکے گا اور تم مجھے عجیب عجیب روپ میں دیکھو گے۔ لیکن مجھے یق
ہے کہ میری روح تم تک پہنچ جائے گی اور ایک لمحے کے اندر اگر میرے عکس کو دیکھنا چاہو تو
میری روح کی خوشبو محسوس کر کے مجھے اپنے قریب پاؤ گے۔"

خط کی تحریر کچھ اس قسم کی تھی کہ دل و دماغ میں شدید اثرات نمایاں ہو رہے تھے
منگل جیسا بے جگر انسان یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس وقت تہہ خانے میں نجانے کیسی روحوں کا بسیرا
ہے۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے دیواروں میں سوراخ پیدا ہو رہے ہوں اور ان سوراخوں
دھوئیں کی شکل میں عجیب عجیب شکلیں نکل کر جھانک رہی ہوں۔ ایسی شکلیں جن کے نقوش
کے باشندوں جیسے تھے۔ ایسے نقوش جو منگل نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے تھے۔ ا
صورتیں یہ سو فیصدی روحیں تھیں اور اس وقت یہ تہہ خانہ ایک زندہ مقبرہ بنا ہوا تھا۔ شہروز مسلسل
خط کی تحریر پڑھ رہا تھا۔ اس نے پڑھتے ہوئے کہا۔

"مصر میں تمہاری نسلیں آباد تھیں اور شاید تمہیں یہ جان کر حیرت ہو گی کہ تم دنیا بھر
قدیم ترین نسلوں میں سے ایک کے جانشین ہو۔ تمہیں یقین نہیں آئے گا شہروز کہ تمہارے

امجد سترویں پشت میں مصر کی رہنما تھے اور یونان سے منتقل ہو کر وہاں تک پہنچے تھے۔ یہ نسل در نسل چلتی رہی تاریخ میں اس کی بے شمار کہانیاں درج ہیں۔ ستائیسویں فرعون کا واقعہ ہے کہ ایک مذہبی رہنما کا بیٹا ایک شوخ اور لاابالی نوجوان تھا۔ وہ فرعون کے تقدس سے ہٹ کر حسن و عشق کا دلدادہ تھا۔ محل کی لاتعداد کنیزیں اس کی خدمت کیلئے حاضر رہتی تھیں اور وہ ان کے درمیان خوشی اور مسرت محسوس کرتا تھا لیکن ایک بار اس نے عبادت کے دوران کاہن اعظم کی بیٹی کو دیکھا کہ حسن و جمال میں یکتا اور آسمان سے اتری ہوئی کوئی دیوی لگتی تھی اور وہ اس پر دل ہار بیٹھا۔ کاہن اعظم کی مقدس بیٹی عبادتگاہ کی ان خاص پجارنوں میں سے تھی جن کی شادی کسی سے نہیں ہوتی اور جو تقدس کی بلندیوں کو چھوتی ہیں اور یہ تقدس کاہنوں کی ملکیت ہوتا تھا۔ بلکہ ان کے خاندان میں شادیاں ہی بہت کم ہوتیں اور کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو اسے کسی سے منسوب نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ کنواری ہی رہتی تھیں اور کنواری ہی مر جاتی تھی۔ اس کی روح کو آسمان کی بلندیوں پر صاف دیکھا جا سکتا تھا۔ اس طرح کاہن اعظم کی یہ بیٹی بھی تقدیس کے انہی مرحلوں سے گزر رہی تھی کہ اس نوجوان کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ سرکش اور ضدی شہزادہ اس کی خلوتوں میں جانے کی کوشش کرنے لگا اور پھر ایک بار اسے عبادت کے بعد اس سے ملاقات کا موقع مل گیا۔

کیوں کہ وہ عام لباس اور عام عبادت کرنے والوں کی مانند عبادتگاہ میں پہنچا تھا اور قطعی ان لوگوں میں شامل نہیں ہوا تھا جو عظیم حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں دی اور جب عبادت ختم ہوئی تو وہ چٹان کی آڑ میں ہو گئے کہ واپسی پر اسے کوئی نہ دیکھ سکے لیکن اس کا مقصد یہی تھا کہ جب ماحول سنسان ہو جائے تو نزدیک سے اس حسینہ کی زیارت کرے۔ حسین لڑکی عبادت گاہ کی پہلی سرنگ کے آخری کمرے میں مقیم تھی اور اس طرف کسی کو داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ سوائے ان خادماؤں کے جو اسی کیلئے مخصوص تھیں۔ چنانچہ اس کا دیوانہ نوجوان ان رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرنگ میں داخل ہو کر لڑکی کے روبرو پہنچ گیا۔ نوجوان لڑکی جو عمر کے اٹھارویں سال سے گزر رہی تھی شدت حیرت سے گنگ رہ گئی۔ اسے جو تعلیمات دی گئی تھیں اس کے تحت کسی مرد کا سایہ تک اس کیلئے ناجائز تھا لیکن نوجوان کی مردانہ وجاہت' بلند و بالا قد اور اس کی شربتی آنکھوں نے لڑکی کو مسحور کر دیا۔ اس نے خادماؤں کو یہ حکم دیا کہ سرنگ کے آخری حصے پر ٹھہریں اور کسی کو یہ ظاہر نہ ہونے دیں کہ وہ ہو رہا ہے جو نہیں ہوتا تھا۔ یوں اس نوجوان شہزادے کو محبت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور اس کے بعد ان دونوں کی اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ لڑکی کے سینے میں محبت کا آتش فشاں پھوٹ پڑا۔ دونوں تنہائیوں میں ایک دوسرے کے ساتھی بن گئے اور ان کے درمیان حسن و عشق کے مدارج طے ہونے لگے۔ حسین لڑکی حسن و جمال کا ایک شہکار تھی اور کہا یہ جاتا تھا کہ اس جیسا نوجوان پورے مصر

میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔ لڑکی کو وہی جواب ملا جو اس محبت کا اس کے سینے میں تھا لیکن دونوں
جانتے تھے کہ مقدس مذہب کی روایات انہیں کبھی یکجا نہ ہونے دیں گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ا
کا یہ عشق کاہنوں اور بادشاہوں کے درمیان جنگ کا باعث بن جائے۔ پھر انہوں نے طے
کہ کسی رات کو وہ یہاں سے نکلیں اور طویل و عریض زمین کے کسی ایسے گوشے کی طرف چل
پڑیں جہاں یہ روایات ان کا تعاقب نہ کر سکیں۔ مستقبل کا ہونے والا بادشاہ اور حال کا شہزا
حکومت چھوڑنے کو تیار ہو گیا۔ اس طرح نوجوان لڑکی اپنا تقدس چھوڑنے پر تیار ہو گئی اور
دونوں موقع کی تاک میں رہنے لگے۔ نوجوان نے یہ معلوم کر لیا کہ ایک تجارتی جہاز بہت جلد
بندرگاہ سے روانہ ہونے والا ہے۔ اس نے اپنے کچھ خاص غلاموں کی مدد سے دو ایسے افراد
بندوبست اس جہاز میں کیا جو خاموشی سے مصر سے نکل جانا چاہتے تھے لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ
یہ دونوں کون ہیں اور پھر ایک دن جہاز کی روانگی کی رات آنے لگی تو حسینہ نے اپنی کنیزوں کو کس
کام سے بھیجا اور خود سرنگ سے باہر نکل کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں نوجوان اس کا انتظار کر رہا تھا۔
وہ دونوں جہاز پر پہنچے اور جہاز نے اپنے لنگر اٹھا دیئے۔ وہ ایک طویل سفر پر چل پڑا تھا۔
چالاک نوجوان نے ایسے انتظامات کیے تھے کہ جب تک جہاز کھلے سمندر میں نہ پہنچ جائے کسی کو
اس بات کا پتہ نہ چل سکے کہ وہ اس جہاز سے فرار ہوا ہے۔ کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ حسین شہزادہ
محل سے غیر حاضر ہے اور یہی عمل ادھر عبادتگاہوں میں بھی ہوا تھا۔ کیوں کہ اکثر حسینہ تنہائیوں
میں دل بہلانے کیلئے دور نکل جاتی تھی چنانچہ ان دونوں کو یہاں سے نکلنے کا بہتر موقع مل گیا اور
کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لیکن اس وقت تک جب تک انہیں ایک مہیب سمندری طوفان نے
نہ گھیر لیا۔ بہرحال یہ بھی ایک انوکھا عمل تھا۔ ایک عظیم الشان جہاز جس میں لاتعداد افراد سوار
تھے۔ طوفانی لہروں کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے بادبان پھٹ گئے۔ مستول ٹوٹ گئے اور عملے
کے افراد زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔ وہ ذمے دار تھے کہ جہاز کو بچائیں لیکن تقدیر
اس کی تباہی کا فیصلہ کر چکی تھی۔ ہواؤں کا طوفان گہرا' گاڑھا اور جہاز کو نجانے اپنی منزل سے کتنی
دور لے گیا اور یہ اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ خوفناک چٹانیں ایک جہاز کے قریب آ گئیں جو سیاہ
سمندر میں سر ابھارے خونی نگاہوں سے اس جہاز کو دیکھ رہی تھیں۔ جہاز کسی پتے کی مانند ان
چٹانوں سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔ انسانی شور ان ہواؤں کی آواز میں دب گیا۔ کسی کی آہ
تک نہ سنائی دی۔ سمندر کی خوفناک لہروں نے انسانی جانوں کو ڈس لیا لیکن قدرت کو ان دونوں
کو بچانا مقصود تھا کہ ایک چوڑے تختے نے انہیں کنارے سے جا لگایا اور جس جگہ وہ پہنچے وہ
رتیلے ساحل تھے۔ جو دور دور تک پھیلے تھے اور گھنے درخت آپس میں اس طرح سر جوڑے
کھڑے تھے کہ جیسے آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہوں۔ ان کے درمیان لمبی لمبی مکڑیوں نے

جالے تان رکھے تھے اور یہ ایسے زبردست جالے تھے کہ اڑنے والے پرندے تک ان میں آ کر
پھنس جاتے تھے اور ان کی جان نہیں بچتی تھی۔ یہ خونی مکڑیاں اپنے شکار کو اس طرح چٹ کر
جاتی تھیں جیسے اس کا کبھی وجود ہی نہ رہا ہو۔ ہاں چند چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ان جالوں میں اٹکی رہ
جاتیں اور اپنے وجود کی کہانیاں سناتیں۔ اس خوفناک ماحول میں دونوں ایک دوسرے کی قربت
میں آگے بڑھتے رہے اور پھر وہاں کے سیاہ فام' ننگ دھڑنگ لوگوں کے ہاتھ لگ گئے جنہوں
نے انہیں قید کر کے اپنی ملکہ کے سامنے پہنچا دیا۔ وحشیوں کے درمیان طرح طرح کی کہانیاں
مشہور تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ ملکہ ہزاروں سال سے زندہ ہے اور ہزاروں سال زندہ رہے گی۔
ہر چند کہ وہ سیاہ فام وحشیوں کے درمیان تھی لیکن اس کے حسن و جمال کے بارے میں حسینہ نے
جو کچھ لکھا ان الفاظ کا صحیح ترجمہ ممکن نہیں۔ کہنا اس کا یہ تھا کہ یہ ملکہ عام طور پر لوگوں کے سامنے
نہیں آتی تھی اور وحشی جب اسے دیکھتے تھے تو بیہوش ہو جاتے تھے لیکن جب چاند پورا ہوتا اور گیارہ
چاند گزر چکتے تو وہ ایک رات زیارت گاہ کی چٹان پر اپنا چہرہ دکھانے آتی اور وحشی اس کے حسن
کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو جاتے۔ اس کا سارا وجود سیاہ رنگ کی جالی میں لپٹا ہوتا تھا لیکن کیفیت
یہ ہوتی تھی کہ سیاہ جالی سے چمکدار رنگ چھلک چھلک کر تمام ماحول کو منور کر دیتا یا پھر یوں محسوس
ہوتا جیسے روشن چاند پر تاریک لباس ڈال دیا گیا ہو۔ بہرحال زمین کے اس خطے میں جہاں
انسانی قدم نہیں پہنچتے ہیں وہ آج بھی اپنے اس جاہ و جلال کے ساتھ اس طرح حکمراں تھی۔ اسے
حیات ابدی حاصل ہو چکی تھی اور اس نے چشمہ حیواں سے وہ پانی پیا تھا جو انسانی جسم کیلئے تریاق
ہوتا ہے اور انسان کبھی نہ مرنے والوں میں شمار ہو جاتا ہے۔ بہرحال یہ ساری تفصیل تمہیں آئندہ
کبھی معلوم ہو جائے گی۔ حسن و جمال کا ایک ایسا وجود کہ انسانی آنکھ اس پر نہ ٹھہر سکے۔ ایک
ایک نقش اپنی جگہ مکمل' یاقوت سے تراشے ہوئے ایسے سرخ ہونٹ کہ یاقوت کی چمک اس کے
آگے ماند پڑ جائے۔ حسین رخسار ایسے کہ ان کیلئے کوئی تشبیہ نہ دی جا سکے۔ رنگ یوں جیسے چاند
پر موم جامہ کر دیا گیا ہو۔ بدن اتنا سڈول اور اتنا حسین کہ سنگ مرمر کے مجسمے اس کی چکناہٹ
کے آگے سر جھکا دیں۔ یہ حسن و جمال ایسا تھا کہ اسے دیکھ کر زندہ رہنے کا تصور ہی ختم ہو جائے
کہ کہیں یہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ لیکن جب یہ لوگ اس ملکہ کے حضور پہنچے تو حسین
شہزادے پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا کیونکہ اس کا مطلوب نگاہ تو اس کے ساتھ تھا اور ان کے
درمیان جسم کے ہی نہیں روح کے رشتے قائم ہو چکے تھے جبکہ اس حسین ترین ملکہ نے اس
نوجوان کو دیکھا تو وہ بھی اپنا دل ہار بیٹھی اور اسے اس بات پر شدید حیرت ہوئی کہ یہ حسین
نوجوان اپنے حواس میں کیوں ہے جبکہ اس سے پہلے لوگ اسے دیکھ کر بے حواس ہو جاتے تھے
اور اسے اپنے حسن کی اس توہین کا احساس ہوا اور نوجوان کی یہ ادا اسے بھا گئی۔ چنانچہ اس نے

نوجوان کو حاصل کرنے کا فیصلہ اپنے دل میں کر لیا اور پھر اس نے نوجوان کو اپنے حضور طلب
لیا اور اپنی جادوئی مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''باہر کی دنیا سے آنے والے ان پراسرار ویرانوں میں پجارن تیرا خیر مقدم کرتی ہے
اور تجھے یقین دلاتی ہے کہ تو ابدیت حاصل کرے گا۔ موت تیرے لیے نہیں ہوگی اور تو میرے
ساتھ صدیوں گزارے گا۔ بول کیا تو زندگی کو اتنا طویل چاہتا ہے کہ تجھے کبھی موت نہ آئے لیکن
تجھے میری ایک شرط پوری کرنا ہوگی۔ وہ یہ کہ جو تیرے ساتھ لڑکی آئی ہے اسے تو اپنے ہاتھ
سے قتل کر دے اور مجھے اپنی محبت بنا لے۔ نوجوان نے حسین عورت کو ایک بار پھر نگاہ بھر کر دیکھا
اور کہا۔

''ویرانوں کی حکمراں بے شک تیرا حسن و جمال بے مثال ہے اور انسانی نگاہ تیرے
چہرے پر نہیں جم سکتی لیکن جس لڑکی کے ساتھ میں یہاں تک پہنچا ہوں وہ میری پہلی اور آخری
محبت ہے۔ میں نے اس سے پہلے نہ کسی کو چاہا ہے اور نہ اس کے بعد کسی کو چاہوں گا۔ یہ ازل
اور ابد کے سلسلے ہیں جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ ہم تیری پناہ میں آئے ہیں ہمیں اجازت دے کہ جنگل
کے ان باسیوں میں ہم بھی اپنی ایک جھونپڑی بنا لیں اور اس میں زندگی گزار دیں۔ یہ تیری
بڑائی ہوگی۔''

''گویا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ لڑکی تیرے لیے مجھ سے برتر ہے۔''

''ہاں یہ میرے لیے حسن کائنات ہے اور اس سے زیادہ حسین تصور میرے ذہن میں
اور کوئی نہیں ابھر سکتا۔''

ویرانوں کی ملکہ اپنی اس توہین کو برداشت نہیں کر سکی اور ایک دم غصے میں آ گئی۔

''بے وقوف نوجوان! تو نے آج تاریخ کی توہین کر دی ہے ہم نے شاید کبھی زندگی
میں انسان کی خواہش نہیں کی۔ لیکن جب یہ الفاظ ہماری زبان سے نکل گئے اور ہم نے کسی کو اپنی
محبت بنا لیا تو تاریخ بدل گئی۔ ہم نے سوچا تھا کہ اپنی زندگی کی نئی تاریخ کا آغاز کریں گے
تجھے ابدیت دے کر اپنا بنا لیں گے۔ چشمہ حیواں ہمارے قبضے میں ہے اور ہم تیری روشن پیشانی
کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی تاریکیوں کو نکال پھینکیں گے لیکن اب تو نے تاریخ بدل دی ہے۔
تاریکیاں تیری تقدیر ہیں شاید اور اب بھلا تیری زندگی کیسے ممکن ہو سکتی ہے ہم جس طرح تیرے
سامنے بے آبرو ہوئے ہیں اور اپنی بات کہہ کر اس سے محروم رہے ہیں اس کے بعد بھلا
کیسے ممکن ہے کہ تجھے ایک لمحے کی زندگی مل جائے اور یہ زندگی کسی اور کے لیے ہو۔ یہ کہہ کر اس
نے اپنے سالار کو طلب کیا اور اسے حکم دیا۔

''اس نوجوان کے جسم کے مقامات کا جائزہ لو۔ اسے بے لباس کرو اور اتنے تیر

کے وجود میں اتارو کہ اس کا سارا بدن ڈھک جائے اور یہ کہیں سے نظر نہ آئے۔'' تو تیر
اندازوں نے یہی سب کچھ کیا اور اس نوجوان کو خون خون کر دیا۔ ادھر حسینہ اس غم سے نڈھال ہو
گئی۔ تیر اندازوں نے نوجوان کے بدن کو اس طرح ڈھکا کہ اس کے خون کے قطرے بھی
نمایاں نہ ہو سکے اور اس کے بدن پر تیروں کا شہر آباد ہو گیا۔ ویرانوں کی ملکہ کو اپنے اس پندار
حسن کے ٹوٹنے کا اس حد تک احساس تھا کہ اس نے حسینہ کی طرف دیکھا اور غمزدہ لہجے میں
بولی۔

''عورت! تو ہماری محبت کی توہین بنی ہے اور تیری وجہ سے یہ بے وقوف انسان
موت کا شکار ہوا ہے تو کیا اگر کائنات کی ساری حسینائیں ہمارے مقابل آ جائیں تو کسی کا دل
جیت نہ سکیں۔ وہ جسے ہم پسند کریں تجھے اپنے اس حسن اور اس عمل کیلئے موت کا شکار ہونا پڑے
گا۔ جاؤ اسے آتش کدے تک لے جاؤ۔

''آگ کے شعلوں نے قرب و جوار کے سارے ماحول کو خاکستر کیا ہوا تھا اور یہی
وہ آتش کدہ تھا جسے اس لڑکی کیلئے موت کا گھر بنایا گیا تھا۔ آتش کدہ اتنا خوفناک تھا کہ زمین
دور دور تک گرم ہو رہی تھی اور اس پر پاؤں نہیں رکھے جا سکتے تھے لیکن جب وہ لوگ اس حسینہ کو
آگ میں ڈالنے کیلئے قریب لائے تو ایک جانب سے ایک پراسرار عورت نمودار ہوئی۔ یہ سیاہ
رنگ کی مالک تھی اور اس کی آنکھیں انتہائی بھیانک اور پورا جسم جھریوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ جب
وہ ان کے قریب آئی تو حسینہ کو وہاں لانے والے ایک دم ساکت ہو گئے۔ عورت نے خونخواہ
نگاہوں سے انہیں دیکھا تو وہ حسینہ کو چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئے۔ شیطان کی صورت والی
عورت آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور حسینہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے چل پڑی۔ وہ انتہائی خوفناک
قوتوں کی مالک معلوم ہوتی تھی اور اس کے پورے جسم پر پڑی ہوئی جھریوں میں انسانی اور
جانوروں کی شکلیں نمایاں تھیں اور شاید یہی وہ اکیلی عورت تھی جسے ویرانوں کی اس ملکہ کے پاس
جانے کی ہمت تھی۔ ملکہ نے اسے دیکھا تو ایک دم چونک پڑی اور اس کے ساتھ حسینہ کو دیکھ کر
اس کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔

''عظیم زروا! تیرا کیسے آنا ہوا اور یہ لڑکی تیرے ساتھ کیسے موجود ہے؟''

''تو جانتی ہے کہ ہم اس وقت تیرے پاس آتے ہیں جب تیرے لیے کوئی اچھی
بات اور نیا پیغام ہمارے پاس ہو تو ہمیشہ زندہ رہے گی اور ہمیشہ زندہ رہنے والی تیری زندگی قائم
اور تیرا اقبال بلند ہو۔ تیرا حسن اسی طرح چاند سورج کی مانند چمکتا رہے میں تیرے لیے ایک ایسا
خیال لے کر آئی ہوں جس پر تجھے یقین آ جائے تو تو مجھے اپنا سب سے بڑا ہمدرد اور سب سے
بڑا دوست سمجھے۔''

"کیا تو یہ بات سمجھتی ہے عظیم عورت! کہ میں تجھے کوئی مقام نہیں دیتی۔"

"نہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو بھلا مجھے کیا پڑی تھی کہ میں اپنے علم کو بروئے کار لاتی تو جانتی ہے عظیم ملکہ کہ میں ہمیشہ تیری بہتری کیلئے راستے تلاش کرتی رہتی ہوں۔ تو زندہ رہے گی اور چشمہ حیواں کی حکمراں تیرا الم اسی طرح بلند رہے گا لیکن یہ سمجھ لے کہ اس لڑکی کی کیفیت بالکل مختلف ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ اس نوجوان کے بچے کی ماں بننے والی ہے اور اس کے ذریعے ایک ایسی روایت ٹوٹی ہے جو پہلے کبھی نہ بنی نہ ٹوٹی اگر ہم نے اس سرزمین پر اس کا خون بہا دیا تو پھر یہ روایت یہاں بھی قائم ہو جائے گی اور ہمیشہ یہاں خون بہتا رہے گا۔ کبھی کسی ایسی عورت کو جس کے شکم میں ایک معصوم وجود پرورش پا رہا ہو اگر اس سرزمین پر قتل کر دیا جائے تو میں اپنے پورے علم کے ساتھ تجھ سے یہ بات کہتی ہوں کہ ہزاروں سال تک ہمارے ہاں کی عورتوں کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوں گے۔ پرانی نسل ختم ہوتی جائے گی اور نئی نسل کا وجود نہ ہو گا۔ اس طرح اس قبیلے کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے چنانچہ تجھے یوں کرنا پڑے گا کہ اس حقیقت سے آنکھیں نہ چرا۔" حسین عورت کے چہرے پر خوف کے سائے لرزنے لگے پھر اس نے کہا۔

"آہ اگر ایسا ہوا تو میری زندگی کے لاکھوں سال بے مقصد گزر جائیں گے پھر میں کہاں جاؤں گی؟"

"ہاں یہی میں کہہ رہی ہوں۔"

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"اس عورت کو یہاں سے نکال دیا جائے اور اس کا طریقہ کار بھی میں بتائے دیتی ہوں۔ درختوں کے ایک تنے کو کاٹ کر درمیان سے کھوکھلا کیا جائے اور اسے اس خول میں بٹھا کر سمندر کے حوالے کر دیا جائے۔ تیز ہوائیں اسے بہا کر لے جائیں گی اور کسی مناسب جگہ غرق کر دیں گی۔ اس طرح ہماری زمین نحوست سے پاک ہو جائے گی۔ حسین عورت نے مسکراتی نگاہوں سے بوڑھی کو دیکھا اور بولی۔

"عظیم زروا! تو نے ہمیشہ قبیلے کی بہتری کیلئے مناسب اقدامات کیے ہیں اور جب بھی تو نمودار ہوئی ہے ایسا کوئی عظیم مقصد لے کر نمودار ہوئی ہے جو قبیلے کی بقاء کیلئے ہو۔ میں تیری اس بات کو مانتی ہوں اس لڑکی کو کسی ایسی جگہ قید کر دیا جائے گا جہاں سے یہ نکل نہ سکے اور اس کے بعد تیاریاں کر کے اس کو سمندر کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

"اور تیرا مرتبہ بلند سے بلند ہو گا۔" تو پھر ایسا ہی کیا گیا حسینہ جو اپنے محبوب کی جدائی کے بعد خود زندگی سے بیزار تھی اور اپنے آپ کو زندہ نہیں پانا چاہتی تھی قید میں ڈال دی گئی۔ وہ

ہر وقت روتی رہتی تھی۔ اسے اپنے وجود میں کسی اجنبی وجود کا احساس بھی ہوتا تھا لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ وجود کون ہے اور کب اور کس طرح یہاں تک پہنچا ہے۔ درخت کے تنے کے خول کی کشتی بنائی گئی اور آخر کار اسے اس کشتی میں بٹھا کر سمندر کے حوالے کر دیا گیا۔ لہریں اسے اپنا کھلونا بنا کر لے چلیں اور کشتی کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ ہر لمحہ ایک تاریخ ترتیب دے رہا تھا۔ ابتدائی دن اس کشتی میں خوف اور نیم غشی کی صورت میں گزرے۔ بھوکی پیاسی عورت کو کچھ پتا نہیں تھا کہ کتنے دن اور کتنی راتیں سمندر کے سینے پر گزر چکی ہیں اور اس وقت اسے کچھ بھی نہیں معلوم ہوا جب درخت کا وہ تنا کسی خشکی پر چڑھا دیا گیا۔ لہروں نے ہی یہ عمل کیا تھا اور جاندار لہریں اپنا کھیل اتنے پراسرار طریقے سے کھیلتی ہیں کہ کسی کو کبھی کبھی اس کا احساس بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن کرب و اذیت کے کچھ اور لمحات بھی اس کی تقدیر کا حصہ تھا۔ نیم غشی اور بے ہوشی کے بعد جب ہوش کا ایک لمحہ آیا تو اس کے پہلو میں ایک حسین ننھا سا وجود موجود تھا اور اس کے نقوش وہ تھے جس کی اس نے طلب کی تھی اور جس کی آرزو میں اس نے عبادت گاہ چھوڑ دی تھی۔ وہ سمٹ کر چھوٹا سا ہو گیا تھا اور اس چھوٹے سے محبوب کو اپنی آغوش میں لے کر حسینہ نے محسوس کیا کہ یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ وہ اس دنیا میں آ گیا۔ جسے واپس بھیج دیا گیا تھا تب اسے احساس ہوا۔ وہ یہ کہ اسے پلنا چاہئے اور اس کے ذریعے اپنے محبوب کا انتقام لینا چاہیے۔ اسے اپنے بے سہارا ہونے کا احساس تھا۔ اگر اسے کسی کا سہارا حاصل ہوتا تو وہ بھیانک ویرانوں کی اس خوفناک ملکہ کو زندگی سے محروم کر دیتی لیکن جہاں تک اس کی نگاہ جاتی وہاں تاریکی ہی تاریکی نظر آتی تھی۔ کوئی کچی دیوار بھی نہیں تھی جس کا سہارا لے کر وہ کھڑی ہو جاتی۔ اس نے کاہن اعظم کی عظمت کو داغدار کر دیا تھا۔ عبادتگاہ کا تقدس پامال کر دیا تھا لیکن اب یہ ننھا سا وجود اسے احساس دلا رہا تھا کہ اس کے انتقام کی کہانی آگے بڑھے گی۔ چنانچہ اس کیلئے جینا ضروری ہے اور قدرت اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اس نے اپنے وجود کے ذرے ذرے کو اس کیلئے وقف کر دیا تھا اور پھر اس نے اسے اپنا خون جگر پلا کر پروان چڑھایا۔ وہ اس کی آرزوؤں کا درخت تھا اور یہ درخت بڑھتا ہی چلا گیا۔ وہ ہولناک ویرانہ جہاں اس کی دیکھ بھال کیلئے کوئی موجود نہیں تھا سوائے خوبصورت پرندے اور بے ضرر چوپائے' جو اس کے ساتھی اور اس کے دوست بن گئے تھے اور اس طرح یہ بچہ پرورش پانے لگا۔ ابھی وہ عمر کی تیسری منزل میں تھا کہ ایک بحری جہاز کسی حادثے کا شکار ہو کر خشکی سے آ لگا اور لوگوں نے اسے دیکھ لیا۔ اس جہاز میں کچھ ایسے افراد بھی تھے جو اس حسینہ کے اصل وجود سے واقف تھے۔ وہ اسے کاہن اعظم کی بیٹی کی حیثیت سے جانتے تھے اور اس احساس کے ساتھ وہ لڑکی ان کیلئے مقدس تھی۔ چنانچہ اسے پوری طرح تحویل میں لے لیا گیا اور کچھ عرصے کے بعد جہاز اس ساحل سے چل پڑا۔ عقیدت

مندوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اسے عبادت گاہ تک پہنچا کر سارے جہان کی کائنات کا ثواب حاصل کیا جائے۔ چنانچہ حسینہ کو علم بھی نہ ہو سکا کہ وہ لوگ اسے کہاں لے جا رہے ہیں اور جہاز مصر کے ساحل سے جا لگا اور پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بہت ہی سنسنی خیز تھا۔ پہلے تو یہ بات مصر کے ایوانوں میں پھیل چکی تھی کہ نوجوان شہزادہ اور مستقبل کا بادشاہ عبادتگاہوں کے تقدس کو پامال کر گیا ہے اور وہی کاہنہ کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں کاہنوں اور حکومت میں شدید اختلاف پیدا ہوا تھا۔ حکومت تبدیل کر دی گئی تھی اور شدید خونریزی ہوئی تھی۔ چنانچہ جب کاہنہ مصر پہنچی اور عقیدت مندوں نے اسے عبادتگاہ تک پہنچایا تو ایک خوفناک ہنگامہ برپا ہو گیا اور اسے فوراً ہی عبادتگاہ کے اندر قید کر دیا گیا تاکہ اس پر مقدمہ چلا کر اسے موت کی سزا دی جائے۔ وہ پرانی بات تھی جب وہ حسین لڑکی ایک معصوم اور بے ضرر سی عورت تھی۔ اب وہ ایک ایسے بچے کی ماں تھی جس کی زندگی اس کیلئے دنیا کی ہر چیز سے قیمتی اور عزیز تھی۔ چنانچہ اس نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گئی۔ اس طرح وہ وہاں سے چھپ کر یونان پہنچ گئی۔ معصوم بچے کو اس نے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا اور اس نے اس بچے کا نام الماس رکھا تھا۔ اس نے حکمت عملی سے کام لیا اور بچے کی پرورش کرنے لگی۔ یہاں تک کہ بچہ جوان ہو گیا اور پھر اس کا خاندان آگے بڑھنے لگا۔ اس نے شادی کی اور وہاں سے منتقل ہو گیا۔ مختلف ممالک سے گزرتا ہوا یہ خاندان ایک بار پھر یونان میں آبسا۔ ہزاروں سال تک یہ خاندان ترقی کے راستے عبور کرتا رہا اور اس کا ہر فرد ویرانوں کی اس ملکہ سے انتقام لینے کے لئے سرگرداں رہا ہے۔ میرے بچے! میں بھی اس خاندان کا ایک فرد ہوں۔ میرے دادا نے تجارت کا پیشہ اپنایا تھا اور جب وہ اس دنیا سے گئے تو میرے والد نے بھی وہی پیشہ اختیار کیا اور اس کے بعد یہ مجھ تک منتقل ہو گیا۔ ان سب کی جمع کی ہوئی دولت اس قدر تھی کہ اگر میں فضول خرچی بھی کرتا تو میری تمام عمر کیلئے کافی ہوتی۔ میں نے کمانے کی کوشش نہیں کی اور وہ انتقام جو خاندان در خاندان مجھ تک منتقل ہوا تھا لینے کی فکر میں سرگرداں ہو گیا۔ میں نے عظیم الشان تیاریاں کیں اور ان نقشوں کی مدد سے اس علاقے کی طرف چل پڑا جہاں وہ پراسرار شہر آباد تھا لیکن افسوس انجام اچھا نہ ہوا۔ میرا جہاز تباہ ہو گیا اور میں ایک بار پھر یونان پہنچ گیا۔ وہاں میں نے شادی کی اور اپنی بیوی کے ساتھ زندگی گزارنے لگا۔ لیکن تمہاری ماں زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکی اور تمہاری پیدائش کے ایک سال کے بعد وہ اس دنیا سے چل بسی۔ زندگی مجھ پر تلخ ہو گئی تھی لیکن تمہاری پرورش کا خیال مجھے سنبھالے ہوئے تھا۔ البتہ تمہاری ماں کی موت کے بعد میں مصر واپس آ گیا اور یہاں میں نے نئی زندگی کا آغاز کیا۔ لیکن معمول کے مطابق یہ سب کچھ تمہارے لیے تحریر کرنا ضروری تھا کیونکہ یہ تفصیلات ہمارا خاندانی راز ہے اور وہ ذمے داری تمہارے شانے پر بھی اسی طرح عائد

ہوتی ہے جو ہمارے بزرگ ہمارے سپرد کر جاتے ہیں۔ انتقام ہمارا مذہب ہے اور اگر ہماری صدیوں پرانی ماں نے غلط نہ کہا تھا اور یہ تمام داستان صرف داستان ہی نہیں ہے۔ وحشیوں کی اس بستی میں آج بھی وہ عورت حکمران ہے۔ اور اسے ہلاک کرنا میرے بعد تمہارا مسلک ہونا چاہیے۔ اگر تم کامیاب ہو جاؤ اور اگر نہ کامیاب ہو سکو تو اپنی زندگی کو بہرطور بچانا اور آنے والی نسل کیلئے یہ پیغام دے دینا۔ کیا سمجھے' میرے بچے! تمہاری موت کے بعد تمہاری اولاد اس مقصد کی تکمیل کرے گی۔ حالانکہ جب تمہاری ماں اس دنیا سے چلی گئی تو میری یہ دنیا صرف تم تک محدود ہو گئی۔ اس کے باوجود میں کبھی اسے بھلا نہیں سکا۔ وہ ہر دم مجھے یاد آتی ہے اور مجھے شبہ ہے کہ میں تمہارا بہت عرصے تک ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ اس لیے یہ اپنا خاندانی راز تم تک منتقل کر رہا ہوں۔ میرا وہ عظیم دوست جس پر مجھے مکمل اعتماد ہے تمہاری کفالت کرے گا اور تمہاری پرورش کی ذمہ داری میں نے اس کے شانوں پر ڈال دی ہے۔ میں نے اسے وصیت کر دی ہے کہ وہ کس طرح تمہیں علم و فن سے آگاہ کرے گا اور کس طرح اس قابل بنائے گا کہ تم اپنے بزرگوں کی پیروی کر سکو۔ میں ان حقیقتوں کا اظہار کرنے کے بعد اپنے فرض سے فارغ ہو چکا ہوں۔ اگرچہ میں مر چکا ہوں' میرے ساتھ میرے تمام ارادے قبر میں جا چکے ہیں لیکن تم جوان ہو اور تمہارے ساتھ تمہارے عزم اور امیدوں کی جوانی بھی ہے۔ اس لیے میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہ خاندانی امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اپنے بزرگوں کی وصیت بھی پوری کرو اور عجائبات عالم کی سیر کرو۔ اگر یوں نہ کر سکو تو میں تمہیں اس سلسلے میں مجبور نہیں کروں گا۔ بہرحال اب یہ انتقام کا مقصد پورا ہونا چاہیے تاکہ آنے والی نسلیں اس مصیبت سے نجات حاصل کر لیں۔ تمہارا باپ!"

ایک لمحے کیلئے ماحول میں پھر ایک تبدیلی رونما ہوئی لیکن وہ طلسمی ماحول اطراف میں بکھرا ہوا تھا اور منگل چشم تصور سے نجانے کیا کیا دیکھ رہا تھا۔ وسیع و عریض علاقے میں بکھرے ہوئے پہاڑ' گھنے درخت اور مصر کے قدیم معبد' فرعونوں کے دربار ان تمام چیزوں نے اس وقت اس ماحول پر قابو پا لیا تھا۔ بہت دیر تک یہ خاموشی طاری رہی اور نہ صرف منگل بلکہ خود شہروز کو بھی یہ احساس ہوتا رہا جیسے ان کے اطراف خالی نہ ہوں بے شمار افراد بیٹھے ہوئے یہ داستان سن رہے ہوں۔ بائیں طرف' دائیں طرف' پیچھے' سامنے چاروں طرف انسان ہی انسان غیر مرئی اجسام جن کے جسموں کی سرسراہٹ سنی جا سکتی تھی لیکن انہیں دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ ایک عجیب پراسرار احساس دلوں میں جاگزیں تھا اور قرب و جوار میں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ پھر منگل نے شہروز کی جانب دیکھا اور شہروز نے مدھم لہجے میں کہا۔

"یہ صندوق! یہ چھوٹا سا صندوقچہ اس کا جائزہ لینا چاہئے۔ یہ آبنوسی صندوقچہ جگہ جگہ

سے تڑخا ہوا تھا۔ اور تاروں اور پتروں سے اسے جڑا گیا تھا۔ اتنا بوسیدہ تھا کہ نیچے کی لکڑی گھ
گھس کر ٹوٹنے کے قریب ہو گئی تھی۔ بہر حال اسے کھولا گیا تو اندر سے ایک اور چاندی
صندوقچی کوئی دس انچ لمبی اور چار انچ چوڑی نکلی۔ یہ بھی ایک عجیب ساخت کی صندوقچی تھی۔ اس
کے ڈھکنے پر قدیم مصری تصاویر بنی ہوئی تھیں اور یہ تصاویر اس کے چاروں پایوں پر بھی تھیں
اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی چابی رکھی ہوئی تھی۔ جب یہ چابی تالے میں ڈال کر اسے کھو
گیا تو صندوقچی کے اوپری حصے پر ایک بڑی سی گھاس پڑی ہوئی تھی جس کے بارے میں اندا
نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ یہ گھاس صندوقچی میں موجود چیزوں کو بچانے کیلئے ڈالی گئی ہے یا اس پر
کچھ اور ہے۔ گھاس اٹھانے کے بعد اس میں ایک اور تحریر نکلی جو کسی چمڑے پر لکھی ہوئی تھی اور
انتہائی قدیم ہو چکی تھی۔ یہ تحریر نجانے کون سی صدی کی لکھی ہوئی تھی اس کے ساتھ ہی نیچے م
جامے میں ایک اور بھی چیز موجود تھی۔ اسے کھولا تو اس پر چمڑے کی جالی کا ایک بہت بڑا رو
نکلا جس پر ایک اور غلاف چڑھا ہوا تھا۔ یہ غلاف زرد رنگ کا تھا اور اس میں جو تحریر نمایاں تھی
بہت ہی عجیب و غریب تھی۔ مختلف قلموں سے بیشمار نام لکھے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ چھو
چھوٹی عبارتیں۔''

''پڑھو یہ کیا لکھا ہے؟'' منگل نے کہا۔

''یہ تحریر حسینہ کاہن اعظم مصر کی بیٹی اور فرعون مطلق کی بیوی' یہ تحریر میری جانب سے
تیرے لیے ہے۔ میرے بیٹے کہ میں تیرے باپ پر عاشق ہوئی اور تمام مذہبی رسومات کے
خلاف اس کے ساتھ مصر سے بھاگ گئی۔ ہم نے جنوب کے دریاؤں کی طرف رخ کیا۔ یہاں
تک کہ ہم پر کئی چاند چمکے اور چھپ گئے اور یہ جہاز آخر کار طوفان کی لہروں کا شکار ہو گیا۔ یہ
ہولناک چٹانوں سے ٹکرا کر یہ تباہ ہوا اور ہم اس میدان میں جا پڑے جہاں یہ لاتعداد درخت
ابھارے کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ میدان سورج نکلنے کی سمت واقع ہے اور دریا کے پار عظیم الشا
چٹانیں اس طرح کھڑی ہیں جیسے بلند و بالا مینار تراشے گئے ہوں۔ یہاں پر کالے لوگوں
آبادیاں ہیں۔ وہ ہمیں گرفتار کر کے وہاں لے گئے جہاں سمندر آسمان سے جا ملا ہے۔ وہ ہم
لیے ہوئے طویل راستے طے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ کئی بار سورج غروب ہوا اور نکلا اور
ہم ایک پہاڑی سرنگ میں داخل ہو گئے اور جب ہم سرنگ کے دوسری طرف نکلے تو ہم نے
وہاں ایک بہت بڑا شہر آباد دیکھا۔ یہ پہاڑیوں کی تراش ہے جسے غیر آدمی کبھی نہیں دیکھتے
یہاں وہ لوگ رہتے ہیں جو درندگی میں بے مثال ہیں اور ان کے مظالم کرنے کے طریقے بڑ
سنسنی خیز ہیں۔ وہ لوہے کے ٹکڑوں کو گرم کر کے زندہ انسان کے سروں پر رکھ دیتے ہیں اور ا
عورت ان کی دیکھ بھال کرتی ہے جو حسن و جمال میں یوں ہے کہ چاند اس کے سامنے بے مزہ

اور بے مزہ' سورج کی چمک اس کے چہرے پر مرکوز ہے اور وہ انتہائی عمر رسیدہ اور علم والی ہے۔
لیکن اتنی خوبصورت کے اس کے آگے خوبصورتی کا تصور بے مقصد ہو جائے اور جس کا کہنا ہے
کہ وہ صدیوں سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ وہ تیرے باپ کو دیکھ کر اس پر عاشق ہوئی
اور اسے اپنانا چاہا اور یہ شرط بھی رکھی کہ تیرا باپ مجھے قتل کر دے لیکن وہ شریف اور محبت کرنے
والا اس کے جال میں نہیں پھنسا اور اس نے انکار کر دیا تو پھر اس عورت نے اس سے انتقام لیا
اور وحشت کی مثال قائم کی۔ اس نے اتنے تیر تیرے باپ کے بدن میں مارے کہ اس کے بدن
کو دیکھنے کی گنجائش نہ رہی۔ لیکن وہ اس سے عشق کرنے لگی تھی اور پھر اس نے میری موت کا
فیصلہ کیا اور میں تقدیر سے بچ گئی۔ وہ اس طرح مجھے قتل نہ کر سکے کہ میرے شکم میں تو تھا کاہن
اعظم کا تقدس میرے وجود کا محافظ' چنانچہ انہوں نے مجھے درخت کے ایک کھوکھلے تنے میں بٹھا کر
سمندر میں پھینک دیا اور اس کے بعد میں مصر جا پہنچی تو مجھے علم ہوا کہ وہاں کے حالات بدل چکے
ہیں اور پھر مجھے ملک بدری کرنی پڑی اور اب میرے بیٹے! میں تجھ سے یہ درخواست کرتی ہوں
کہ تو اس عورت کو تلاش کر اور اگر تجھے وہاں کا راستہ معلوم ہو جائے تو وہاں جا اور جا کر اپنے
باپ کے خون کے بدلے میں اسے قتل کر دے اور اگر تو ڈرے' یا اس کوشش میں کامیاب نہ ہو
سکے تو یہ لازم ہے تجھ پر کہ اپنی اولاد کو اس کام کی وصیت کر دے اور اگر اس کی اولاد بھی یہ کام نہ
کر سکے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو وصیت کر جائے۔ یہاں تک کہ تیری نسل میں ضرور کوئی
ایسا پیدا ہو جائے جو میری روح کو پر سکون کر دے اور اس حیات ابدی کا پرچار کرنے والی عورت
کو موت کی نیند سلا دے جو کہتی ہے کہ چشمہ حیواں اس کی پشت پر ہے اور وہ اس کی محافظ اور
نگراں ہے۔ ممکن ہے کہ تجھے ان باتوں پر یقین نہ آئے لیکن یہ سارے واقعات مجھ پر سے
گزرے ہیں اور یہ میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا اور تو ذمے دار
ہے میری سچائی کا۔'' اس کے بعد مزید دستخطوں والے حصے تھے اور ان میں چھوٹی چھوٹی تحریریں
موجود تھیں۔

''دیوتاؤں کی مرضی نہ تھی کہ میں جاؤں اور اپنے بیٹے کے سپرد کرتا ہوں یہ کام۔''

اس کے بعد جانے کون کون سی زبانوں میں سب کچھ موجود تھا اور آخر کار یہ تحریر بھی ختم ہو گئی۔
منگل کے پورے بدن پر لرزش طاری تھیں۔ فضاؤں میں اب بھی عجیب عجیب خوشبوئیں چکرا
رہی تھیں اور ماحول اتنا سرد ہو گیا تھا کہ ان کے بدن سردی سے کپکپا رہے تھے لیکن پھر آہستہ
آہستہ وہ نارمل ہوتے چلے گئے۔ البتہ منگل آنکھیں بند کیے کچھ اور ہی سوچوں میں گم تھا۔ ایک
طرف بوڑھے رنگو کے الفاظ دوسری طرف ذہن میں چلتی ہوئی چمکدار لکیریں جو اس وقت بالکل
اس سچائی کا اظہار کر رہی تھیں کہ وہ بالکل صحیح جگہ ہے۔ ایک راستہ اس تہہ خانے میں اترتا تھا اور

تاریکیوں کا یہ نشان یہ احساس دلاتا تھا کہ منگل کو یہاں تک آنا ہی تھا تاکہ اس سے آگے چلے
اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس بار کئی دفع اسے چشمہ حیواں کی تفصیل معلوم ہوئی تھی اور
پتہ چلا تھا کہ چشمہ حیواں اس جگہ ہے جہاں وہ عورت رہتی ہے۔ گویا منزل کا ایک اور نشان مل
گیا تھا اور اس کی رہبری کرنے والا ایک خوبصورت سا نوجوان' جو دیکھنے والی حیثیت رکھتا تھا اور
جس کی شخصیت بڑی عجیب وغریب تھی۔ گویا یہ منگل کی رہنمائی کر سکتا تھا۔ منگل ان پراسرار
ویرانوں کی سیر کرنے لگا اور تھوڑی دیر کیلئے حالات اور ماحول سے بے نیاز ہو گیا۔

☆......☆......☆

اس پراسرار راز کو انہی تہہ خانوں میں محفوظ کر دیا گیا۔ منگل شہروز کو لے کر واپس باہر
نکل آیا۔ شہروز پر ایک عجیب سی سحری کیفیت طاری تھی۔ وہ کھو سا گیا تھا اور اس کا ذہن اپنے
بزرگوں کے درمیان سفر کرنے لگا تھا۔ دو دن تک اس پر یہی کیفیت طاری رہی۔ تیسرے دن
منگل نے اس سے کہا۔

''اب تم کب تک اس طرح سحر زدہ رہو گے شہروز! کیا سوچا ہے تم نے اپنے مستقبل
کے بارے میں اور کیا کرنا چاہتے ہو۔ میں یہ جاننے کا خواہشمند ہوں۔ کیونکہ جس شخصیت نے
تمہیں میرے حوالے کیا ہے وہ میرے لیے ایک عجیب وغریب حیثیت رکھتی ہے اور اس کی
موت کے بعد نجانے کیوں میں کچھ پریشان سا ہو گیا ہوں۔''

''آپ میرے ہمدرد ہیں اور سرپرست ہیں میں آپ کی رہنمائی چاہتا ہوں۔ مجھے
بتایئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''اگر تم اپنے بزرگوں کی یہ خواہش پوری کرنا چاہتے ہو تو میں تمہارے ساتھ ہوں اور
ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گا' بولو کیا خواہش ہے تمہارے دل میں۔''

''زندگی کی قیمت پر اپنے آپ کو موت کے وقت تک مصروف رکھتے ہوئے میں اس
مقصد کو پورا کرنا چاہتا ہوں۔ آہ کاش آپ میری اسی طرح مدد کر سکیں جس طرح آپ نے کی۔''

''اور میں اپنے بارے میں صرف تمہیں اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ جس کام کا میں عزم کر
لیتا ہوں وہ پایہ تکمیل تک پہنچانا میری بھی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔''

''تب میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ اس سلسلے میں آپ کے تجربے کی
رہنمائی چاہتا ہوں اور اگر آپ یقین کریں تو یہ ایک نیا تجربہ ہوگا اس داستان میں۔''

''کیسا تجربہ؟''

''اس سے پہلے نجانے کس کس طرح میرے خاندان کے افراد یہ کام کرتے رہے
ہوں گے۔ انہوں نے شاید صرف اپنی ہی عقل کو برتر و اعلیٰ سمجھا ہوگا اور خود اپنی جدوجہد کرتے

رہے ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے ذہنوں پر ویرانوں کی ملکہ کا سحر ہو اور وہ انہیں گمراہ
کرتی رہتی ہو۔ ایسی صورت میں وہ اپنے مقصد کی تکمیل کسی صورت میں نہ کر پاتے ہوں۔ کبھی
خوفزدہ ہو کر اور کبھی صحیح فیصلے نہ کر کے لیکن میرے ساتھ آپ جیسا رہنما موجود ہے اور میں یہ تمام
ذمے داری آپ کے سپرد کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ صرف اتنا معلوم کروں گا جتنا آپ مجھے
بتانا پسند کریں گے۔ یہ مشن اب میرا نہیں آپ کا ہے اگر آپ پسند کریں اور جہاں تک اس کے
متبادل کا فیصلہ ہے تو میرے جسم کی کھال آپ کیلئے حاضر ہے بس اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں
کہہ سکوں گا۔'' منگل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

''اگر یہ بات ہے تو تم بے فکر رہو سارے فیصلے میں خود کروں گا۔'' چنانچہ منگل نے
اپنے طور پر اس کام کا آغاز کر دیا۔ شہروز تو یہ سمجھتا تھا کہ منگل صرف اس کیلئے مصروف عمل ہوا
ہے لیکن منگل کے دل میں جو تصورات تھے وہ بالکل ہی مختلف تھے۔ چشمہ حیواں کا حوالہ مل چکا تھا
اور ایک ایسی عورت جو وہاں ہزاروں سال سے حکمراں تھی اور جس نے چشمہ حیواں سے آب
حیات پی رکھا تھا۔ کیا میں بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایک انوکھے تصور نے اس کے اندر یہ تحریک پیدا
کی تھی کہ جو دولت اس نے جمع کی ہے اس کا صحیح استعمال کرنے کیلئے عمر جاودانی بھی ضروری
ہے۔ ہر طرح کی آسانیاں اب حاصل ہو گئی تھیں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اپنے ذہن
میں پوشیدہ نقشے کے سارے مناسب پہلو اس کی نگاہوں کے سامنے موجود تھے۔ پھر کیوں نہ ان
سے فائدہ اٹھایا جائے اور اب آگے چل کر یہ کام بڑے اعلیٰ پیمانے پر کرنے تھے۔ چنانچہ منگل
نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا۔ قاہرہ کے چھوٹے چھوٹے قہوہ خانوں میں ایسے لوگوں کی
بہت تعداد مل جاتی تھی جو خزانوں کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں۔ وہ ریگستانوں کی خاک
چھانتے ہیں۔ زمین میں دفن شدہ مقبرے تلاش کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کی تو زندگی اسی طرح
گزر جاتی ہے۔ کسی کام کے نہ کاج کے۔ بس قہوہ خانے میں قہوے کی پیالیاں اڑاتے رہتے
ہیں۔ غربت اور پریشانیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بس اس امید پر کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی
زندگی میں کوئی سنہری دور آ جائے۔ یہ معلومات منگل کو وہیں سے حاصل ہوئیں تھیں۔ چنانچہ اس
نے ان قہوہ خانوں کی سیر شروع کر دی اور آخر کار سب سے پہلے ایک ایسے شخص کو تلاش کرنے
میں کامیاب ہو گیا جو اس کیلئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ گٹھے ہوئے بدن اور چھوٹی داڑھی والا یہ
شخص اپنے جبڑوں کی بناوٹ اور آنکھوں کی چمک سے انتہائی مضبوط قوت ارادی کا معلوم ہوتا تھا
اور منگل نے اس کی طرف قدم بڑھائے اور تھوڑی بہت خاطر مدارت نے اسے منگل کا دوست
بنا دیا۔

''میرا نام زرق خان ہے اور میں نسلاً منگول ہوں۔ میرا باپ سمندری قزاق رہ چکا

ہے۔ اس نے مجھے بھی اس راستے پر لگانے کی کوشش کی تھی اور ایک طویل عرصے نے بحری جہازوں پر سمندروں کی چھان بین کرتے ہوئے گزارہ ہے لیکن پھر ایک بار ایک ملک کی پولیس نے ہم پر حملہ کیا اور میرا باپ اس حملے میں مارا گیا۔ گروہ کے ستائیس افراد بھی ختم ہو گئے اور میں باقی رہ گیا لیکن مجھے پہلے بھی بحری قزاقی پسند نہیں تھی اور میں دوسرے ذرائع سے دولت حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا تھا۔ یہی کوشش مجھے مصر لے آئی لیکن میری بدنصیبی کہ مجھے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ سوائے اس کے کہ ایک بار صحرائے اعظم افریقہ کے ایک دور افتادہ علاقے میں ایک سنہری سکوں سے بھری تھیلی مل گئی تھی۔ جس نے مجھے زندگی کے کچھ دن بخش دیئے تھے۔ کاش میری تقدیر میں بھی کوئی خزانہ ہوتا۔ لوگ بڑے بڑے خزانوں کی تلاش میں مہم جوئی کرتے ہیں۔ خود میں نے مصر میں ایسے آدمیوں کو دیکھا ہے جو کبھی کچھ نہیں تھے لیکن وہ جہاز راں تھے اور ایسے تاریک خطوں میں نکل گئے تھے جہاں انسانی قدم کم ہی پہنچتے ہیں لیکن جب وہ لوگ واپس آئے تو ان کی شخصیتیں بدل گئیں اور آج وہ قاہرہ کے بڑے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یا پھر باہر کے ملکوں میں نکل گئے ہیں اور وہاں ایک دولتمند شخص کہلاتے ہیں۔''

''تم جہاز رانی کے بارے میں تو اچھی طرح جانتے ہو گے زرق خان۔''

''میں ایک چھوٹی سی کشتی سے ہزاروں میل کا سفر طے کر سکتا ہوں۔ اصل میں کشتی چلانا بھی ایک فن ہے۔ سمندر کے سینے پر انسانی زندگی کس طرح گزاری جاتی ہے ایک عام انسان یہ سوچ بھی نہیں سکتا لیکن میں جانتا ہوں کہ معمولی سی کشتیوں میں لمبے سفر کس طرح کیے جاتے ہیں۔ ذرا اس بارے میں مختلف انداز میں سوچو میں ان مہم جوؤں کو مذاق سمجھتا ہوں جو صرف دنیا کو دکھانے کیلئے سمندری سفر کرتے ہیں۔ تم کس سوچ میں پڑ گئے دوست! کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں زرق! ایک ایسی خاص بات جس کے بارے میں تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''آہا کیا...... کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گے۔''

''کیا تم اچھے اور راز دار آدمی ثابت ہو سکتے ہو۔''

''اس سلسلے میں اپنے چہرے پر کوئی تحریر نہیں رکھتا میں صرف زبان سے ہی کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک صحیح انسان ہوں ایک اچھا دوست۔''

''ہوں تو پھر میں تمہیں ایک ایسے خزانے کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جو ایک جگہ پوشیدہ ہے اور اس کا نقشہ میرے ذہن میں موجود ہے۔ میں پورے دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ خزانہ ہم حاصل کر سکتے ہیں اور اگر تم میرا ساتھ دینا چاہو تو مجھے بتاؤ ہم ایک ایسے خزانے کی تلاش میں نکل سکتے ہیں۔''

''آہ نہیں ایسی پیشکشیں تو مجھے اکثر ہوتی رہتی ہیں لیکن ان کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

یہ بات میں جانتا ہوں۔''

''تب پھر میں اس کیلئے ایک پیشکش کر سکتا ہوں۔''

''کیا......؟''

''تم میرے ساتھ اس خزانے کی تلاش کیلئے اپنی صلاحیتوں کے ساتھ تیار ہو جاؤ اس کے عوض میں تمہیں ایک اتنی بڑی رقم پیشگی دے سکتا ہوں جو تمہارے لیے قابل قبول ہو۔''

''مثلاً......''

''دو لاکھ ڈالر'' میں نے کہا اور وہ گرتے گرتے بچا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''یہ رقم میں تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔''

''تو پھر......؟''

''تم ایک اکاؤنٹ کھلواؤ اور اس میں یہ رقم جمع کر دو لیکن ہم اسے ایک سال کیلئے محفوظ کر دیں گے اور تم اگر چاہو گے بھی تو یہ رقم نہیں نکال سکو گے۔ یہ ایک سال تم میرے ساتھ مہم جوئی میں گزارو گے۔ خزانے کی تلاش میں ہم کامیاب ہو گئے تو اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے اور اگر اس میں ہمیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو تم یہ رقم اپنے لیے حاصل کر سکو گے۔ اس کی آنکھوں میں ایک تیز چمک پیدا ہو گئی پھر اس نے راز داری سے کہا۔

''سچ کہنا مذاق تو نہیں کر رہے۔ کیا تم واقعی دو لاکھ ڈالر کے مالک ہو۔''

''یہ کام کرنے کے بعد ہم دوسرا کام کریں گے۔ بولو تمہیں منظور ہے اور ایک بات اور سن لو میں بھی کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔ میں کیا ہوں اس کے بارے میں بالکل نہ معلوم کرو کیونکہ معلوم کر لو گے تو بددل ہو جاؤ گے اس لیے کوئی بہانہ بازی مت کرنا مثلاً یہ کہ تم تھوڑے سفر میں میرا ساتھ دو اور اس کے بعد واپس آ کر یہاں روپوش ہو جاؤ پھر انتظار کرو ایک سال گزرنے کا کہ تم اس رقم کے مالک بن جاؤ لیکن اس سے پہلے ہی یہ رقم نکلوا لی جائے گی اور تم اس میں سے کچھ نہ حاصل کر سکو گے۔''

''بس بس بس بس' گالیاں اس وقت دی جاتی ہیں جب انسان کو کسی کی ذات سے کوئی نقصان پہنچے۔ اگر تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف پہنچی ہے تو بے شک تم مجھے گالیاں دو اور اگر نہیں پہنچی تو اس وقت تک اپنے آپ پر صبر کرو جب تک کہ میری جانب سے کوئی برائی نہ دیکھ لو اور ایسے لوگ جو اپنے اندر اس طرح کے احساسات رکھتے ہیں برے نہیں ہوتے۔ یہ ایک تجربے کی بات ہے۔'' چنانچہ منگل مطمئن ہو گیا۔ وہ خود بھی جس طرح کا انسان تھا دوسرے لوگ

اس سے متاثر ہوتے تھے۔ بہرحال اس کے بعد اس سلسلے میں مزید بات ہونے لگی اور خود زرق خان نے ہی کارلائل کا پتہ بتایا۔

''یہ شخص کھلا کھاچن کی مہم میں سرفہرست تھا۔ بے حد سخت جان اور شاندار آدمی ہے۔ خوف کا تو اس کے دل سے گزر ہی نہیں ہوا ہے۔ اگر تم چاہو تو اسے اس کام پر آمادہ کر سکتے ہو۔'' منگل نے سیدھا سیدھا کام کیا تھا۔ کارلائل کو اس طرح ایک لاکھ ڈالر کی پیشکش کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں شہروز نے دس لاکھ ڈالر مخصوص کیے تھے جو اس کے اپنے اکاؤنٹ میں تھے۔ اس نے کہا تھا۔

''میں سمجھتا ہوں اتنی بڑی رقم ہماری بہت سی تیاریوں میں کام آ سکتی ہے اور اس سے ہم اپنے سفر کا آغاز کر سکتے ہیں۔ خود شہروز نے ایک نیپالی کو دریافت کیا تھا۔ اس کا نام ہری ناتھ تھا۔ یہ بڑی پراسرار صفات کا مالک تھا۔ ہواؤں میں سونگھ کر یہ موسم کے حالات بتا سکتا تھا۔ اس کی چھوٹی چمکدار آنکھوں میں بجلیاں تڑپتی تھیں۔ بہرحال یہ بھی کام کی شخصیت تھی اور طے کیا گیا تھا کہ اور بھی بہت سے کام کے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کیا جائے تاکہ یہ مہم ایک زبردست شکل اختیار کر جائے۔ شہروز اس سلسلے میں بھرپور طریقے سے اپنی خدمات پیش کیے ہوئے تھا۔ کام وہ اپنا ہی سمجھتا تھا لیکن یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ ان کے درمیان ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جس کے پاس بے پناہ دولت ہے لیکن اس کی زندگی کا مقصد ہی کچھ اور ہے۔ ہو سکتا ہے اس وقت جب شہروز اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے اور اس عورت تک پہنچ جائے جو اس کے انتقام کا مرکز ہے تو سب سے بڑا مخالف اس عورت کے قتل کیلئے منگل ہی ہو کیونکہ اس وقت اسے چشمہ حیواں کا پتہ نہ چل سکا ہو۔ منگل اپنے دل میں طے کر چکا تھا کہ اسے آگے چل کر کیا کرنا ہے اور بہرحال جس طرح کا انسان تھا وہ اس کے لئے کوئی جذباتیت یا کسی سے عقیدت کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ ادھر زرق ! نے بھی بہت سے الجھے ہوئے معاملات سنبھال لیے تھے اور تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ ان سب لوگوں کو بھی مخصوص رقموں کی پیشکش کی گئی تھی اور سب کے سب خلوص دل سے ان کیلئے کام کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ جو رقم ان کیلئے مخصوص کی گئی تھی وہ تو صرف ایک احتیاطی قدم کے تحت کی گئی تھی ورنہ انہیں اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ خزانے کے حصول کے امکانات نوے فیصد ہیں اور اس حصول کے بعد ان لوگوں کو جو حصہ دیا جائے گا وہ اتنا ہو گا کہ انہیں اپنی زندگی میں کم از کم مالی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور وہ دولت مند لوگ کہلائیں گے۔ بہرحال اب ہر شخص اپنی اپنی ذمے داریاں قبول کر چکا تھا اور ان لوگوں کے ذمے جو کام تھا وہ کم ہو گیا تھا۔ آٹھ قوی ہیکل مزدوروں کا بندوست کر لیا گیا۔ جن کا تعلق یمن سے تھا اور کچھ مصری تھے۔ یہ مہم جوئی سے دلچسپی رکھتے تھے اور اسلحے کے استعمال

میں بھی ماہر تھے۔ چنانچہ اگر ضرورت پیش آئے تو اس وقت یہ بہترین فوج کا کام بھی کر سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی ان میں سے کچھ جہازراں بھی تھے اور سمندر کے شناسا۔ یہ سمندر میں ان کی مدد کر سکتے تھے۔ گویا اب ایک پورا گروہ بن گیا تھا جن میں آٹھ افراد مزدور کی حیثیت سے تھے، تین وہ جو بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ یعنی زرق، کارلائل اور ہری ناتھ۔ اس کے بعد ایک ڈاکٹر کو رکھا گیا تھا اور ایک جنگلات کا ماہر، باقی منگل اور شہروز اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ پورا گروہ ایک خطرناک مہم کیلئے تیار ہو گیا تھا۔ اب اس کے بعد کارلائل کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ ایک ایسی بڑی لانچ کا سفر کرے اور اس کیلئے طریقہ کار یہ رکھا جائے کہ لانچ کو جہاز کے ذریعے کسی افریقی ساحل تک پہنچایا جائے اور وہاں سے یہ جہاز ان لوگوں کو لانچ سمیت چھوڑ دے اور بعد کا سفر بڑی لانچ کے ذریعے طے ہو۔

''لیکن کوئی جہاز یہ کام کیوں کرے گا؟''

''یہ ذمے داری مجھ پر چھوڑ دی جائے۔'' زرق نے کہا اور واقعی وہ ایک بہترین منتظم ثابت ہوا۔ ایک چھوٹے سے دیہات راج گڑھی کا رہنے والا گوالے کا بیٹا منگل دنیا کی پراسرار مہم پر نکل چکا تھا اور سارا انتظام اسی نے کیا تھا اور یہ بھی وہ کبھی کبھی سوچتا تھا کہ جو نقشہ اس کے ذہن میں اترا ہوا ہے اس کے مطابق ابھی تک کوئی قدم غلط نہیں اٹھا لیکن اگر وہ خود ہی ان تمام معاملات کو طے کرنا چاہتا تو شاید اس کی صلاحیتیں بے اثر ثابت ہوتیں۔ وہ یہ سب کچھ نہ کر پاتا جو پہلے تو شہروز کے ذریعے ہوا یا اگر اس سے بھی پہلے پہنچا جائے تو شہابہ اس کا ذریعہ بنی یا اگر اس سے بھی پہلے دیکھا جائے تو حالات، ماحول، رنگو یہ سب کچھ اس تحریک کا باعث بنے اور آج یہ تحریک اپنے بھرپور انداز میں شروع ہو گئی تھی۔ اصل میں لوگ بڑے زبردست ملے تھے حالانکہ منگل کی زندگی کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ اس نے جس انداز میں سوچا تھا وہ بالکل الگ تھا۔ بے پناہ دولت جمع کرنے کے بعد اس کے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ اگر زندگی مختصر ہو جائے تو پھر اس محنت کا کیا فائدہ۔ صحیح معنوں میں اس وقت آغاز کرنا چاہئے جب ایک لافانی زندگی کا یقین ہو جائے ورنہ سب کچھ بیکار ہے۔ اس طرح یہ مہم گویا اس کیلئے دنیا کی سب سے بڑی حقیقت بن گئی تھی۔ دولت کی پوجا اب اس کا ایک طرح سے ایمان بنتی جا رہی تھی۔ باپ بے چارا ایک نیک آدمی تھا۔ سادگی سے زندگی گزاری تھی لیکن منگل کو اب دین و دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ اس کے نزدیک دولت اور زندگی یہ ہی سب کچھ تھی۔ بلکہ ایک دن اسے عجیب سی سوجھی۔ سونے کے کچھ سکے اس کی جیب میں موجود تھے۔ اس نے انہیں سامنے رکھ کر سجایا اور پھر ان پر نگاہیں جما دیں۔ اس کی نگاہوں کی تپش سونے کو پگھلانے لگی۔ چشم تصور میں اس نے سونے کے ان سکوں سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا۔ دھوئیں کی لکیریں فضا میں بلند ہو رہی تھیں

اور ان کے ہیولے بنتے جا رہے تھے۔ شیطان نے ایک انسان کے ایمان کو ڈگمگاتے ہوئے دیکھا تو پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے منگل کے ذہن میں دولت سے محبت کے جذبے کو تیز کیا۔ دھوئیں کی وہ لکیریں جو منگل کو اپنے تصور کے ورثے میں ملیں تھیں ایک مرکزی شکل اختیار کرنے لگیں اور اسے ایک آواز سنائی دی۔

''دولت کے ساتھ ساتھ ایک لافانی زندگی تیری تقدیر بن چکی ہے لیکن تو یہ جانتا ہے کہ ہر عظیم عمل مشکلات سے گزرتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹوں کے انبار لگ جاتے ہیں۔ اگر تو اس عمل کا آغاز کر رہا ہے تو پھر تجھے استقامت سے کام لینا ہوگا۔ دھوئیں کی یہ لکیریں تجھے تیرا راستہ دکھا رہی ہیں اور تو منزل کی جانب بڑھتا جائے گا۔ کبھی مشکل آئے تو دولت کی پوجا کرنا سونے کے سکوں سے اٹھنے والا دھواں ہمیشہ تیری رہنمائی کرے گا۔ آواز بند ہو گئی اور منگل چونک پڑا۔ اس نے حیران نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا سونے کے سکے جگمگا رہے تھے اور دھوئیں کی لکیریں گم ہو چکی تھیں لیکن اس نے دل میں سوچا کہ حقیقت تو یہ ہے لافانی زندگی مل جائے تو دولت کا صحیح استعمال کیا جا سکتا ہے ورنہ اس خوف کا شکار رہوں گا کہ آخر کار موت کی آغوش میں جا سونا ہے۔ فائدہ؟ اس طرح دولت کے حصول کا فائدہ؟ وہ اپنے آپ سے یہ ہی سوال کرتا تھا۔ بہرحال یوں وقت گزرتا رہا۔ اس کے سارے کارکن کاموں میں مصروف تھے اور جب بھی وہ ان کے بارے میں سوچتا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ جاتی۔ زرق خان دولت کے انبار لگانا چاہتا تھا۔ کارلائل نے ساری زندگی مہم جوئی میں صرف کی تھی۔ شہروز ایک پراسرار عورت سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ ہری ناتھ بھی ان لوگوں کے ساتھ دولت ہی کے حصول میں نکلا تھا لیکن منگل واحد وہ ہستی تھا جس کے پاس دولت کے اتنے بڑے ذخائر موجود تھے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ سارے گروہ کو ختم کرنے کے بعد اس نے وہ دولت اس طرح زمین کی گہرائیوں میں دفن کر دی تھی کہ کوئی اگر وہاں تک پہنچ جاتا تو شاید ان خزانوں کو دیکھ کر اس کے دل کی حرکت ہی بند ہو جاتی۔ پورا گروہ تیار کر لیا گیا تھا اور پھر زرق خان نے انہیں بتایا کہ ضرورت کے مطابق ایک موٹر لانچ کا بندوبست ہو گیا ہے۔ اسے دیکھ لیا جائے۔ زرق پر سب اعتبار کرتے تھے لیکن پھر بھی اصولی طور پر لانچ کو دیکھنے کا فیصلہ کیا گیا اور زرق نے وہ عظیم الشان لانچ انہیں دکھائی جس میں سارے انتظامات موجود تھے اور اس کی طرف سے مکمل طور پر اطمینان کر لیا گیا۔ زرق ہی کے سپرد دوسرا کام بھی تھا۔ شہروز نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''اور مجھے یقین ہے ہماری جو ٹیم بنی ہے وہ بڑے اطمینان کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جائے گی اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ جن خطوں میں ہم جا رہے ہیں وہاں خزانے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے دولت کی ضرورت نہیں ہے میرے ذہن

میں تو صرف وہ پراسرار سحر ہے اور شاید میں اپنی منزل پا لوں۔''

''پھر زرق نے انہیں آخری اطلاع دی۔

''جس جہاز سے ہم سفر کریں گے اس کا نام گولائتھ ہے اور اس کے کپتان کا نام ایش مین۔ کیا سمجھے۔''

''کیا ایش مین سے تمہاری کوئی بات ہوئی ہے؟''

''مکمل بات ہو گئی ورنہ تمہیں گولائتھ کا نام بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''یعنی وہ ہماری لانچ کو اپنے جہاز پر لے جانے کیلئے تیار ہے۔''

''مکمل خوشی اور اعتماد کے ساتھ اور اس سلسلے میں بقیہ کام بہت جلدی کر لیا جائے گا۔ مجھے کارلائل کو اپنے ساتھ استعمال کرنا ہوگا کیونکہ جو اشیاء ہمیں اپنے سمندری سفر کیلئے درکار ہوں گی وہ ہمیں الگ سے خریدنا پڑیں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک سے دو ذہن کام کریں۔''

''ہاں۔ بے شک تم لوگ مہم جو ہو اور اس سلسلے میں زیادہ بہتر فیصلے کر سکتے ہو۔''

منگل نے تنہائی میں سوال کیا۔

''ایک بات بتاؤ زرق' کیا کیپٹن ایش مین نے ہم سے سفر کی وجہ نہیں پوچھی۔''

''جو معاوضہ میں نے ایش مین کو پیش کیا ہے اس کے بعد ایش مین نے اس بارے میں اور کوئی سوال نہیں کیا۔''

''ٹھیک۔'' بالکل ٹھیک ہے ہمیں اس طرح سے اپنا یہ سفر کرنا ہے۔

پھر تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور ایش مین نے ان سب کو اپنے عظیم الشان مسافر بردار جہاز میں خوش آمدید کہا۔ پر رونق زندگی' حسین و جمیل ماحول' ایک پراسرار عمل زندگی کا ایک انوکھا سفر سب کچھ پیچھے رہ گیا تھا اور اب منگل سمندر کی دنیا میں تھا۔ جب بھی کبھی اسے ماضی کا خیال آتا چھوٹی سی آبادی' وہاں کا سنگدل زمیندار' گھر کے حالات' تو کبھی کبھی اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھنے لگتی تھی۔ انسان وہ نہیں پا سکتا جو وہ پانا چاہتا ہے لیکن ہونا یہ چاہیے کہ جب زندگی کا ایک محور ایک مقصد بن جائے تو اس کے بعد آرزوؤں کو دل میں جگہ دینی چاہئے۔

جہاز کا سفر جاری تھا۔ تاحد نظر پھیلے ہوئے سمندر نے ایک نئی زندگی سے روشناس کرایا تھا۔ پر رونق دنیا پیچھے رہ گئی تھی اور منگل عرشے پر کھڑا نجانے کب تک افق کی گہرائیوں میں جھانکتا رہا تھا۔ اب آنکھوں کے سامنے سمندر کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ پانی کا عظیم ذخیرہ جسے دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ کائنات میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے سوائے بلندیوں پر نظر آنے والی آسمان کی چھت اور بس۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ رات کے وقت چاند کی شعاعیں پانی سے کھیلتی ہوئی اتنی حسین لگتی تھیں کہ آنکھیں ان پر گم ہو جائیں۔ جہاز کی برق رفتاری'

چاندنی رات میں کھلے ہوئے ستارے، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس حسین راج ہنس کو سمندر
تیرتے دیکھ کر وہ بھی سحر زدہ ہو گئے ہوں۔ ہلکی ہلکی ہوا کے تھپیڑے ذہن کو نجانے کون کون
سربستہ رازوں سے آگاہ کرتے رہا کرتے تھے اور وہ پراسرار سرزمین جہاں چشمہ حیات
امکانات تھے اس کے بارے میں یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ وہ سونے اور ہیروں کی سرزمین ہے
اگر کوئی روشن تقدیر والا وہاں جا نکلے تو اس کی تقدیر میں اسی طرح ستارے جگمگا اٹھیں جس طرح
ان کی چمک دمک آسمان کو منور کرتی ہے۔

منگل کو تصور کی آنکھ سے وہ وحشی جانور اور بھیانک دلدلیں بھی نظر آتی تھیں
تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پھیلی ہوئی تھیں۔ یعنی ادھر جدھر ان کا رخ تھا۔ شہروز سے باتیں ہو
تھیں اور شہروز کو ایک نئی زندگی کی طرف رخ کرنا پڑا تھا۔ ویسے وہ ایک دلکش اور پرکشش
نوجوان تھا اور اکثر جہاز کی مسافر لڑکیاں دور دور سے اسے دیکھتیں تھیں۔ اس وقت بھی شہروز
عرشے کے ایک گوشے میں کھڑا ہوا تھا اور منگل آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا اپنی پسندیدہ جگہ پر جا
تھا۔ جہاں سے وہ رات کو سمندر کی سفید سفید لہروں کو دیکھا کرتا تھا اور اس پر عجیب سے اثرات
مرتب ہو جاتے تھے۔ شہروز نے اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا
جب اس نے منگل کو آواز دی تو منگل نے چونک کر اس سے کہا۔

''کیا بات ہے شہروز' کیا نیند نہیں آ رہی۔''

''ہاں۔ سوچ تنہائیوں کی رفیق ہوتی ہے۔ ایک پراسرار راز کی مانند بلکہ میں تو کبھی
کبھی یہ سوچتا ہوں کہیں سوچ ہی تو ہمزاد نہیں ہوتی۔ میں بھی خیالات میں گم یہاں بہت دیر
سے کھڑا ہوا تھا۔''

''کیا سوچ رہے تھے تم؟'' منگل نے پوچھا۔

''کوئی ایک خاص بات نہیں۔'' بس نجانے کیسے کیسے خیالات دل میں آتے رہتے
ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ خیالات سنگ مرمر کے ان مجسموں کے مانند ہوتے ہیں جن کے
نقوش نہیں تراشے جاتے اور بس حسین لیکن بے نام شکلیں' نگاہوں کے سامنے سے گزرتی رہتی
ہیں۔

''اتنی گہری گفتگو میری سمجھ میں نہیں آتی لیکن میں تم سے یہ ہی کہتا ہوں کہ بس اپنے
آپ کو سنبھالے رکھو۔

''اگر آپ یقین کریں تو میں آپ کو بتاؤں مجھے ہمیشہ یوں لگتا ہے جیسے کچھ انجانی
آنکھیں میری نگرانی کرتی ہیں جیسے بہت سے لوگ میرے آس پاس بکھرے ہوئے ہیں۔ یہ
نادیدہ ہمدرد میرے بارے میں باتیں کرتے ہیں۔ ان کی آوازوں کی بھنبھناہٹ میرے کانوں

میں گونجتی رہتی ہے۔

''کیا ان آوازوں کا مفہوم تمہاری سمجھ میں آتا ہے؟'' منگل نے پوچھا۔

''نہیں۔ نجانے کونسی زبان بولتے ہیں وہ۔ وہ مسلسل بولے جاتے ہیں اور ان کی
آوازیں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ میں ان آوازوں کو سمجھ نہیں پاتا۔'' شہروز نے کہا۔

اور منگل اس کی صورت دیکھتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل
گئی۔ اس نے کہا۔ ''تم جو کچھ کرنے جا رہے ہو شہروز وہ صدیوں کی کوششیں ہیں اور ان میں
ناکامی ہوئی ہے' جاری رکھنے کا تصور خاص طور سے موجودہ دور میں مشکل ہے۔ عیش وعشرت کی
زندگی چھوڑ کر تم ایک پراسرار مہم پر نکلے ہو لیکن یہ آوازیں تمہاری رہنما ہیں اور یقیناً تم نے اپنے
لئے جو راستہ منتخب کیا ہے وہ ہی تمہاری منزل بن جائے گا۔

''مجھے اپنے تمام ساتھیوں پر بھروسہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک سادہ فطرت انسان
ہونے کے باوجود اب میری زندگی کا مقصد انتقام ہے صرف انتقام۔''

''آرام کرو۔ بہت زیادہ سوچنا انسان کو کمزور بنا دیتا ہے۔''

''میں آپ کے ہر فیصلے اور ہر ہدایت کا پاس کروں گا۔'' شہروز نے کہا اور اپنے کیبن
کی طرف بڑھ گیا۔

رات آہستہ آہستہ گزر گئی۔ دوسرے دن ابر چھایا ہوا تھا۔ موسم بہت ہی خوشگوار تھا۔
تمام لوگ یکجا ہو گئے۔ ان کے درمیان زندگی کا دلچسپ ترین موضوع وہ خزانہ ہی ہوتا تھا جس
کے تصور میں وہ چلے جا رہے تھے۔ زرق نے کہا۔

''تم یقین کرو ہم سے اچھے وہ مسافر ہیں میرا مطلب ہے ہمارے وہ ساتھی جو اس
مہم کیلئے اپنی زندگی وقف کیے ہوئے ہیں لیکن مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے۔

''ہاں۔ اس طرف سے آپ کو بالکل مطمئن رہنا ہے جناب یہ ساری ذمہ داری
ہماری ہے ویسے اس سلسلے میں ایلش مین سے بھی بات چیت ہوتی رہتی ہے۔''

''وہ کیا......؟'' منگل نے سوال کیا۔

''ایلش مین کا کہنا ہے کہ ہم نے جن راستوں کا انتخاب کیا ہے وہ بہت زیادہ
خطرناک ہیں۔ اس طرف سمندری جانور بہت زیادہ مل سکتے ہیں اور خاص طور سے خونخوار آدم
خور مچھلیوں کے لاتعداد قبائل آباد ہیں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر ہم ایک الگ نقشے سے سفر کریں تو
بات بن سکتی ہے اور ہم خطرات سے بچ سکتے ہیں۔''

''تو پھر تم نے کیا فیصلہ کیا۔''

''نہیں' بھلا میں تنہا کیا فیصلے کر سکتا ہوں البتہ ایلش مین ایک تجربہ کار کپتان ہے۔

ہمیں اس کی باتوں پر تھوڑی بہت توجہ دینے سے فائدے ہی فائدے ہو سکتے ہیں کوئی نقص
نہیں۔''

''میں تمہیں اس بارے میں تھوڑے سے وقت کے بعد بتاؤں گا۔'' منگل نے کہا
اسے ایک عجیب سا احساس ہونے لگا تھا جس دن سے اس نے سونے کے سکوں سے بلند ہونے
والے دھوئیں کی تحریر پڑھی تھی اور پھر اس رات کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد
منگل اپنے کیبن میں بند ہو گیا اس نے دروازہ بند کر کے کیبن میں اندھیرا کر لیا تھا اور سونے
کے چھ سکے جو اس کے پاس محفوظ تھے اپنی جگہ سجا لیے تھے اور اس کی تمام تر نگاہیں ان سکوں
مرکوز ہو گئیں۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد ہر آواز معدوم ہو گئی بس ایک ہلکی ہلکی روشنی سونے کے ان
سکوں سے بلند ہو رہی تھی۔ پھر یہ روشنی دھواں بننے لگی اور آہستہ آہستہ یہ دھواں بلند ہونے لگا
قرب و جوار کی ساری فضا دھوئیں سے معمور ہو گئی تو وہی سرگوشی نما آواز ابھرنے لگی۔ یہ آواز
منگل کو کچھ نئی ہدایت دے رہی تھی۔ راستوں کے بارے میں بتا رہی تھی اور منگل یہ سب کچھ سن
رہا تھا۔ وہ مطمئن ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

منگل نے دوسرے دن زرق کے اس خدشے کی تردید کر دی اس نے کہا۔

''کیپٹن ایش مین بے شک ایک تجربہ کار ملاح ہے اور یقینی طور پر ہمیں اس کے کہنے
کے مطابق خطرات پیش آئیں گے لیکن فکر مت کرو ان خطرات کا مقابلہ کر لیا جائے گا اس لئے
تم لوگ بے فکر رہو دوسرے لوگوں نے شاید یہ سوچا تھا کہ منگل ساری تفصیلات بعد میں بتائے گا
لیکن منگل نے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کیے رکھی تھی۔ یہاں تک کہ وہ مقررہ جگہ آ گئی جہاں
سے انہیں لانچ کے سفر کا آغاز کرنا تھا۔ لانچ کا بھرپور جائزہ لے لیا گیا۔ ایک بار پھر یہ اندازے
لگائے گئے کہ لانچ بہتر انداز میں کام کر رہی ہے اور اس پر جو چیزیں بار کی گئی ہیں وہ اطمینان
بخش اور مناسب ہیں۔ اس وقت کپتان ایش مین کو بھی اس سلسلے میں تکلیف دی گئی تھی اور وہ خود
بھی لانچ کے پاس پہنچ کر اس کا جائزہ لینے لگا تھا۔ اس نے کہا۔

''میں جانتا ہوں مسٹر زرق ایک زبردست ملاح ہیں اور سمندر سے ان کی بہترین
واقفیت اس لانچ پر موجود اشیاء اور اس کی شاندار کارکردگی سے ظاہر ہوتی ہے۔''

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد کارروائی شروع ہو گئی۔ جہاز کے اس حصے میں اچھی خاصی
رونق ہو گئی تھی۔ تیز روشنیوں میں کام کام ہونے لگا۔ ایک بڑی کرین نے لانچ کو نیچے اتارنے
کی تیاریاں شروع کر دیں اور تھوڑی دیر کے بعد وہ مکمل طور پر تیار ہو گئی پھر تمام افراد جمع ہو گئے
اور لانچ کو آہستہ آہستہ سمندر میں اتارا جانے لگا۔ کرین آپریٹر نے تمام تر مہارت کے ساتھ
لانچ کو لوہے کی مضبوط تاروں میں باندھ کر سمندر پر پہنچا دیا اور تھوڑی دیر کے بعد لانچ پر سفر
کرنے والے افراد ایک ایک کر کے سیڑھیوں کے ذریعے نیچے پہنچ گئے۔ جہاز لنگر انداز کر دیا
گیا تھا۔ اس کے انجن بند ہو گئے تھے تاکہ لانچ کو سکون سے اپنے سفر کے آغاز کا موقع مل
سکے۔ منگل سب سے پہلے نیچے پہنچا تھا اور اس نے اپنے آپ کو سمندر میں ایک اہم انسان کی
حیثیت سے پایا تھا۔ ادھر اس عملے نے بھی اپنا کام شروع کر دیا تھا جس کے سپرد بقیہ ذمہ
داریاں کی گئی تھیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ایش مین اور اس کے ساتھیوں نے ان معزز مہمانوں
کو الوداع کہا۔ اب تک یہ تمام کارروائی جس قدر پرسکون فضا میں ہوئی تھی اور جس طرح کوئی

ایسی گڑبڑ نہیں ہوئی تھی کہ ان لوگوں کو دقت ہوتی یہ آنے والے وقت کیلئے ایک نیک شگون
زرق نے منگل سے اجازت لی۔

''سر اگر آپ کا حکم ہو تو لانچ کا انجن اسٹارٹ کیا جائے۔''

''ہاں۔'' منگل نے سرد لہجے میں کہا۔

اور لانچ کے انجن سٹارٹ ہو گئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ جہاز سے دور ہٹنے لگی۔ کپتا
اور دوسرے لوگ کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا اور سارے کام بہت خوش اسلو
سے ہوئے تھے۔ جہاز کی روشنی آہستہ سے دور ہوتی جا رہی تھی اور پھر جب لانچ کا اس سے
فاصلہ ہوا تو جہاز اپنی جگہ سے جنبش کرنے لگا اور مخالف سمت بڑھنے لگا۔ اب اس سے جدائی
گئی تھی اور یہ عجیب سا احساس ان میں سے ہر شخص کے دل میں موجود تھا کہ اب وہ صرف سم
کے رحم و کرم پر ہیں اور لانچ کی بہتر کارکردگی ہی انہیں زندگی دے سکتی ہے اور ان کے مقصد
تکمیل کر سکتی ہے۔ تھوڑی دیر تک تو وہ اس احساس کا شکار رہے اور اس کے بعد باقی تمام
کیے جانے لگے۔ زرق نے ایک ملاح کو لانچ کا سٹیئرنگ دیا اور اس کے بعد خود لانچ کو مختل
جگہوں سے دیکھنے لگا۔ وزن کا توازن اور دوسرے تمام انتظامات زرق ایک بہترین کپتان
حیثیت سے پوری لانچ میں گھومتا پھر رہا تھا۔ عظیم الشان لانچ میں کافی افراد موجود تھے اور ا
مناسبت سے سارے انتظامات کیے گئے تھے۔ اس وقت سورج کا گولا بے نور سمندر کے آ
حصے میں ٹکا ہوا نظر آیا تو ان لوگوں نے آخری عمل کیلئے اپنے آپ کو تیار کر لیا یعنی یہ کہ دن
سورج کی حشر سامانی اور اپنے آپ کو اس سے بچانا۔

لانچ کے سائبان کو درست کیا گیا تا کہ سورج کسی کو اتنا زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے
اس میں آرام دہ نشستیں لگی ہوئی تھیں اور بہترین سفر کیا جا سکتا تھا۔ ہر شخص اپنے طور پر خوش تھ
خاص طور پر وہ لوگ جو مزدوروں کی حیثیت رکھتے تھے وہ تو گا بجا رہے تھے۔ زرق ایک بہتر
کپتان کی حیثیت سے ہر چیز کا اچھی طرح جائزہ لیتا پھر رہا تھا اور دور سے منگل اسے دیکھ
تھا۔ اس وقت بھی شہروز منگل کے پاس کھڑا تھا۔ اس نے منگل سے کہا۔

''ہم اس شخص کو ایک بہترین کپتان کا درجہ دے سکتے ہیں۔ اس کے انتظامات
انداز بہت ہی مناسب ہے۔''

منگل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زندگی میں اس نے اس قسم کے معاملات پر کبھی
نہیں کیا تھا۔ بہر حال ناشتے وغیرہ کا بندوبست ہوا اور ناشتے کے بعد وہ لوگ اپنے اپنے کام
میں مستعد ہو گئے۔ لانچ نقشے کے مطابق اپنا سفر کر رہی تھی۔ قطب نما راستے بتا رہا تھا اور زر
بہترین کپتان کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ پھر قدرت کی طرف سے

شامل حال ہو گئی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکنے لگا تھا اور سورج چھپ گیا تھا۔ ہری ناتھ آسمان
کی جانب دیکھنے لگا تو زرق نے اس سے پوچھا۔

''کیا کہتے ہو ہری ناتھ کیا بارش ہو جائے گی؟''

''نہیں۔ یہ ہی دیکھ رہا ہوں۔ کم از کم دن کی روشنی میں بارش ہونے کے امکانات
نہیں ہیں۔''

''مگر بادل تو چھا رہے ہیں۔''

''ان میں پانی کی چمک نہیں ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

''پانی بھرے بادل دوسرے ہوتے ہیں۔''

''لیکن میرا تو علم یہ ہے کہ بادل ہوتے ہی پانی بھرے ہیں۔''

''تو پھر اپنے علم کی بات کر لو میں کہہ رہا ہوں کہ بادلوں میں پانی بھرا ہوا ہے لیکن
ٹپکے گا نہیں۔''

زرق اس کے الفاظ پر ہنسنے لگا پھر بولا۔

''اچھا ہے بھائی، پانی نہ ٹپکے ورنہ مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔''

''اب ایسا بھی نہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ ان بادلوں میں پانی کی چمک آ سکتی ہے۔''

''یار عجیب آدمی ہو۔ کبھی کچھ کہتے ہو کبھی کچھ۔''

''اگر یہ ہی باتیں سب کی سمجھ میں آ جائیں تو سب ہری ناتھ نہ بن جائیں۔'' ہری
ناتھ نے ناک سکیڑ کر کہا۔

اور زرق اس بات پر خوب ہنسا۔

''ہاں۔ یہ بات تو ہے تمام لوگ ہری ناتھ تو نہیں بن سکتے۔''

تھوڑے فاصلے پر کارلائل ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا اور ان سے خوب مزے لے
رہا تھا۔

ہری ناتھ برا سا منہ بنا کر ایک طرف چلا گیا تو کارلائل، زرق کے پاس جا کھڑا ہوا۔

''اب تمہیں زرق کے بجائے کیپٹن کہنے کو دل چاہتا ہے۔''

''ابھی میں ہری ناتھ سے باتیں کر رہا تھا تم نے اس کی باتیں سنی کارلائل۔''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''یار' اسی کو زندگی کہتے ہیں وہ کرائے پر آنے والا ایک معمولی سا آدمی ہے لیکن
کے الفاظ سنے تم نے؟ وہ کہتا ہے اگر یہ باتیں سب کی سمجھ میں آ جائیں تو وہ ہری ناتھ نہ
جائیں۔ گویا وہ اپنے آپ کو بڑی آسمانی مخلوق سمجھتا ہے۔''

''دیکھو میرے دوست' زندگی اسی کا نام ہے۔ انسان بہت سے خوش فہم خیالات
مبتلا رہتا ہے۔ اگر اسے اپنے بارے میں خوش فہمی نہ ہو تو اس کیلئے جینا مشکل ہو جائے۔ آ
کے سامنے کھڑے ہوئے کسی شخص کو تم نے اپنے آپ سے نفرت کرتے نہیں دیکھا ہوگا۔ ا
اپنے چہرے پر کہیں نہ کہیں دلکشی نظر آ ہی جاتی ہے اور یہ ہی احساس اسے زندہ رکھتا ہے۔
ناتھ ایک فنکار ہے پراسرار خصوصیات کا مالک ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے تو ہمیں
یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ وہ کچھ ہے۔ اگر وہ کچھ نہ ہوتا تو ہم اسے مہنگا معاوضہ دے کر
ساتھ کیوں لاتے۔''

زرق نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں' یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو۔''

بہرحال سفر کے مختلف مراحل گزرتے رہے۔ دن ڈھلا شام ہوئی زرق ہواؤں پر
کر رہا تھا۔ وہ بھی بہرحال سمندر سے واقفیت رکھتا تھا۔ ہری ناتھ کا علم تو پراسرار معلومات
مشتمل تھا لیکن زرق ایک سمندر گرد تھا۔ بادل اور گہرے ہو گئے تھے۔ منگل نے کہا۔

''کیا کہتے ہو زرق کیا بارش ہو جائے گی۔''

''اندازہ ہے نہیں ہوگی ویسے سمندر کسی کا غلام نہیں ہوتا آسمان ایک لمحے میں
بدل لیتا ہے۔''

''میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔'' منگل نے کہا۔

''ہاں بولو۔''

''کیا طوفان آ سکتا ہے؟''

''میرا خیال ہے نہیں کیونکہ طوفانوں کا بھی ایک موسم ہوتا ہے لیکن تم کوئی فکر نہ
میرے دوست' سمندر کے معاملات میری ذات تک محدود رہنے دو اور ویسے بھی اس طرح
سفر میں الجھنیں تو درپیش ہوتی ہی ہیں۔''

بہرحال سبھی سفر سے دلچسپی لے رہے تھے۔ شہروز کے چہرے پر گلاب کھلے نظر آ
تھے۔ منگل نے کہا۔

''ایک بات میں شہروز' کارلائل سے بھی کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ زرق سے اسٹیئرنگ
سنبھالنا سیکھ لے تاکہ اگر کبھی کسی کو لانچ چلانے کی ضرورت پیش آئے تو اسے دقت نہ ہو۔

زرق نے فوراً کہا۔

''اور میں ہر شخص کا استاد بننے کیلئے تیار ہوں۔''

یوں ہنستے مسکراتے یہ سفر جاری رہا۔ ہر طرح کی آسائش حاصل تھی۔ کافی کا دور چلتا
تو کافی کا لطف آ جاتا۔ رات کو دو اڑھائی بجے تک یہ لوگ ہنگاموں میں مصروف رہے۔ گویا
سمندر میں پکنک منائی جا رہی تھی۔ پھر آرام کرنے کیلئے لیٹ گئے۔ ذمہ داریاں پوری کرنے
والے اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ رات گزری اور دور مشرق میں سے
سویرا جھانکنے لگا۔ سمندر کا پانی آہستہ آہستہ روشن ہونے لگا اور تقریباً ساڑھے سات بجے ناشتے
کا دور شروع ہو گیا۔ بادل اب صاف ہو گئے تھے اور آسمان اب شفاف نظر آ رہا تھا۔ شہروز نے
آگے بڑھ کر لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ لانچ چلانے میں اسے بہت لطف آ رہا تھا۔ زرق انجن
کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ ڈیزل وغیرہ چیک کیا کچھ نئے ڈبے کھول کر ٹینکی پوری بھر دی گئی اور
پھر وہ بادبان کی جانب چل پڑا۔ بادبان لپٹے ہوئے تھے اور ڈنڈے ٹھیک عمل کر رہے تھے۔
سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد زرق نے کہا۔

''اگر تم لوگ اجازت دو جونیئر کپتانوں تو میں تھوڑی دیر آرام کر لوں۔''

''ہاں کیوں نہیں......''

مزدوروں میں سے بھی کچھ مزدوروں کو سونے کی ہدایت کر دی گئی۔ یہ وہ تھے جنہوں
نے رات کی ڈیوٹی سرانجام دی تھی۔ سورج خوب چمک رہا تھا اور سمندر روشن تھا۔ پانی کو چھوتی
ہوئی نم ہوائیں سورج کی تیزی کا احساس نہیں ہونے دے رہیں تھیں۔ شہروز اچانک مسکرا پڑا تو
منگل نے پوچھا۔

''کیا ہوا' کیا بات ہے کون سے خیال نے تمہارے ہونٹوں کو مسکراہٹ سے سجا
دیا؟''

''میں ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو سونے اور ہیروں کے انبار اپنے
اطراف لگائے ہوئے یہ سفر کر رہے ہیں۔

''دیکھو' ہر شخص کا نظریہ الگ الگ ہوتا ہے اور تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ
دولت زندگی کا اہم حصہ ہے۔''

''مجھے اس سے اختلاف ہے۔''

''مطلب......''

''دولت کے علاوہ بھی دنیا میں اور بہت کچھ ہے۔

منگل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے ہیجان ٹپکنے لگا۔ اس نے کہا۔

"نہیں، دولت ہی دنیا میں سب کچھ ہے۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ زندگی ہو۔ ایک ا
زندگی جس میں دولت کو استعمال کیا جا سکے۔"

"میں آپ سے زیادہ تجربے کار نہیں ہوں لیکن بعض اوقات دولت ایک بے مقص
سی چیز بن جاتی ہے اور ہم اس سے وہ سب کچھ نہیں حاصل کر سکتے جو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔
میں آپ سے اس سلسلے میں کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتا جو آپ کے احترام کو کم کر دے لیکن۔"

"کچھ نہیں جب کسی بات کو تسلیم کیا جاتا ہے تو اس میں لیکن کی گنجائش نہیں
سب کچھ بڑا عجیب ہے اب آپ دیکھ لیجئے یہ سارے لوگ دولت کے دیوانے ہیں اور میں۔"

"بس کافی ہے۔ کافی ہے تم مختلف قسم کے انسان ہو۔ بہرحال میں تمہارے جذبات
کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا۔"

یہ گفتگو کافی دیر تک جاری رہی۔ پھر اچانک ہی شہروز کے حلق سے ایک آواز نکل
گئی۔

"ارے ارے وہ دیکھئے وہ۔"

منگل نے اس کے اشارے کی سمت نگاہیں دوڑائیں تو اسے سمندر میں ایک عجیب
چیز نظر آئی۔

یہ کالے رنگ کے بے شمار ابھرے ہوئے طوطے جیسی چیز تھی لیکن متحرک اور ان
رخ اسی موٹر بوٹ کی جانب تھا۔ دفعتہً ہی ہری ناتھ کے منہ سے آواز نکلی۔

"شارک شارک یہ شارک مچھلیاں ہیں اور ان کا رخ موٹر بوٹ کی جانب ہے۔"

"ان کے بارے میں تم کیا کہتے ہو ہری ناتھ؟"

"بہت خطرناک کہیں زیادہ خوفناک، سمندر میں شارک مچھلی سمجھ لو بڑی خوفناک
حیثیت رکھتی ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔"

"اوہو یہ تو ہماری طرف ہی آ رہی ہیں۔" شہروز نے کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ تھوڑا سا رخ تبدیل کر لو۔" منگل نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے
کہا۔

اور شہروز نے موٹر بوٹ کا رخ بدل لیا۔ مچھلیوں کا غول اسی طرف ہی چلا آ رہا تھا۔
آن کی آن میں وہ لانچ کے قریب پہنچ گئے اور پھر لانچ کو شدید جھٹکے لگنے لگے۔ ان جھٹکوں سے
سب لوگ جاگ گئے تھے اور تھوڑی سی افراتفری ہو گئی تھی۔ زرق فوراً سمجھ گیا وہ بھی سمندر کی
صورتحال کو معلوم کر چکا تھا۔ ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر سمندر کا جائزہ لینے لگا۔ اسی وقت ایک
مزدور نے موٹر بوٹ کے کنارے قدم رکھا ہی تھا کہ زرق زور سے ڈھارا۔

"اے پیچھے ہٹو، پیچھے جاؤ بیوقوف، کیا موت کو تلاش کر رہے ہو۔"

مزدور گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مچھلیاں موٹر بوٹ سے ٹکریں مار رہی تھیں اور اس قدر
طاقتور تھیں کہ ان کی ٹکروں سے موٹر بوٹ کو شدید جھٹکے لگ رہے تھے۔ اچانک ہی موٹر بوٹ
ایک جانب سے اوپر اٹھنے لگی تو منگل نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ہمیں اسلحہ استعمال کرنا پڑے گا۔" زرق نے کہا۔

"کیوں، مچھلیاں ہماری رشتے دار ہیں جو ہم ان کی موت سے گریز کر رہے ہیں۔"

"تمام لوگوں نے بڑھ کر رائفلیں اٹھا لیں اور پہلا فائر زرق نے ہی کیا تھا۔ ایک
شارک مچھلی زخمی ہوئی اور تڑپ کر نیچے چلی گئی لیکن دوسرے لمحے وہ پھر ابھری۔ اس بار اس نے
اپنا ہولناک منہ کھولا ہوا تھا اور تمام لوگ اسے خوفزدہ انداز میں دیکھ رہے تھے۔ کہ یہ بھیانک غار
کسی جاندار مخلوق کا ہے جس میں خوفناک کیلیں نکلی ہوئی تھیں۔ یعنی دانت، اتنا منہ پھیلایا ہوا تھا
اس نے کہ کوئی انسان قریب ہوتا تو آدھے سے زیادہ اس کے منہ میں جا سکتا تھا۔ ایک بار پھر
اس نے پانی میں غوطہ لگایا اور پھر دوبارہ موٹر بوٹ کو زوردار ٹکر ماری۔ موٹر بوٹ کافی زور سے ہلی
تھی اور اگر شہروز کی گرفت اسٹیئرنگ پر مضبوط نہ ہوتی تو اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ سے چھوٹ
جاتا۔ یہ زخمی مچھلی کے خون کی بو تھی یا پھر ان کا انتقام کہ دور دور سے اور مچھلیاں بھی اس سمت
آنے لگیں۔ شارک مچھلیوں کا پورا خاندان موٹر بوٹ کے گرد جمع ہو گیا تھا جس طرف نظر اٹھتی
کالے کالے کوہان جیسے اٹھے ہوئے نظر آتے۔ منگل عجیب نگاہوں سے ان مچھلیوں کو دیکھ رہا
تھا۔ زرق کی آواز ابھری۔

"یہ صورتحال واقعی بڑی سنسنی خیز ہے اور نہیں بھی ہے۔"

"مطلب کیا ہے؟" منگل نے سوال کیا۔

"مطلب یہ ہے کہ شارک مچھلیاں عموماً زخمی ہو کر بھاگ جاتی ہیں لیکن اس وقت ان
کا غیض و غضب بڑا عجیب ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں کہ ان مچھلیوں کے خاندان سمندر کے
مختلف حصوں میں آباد ہوتے ہیں اور جہاں ان کے قبیلے ہوتے ہیں وہ جگہ بے حد خوفناک ہوتی
ہے۔ یہ بات مجھے جہاز کے کپتان نے بھی بتائی تھی اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس طرف شارک
مچھلیوں کے خاندان آباد ہیں بہرحال خطرہ ہے کہ کوئی مچھلی اسے الٹ نہ دیں۔"

"کیا خیال ہے ہم پوری قوت سے موٹر بوٹ کو لے کر آگے نہ بڑھیں۔ اس طرح یہ
ان کی دسترس سے نکل جائے گی۔"

"وہ اس قدر کمزور نہیں ہوتیں آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ لانچ سے ٹکراتی ہیں تو لانچ

ہل جاتی ہے۔"
"ہاں لیکن لانچ کے ٹوٹنے کا خطرہ تو نہیں ہے۔" منگل نے کہا۔
"سب کے چہروں پر تشویش کے آثار تھے لیکن شہروز بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً
ایک مچھلی نے لانچ کے بالکل کنارے پر سر ابھارا اور تقریباً چار پانچ فٹ اونچی بلند ہو گئی۔ خوش
قسمتی تھی اور زرق کی ہدایت کوئی کنارے پر موجود نہیں تھا ورنہ اس وقت تک کوئی خوفناک حادثہ
پیش آ چکا ہوتا۔

مچھلی کا منہ کنارے پر پھنس گیا تھا اور لانچ اتنی ٹیڑھی ہو گئی تھی کہ اگر کوئی دوسری مچھلی
بھرپور کوشش کرتی تو اندر آ سکتی تھی۔ اس کا کنارا پانی کو چھونے لگا تھا۔ زرق نے اندازاً مچھلی پر
فائرنگ شروع کر دی۔ تین چار گولیاں کھانے کے بعد وہ سمندر میں الٹ گئی۔ لانچ کو اتنی زور
دار جھٹکا لگا تھا کہ دوسری جانب تمام لوگ لڑھک گئے۔ مچھلیاں اتنی تعداد میں جمع ہو گئی تھیں کہ
اب یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ یقیناً لانچ کو تباہ کر دیں گی۔ تب زرق نے گردن ہلائی اور اپنی
رائفل ایک جانب رکھ دی پھر وہ منگل سے کہنے لگا۔

"میں ایک ترکیب کرنے جا رہا ہوں جس کا بندوبست میں کر کے چلا تھا اور یہ بھی
اس شریف آدمی کی ہدایت تھی وہ واقعی سمندر کا ماہر ہوتا ہے جسے کیپٹن کہتے ہیں۔ زرق دوڑتا ہوا
لانچ کے پچھلے حصے میں پہنچا۔ اس نے لانچ میں رکھے چھوٹے ٹین اٹھائے جن میں پٹرول بھرا
ہوا تھا اور وہ اس میں سے ایک ٹین کو کھولنے لگا۔ اس کے بعد اس نے پٹرول کو زور سے پانی
میں اچھال دیا۔ یکے بعد دیگرے اس نے تین ٹین پانی میں پھینکے اور پٹرول پانی کی سطح پر پھیل
گیا۔ زرق نے شہروز سے کہا۔

"مسٹر شہروز! اس وقت اسٹیئرنگ آپ کے پاس ہے اور میں دوسرا عمل کر رہا ہوں
لانچ کو پیچھے لے چلیے۔"

شہروز نے زرق کی ہدایت پر عمل کیا اور لانچ کو موڑ کر پیچھے لے آیا۔ زرق نے
پٹرول کا ایک اور ٹین پانی پر خالی کیا۔ اس کام کیلئے اسے بڑی مہارت سے کام لینا پڑا تھا
کنارے پر جانا بے حد مشکل تھا اور پٹرول کو چھوٹے سے ٹین کے ذریعے پانی پر پھینکنا تھا۔ اگر
وہ کنارے پر جاتا تو مچھلیاں جس انداز میں کناروں پر لپک رہی تھیں ضرور ان میں سے کوئی نہ
کوئی مچھلی اس کی گردن دبوچ لیتی اور اگر ٹین ذرا بھی بے احتیاطی سے اٹھایا جاتا تو پٹرول لانچ
میں بھی الٹ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے لانچ کو بچانے کی کوشش کی اور تین چار ٹین پھینکنے کے بعد
پیچھے ہٹا اور لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ منگل اور دوسرے افراد زرق کی اس کارروائی کو دیکھ
رہے تھے۔ بہرحال زرق نے اسٹیئرنگ سنبھال کر اس نے لانچ کو مزید پیچھے کیا اور پھر اسے

مخصوص زاویے پر لا کر پاس کھڑے ہوئے شہروز سے بولا۔
"اسٹیئرنگ سنبھالئے مسٹر شہروز۔ اس کے بعد اس نے ایک کپڑا اٹھایا۔ اسے پٹرول
میں بھگویا اور اس کا گولا بنا کر ہاتھ میں لے لیا۔ پھر اس نے کارلائل کو ہدایت کی کہ اس کپڑے
میں آگ لگائے۔ کارلائل نے اس پر عمل کیا۔

اور پھر جلتا ہوا کپڑے کا گولا سمندر میں پھینکا گیا اور پانی کی سطح پر آگ بھڑک اٹھی۔
پٹرول نے آگ پکڑ لی تھی۔ مچھلیوں کا غول چونکہ بہت زیادہ تعداد میں تھا اس لیے وہ اس آگ
کی لپیٹ میں آ گئیں اور ان میں افراتفری پھیل گئی۔ اس واقعہ سے وہ ڈر گئیں۔ لانچ کو اس
مہارت سے پیچھے ہٹا لیا گیا تھا کہ سمندر میں پڑا ہوا پٹرول اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور پھر
زرق کے کہنے پر لانچ کی رفتار انتہائی تیز کر دی گئی اور ایک خاص رخ اختیار کر لیا گیا۔ سمندر جل
رہا تھا اور وہ سب عجیب سی نگاہوں سے جلتا ہوا سمندر دیکھ رہے تھے۔ مچھلیاں اب بھاگنے لگیں۔
لانچ ان شعلوں سے کافی دور نکل آئی تھی۔ اس طرح ان مچھلیوں سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔ سب
کے سب زرق کی ان کوششوں کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ زرق نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

"یہ غول بے حد خطرناک ہوتے ہیں اور کبھی کبھی یہ چھوٹے جہازوں تک پر بھی حملہ
کر دیتے ہیں اور ان کی تعداد جوں جوں بڑھتی جاتی ہے یہ خطرناک ہوتے جاتے ہیں۔ حالانکہ
ان میں سے کسی ایک مچھلی کے ڈر جانے کا کام ہوتا ہے۔ گولیوں کے زخم تو انہیں نہیں ڈرا سکے
لیکن آگ نے انہیں بدحواس کر دیا ہے۔"

منگل نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور کہنے لگا۔
"اس کا مطلب ہے کہ تم موت پر فتح پانے کی صلاحیت رکھتے ہو۔"
زرق ہنسنے لگا پھر بولا۔
"نہیں ایسا نہیں ہے۔"
لانچ کافی دور نکل آئی تھی۔ منگل نے کہا۔
"ہمیں راستے کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ ہمیں راستے سے ہٹنا پڑا ہے اس لیے
کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم راستہ بھٹک جائیں۔"
"ایسا نہیں ہوگا جناب! اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے قطب نما صحیح کام کر رہے ہیں
اور ہمارے نقشے ہمارے لیے بالکل کارآمد ہیں۔ اب ہم تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد پھر
رخ تبدیل کر لیں گے اسی راستے پر آ جائیں گے جس سے ہم گزر رہے تھے۔"
بہرحال کافی راستہ طے کرنے کے بعد زرق نے لانچ کا رخ اسی جانب کر دیا

جدھر سفر کرنا تھا۔ اس کے بعد رات تک کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا تھا۔ شارک مچھلیوں کا حادثہ اب ذہن سے الگ ہوتا جا رہا تھا۔ ویسے کئی جگہ سمندر میں مچھلیاں نظر آئیں لیکن تنہا' شارک مچھلیاں کوئی زیادہ خطرناک نہیں تھیں اور پھر نئے منصوبے کے تحت کچھ رائفل برداروں کو لانچ کے اگلے اور پچھلے حصے پر متعین کر دیا گیا اور کہا گیا کہ جیسے ہی شارک مچھلیوں کے کالے کوہان نظر آئیں نشانہ لے کر ان پر گولی چلا دی جائے۔ بہر حال شارک مچھلیاں تھوڑی دور تک موٹر بوٹ کے پیچھے دوڑتی رہتی تھیں اور اس کے بعد رخ بدل کے کسی اور طرف چلی جاتیں تھیں۔ غالباً سمندر کی یہ مخلوق بھی کافی چالاک ہوتی ہے کیونکہ ایک یا دو مچھلی کسی ایسی چیز پر حملہ نہیں کر سکتیں جس سے انہیں خطرہ درپیش ہو۔ بہر حال ہر ذی روح کا اپنا نظام ہوتا ہے۔ منگل ان تمام باتوں پر غور کرتا تھا اور یہ سوچتا تھا کہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دولت زیادہ مشکل چیز ہے یا زندگی اور آخر میں اسے یہ ہی سوچنا پڑتا کہ اگر زندگی ہے تو دولت کا مصرف ہے ورنہ کتنی ہی دولت ہو زندگی کے بغیر بیکار ہے۔

سورج ڈھل گیا۔ شام ہوگئی۔ آسمان پر ایک بار پھر بادل امڈ آئے اور تقریباً ساڑھے آٹھ نو بجے کا وقت تھا کہ ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے لگیں۔ زرق نے ایک ماہر کپتان کی طرح جلدی سے دوسرے انتظامات کیے۔ لانچ پر ایک سائبان جیسی جگہ بنی ہوئی تھی لیکن اس پر کیبن نہیں بنائے جا سکتے تھے کیونکہ ان کیبنوں کی تعداد بھلا کتنی ہو سکتی تھی اور جتنے افراد لانچ پر موجود تھے اور سفر کر رہے تھے ان کیلئے الگ الگ کیبن ہو نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ایک سائبان بنا دیا گیا تھا جس کے نیچے سورج سے پناہ لی جا سکے اور یہ ساری کارروائیاں زرق نے کی تھیں۔ اس نے لانچ پر جتنا پرسکون ماحول پیدا کر دیا تھا اتنا ماحول ہونا مشکل تھا اور اس کے علاوہ اس نے شارک مچھلیوں کو جس طرح بھگایا تھا وہ بھی ایک عظیم کارنامہ تھا۔

بارش آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی اور چاروں طرف تاریکی پھیل گئی۔ منگل نے زرق کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن زرق تشویش کا شکار نہیں تھا۔

اس وقت تقریباً رات کا ایک بجا ہوگا کہ دفعتاً تیز ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے اور کشتی کو زور زور سے جھٹکے لگنے لگے۔ زرق پوری طرح چاق و چوبند تھا۔ اس نے ایک لمحے آرام نہیں کیا تھا۔ غالباً وہ اس بات کی توقع کرتا تھا کہ اب اس کے بعد یہ لمحات آئیں گے اس نے منگل سے کہا۔

''صورتحال کچھ پریشان کن ہوگئی ہے یہ تیز ہوائیں سمندری طوفان کا پیش خیمہ بھی ہوسکتی ہیں۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ طوفانوں کا موسم نہیں ہے لیکن سمندر کا کیا بھروسہ۔''

''کیا طوفان خوفناک ہوسکتا ہے؟'' منگل نے سوال کیا۔

''آثار ایسے ہی ہیں۔'' زرق تشویش زدہ لہجے میں بولا۔

اور منگل خاموشی سے سمندر کا جائزہ لینے لگا۔ اگر سمندری طوفان آ گیا تو یہ چھوٹی سی لانچ سمندری طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اس وقت تمام لوگ کسی قدر خوف کا شکار ہو گئے تھے۔ شہروز کے علاوہ باقی سب کشمکش میں مبتلا تھے۔ شہروز بھرپور منہ اٹھائے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کارلائل نے اپنے ایک ساتھی سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''ویسے تو خیر کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن یہ شخص کسی قدر ابنارمل نہیں ہے جس وقت شارک مچھلیوں نے لانچ کو گھیرا ہوا تھا اور زرق ان سے جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا اس وقت بھی اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ان تمام کارروائیوں کو مذاق سمجھ رہا ہو اور خود کوئی بہت بڑا مدبر ہو۔''

''یہ آدمی مجھے شروع ہی سے کچھ عجیب سا لگتا ہے۔''

ادھر منگل بھی اس صورتحال سے خاصا الجھا ہوا تھا۔ اس کے اپنے اندر کے احساسات بالکل الگ تھے۔ شہروز اتفاق سے اس کے پاس جا کھڑا ہوا تو منگل نے کہا۔

''طوفان کے آثار ہیں شہروز' لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم بالکل مطمئن ہو۔''

''ہاں' یہ طوفان ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔'' شہروز نے بے خیالی کے سے انداز میں کہا۔

منگل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ بولا۔

''یہ حقیقت ہے کہ جوانی سے بڑا طوفان اور کوئی نہیں ہوتا اور تم اس وقت اسی عمر میں سے گزر رہے ہو۔''

''کیا' شہروز نے چونک کر منگل کو اس طرح دیکھا جیسے نہ اس نے پہلے منگل کی کوئی بات سنی ہو اور نہ اب کوئی بات اس کی سمجھ میں آ رہی ہے۔''

منگل نے کہا۔

''اپنے آپ کو ہوشیار رکھو طوفان آ رہا ہے۔''

شہروز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ زرق نے لانچ کے انجن بند کرا دیئے تھے اور اس کے بعد وہ بڑی برق رفتاری سے مزدوروں کے ساتھ تمام چیزوں کو رسوں اور لوہے کی موٹی زنجیروں سے بندھوا رہا تھا۔ ایسی چیزیں جن کا سمندر میں گر جانے کا خطرہ تھا۔ منگل متاثر نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے کہا۔

''یہ سچ ہے کہ یہ شخص اس مہم میں ہمارا سب سے کارآمد ساتھی ہے۔''

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" شہروز نے اقرار کیا۔

☆......☆......☆

آخرکار ہوائیں تیز ہونے لگیں اور سمندر کا رنگ بدل گیا۔ اونچی نیچی موجیں لانچ کی طرف دوڑ رہی تھیں۔ طوفان آ گیا' موجیں لانچ سے ٹکراتیں تو پانی اچھلتا اور پوری کشتی کو بھگوتا ہوا دوسری طرف جا گرتا۔ کشتی اب سمندر کے رحم و کرم پر تھی۔ انسانی کوشش ختم ہو چکی تھی۔ اب صرف اپنے آپ کو بچانے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ مزدوروں نے ایک موٹے رسے کو اپنی کمر سے کس کر موٹی موٹی گرہیں لگا لیں تھیں۔ اس رسے کو ایک مضبوط ستون سے باندھ دیا گیا تھا۔ کشتی اب ادھر ادھر ڈول رہی تھی۔ کبھی ایک طرف جھک جاتی اور کبھی کوئی موج اس کا ایک سرا کھڑا کر دیتی۔

منگل نے شہروز کو ایک رسے سے کس لیا تھا اور خود بھی اپنے بچاؤ میں مصروف تھا۔ اس کے ذہن میں شیر دل آ رہا تھا۔ دولت کے انبار لگا لیے تھے اس نے لیکن موت کو نہیں ٹال سکا تھا۔ آہ میرا مقابلہ موت سے ہے۔ میں موت سے لڑنا چاہتا ہوں۔ اگر ہمیشہ کی زندگی مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ خزانہ جسے میں پہاڑوں کے غاروں میں بڑے بڑے پتھروں سے ڈھک کر بند کر آیا ہوں صدیوں میں جا کر کسی سیاح کے ہاتھ لگ گیا تو الگ بات ہے ورنہ اس کی کہانی زمین کے اندر ہی اندر ختم ہو جائے گی اور اس کی کہانی زمین کے اندر ہی ختم ہو جانی چاہیے کیونکہ وہ اب میری ملکیت ہے کیونکہ اگر میں نہیں رہوں گا تو خزانہ بھی نہیں رہنا چاہیے۔ بہرحال یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ پانی کے تھپیڑے بڑھ گئے تھے اور کبھی کبھی کشتی چکر کھانے لگتی تھی۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ درمیان سے ٹوٹ نہ جائے۔ وزنی چیزیں بھی بے وزن ہو گئی تھیں اور آپس میں ٹکرا کر زبردست شور پیدا کر رہی تھیں۔ لہروں کی اٹھان مسلسل تھی اور یہ لانچ ان کے کھیل میں ایک تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں تھیں۔ لانچ میں آہستہ آہستہ پانی بھرتا جا رہا تھا لیکن اس وقت جو کیفیت تھی اس میں اس بات کی بالکل گنجائش نہیں تھی کہ اس پانی کو نکالنے کی جدوجہد کی جائے۔

زرق ایک طرف کھڑا خاموشی سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عزم کے تاثرات تھے اور ایک پرعزم کپتان کی طرح وہ سمندر کا رنگ بھی دیکھ رہا تھا اور لانچ کی کیفیت بھی۔ پوری کشتی بری حالت میں تھی۔ تقریباً دو گھنٹے تک یہ طوفان خوفناک قیامتیں برپا کرتا رہا اور پھر ہواؤں میں کمی آنے لگی۔ موجیں مدھم پڑنے لگیں۔ سمندر کا کھیل ختم ہونے لگا پھر چاند نے آسمان پر سر ابھارا اور ماحول کے چاروں طرف چاندنی پھیلتی چلی گئی۔ لانچ پر اس طرح کی خاموشی تھی جیسے اس میں موجود تمام افراد زندگی ختم کر چکے ہوں۔ وہ زندہ لاشوں کی شکل میں

خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ اچانک ہی زرق کی آواز ابھری۔

"لانچ میں بھرا ہوا پانی نکالو سب لوگ اس میں مصروف ہو جاؤ۔"

"مزدوروں نے رسے کھولے جس کے ہاتھ جو لگا اسے لے کر پانی کے خلاف جنگ ہونے لگی۔ پانی کافی بھر گیا تھا اور کشتی کو خالی ہونے میں کئی گھنٹے لگے تھے لیکن وہ لوگ زندگی مل جانے کی خوشی میں بے پناہ جفاکش ہو گئے تھے۔ پھر جب کشتی کا تمام پانی نکل گیا۔ زرق آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ اس کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔ منگل نے کہا۔

"ہم بچ گئے زرق۔"

زرق نے کوئی جواب نہیں دیا۔

منگل نے کہا۔

"کیا بات ہے تم کچھ پریشان ہو؟"

"ایک آخری عمل اور کر لیا جائے اس کے بعد خوشی کا اظہار ہو گا۔" زرق نے کہا اور کشتی کے انجن کو سٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ زرق نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ منگل اس وقت وہیں کھڑا ہوا تھا۔

زرق کی آنکھوں میں تشویش کے آثار دیکھ کر اس نے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"اس سنگین صورتحال سے انجن کے مختلف حصوں میں پانی بھر گیا ہے اگر کچھ گھنٹے کے بعد یہ پانی خشک ہو جائے تو ہماری مشکل آسان ہو جائے گی ورنہ۔"

"کیا انجن میں۔"

"اس بات کے سو فیصدی امکانات ہیں اگر صرف پانی کی بات ہوئی تو انجن سٹارٹ ہو جاتا۔" زرق خاموش ہو گیا۔

لیکن منگل کو اندازہ تھا کہ خود ان کے جسموں کے اندرونی حصے اوپر نیچے ہو گئے تھے لانچ کا انجن کیا حیثیت رکھتا تھا۔

بہرحال کافی دیر تک کوششیں کی جاتی رہیں پھر صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ ساری رات جاگنے اور مشکلوں کا شکار رہنے کی وجہ سے سب کے چہرے دھواں دھواں ہو رہے تھے۔ تمام لوگوں کی یہ ہی کیفیت تھی۔ خود منگل کافی نڈھال ہو گیا تھا۔ بہرحال سب کچھ بعد کی باتیں تھیں کسی نے سامان کی جانب توجہ دی نہ کھانے پینے کی طرف۔ بس صرف ایک احساس تھا کہ انجن سٹارٹ ہو جائے لیکن کافی وقت لگ گیا اور بار بار کوششیں ناکام ہی ثابت ہوئی۔ زرق نے کہا۔

"انجن کا سٹارٹ ہونا مشکل ہے ابھی اس میں وقت لگے گا لیکن ہمارے پاس اس کا متبادل یہ بادبان ہے جسے چڑھانا ہوگا۔"

"لیکن سارے بادبان بھیگے ہوئے ہیں۔" کارلائل نے کہا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں مسٹر کارلائل لیکن موسم حیرت انگیز طور پر بہت اچھا ہوگیا ہے۔ بادبان بھیگ کر وزنی ہو گئے ہیں لیکن انہیں چڑھانے کیلئے ہمیں محنت کرنا ہوگی۔ جب تن جائیں گے تو ہوا انہیں خشک کر دے گی کیونکہ ہمیں تھوڑا سا سفر ان بادبانوں کے ذریعے طے کرنا ہے کیونکہ بادبان سمندر میں ہمارے اس سفر کا حل نہیں ہے۔ اس دوران میں انجن ٹھیک کرنے کی پوری پوری کوشش کروں گا۔"

بہرحال بڑی شدید کوشش کے بعد آخرکار بادبان چڑھا دیئے گئے اور پھر صورتحال سنبھالنے کے بعد زرق انجن پر مصروف ہوگیا۔ اس نے اپنی مدد کیلئے کارلائل کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ ہوا تیز نہیں تھی اور بادبانوں کے ذریعے لانچ مناسب رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ زرق مسلسل انجن کو ٹھیک کرنے میں مصروف تھا۔ ابھی بادبانوں سے لانچ کو سفر کرتے ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اچانک ایک ہولناک آواز کے ساتھ ایک ستون ٹوٹ گیا۔ بادبان اس بڑی لانچ کو آگے بڑھانے کیلئے کافی نہیں ثابت ہوئے تھے اور ہوا کا دباؤ اس پر بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے یہ ستون ٹوٹ گیا تھا۔ ایک بادبان اس میں اٹک گیا۔ یہ شکر تھا کہ ٹوٹا ہوا ستون نیچے نہیں آیا تھا ورنہ یہاں موجود لوگ زخمی بھی ہو سکتے تھے۔ چونکہ دو بادبان چڑھائے گئے تھے اب صرف ایک بادبان رہ گیا تھا جسے لانچ کی حفاظت کے فرائض سرانجام دینے تھے لیکن زرق نے یہ محسوس کرلیا کہ یہ بادبان بھی زیادہ عرصے تک ساتھ نہیں دے سکے گا چنانچہ اس بادبان کو نیچے اتار لیا گیا اور اس کی رفتار بالکل سست کر دی گئی۔ مزدوروں نے بیس بیس فٹ لمبے وہ چپو سنبھال لیے جو کشتی کے دونوں کناروں پر بندھے ہوئے تھے۔ تین تین آدمی ان چپوؤں کو چلانے میں مصروف ہو گئے لیکن یہ صورتحال بھی زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکتی تھی کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد تمام مزدور تھک گئے۔ آخرکار زرق نے حکم دیا کہ چپوؤں سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا اس لئے انہیں بند کر دیا جائے۔ کشتی ایک بار پھر موجوں کے رحم وکرم پر جا پڑی اور موجیں انہیں آہستہ آہستہ دھکیلنے لگیں۔ کشتی میں موجود تمام لوگوں کے چہروں پر اب پریشانی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ سفر کی رفتار تقریباً رک ہی چکی تھی اور انجن کے درست ہونے کا ابھی کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ زرق نے کتنی ہی بار انجن کو سٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ پھر اس نے کافی زیادہ انجن کھول ڈالا تھا اور ایک ایک چیز پر بڑی محنت سے کام کر رہا تھا۔ پھر اس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"غلطی ہوگئی۔"

منگل نے چونک کر اسے دیکھا پھر بولا۔

"خیریت کیا ہوا؟"

"نہیں اپنی جانب سے ہم نے اس سفر کیلئے ہر شعبے کے لوگوں کا انتخاب کر لیا کاش ہم ایک لانچ انجینئر بھی ساتھ لے لیتے۔"

"بہرحال اب جو بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔"

سورج چڑھتا رہا اور پھر ڈھل گیا شام کو ہوا کا رخ پھر بدل گیا تھا اور وہ کسی قدر تیز ہوگئی تھی۔

ایک بار پھر ہری ناتھ نے ادھر ادھر سونگھا اور پھر گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"نہیں۔ طوفان کا خطرہ نہیں ہے۔"

ہری ناتھ کی بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ احتیاطی تدابیر بہرحال کر لی گئی تھیں اور پھر کشتی کی رفتار تیز ہونے لگی۔ لہریں کشتی کو لیے ایک سمت بڑھ رہی تھیں لیکن پریشانی سب کو تھی۔ کیا کیا جائے' کیا نہ کیا جائے۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ منگل شہروز کے پاس پہنچا اور الجھے ہوئے لہجے میں بولا۔

"یہ تو بڑی مشکل کی بات ہے اگر مجھے پتہ ہوتا کہ میں سمندر کے سفر میں اتنی دقتیں پیش آ سکتی ہیں تو میں کوئی اور ذریعہ اختیار کرتا۔"

"کیا مطلب؟ اتنے پریشان کیوں ہیں آپ۔"

"تمہارا دماغ ٹھیک نہیں ہے کیا؟ دیکھ رہے ہو کہ لانچ کے انجن خراب ہو گئے ہیں۔"

"تو یہ سمندر کی لہریں جو ہیں یہ ہمیں ہماری منزل کی جانب لے جا رہی ہیں اور اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ہمارا رخ اسی طرف ہے جہاں ہمیں جانا ہے اور یہ بات تو میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ آخرکار ہم اپنی منزل پر پہنچیں گے۔"

منگل نے غصیلی نگاہوں سے شہروز کو دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ پھر بولا۔

"کبھی کبھی تمہارا یہ اطمینان مجھے غصہ دلا دیتا ہے۔ لانچ میں موجود ہر شخص مشکل کا شکار ہے۔ زندگی بچانے کیلئے سخت جدوجہد کرنی پڑ رہی ہے اور تم بڑے اطمینان سے کہہ دیتے ہو کہ وہ ہوگا جو تم نے طے کیا ہے۔"

شہروز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

"آپ یہاں غلط کہہ رہے ہیں۔ میں نے نہیں' یہ بات آپ صرف میرے لیے ہی

کیوں کہتے ہیں۔ اس میں تو آپ بھی برابر کے شریک ہیں۔ آپ کو خود اس بات کا اندازہ
کہ ہماری رہنمائی کی گئی ہے اور ہم سے کہا گیا ہے کہ یہ طوفان اور یہ راستے کی رکاوٹیں کوئی
حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہمیں منزل تک پہنچنا ہے اور جو مشن صدیوں پہلے طے کیا گیا تھا وہ ہر قیمت
پر پورا ہونا ہے۔ میں اسی بنیاد پر بات کرتا ہوں اور کوئی ذریعہ نہیں ہے میرے پاس۔ حقیقتوں
جاننے اور انہیں سمجھنے کا۔ بس کچھ پراسرار آوازیں مجھے یہ خبر دیتی ہیں کہ ہم بہرطور اپنی منزل
پہنچیں گے۔

منگل خاموش ہو گیا تھا۔ ستارے نکل آئے' چاند البتہ گم تھا۔ ستاروں کی مدھم روشنی
سمندر کی موجوں کو چھو رہی تھیں۔ ویسے ساری رات کوئی سکون سے نہیں سو سکا۔ کسی کو اگر نیند
بھی جاتی تو وہ چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگتا۔ سب بے یارومددگار سمندر کے سینے پر وقت
گزارنے کا تصور لیے ہوئے خوفزدہ تھے۔ یہاں تک کہ زرق بھی پریشان تھا۔ سمندر کی پراسرار
زندگی سے اسے اچھی طرح واقفیت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کشتی اگر اسی طرح بے یارومددگار سمندر
کے سینے پر بھٹکتی رہی تو انہیں کبھی ان کی منزل نہیں ملے گی اور آخرکار وہ روایتی دن آ جائے گا
جب سمندر پر سفر کرنے والے موت اور زندگی کا کھیل کھیل رہے ہوتے ہیں۔ بہرحال رات گزر
گئی دوسری صبح آہستہ آہستہ روشنی پھوٹ رہی تھی کہ اچانک ہی کسی نے کچھ دیکھا اور پاگلوں کی
طرح چیخ پڑا یہ ایک مزدور تھا جو اچھل اچھل کر ایک طرف اشارہ کر رہا تھا اور سبھی نے اس کے
اشارے پر ادھر دیکھا۔ یہ ایک سیاہ سی لکیر تھی جو سمندر کے وجود میں ابھر رہی تھی۔ اسے زندگی کی
لکیر کہا جا سکتا ہے۔ مزدور ایک جگہ جمع ہو گئے اور خوشی سے چیخنے لگے۔ پھر سبھی نے وہ لکیر
دیکھی۔ خود زرق بھی خوش ہو گیا تھا۔ اس نے مزدوروں سے چپو سنبھالنے کیلئے کہا اور مزدوروں
نے ہنسی خوشی چپو سنبھال کر کشتی کا رخ اس جانب کر دیا۔ لکیر آہستہ آہستہ نمایاں ہوتی جا رہی تھی
اور سب پرمسرت انداز میں سوچ رہے تھے کہ آخرکار وہ مشکل حل ہو ہی گئی۔ بہرحال وہ سیاہ لکیر
آہستہ آہستہ نقوش اختیار کرنے لگی لیکن جب وہ پوری طرح نمایاں ہوئی تو سب پر ہیبت طاری
ہو گئی۔ کشتی کے مسافروں نے دیکھا کہ اس جزیرے کے چاروں طرف بڑی بڑی چٹانیں منہ
کھولے کھڑی ہیں۔ کالے رنگ کی ہیبت ناک چٹانیں' وہاں بڑی بڑی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ جب
ان چٹانوں سے ٹکراتیں تو ایک خوفناک شور اٹھتا۔ ایک لمحے کے اندر اندر یہ اندازہ ہو گیا کہ
چٹانوں کے قریب سمندر کا جو غضب ہے وہ بے مثال ہے اگر یہ کشتی ان لہروں کی لپیٹ میں
آ کر ان چٹانوں سے ٹکرا گئی تو اس میں موجود ہر چیز ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ انسانی جسم ٹکڑے
ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر جائیں گے۔ جزیرے کے مل جانے کی خوشی اپنی جگہ لیکن جو کچھ یہاں
دیکھا تھا اس نے ایک دم مایوسی کی فضا پیدا کر دی۔ زرق مدھم لہجے میں بولا۔

''کشتی کو ان چٹانوں کے قریب نہیں لے جایا جا سکتا ہے۔''

''تو پھر کیا کیا جائے؟''

''ہم اسے ان چٹانوں سے کافی دور روکیں گے اور اس کے بعد پانی میں تیرتے
ہوئے جزیرے تک جائیں گے۔''

''یہ کیا بات ہوئی۔ کشتی کو ہم ایسے تو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس میں بہت کچھ موجود ہے
ہمارا۔''

''یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن جزیرے کے گرد چٹانیں بکھری ہوئی ہیں
اور جس طرح موجیں اس کے پاس سر ابھار رہی ہیں اگر کشتی موجوں کی لپیٹ میں آ کر کسی چٹان
سے ٹکرا گئی تو خود ہماری زندگی کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔ ایسے حالات میں سامان کی فکر کی جائے
یا اپنی زندگیوں کی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن کشتی کا سامان آخرکار جزیرے میں منتقل تو کرنا ہوا۔''

''اس کیلئے عارضی طور پر ہمیں یہ سامان اپنے کندھوں پر لاد کر لے جانا ہوگا اور اس کا
انتظام بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''اور کشتی کا کیا کیا جائے گا؟''

''اسے سمندر میں لنگر انداز کر دیا جائے گا اور موٹے رسے باندھ باندھ کر اسے ایسی
جگہ چھوڑا جائے گا جہاں یہ محفوظ رہ سکے۔''

ایک اور ترکیب ہو سکتی ہے شہروز کی اطمینان بھری آواز ابھری۔

اور لوگ اسے دیکھنے لگے۔ بہت سے لوگوں کو شہروز کے اس اطمینان پر کچھ غصہ سا
آنے لگا تھا اور وہ اس کے اس اطمینان کو ناپسند کرتے تھے۔ بہرحال یہ ساری چیزیں ذہن میں
رہ گئیں۔ شہروز سے اس کی تجویز پوچھی تو اس نے کہا۔

''سیدھی سی بات ہے ہم میں سے آدھے افراد کشتی پر موجود رہیں اور اسے یہاں
محفوظ رکھیں۔ اسے بالکل بے یارومددگار چھوڑ دینا تو مناسب نہیں ہوگا۔ بقیہ افراد جزیرے پر
پہنچ کے بعد جائزہ لیں اور اگر کشتی کو کسی سمت سے ساحل تک لایا جا سکتا ہے تو اس کے بعد ایسا
کیا جائے۔

کارلائل اور ہری ناتھ نے اس پیشکش کو قبول کیا اور اس کے بعد چند مزدوروں کے
ساتھ کشتی پر رک گئے۔ باقی لوگ کیبن میں بڑے بڑے تھیلے جن میں کھانے پینے کا سامان تھا
کندھے پر لاد کر پانی میں اتر گئے۔ منگل بھی ان میں شامل تھا اور اس سلسلے میں تمام انتظامات کر
لیے گئے تھے۔ بڑے بڑے رسے ایک دوسرے کی کمر میں بندھے ہوئے تھے اور سب ان

رسوں سے منسلک ہو گئے تھے۔ اس طرح کم از کم کسی ایک کی جان جانے کا خوف نہیں
سمندر کی بے رحم موجیں مسلسل چٹانوں کی طرف دوڑ رہیں تھیں لیکن یہاں بھی زرق کی
کاری کام آئی۔ اس نے ایک ایسی جگہ تلاش کی جو نسبتاً بہتر تھی اور آخر کار ان کا بیڑہ پار ہو
وہ ساحل تک پہنچ گئے۔ چاروں طرف اونچی اونچی اور ویران چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان
گرد کی زمین ریتلی تھی۔ دور دور تک کوئی پودا یا پانی کا چشمہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بالکل ویران
تھا جہاں خوفناک کالی چٹانوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ان چٹانوں کا یہ کالا رنگ
کائی کی وجہ سے تھا۔ ویسے یہ خوفناک چٹانیں زندہ معلوم ہوتی تھیں۔ ان میں زندگی دوڑ رہی
اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی پراسرار آنکھوں سے آنے والوں کا جائزہ لے رہی ہوں۔ یہاں
پرندے یا حشرات الارض بھی نظر نہیں آ رہے تھے البتہ اس مقام پر گہرے پتھریلے گڑھوں
بارش کا پانی بھرا ہوا تھا اور اس سے بدبو اٹھ رہی تھی اور اس پانی میں ریت شامل تھی۔ بہرحال
سب نے کمر سے بندھی رسیوں سے خود کو آزاد کرایا اور ان رسیوں کے لچھے بنا کر کندھے
ڈال لیے۔ ایک آدمی یہ ساری رسیاں لے کر نہیں چل سکتا تھا اس لیے اس کے ٹکڑے کر
گئے تھے۔ بہرحال وہ مسلسل جدوجہد میں لگے رہے اور پھر ساحل کے ساتھ ساتھ ایک لمبا
طے کیا گیا۔ چٹانوں میں گھوم پھر کے دیکھا گیا کہ کوئی ایسی جگہ تو نہیں ہے کہ جہاں سے
لوگوں کو بلایا جا سکے اور آخر کار یہ کوشش بھی رنگ لائی۔ کشتی بالکل چٹانوں تک تو نہیں آ سکتی
لیکن ایک جگہ یہ چٹانیں پانی میں دور تک چلی گئی تھیں اور ایسی تھی کہ ان میں سے گزرا جا
تھا۔ چنانچہ یہاں بھی بڑی ہوشیاری کے ساتھ راستہ طے کیا گیا اور پھر ایک کپڑا لہرا کر کشتی کا
راستہ بنایا گیا۔ بہرحال اتنی ذہانت سب کے اندر تھی کہ وہ کشتی کو یہاں تک لا سکیں چنانچہ تھوڑی
دیر کے بعد کشتی وہاں پہنچ گئی۔ اسے چٹانوں سے کس کر باندھ دیا گیا اور بقیہ تمام لوگ بھی
اتر آئے۔ بہرحال ایک دلچسپ ماحول اور ایک دلچسپ منظر اور ایک انوکھا سماں پیدا ہو گیا تھا

☆......☆......☆

تھکن سے نڈھال افراد طویل عرصے بعد سمندر سے باہر نکلے تھے۔ سمندر کے سفر
ابتدا تو بہت خوبصورت ہوتی ہے نرم نرم موجیں' آسمان پر نکلا ہوا چاند' مدھم مدھم ہوائیں اور
کے آغاز میں بڑی زندگی بخش ہوتی ہیں لیکن جوں جوں سفر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے پھر
سے وحشت ہونے لگتی ہے۔ بہرحال طویل عرصے کے بعد یہ زمین تک پہنچے تھے۔ اور اس وقت
یہ زمین انہیں ایک نعمت لگ رہی تھی۔ ریتلی زمین کو بستر بنا کر وہ سب اس پر لمبے لمبے دراز
گئے اور اس کے بعد جب سوئے تو یوں لگا کہ اب زندگی بھر نہ جاگیں گے لیکن جاگنا تو تھا
وہ اس وقت جاگے جب سورج ڈوب چکا تھا اور شام کے سائے پہاڑی چٹانوں پر اتر آئے

تھے۔ چٹانیں ان سایوں میں روپوش ہو کر رہ گئی تھیں۔ اتنی گہری تاریکی چھا گئی تھی کہ چند لمحات
کے بعد ہاتھ کو ہاتھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ لوگ چونکہ پورے ساز و سامان کے ساتھ یہاں تک پہنچے
تھے اس لئے انہوں نے روشنی کا انتظام کیا لیکن انتہائی احتیاط کے ساتھ۔ روشنی جلانے سے قرب
و جوار کا ماحول تھوڑا سا روشن ہوا۔ ویسے یہ اندازہ تھا کہ یہاں کیڑے مکوڑے موجود نہیں ہیں۔
بہرحال دن چونکہ گزر چکا تھا اس لیے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ چنانچہ ان میں زندگی بیدار ہو گئی۔
خاص طور سے زرق نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔
دوستو! بے شک جب ہم کسی مہم پر نکلتے ہیں تو ہمارے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے
کہ ہم خطرات کی آغوش میں جا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ہمیں یہ خطرات کم پیش آئیں تو
یہ ہماری خوش قسمتی ہوتی ہے۔ ہم اس خشکی تک پہنچ چکے ہیں اور جہاں تک نقشوں کا تعلق ہے
ہماری تقدیر ہمارے لیے رہنما ہے اور ہم صحیح راستوں کا سفر کر رہے ہیں۔ اس لیے خود کو ایک
خوشگوار ماحول کیلئے تیار کر لو کیونکہ اس سے زندگی کی بہت سی مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔ چلو اب
کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے۔ لیکن ہاں یہ بات طے ہے کہ جتنی کفایت شعاری کریں گے
اتنی ہی زندگی بڑھ جائے گی۔ جہاں سے بھی ہمیں غذا کا انتظام ہو سکے وہاں غذا کا انتظام کریں
گے۔ مثلاً یہاں اگر سمندر کا تھوڑا سا حصہ ہمیں پرسکون مل جائے تو ہم مچھلیاں پکڑیں گے۔ انہیں
خشک کر کے اپنی غذا کیلئے تیار کریں گے۔ یہ تمام باتیں ذہن میں رکھی جائیں تاکہ سفر ہمارے
لیے مشکل نہ ہو جائے۔
''مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے مسٹر زرق کہ کیا ہم یہاں رک کر خوراک کا بندوبست
کریں گے یا آگے کا سفر کریں گے؟''
''نہیں' ہمیں یہاں رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کشتی کو ہم نے محفوظ کر لیا ہے اگر
ہماری تقدیر نے ساتھ دیا تو واپسی پر یہ کشتی ہمیں مل جائے گی اگر نہ ملی تو دیکھے گے کہ تقدیر
ہمارے لیے کیا فیصلہ کرتی ہے۔ مزید یہ کہ ہم واپس بھی آتے ہیں کہ نہیں۔ یہ ساری چیزیں دیکھنا
ہوں گی۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا آپ لوگ' ہم آگے سفر کریں گے۔ جہاں تک میں نے
مچھلیوں کا ذخیرہ کرنے والی بات کہی تو ابھی ہمارے پاس خوراک کا کافی ذخیرہ ہے لیکن جہاں
بھی ہمیں موقع ملا ہم غذا کا ذخیرہ کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔''
بہرحال وہ لوگ آگے چل پڑے۔ جزیرے کے بارے میں کوئی خاص بات نہیں کہی
جا سکتی تھی۔ اس بات کے بھی امکانات تھے کہ یہ جزیرہ ہی نہ ہو بلکہ کوئی وسیع و عریض ساحل ہو
جو دور سے جزیرہ نظر آ رہا ہے۔ بہرحال وہ لوگ تمام تر تیاریوں کے بعد آگے بڑھ گئے۔ ہر شخص
نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ آگے زندگی خطرات سے دوچار ہے۔ اگر واپس آئے تو ایک

عالیشان خزانہ لے کر آئیں گے اور اگر زندگیاں یہاں اس علاقوں میں ختم ہونا ہیں تو پھر کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ انہوں نے آگے کا سفر سکون کے ساتھ شروع کر دیا۔ راستے کہیں پھسلوان اور کہیں کھردری چٹانوں پر مشتمل تھے۔ ان چٹانوں میں جگہ جگہ دلدلیں بھی نظر آ رہی تھیں جنہیں عبور کرنا مشکل ہی نہیں تھا۔ بہرحال جوں جوں یہ لوگ آگے سفر طے کرتے رہے سمندر سے فاصلہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ چٹانوں کا آخری سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور یہاں سے ریتلی زمین کا سفر شروع ہو جاتا تھا۔ یہ ریتلی زمین کہیں کھردری اور کہیں چٹانوں سے بھری ہوئی تھی لیکن چٹانوں کے بالکل دامن میں انہوں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کیلئے ساکت رہ گئے۔

بے شمار ٹوٹی پھوٹی کشتیاں تھیں ان کے تختے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور ان کشتیوں کے درمیان کہیں کہیں انسانی پنجر بھی نظر آ رہے تھے۔ منظر انتہائی دہشت ناک تھا۔ زندگی اس طرح اس ویرانے میں موت کا شکار ہو جاتی ہے اس کا انہیں ایک دم احساس ہوا تھا۔ ظاہر ہے یہ ایسے لوگ ہوں گے جو یہاں پہنچے ہوں گے۔ کارلائل نے کہا۔

''کیا خیال ہے کیا نیچے کوئی ایسی جگہ ہے جسے خطرناک کہا جا سکتا ہے۔ حالانکہ بظاہر کوئی خطرہ نظر نہیں آ رہا۔''

''یہ تو وہاں جانے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ وہ جگہ کیسی ہے خطرناک ہے یا نہیں؟''

''لیکن وقت سے پہلے کیوں نہ سنبھلا جائے۔''

''مطلب۔'' منگل نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''نہیں سر، میرا مطلب یہ ہے کہ نیچے ایسی کونسی جگہ ہے جو ہمارے لیے خوفناک ثابت ہو۔ ان لوگوں کی موت کیا معنی رکھتی ہے کہ یہ کشتیاں یہاں تک کیسے پہنچیں۔ سمندر کے کنارے پر ان کا کوئی وجود نہیں تھا پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔''

''ممکن ہے کوئی سمندری طوفان انہیں چٹانوں کے اوپر سے گزار کر یہاں تک لے آیا ہو۔''

منگل نے لاپرواہی سے کہا۔

''نہیں سر، یہ ناقابل یقین ہے۔'' زرق نے رائے دی۔

''بہرحال کچھ بھی ہے ہمیں دہشت زدہ نہیں ہونا چاہیے جو کچھ بھی ہوگا، وہ تو ہونا ہی ہے۔ آؤ نیچے چلتے ہیں۔'' منگل کے ان الفاظ پر سب نے ہمت کر ڈالی۔

شہروز نے سب سے پہلے آگے بڑھ کر کہا۔

''میرا خیال ہے میں سب سے پہلے نیچے اترتا ہوں اگر میں زندہ سلامت رہوں اور

کوئی مشکل پیش نہ آئے تو پھر آپ لوگ بھی آ جائیے۔''

''نہیں، بہت زیادہ دلیر بننے کی کوشش مت کرو، آؤ۔'' منگل بولا اور شہروز سے پہلے نیچے اترنے لگا۔ اس کے بعد سب کے سب نیچے کی جانب چل پڑے۔ بھوری ریتلی زمین پر پہنچ کر وہ ان ٹوٹی کشتیوں کو دیکھنے لگے جو کافی پرانی معلوم ہوتی تھیں اور خستہ ہو گئی تھیں۔ ان کشتیوں میں بھی انسانی پنجر پھنسے ہوئے تھے۔ کئی انسانی جسم وہاں نظر آئے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کہیں کہیں خالی کھوپڑیاں نظر آ رہی تھیں اور بقیہ جسم غائب تھے۔ یہ لوگ ان کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ بہرحال تھوڑے سے دہشت زدہ سبھی تھے لیکن ایک شخص تھا جس کا دہشت سے کوئی گزر نہیں تھا۔ پتہ نہیں اس کے جسم میں کونسی روح حلول کر گئی تھی اور یہ صرف شہروز تھا۔ بہرحال شہروز کا پرسکون ہونا بھی اب ان لوگوں کو کچھ ناگوار گزرنے لگا تھا۔ منگل نے کہا۔

''چلو آگے بڑھتے ہیں۔''

''کیا یہ خوفناک منظر ہمارے لیے ہمتیں توڑنے والا نہیں ہے۔''

''نہیں بالکل نہیں اور فضول باتوں سے گریز کیا جائے۔'' اس بار منگل کا لہجہ خراب ہو گیا۔

کسی نے کوئی بات نہیں کہی تھی اور وہ کھردری زمین سے آگے بڑھ گئے۔ سفر کی رفتار سست تھی۔ سب اپنے اپنے ہتھیار احتیاط سے سنبھالے ہوئے تھے کیونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان ویرانوں میں کہاں اور کس جگہ ہتھیاروں کی ضرورت بھی پیش آ جائے۔ جس جگہ یہ لوگ سفر کر رہے تھے اس جگہ چڑھائی تھی۔ چڑھائی عبور ہوئی تو پہلے جھاڑیوں کے جھنڈ نظر آئے۔ ایک لمحے کیلئے وہ وہاں رک کر پھر آگے بڑھ گئے لیکن آگے چل کر موسم اور ماحول بہتر ہوتا جا رہا تھا۔ نرم گھاس اور اس کے درمیان سے گزرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی لیکن تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد پھر وہی کھردری زمین اور چٹانیں، البتہ یہاں بہت بڑی بڑی چٹانیں تھیں اور ان چٹانوں میں جگہ جگہ سوراخ بھی نظر آ رہے تھے۔

یہ سوراخ چھوٹے چھوٹے بڑے ہر طرح کے تھے اور انہیں دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہاں حشرات الارض ہو سکتے ہیں بلکہ بڑے سوراخوں میں چھوٹے درندے بھی رہ سکتے ہیں۔ بہرحال یہ لوگ آگے بڑھتے رہے اور پھر ان سوراخوں کی سرزمین سے بھی باہر نکل گئے۔ یہ اندازہ نہیں ہو پایا تھا کہ چٹانوں کے سوراخوں میں کوئی خطرناک چیز ہے کہ نہیں۔ ایک زبردست ایڈونچر چل رہا تھا اور انسان لمحہ لمحہ موت کے قریب سے گزر رہے تھے۔ یہ ایک دلچسپ صورتحال تھی۔ غرض یہ کہ یہاں سے بھی کافی آگے بڑھنے کے بعد جب شام کے سائے گہرے

ہونے لگے تو انہوں نے اپنے قیام کیلئے ایک جگہ منتخب کر لی۔ یہ بھی عجیب وغریب نرم نرم زمین تھی۔ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اطراف میں اُگی ہوئی تھی۔ باقی ماحول صاف ستھرا تھا۔ کہیں کہیں یہ جھاڑیاں انسانی قد سے اونچی نظر آتی تھیں۔ ابھی ان لوگوں نے یہاں قیام کیلئے جگہ منتخب کی تھی کہ انہیں تھوڑے فاصلے پر ایک اور انسانی ڈھانچہ نظر آیا جو بالکل سوکھا ہوا تھا۔ منگل نے گردن جھٹکی اور عجیب سے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''ہر طرف موت' موت' موت یہ موت کہیں انسان کا پیچھا چھوڑ سکتی ہے۔''

پیچھے کارلائل موجود تھا جو اس کی بڑبڑاہٹ سن رہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں سر! شاعروں نے اس بارے میں بہت سی باتیں کہی ہیں اور ویسے بھی روحانیت میں موت کا ذکر بڑے مقدس انداز میں کیا جاتا ہے۔ بات یہی ہے کہ آپ یہ صحرا دیکھ رہے ہیں۔ اس صحرا میں رہتے رہتے آخرکار انسانی دل اکتا جاتا ہے اور جگہ تبدیل کرنے کو جی چاہتا ہے۔ زندگی ایسا ہی ایک صحرا ہے۔ آخرکار اس صحرا میں دل اکتا جاتا ہے۔''

منگل کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر میں تم سے کہوں کہ تم مر جاؤ تو کیا تم مر جاؤ گے؟''

''نہیں' میں آخری حد تک زندگی سے چمٹے رہنے کی کوشش کروں گا لیکن اگر کسی جانب سے موت نکل کر مجھے دبوچ لے گی تو ظاہر ہے میں اس سے جنگ نہیں کر سکتا۔''

''اس لئے کہ تمہارے اندر طلب مکمل نہیں ہوئی ہے۔ اپنا ایک مقام بنا لو اس مقام پر عبور حاصل کر لو تو ہمیشہ ہمیشہ جینے کو جی چاہے گا اور دل یہ کہے گا کہ اس دنیا کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ شرط وہ مقام ہے۔''

''آپ کی منطق واقعی بڑی عجیب ہے۔ فرض کریں اگر آپ کو آپ کا مقام مل بھی جاتا ہے تو آپ کو ابدی زندگی کیسے ملے گی۔ کیا اس کے امکانات ہیں؟''

''ہاں ہیں۔'' منگل غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

اور کارلائل چونک کے اسے دیکھنے لگا تو شہروز بھی وہاں پہنچ گیا۔

''میں دور سے آپ دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ بڑی دلچسپ گفتگو ہے۔ میرا کچھ اور نظریہ ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ انسان اپنی منزل پا لے اور اس کے بعد پرسکون ہو جائے۔ جیسے میرے اپنے دل میں یہ تصور ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو میں اپنا مقصد حاصل کر لوں۔''

منگل نے گہری نگاہوں سے شہروز کو دیکھا تو شہروز ایک دم سمجھ گیا کہ جذبات میں آ کر وہ کوئی ایسی بات کہنے جا رہا تھا جو ان کے مقصد کو ظاہر کر دے اور اگر انہیں یہ اندازہ ہو جائے کہ خزانہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی منزل نہیں ہے تو شاید وہ خونریزی سے بھی گریز نہ

کریں۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ پورے دن کی تھکن کے بعد آرام سے زمین پر بیٹھے تو یوں لگا جیسے اب اٹھا ہی نہیں جائے گا۔ بہرحال سفر کا کوئی ایسا انداز نہیں تھا کہ ایک دن میں یہاں سے وہاں پہنچا ہو۔ بس تمام ضرورتوں کے ساتھ وہ لوگ آگے بڑھ رہے تھے۔ یہاں آرام کیلئے بہتر جگہ منتخب کر لی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ رات یہاں گزارنے کے بعد صبح کو پھر سفر شروع کیا جائے۔ شہروز کہنے لگا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے ساتھی خاصی تھکن محسوس کر رہے ہیں۔ کسی بھی دن' کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ جیسے ہی ہمیں کوئی ایسا خوبصورت مقام ملا جہاں ہر طرح کی سہولتیں اور آسائشیں مہیا ہوں ہم وہاں ایک لمبے قیام کا فیصلہ کر لیں گے۔ کم از کم تھکن اتارنے کیلئے جگہ تو ایسی ہو کہ وہاں لطف آئے۔''

''یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ بلاوجہ رک جانا زندگی کی علامت نہیں ہوتی۔''

بہرحال اس جگہ قیام کیا گیا اور وہ لوگ کھانے پینے کے بعد ایک جگہ جمع ہو گئے۔ شام ہو گئی تھی۔ آگ روشن کر لی گئی اور اس روشنی کیلئے انہوں نے وہ خشک گھاس استعمال کی تھی جو جلنے میں بہت عمدہ تھی۔ یعنی آہستہ آہستہ سے جلتی تھی لیکن جلدی آگ پکڑ لیتی تھی۔ انہوں نے آگ اپنے آپ سے کافی فاصلے پر روشن کی تھی اس لئے اس کی تپش یہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ مزدور ابھی تک تر و تازہ تھے جو ان کے ساتھ آئے تھے اور خوشی کے ساتھ بندوقیں لیے ہوئے پہرہ دیتے تھے۔ رات کو کسی خطرے سے نمٹنے کیلئے یہی فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ دو دو مزدور جاگ کر ڈیوٹی انجام دیں۔ حالانکہ قرب وجوار میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ یہاں نہ تو انسانوں کا کوئی وجود تھا اور نہ جانوروں کا۔ دور دور تک چٹیل میدان پھیلے ہوئے تھے۔ اگر کوئی خطرہ تھا تو تھوڑے فاصلے پر نظر آنے والی چٹانوں میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے غاروں سے۔ اب بھی کہیں کہیں ایسی چٹانیں نظر آ جاتی تھیں جن میں یہ غار چھپے ہوئے تھے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر وہ ایک جگہ جمع ہو گئے۔

بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ انہیں ان ڈھانچوں پر حیرت تھی۔ وہ کشتیاں اور ڈھانچے کسی کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ کشتیاں سمندر سے اتنی دور کیسے پہنچ گئی تھیں اور پھر وہ لوگ' کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ زرق نے کہا۔

''پتہ نہیں یہ جزیرہ کتنا وسیع ہے میں تو اس بات کا بھی شکار ہو گیا ہوں کہ یہ جزیرہ ہے بھی کہ نہیں۔ حالانکہ ساحل پر کھڑے ہو کر یہی محسوس ہوتا تھا کہ اس کا کوئی موڑ نہیں ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ زمین دور تک پھیلی ہوئی ہے۔''

''ہاں واقعی اس موضوع پر کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جا سکتی۔''

نجانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا پھر آہستہ آہستہ وہ لوگ سونے کیلئے لیٹ گئے۔ مزدوروں کو ڈیوٹی پر لگا دیا گیا تھا۔ نجانے کب تک باتیں کرتے رہے تھے۔ نیند آئی تو گہری نیند سو گئے۔ بس وہی دو جوان جاگ رہے تھے پھر اس وقت آنکھ کھلی جب بندوق کی آواز فضا میں گونج اٹھی تھی۔ سب کے سب ہڑبڑا کر اٹھ گئے۔ ایک مزدور نے گولی چلائی تھی۔

''کیا ہوا کیا بات ہے؟'' زرق نے سوال کیا۔

''وہ ادھر اس چٹان کے پیچھے کوئی ہے۔'' مزدور نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کون......؟''

''پتہ نہیں' کوئی دوڑتا ہوا اندر آیا تھا اور میں نے اس پر گولی چلا دی۔''

''کون ہو سکتا ہے آؤ دیکھتے ہیں۔''

ان لوگوں نے ایک گروہ بنایا۔ ہتھیار ہاتھ میں لیے تاکہ اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو اس سے آسانی سے نمٹا جا سکے اور پھر وہ لوگ اس چٹان کے قریب پہنچ گئے جہاں مزدور نے گولی چلائی تھی لیکن دوسرے لمحے ان کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ چٹان کے عقب میں ایک انسانی جسم نظر آ رہا تھا۔ لباس سے بے نیاز لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ کسی عورت کا جسم تھا۔ کسی سفید فام عورت کا جس کے بال مٹی اور دھول میں اٹ کر جٹاؤں کی شکل اختیار کر گئے تھے۔ پورا جسم مٹی سے اٹا ہوا تھا لیکن نسوانیت کی دلکشی سر سے پاؤں تک نظر آ رہی تھی۔ مزدور کی چلائی ہوئی گولی نے اس کی ران کو زخمی کیا تھا اور وہ اپنے زخم کو پکڑے بیٹھی آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی۔ سب سے پہلے شہروز نے اپنی قمیص اتاری اور اسے عورت کے جسم پر ڈال دیا تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ دلکش خدوخال کی تقریباً تیس سالہ عورت تھی۔ آنکھیں بے حد خوفناک تھیں باقی نقوش بے حد دلکش۔ پتہ نہیں تعلق کونسے سے ملک سے تھا لیکن جسامت لمبائی چوڑائی بہت ہی شاندار تھی۔ یہ سب اس کے جسم کی برہنگی سے تھوڑے سے خجل ہو گئے تھے۔ پوری ٹیم میں پہلی بار کسی عورت کا وجود نظر آیا تھا۔ زرق کہنے لگا۔

''ہمیں اس کیلئے نچلا لباس مہیا کرنا ہوگا۔''

''وہ بالکل بے لباس ہے اور اس کی ران پر زخم ہے۔''

''اس وقت ان تمام چیزوں کو بھولنا پڑے گا۔''

''ہری ناتھ کو بلاؤ۔'' زرق نے کہا۔

ہری ناتھ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اسے بلایا گیا پھر کارلائل اور ایک مزدور آگے بڑھ کر سامان کے نزدیک پہنچا۔ وہاں سے ایک پتلون اور فرسٹ ایڈ کا سامان لایا گیا۔ عورت بالکل خاموش تھی۔ ابھی تک کسی نے اس سے گفتگو نہیں کی تھی۔ ہری ناتھ کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ

وہ اس کی ران پر پٹی کس دے۔ ران کا زخم دیکھا گیا۔ مزدور کی چلائی ہوئی گولی نے گوشت کو کوئی ایک انچ تک پھاڑ دیا تھا۔ خون تیزی سے بہہ رہا تھا لیکن شکر تھا کہ گولی گوشت کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ جب عورت کے زخم پر بینڈیج کی گئی تو اس کے منہ سے آواز تک نہیں نکلی تھی۔ بہرحال بینڈیج کر کے زخم بند کر دیا گیا اور اس کے بعد ہری ناتھ ہی نے اسے پتلون پہنائی۔ شہروز کی قمیص اس کے بدن پر ڈھیلی تھی لیکن بہرحال جسم ڈھک گیا۔ ہری ناتھ نے اس کی بیلٹ باندھی اس کے بغیر کوئی اور چارہ کار نہیں تھا۔ پھر اسے سہارا دیا گیا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑی باہمت اور زبردست قسم کی عورت تھی۔ یہ لوگ اسے سہارا دیتے ہوئے اپنے ٹھکانے پر پہنچے۔ یہاں اسے بٹھایا۔ فوراً ہی تھوڑی سی خوراک کا بندوبست کیا گیا۔ چائے بنائی گئی جس کا سامان ان لوگوں کے پاس موجود تھا۔ اسے کھانے کی چیزیں دی گئیں تو اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور اس نے وہ چیزیں بڑے اطمینان سے کھا لیں پھر اس کے ہاتھ چائے کے برتن کی جانب بڑھ گئے۔ ابھی تک کسی نے اس کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ کوئی تبصرہ بھی نہیں ہوا تھا اس پر۔ اس نے چائے کا گرم گرم مگ خالی کر دیا اور پھر پہلی بار اس کی آواز سنائی دی۔

''براہ کرم اگر ممکن ہو سکے تو مجھے ایک کپ چائے اور دو۔''

آواز میں ایک عجیب سی پاٹ دار کیفیت تھی۔ سب اس سے متاثر ہوئے تھے اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب لڑکی ہے۔

بہرحال شہروز نے کہا۔

''ہمیں بہت افسوس ہے کہ تم ہمارے ہاتھوں زخمی ہو گئیں لیکن تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہی ہو؟''

جواب میں وہ ہنس پڑی پھر اس نے کہا۔

''سوال بالکل درست ہے لیکن ہے بڑا عجیب' اس ویرانے میں میں یہاں کیا کر سکتی ہوں بتاؤ' کیا کوئی ایسا عمل ہے جو یہاں کیا جا سکے؟''

''تمہاری کیفیت کیا ہے میرا مطلب ہے کہ زخم۔''

''بلاوجہ ہی یہ زخم تم نے مجھے دے دیا اصل میں' میں اس چکر میں تھی کہ تم لوگ گہری نیند سو جاؤ تو میں آگے بڑھوں اور تم لوگوں سے تھوڑی سی خوراک مانگ لوں۔ میرا مطلب ہے چرا لوں مگر مجھ پر گولی ہی چلا دی گئی۔''

''ہمیں اس کا افسوس ہے مگر تم اپنے بارے میں اور کچھ نہیں بتاؤ گی۔ یہاں تمہارے علاوہ کوئی اور ساتھی بھی ہے تمہارا۔''

''نہیں، کوئی نہیں ہے سب مر چکے ہیں۔''

''کب سے بھوکی ہو؟''

''بہت عرصے سے۔ بس یہ جھاڑیاں دیکھ رہے ہو ان جھاڑیوں میں ایک پودا ایسا جاتا ہے جن میں پانی بھی ہے اور غذائیت بھی۔ میں اسی سے گزارہ کر رہی تھی۔ بہت عرصے بعد تم لوگوں کو دیکھا تو دل میں یہ خواہش ابھری کہ جیسے بھی ممکن ہو سکے تمہارے پاس خوراک حاصل کی جا سکے ویسے مجھے یقین ہے کہ تم لوگ بھی سونے، ہیرے، ہاتھی دانت کی تلا میں یہاں آئے ہو گے یا پھر کوئی اوٹ پٹانگ نقشہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہوگا جس کی چاہ میں تم ادھر دوڑے چلے آئے۔''

''اوٹ پٹانگ نہیں، ہمارے پاس ایسا نقشہ ہے جو ہمیں سو فیصدی خزانے تک جائے گا۔''

''فرض کرو وہ نقشہ تمہیں خزانے تک لے بھی جاتا ہے تو کیا تم اس ویرانے میں خزانے کو نکال سکو گے۔''

''کیوں، کیا ایسا نہیں ہوا ہے؟''

''نہیں سر، بالکل نہیں۔ یہ خزانے بڑے پراسرار ہوتے ہیں۔ ان کے اندر ان کی اپ روحانیت ہوتی ہے۔ ان کی کہانیاں پھیلی ہوتی ہیں اور لالچی انسانوں کو ان کے ذریعے بدترین سزائیں ملتی ہیں۔''

منگل نے غصیلی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔

''نام کیا ہے تیرا......؟''

''سلیک، میرا نام سلیک ہے۔''

''بہت زیادہ مدبر نہ بن۔ ایسی بات نہیں ہے خزانے حاصل ہو جاتے ہیں۔''

''تم میرے محسن ہو کچھ بھی نہیں کہوں گی اس بارے میں، ہو سکتا ہے کہ تمہارا کہا ٹھیک ہو بہرحال اگر تمہیں کوئی خزانہ مل جاتا ہے تو خوشی کی بات ہوگی۔ محسنوں کیلئے تو دعائیں ہی کی جاتی ہیں۔''

''مگر تم نے اپنے بارے میں نہیں بتایا۔''

''میرے بارے میں اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہو بس سمجھ لو کہ میرا تعلق بھی انہی بیوقوفوں سے ہے جو زندگی کو نجانے کہاں سے کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔''

''تم یہاں کب سے ہو، کتنا عرصہ ہو گیا۔''

''وقت یاد نہیں رہا اب بھول گئی ہوں کہ کسی مہذب دنیا سے میرا تعلق تھا۔ یقین کرو

تم نے ایک بار پھر مجھے بولنا سکھا دیا ہے۔ ورنہ میں تو بولنا ہی بھول گئی تھی۔''

''اس علاقے کی حیثیت سے تم واقف ہو۔''

''ہاں، کیوں نہیں، طویل عرصے سے یہاں زندگی گزار رہی ہوں۔''

''مگر تم نے یہ گھاس سے جڑی بوٹیاں کھانے کا فیصلہ کیوں کیا جبکہ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد تم ساحل سمندر تک جا سکتی تھی ہاں تمہارے لیے سمندری غذاؤں کا بھی بندوبست ہو سکتا تھا اور ممکن تھا کہ کوئی بھولا بھٹکا جہاز تمہیں یہاں سے لے جاتا۔''

''ہاں، مجھے اندازہ ہے کہ ایسے ہو سکتا تھا لیکن بس پتہ نہیں کیوں میرے سارے وجود پر ایک کوفت طاری ہو گئی تھی۔''

''یہاں کس طرح سے آئیں......؟''

''وہی دولت کی تلاش میں ایک سمندری جہاز سے کشتی لے کر بھاگے تھے ہم لوگ، یہاں پہنچ گئے اور پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ زندگی موت بنتی چلی گئی۔ ایک ایک کر کے بہت سے لوگ مر گئے میں خود بھی یہاں سے نکلنا چاہتی تھی لیکن تم نہیں جانتے یہاں سے آگے جا سکتے ہیں نا پیچھے۔ کیونکہ آگے کا ماحول بے حد خوفناک ہے۔ عظیم الشان دلدلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ زندہ دلدلیں جو ہر جاندار کو زندہ ہڑپ کرنے کا انتظار کرتی رہتی ہیں۔ خوفناک جنگل جس میں وحشی درندے بستے ہیں۔ ان جنگلوں کو عبور کرنا ہی ناممکن ہے۔ بائیں سمت کے دلدلی حصے کو چھوڑ کر دائیں سمت سفر کیا جائے تو خوفناک درندوں کے مسکن نظر آتے ہیں اور دائیں سمت چھوڑ کر بائیں سمت سفر کرو تو ان خوفناک دلدلوں میں بنی ہوئی پگڈنڈیوں سے گزرنا ناممکن ہے۔ کتنی ہی بار ادھر جانے کے بارے میں سوچا لیکن زندگی بڑی پیاری ہوتی ہے اور میں مایوس ہو کر یہاں وقت گزار رہی ہوں۔''

''ایک عورت ہو کر تم نے بڑی ہمت کا ثبوت دیا۔ تمہارے تمام ساتھی موت کا شکار ہو گئے۔''

''ہاں اس لئے کہ وہ بہت بہادر تھے اور ہر وہ قدم اٹھا بیٹھے تھے جو عقل سے دور ہو۔ میں نہ تو اتنی عقلمند تھی اور نہ ہی بہادر۔'' اس نے کہا اور ہنس پڑی۔

بہرحال اس کی آمد نے ان لوگوں کے انداز میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کی تھی اور وہ اس کی داستان سن کر خاصے متاثر ہوئے تھے۔ کارلائل کے ذہن میں ایک سوال آیا اور اس نے فوراً ہی کہا۔

''ایک بات بتاؤ سلیک، ہم نے کچھ کشتیاں ان چٹانوں کے اس طرف دیکھی ہیں ان کے اطراف میں انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے ہیں کیا تم ان کے بارے میں کچھ بتا سکتی

ہو؟''

اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں' وہی جیالے جو دولت کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے ادھر آ نکلے تھے۔ سمندر کا پانی کچھ خاص دنوں میں ان چٹانوں کو عبور کر لیتا ہے اور اس ریتلی زمین تک پہنچ جاتا ہے اور کشتیاں با آسانی ان چٹانوں کے اوپر سے گزر کر یہاں تک آ جاتی ہیں جس جگہ تم بیٹھے ہوئے ہو۔ کبھی کبھی یہاں پانی اتنا اونچا ہوتا ہے کہ تم اس میں لانچیں چلا سکتے ہو۔''

یہ الفاظ ان لوگوں کیلئے بڑے سنسنی خیز تھے۔ بہرحال سلیک کو انہوں نے اپنے درمیان قبول کر لیا۔ جب سلیک سے اس بارے میں سوال کیا تو اس نے آہستہ سے کہا۔

''موت کا انتظار تھا اور جینے کی خواہش اب یہ سب کچھ جو کچھ بھی نتیجہ پیش کرے منظور تو کرنا ہی ہوگا۔ ویسے تم لوگوں نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''بس ایک بڑی لانچ میں ہم سمندر سے سفر کرتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔''

''لانچ کہاں ہے؟''

''ان چٹانوں کے پاس جن کا رنگ کالا ہے۔''

''خوش نصیب ہو تم' بہت خوش نصیب' ورنہ ایسی لانچیں اگر ان چٹانوں سے ٹکرائیں تو ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔''

''سلیک' سمندر کی جانب سے تو ہم آئے ہیں اس سے آگے کی سمت ہم سفر کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی طریقہ ممکن ہے۔''

''زندگی کی بازی لگا کر اس طرف جا سکتے ہو' اگر تم مجھے اپنے ساتھ رکھنا پسند کرو تو تمہاری رہنمائی کر سکتی ہوں چونکہ اس طویل عرصے میں اتنی دور دور تک نکل گئی ہوں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

سلیک کو اپنے درمیان قبول کر لیا گیا تھا۔ دن گزرا' رات ہوئی تو شہروز منگل کے پاس آ کر لیٹ گیا اور اس نے آہستہ سے کہا۔

''یہ عورت کچھ مشکوک نظر آتی ہے۔''

''سلیک کی بات کر رہے ہو۔'' منگل نے سوال کیا۔

''عورت کی بات کر رہا ہوں اور عورت صرف ایک ہی ہے۔''

''کیوں' مشکوک کیوں ہے؟''

''جو اس نے حلیہ بنا رکھا تھا اور جس طرح وہ یہاں زندہ رہی ہے یہ ایک عورت کے بس کی بات نہیں ہے۔ خیر اگر وہ غلط بھی ہے تو ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گی۔''

''اور کوئی خاص خیال ہے تمہارے ذہن میں۔''

''کوئی خاص نہیں۔''

بہرحال اس کے بعد شہروز نے اس بارے میں اور کچھ نہیں کہا۔ دوسرے دن جب سورج سروں پر پہنچا تب ان کی آنکھ کھلی۔ سلیک بھی جاگ رہی تھی اور ایک چٹان سے ٹیک لگائے خلا میں گھور رہی تھی۔

شہروز نے اس سے اس کے زخم کے بارے میں پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

''بے حیثیت ہے یہ زخم' کیونکہ اس کے نتیجے میں مجھے تم جیسے اچھے لوگ مل گئے ہیں۔''

''ہم آگے سفر کرنا چاہتے ہیں کیا تم ہمارا ساتھ دو گی۔''

''اگر تم پسند کرو۔''

''ہم نے پسند تو کر لیا ہے صرف تمہاری کیفیت کی وجہ سے پوچھ رہے ہیں۔''

''نہیں میں اگر اتنی معمولی تکلیف کو برداشت نہ کر سکتی تو اتنے عرصے ان ویرانوں میں تنہا زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔''

بہرحال جب سفر شروع ہوا تو ان لوگوں نے سلیک کو بھی بڑے عام سے انداز میں چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ بدستور ان کی رفتار کا ساتھ دے رہی تھی اور ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔ جس جگہ وہ سفر کر رہے تھے وہ بلندی پر جاتی تھی لیکن بلندی کچھ اس طرح کی تھی کہ محسوس نہیں ہوتا تھا البتہ جب وہ بلندی پر پہنچے تو وہاں سے انہوں نے ڈھلان دیکھے اور ان ڈھلانوں میں جنگل اور دلدلیں بکھری ہوئی تھیں۔ یہ لوگ نیچے اترے بغیر بلندی پر ہی سفر کرتے رہے۔ سفر کی رفتار بے شک تیز نہیں تھی لیکن اتنی دور نکل آئے تھے کہ اب سمندری ہواؤں کی نمی بھی انہیں نہیں چھو سکتی تھی۔ بہرحال شام ہو گئی اور اس کے بعد ان کے سامنے ڈھلان ہی ڈھلان بکھرے ہوئے تھے لیکن یہ ڈھلان ناقابل عبور نہیں تھے اور ان کے دوسری جانب جنگل پھیلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ بائیں سمت کافی دور ہٹنے کے بعد سپاٹ سے میدان تھے جہاں ڈھکی ہوئی شام میں ہلکا ہلکا دھواں فضا میں چکرا رہا تھا۔

''آہا' کوئی بستی' ہری ناتھ نے جلدی سے کہا۔''

''نہیں' یہ دلدلیں ہیں جو دھواں چھوڑتی ہیں۔ ان کے نیچے گندھک کے پہاڑ ہیں اور ان پہاڑوں کے نیچے دلدلیں گھومتی رہتی ہیں۔ ان میں چھوٹے چھوٹے بلبلے بنتے ہیں اور گندھک کا دھواں فضا میں بلند ہو جاتا ہے۔ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ یہ دلدلیں کس قدر خوفناک ہوتی ہیں۔ اکثر ان دلدلوں کے نیچے آتش فشاں بھی ہوتے ہیں اور بعض جگہ یہ اس قدر

گھولتی ہوئی ہوتی ہیں کہ اگر تم اس میں اپنی انگلی ڈال دو تو تمہاری انگلی جھلس کر کوئلہ ہو جائے۔

"واقعی ہم لوگ ان کی تپش بھی محسوس کر رہے ہیں۔ کیا خیال ہے رات کو یہاں قیام کے بعد کل دن کی روشنی میں ان ڈھلانوں کو عبور کیا جائے گا اور پھر ہم لوگ جنگل میں داخل ہوں گے۔"

یہاں دور دور تک چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان چٹانوں میں زیادہ غار تو نظر نہیں آ رہے تھے لیکن بہرصورت کہیں کہیں وہ کھوکھلی محسوس ہوتی تھیں۔ انہوں نے ایک بہت بڑی چٹان منتخب کی۔ آج ان کے پاس جلانے کیلئے کوئی چیز نہیں تھی البتہ دل میں یہ احساس ضرور تھا کہ جنگل کی سمت سے جنگلی جانور اس طرف آ سکتے ہیں۔ سلیک سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔

"ہاں! جنگل میں درندے موجود ہیں لیکن وہ ان ڈھلانوں کو عبور کر کے کبھی چٹانوں تک نہیں آئے۔"

"کیوں......؟"

"میں نہیں جانتی، میں نے کبھی کسی درندے کو اس جگہ نہیں دیکھا ورنہ شاید میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتی تھی۔"

"ٹھیک، لیکن اس کے باوجود پہرہ سخت ہونا چاہیے۔"

درندوں کے خیال کے ساتھ زرق نے آج رات پہرے کا خاص انتظام کیا تھا۔ اس کے بعد پہریداروں کو ان کی ڈیوٹی پر متعین کر کے رات کے کھانے سے فراغت حاصل ہوئی اور یہ لوگ گہری نیند سو گئے۔ تھکن ہر احساس سے بے نیاز کر دیتی تھی۔ بدن کے نیچے پتھریلی چٹانیں اور کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے پتھر بھی ہوا کرتے تھے جن کی وجہ سے صبح کو جسم پر گڑھے نظر آتے اور ان گڑھوں میں کھجلی ہو رہی ہوتی تھی لیکن دن بھر کی تھکن اس قدر شدید ہوتی تھی کہ سوتے ہوئے کبھی آنکھ نہیں کھلتی تھی۔ بہرحال اس وقت رات کا جانے کونسا پہر تھا جب ایک چیخ فضا میں لہرائی اور منگل جاگ اٹھا۔ آخری رات کا چاند آسمان پر کھلا ہوا تھا اور اس کی مدھم روشنی نے ماحول کو جگمگا رکھا تھا۔ منگل چندھائی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس نے دونوں کہنیاں زمین پر ٹکائیں اور ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتا رہا لیکن ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ سب سو رہے تھے۔ کچھ دیر تک منگل نیند کے عالم میں گردن اٹھائے ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ لیکن لیٹے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دوبارہ ذہن نیند کی آغوش میں پہنچا بھی نہیں تھا کہ بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر عجیب و غریب وحشیانہ چیخیں ابھرنے لگیں۔ اب شک و شبے کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ اچھل کر بیٹھ گیا لیکن اسی

وقت اچانک اس کی گردن سے کوئی ٹھنڈی سی چیز آ کر لگی۔ اس نے وحشت زدہ انداز میں پلٹ کر دیکھا وہ سلیک تھی جس کے پاؤں بالکل سیدھے تھے اور وہ اطمینان سے تنی ہوئی کھڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی ٹانگ کا زخم اچانک ٹھیک ہو گیا ہو لیکن اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی نال منگل کی گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔ منگل کیلئے یہ منظر ناقابل یقین تھا لیکن آس پاس دوسرے ناقابل یقین منظر بھی بکھرے ہوئے تھے۔ کچھ اجنبی چہرے نظر آ رہے تھے جن کی تعداد کافی تھی اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ سب کے سب سوتے ہوئے لوگوں پر رائفلیں تانے ہوئے تھے اور سونے والوں کو ٹھوکریں لگا لگا کر جگانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ منگل کیلئے یہ منظر خواب جیسا تھا۔ بھلا اتنے سارے لوگوں کی یہاں موجودگی کیسے ممکن تھی۔ اس ویرانے میں تو سلیک کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ وہ لوگ بھی سلیک ہی کی شکل وصورت کے تھے۔ ایک لمحے کیلئے منگل ٹپٹا کے رہ گیا۔ ایک لمحے کیلئے اس کے حواس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جنگل کی زندگی اور اس سے پہلے اپنی بستی کا ماحول، دنیا کتنے حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ کیسے کیسے انداز ہیں کیا کچھ دیکھنے کو مل رہا ہے لیکن یہ تجربہ ہے کہ بعد کی زندگی کیسے گزرے گی۔ منگل نے اپنے ذہن میں بہت سے فیصلے کیے ہوئے تھے کہ کس طرح اسے زندگی گزارنی ہو گی بہرحال سلیک کے ساتھ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے بڑا اچھا سلوک کیا تھا۔ بہت ہمدردی کی تھی اس کے ساتھ لیکن سلیک کیا چیز تھی دوسرے لوگ بھی آہستہ آہستہ جاگ گئے تھے اور اب اس خوفناک لمحے سے مکمل طور پر روشناس ہوتے جا رہے تھے۔ بہرحال ان لوگوں نے ان پر مکمل طور پر قابو پا لیا اور ان رسیوں کے ٹکڑوں سے جو انہی کے پاس موجود تھے ان کے ہاتھ پشت پر کس دیئے۔ اتنی سختی سے کسے تھے انہوں نے ان کے ہاتھ کہ انہیں اپنے ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ان کے پاس لمبے لمبے چھرے تھے جو مخصوص طرز کے بنے ہوئے تھے۔

منگل نے نگاہیں گھما کر ان دو پہریداروں کو دیکھا جنہیں رات کی ڈیوٹی سونپی گئی تھی لیکن وہ تھوڑے فاصلے پر بیہوش پڑے ہوئے تھے اور ان کے سروں سے خون بہہ رہا تھا۔ منگل کو اندازہ ہو گیا کہ کوئی گہرا ہی چکر ہے۔ سلیک نے جو کہانی سنائی تھی وہ بالکل فراڈ تھی۔ بہرحال ان سب کو ایک جگہ بٹھا دیا گیا۔ اب وہ لوگ مکمل طور پر ان پر قبضہ جما چکے تھے اور ان کا سامان بھی ان کی تحویل میں تھا۔ منگل نے گردن گھما کر دیکھا تو اسے شہروز اپنے قریب ہی نظر آیا۔ اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہ لڑکی مجھے مشکوک نظر آتی ہے۔"

منگل نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ذہنی طور پر تھوڑا سا الجھا ہوا تھا۔

بہرحال رات گزرتی رہی پھر دن کی روشنی نمودار ہونے لگی اور ماحول جاگ اٹھا۔

انہوں نے اپنے اردگرد پھیلے ہوئے لوگوں کو دیکھا اور جب ان پر غور کیا تو ان کے حواس
ہونے لگے۔ اب انہیں اندازہ ہوا تھا کہ وہ سب عورتیں ہیں۔ لمبے قد و قامت کی مالک با
سلیک جیسی' ان کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے اور ان کے جسم گرد آلود تھے۔ بعض
نقوش تو بے حد دلکش تھے اور انہیں دیکھ کر یہ بالکل احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی طرح
مہذب ماحول سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ان کے وحشت زدہ چہرے بہت ہی خوفناک محسوس ہو
تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ لوگ اپنے طور پر مصروف رہے اور اس کے بعد سلیک ان کے قریب
گئی۔

''اٹھو تم لوگوں کو آگے چلنا ہے۔''

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے سب کے سب کھڑے ہو گئے اور
زرق سے نہ رہا گیا' اور اس نے کہا۔

''تم بہت اچھی انسان ہو سلیک' ہم نے تمہارے ساتھ شاید اچھا ہی سلوک کیا
لیکن ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ تم نے ہمیں گرفتار کیوں کیا ہے۔''

''جان لو گے' چلو آگے چلو۔''

سب اس بات کا اندازہ لگا چکے تھے کہ یہ وحشی عورتیں کوئی بھی عمل کر سکتی ہیں
انہوں نے ان کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ آخر کار ان کی ہدایت پر یہ سب کے سب ڈھلانوں
جانب چل پڑے۔

☆......☆......☆

خوفناک چٹان کافی دشوار گزار تھی لیکن وہ ہمت کے ساتھ چلتے رہے۔ یہ ڈھلان کہیں
کہیں کٹاؤ کی شکل میں بھی تھی۔ ایسے ہی ایک کٹاؤ کے سامنے ایک بڑا سا چوکور سوراخ نظر آ
جس کے بارے میں سو فیصد یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ انسانی ہاتھوں کی تراش ہے۔ سلیک
نے انہیں یہاں رکنے کا اشارہ کیا اور اس طرف انگلی اٹھاتی ہوئی بولی۔

''یہ ہماری پناہ گاہ ہے اس غار کے دوسری طرف انتہائی کشادہ غار ہے اور ہم لوگ
اسی غار میں رہتے ہیں۔ تم لوگ یہاں بیٹھ جاؤ۔ غار میں تمہارے لئے گنجائش نہیں نکلے گی۔ آ
تمہیں تمہارا ٹھکانہ بتا دیا جائے۔''

منگل اور دوسرے لوگوں نے ان کی اس ہدایت پر بھی عمل کیا تھا لیکن وہ سمجھ نہیں
رہے تھے کہ یہ لوگ ہیں کیا چیز۔ اتنی ساری عورتوں کا یکجا ہونا اور پھر سب کی سب ایک اندا
کی۔ وہ بہت عمدگی سے انگریزی زبان بول رہی تھیں۔ آپس میں بھی وہ اسی زبان میں باتیں
رہی تھیں اور ان کی تمام باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ بہرحال یہ لوگ ان چٹانوں کے پاس پہ

گئے۔ سلیک نے کچھ لوگوں کو اشارہ کیا اور وہ ساری عورتیں جنہیں اشارہ کیا گیا تھا غار میں داخل
ہو گئیں۔ پھر جب وہ وہاں سے برآمد ہوئیں تو ان کے پاس لمبے لمبے کھونٹے تھے جو لوہے کے
بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ کھونٹے زمین میں گاڑھنا شروع کر دیئے۔ منگل غور سے ان کی
تمام کارروائیوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان لوگوں کے پاس اس قسم کا کافی ساز و سامان معلوم ہوتا تھا۔
کھونٹے گاڑنے کے بعد انہوں نے ان کے ہاتھوں کی بندی ہوئی رسیاں ان کھونٹوں سے باندھ
دیں اور اس طرح یہ سارے انسان جانوروں کی طرح کھونٹوں سے باندھ دیئے گئے تھے۔ فی
الحال ان لوگوں کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ اپنا بچاؤ کرتے۔ اس کے علاوہ
شاید منگل' زرق اور دوسرے تمام لوگ ان کا مقصد بھی جاننا چاہتے تھے۔ اول تو یہ فیصلہ کرنا ہی
مشکل ہو گیا تھا کہ یہ وحشی عورتیں ہیں کیا چیز؟ انہیں اپنے جسموں کی' اپنے انداز کی ذرہ برابر
پرواہ نہیں تھی۔ بدن کے جھولتے ہوئے چیتھڑوں سے ان کے نقوش نمایاں تھے لیکن یوں لگتا تھا
جیسے وہ اس پر غور ہی نہ کر رہی ہوں اور پھر ان کے چہروں کی وحشت' ان چہروں پر نگاہ ڈال کر
ایک دم سے دل میں خوف پیدا ہوتا تھا۔

بہرحال پھر وہ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئیں۔ وہ سب ادھر ادھر بکھر گئی
تھیں۔ ان میں سے کچھ غار کے اندر چلی گئی تھیں اور کچھ باہر تھیں جو شاید ان کی نگرانی کر رہی
تھیں۔ رائفلیں وغیرہ انہوں نے سب اندر رکھ دی تھیں لیکن ان کے پاس لمبے لمبے چاقو نظر
آ رہے تھے جو ان کی کمر سے لٹکے ہوئے تھے اور غالباً کسی درخت کی چھال کی رسی بنا کر انہیں کمر
میں باندھا گیا تھا۔ دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ چاقو کیسے ہوں گے۔

بہرحال سورج سروں تک پہنچ گیا اور دھوپ کافی تیز ہو گئی۔ انہیں اپنے بدن کے
کھلے ہوئے حصے جھلستے محسوس ہو رہے تھے۔ پیاس کی شدت سے حلق میں کانٹے پڑے جا رہے
تھے۔ حالانکہ ان کے اپنے سامان میں پانی کی کافی مقدار موجود تھی لیکن اب ان کا سامان بھی ان
کے پاس نہیں تھا۔ کافی دیر کے بعد سلیک نظر آئی تو منگل نے اسے آواز دی وہ رک کر اسے
دیکھنے لگی۔

''ہاں بولو کیا بات ہے؟''

''سلیک' کیا تم ہمیں یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ کیا تم نے ہمیں اس جگہ مار دینے کا فیصلہ
کیا ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو کیوں نہ تم ہماری رائفلوں کی گولیاں ہمارے سینوں میں اتار دو۔''

''اس بکواس کی وجہ بتاؤ۔''

''ہم بھوکے بھی ہیں اور پیاسے بھی۔ بھوک تو برداشت کی جا سکتی ہے لیکن پیاس
برداشت نہیں ہوتی۔''

"نہیں، تمہیں ابھی پانی دیا جاتا ہے۔ خوراک صرف ایک وقت ملے گی۔ پانی کا معقول انتظام ہے لیکن ہمارے پاس زیادہ خوراک نہیں ہے۔ میں تمہیں پانی بھجواتی ہوں،" سلیک نے کہا اور واپس غار میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد ان لوگوں کو پانی پلایا گیا۔ یہ پانی انہی کے برتنوں میں انہیں دیا گیا تھا۔ سلیک تھوڑی دیر کے بعد اس کے قریب بیٹھ گئی۔ منگل نے اس سے کہا۔

"اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی سلیک، تم لوگ اچھی خاصی شخصیت کی مالک ہو لیکن جانوروں کی طرح زندگی کیوں گزار رہی ہو۔"

"جانور" سلیک نے کہا اور بے اختیار ہنس پڑی۔" پھر بولی۔

"ہاں بڑی مشکل سے ہم جانور بنے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اپنا جانور ہونا اتنا پسند ہے کہ اب ہم اس مہذب دنیا پر تھوکنا بھی نہیں چاہتے۔"

"کتنے عرصے سے تم یہاں پر آباد ہو۔" زرق نے سوال کیا۔

"ہم دن، مہینے، سال نہیں گنتے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کچھ عرصے پہلے بچے تھے اور اب جوان ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے تم اس عورت کو دیکھو گے جو ہمارے پچھلے دور سے تعلق رکھتی ہے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"مگر میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں سلیک۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں بہت پرانی بات ہے اتنی پرانی کہ ہم یقین نہیں کر سکتے۔ ہمارا جہاز یونان سے چلا تھا اور ایک لمبا سفر طے کر کے ہمیں الجزائر پہنچنا تھا۔ جہاز پرانے قسم کا تھا اور اس کے ذریعے یہ طویل سفر خطرے کا باعث ہی نظر آتا تھا لیکن ہم اس جہاز کا سفر کرنے پر مجبور تھے کیونکہ ہمیں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ بے شمار افراد اس جہاز میں سوار تھے لیکن سمندر میں ہمارا جہاز طوفان کا شکار ہو گیا۔ ہم انتہائی ہیبت ناک سفر طے کر کے یہاں تک پہنچے۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور ڈونگیاں ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں اور لاتعداد افراد موت کا شکار ہو گئے جو زندہ بچے وہ یہاں تک آنے میں کامیاب ہو گئے۔ سبھی لوگ تھے ہم کسی نہ کسی طرح ان چٹانوں کو عبور کر کے یہاں آ گئے۔ اس وقت ہم شدید خوف کا شکار تھے۔ ہم نے یہاں قیام کیا۔ کھانے پینے کی کوئی چیز ہمارے پاس نہیں تھی۔ چنانچہ مجبوراً ہمیں ان جنگلوں میں داخل ہونا پڑا لیکن جنگلوں میں وحشی جانوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ وہ ہم پر حملہ آور ہوئے اور ہم میں سے بے شمار افراد کو انہوں نے چیر پھاڑ کر ہلاک کر دیا۔ ہم افراتفری کے عالم میں واپس اسی جگہ پہنچ گئے۔ بہرحال یہاں ہم نے قیام کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ جانور ڈھلان عبور کر کے یہاں تک نہیں آتے البتہ جب ہم جنگلوں میں نیچے جاتے ہیں یہ ہم پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ ان کے اور

ہمارے درمیان ایک طویل جنگ چل رہی ہے اور اب تو ان کی تعداد بہت کم رہ گئی ہے۔ ہم نے ان میں سے بے شمار جانور ہلاک کر دیئے ہیں کیونکہ ہمیں خورک انہی جنگلوں سے حاصل کرنی پڑتی ہے۔ ہم ہر قسم کے جانوروں کا شکار کر کے کھا لیتے ہیں۔ لیکن یہ جانور اتنے کم رہ گئے ہیں کہ ہمیں کوئی شکار نہیں ملتا۔ چنانچہ جنگلی پھل اور گھاس پھوس پر گزارہ کرنا پڑتا ہے اور پھر ہم میں سے کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو ہم اسے اپنی غذا بنا لیتے ہیں۔

"کیا مطلب......؟" منگل بری طرح چونک پڑا۔

اور سلیک کے ہونٹوں سے ایک مکروہ قہقہہ ابل پڑا۔

"ابھی تو بات بہت باقی رہ گئی ہے تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ہم عورتیں ہی عورتیں کیوں ہیں؟"

"ہاں، مجھے اس بات پر حیرت ہے۔"

"جتنے لوگ بچے تھے جب ان کے پیٹ میں غذا پہنچی تو انہوں نے دوسرے حالات پر غور شروع کر دیا۔ وحشت اور بربریت کے ایسے ایسے واقعات ہوئے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو بھی ہوس کا نشانہ بنا دیا گیا تب یہ طے کیا گیا۔ کہ سارے مردوں کو ختم کر دیا جائے اور ہم نے ایسا ہی کیا۔ ہم سے مراد ان سے ہے جو یہاں بڑی تھیں۔ ہم تو چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور بعد میں جوان ہوئے۔ بہرحال ہفتوں یہ سارے سلسلے چلتے رہے۔ خوفناک دلدلیں اور بے شمار زندہ مسائل ہمارے سامنے تھے اور اب ہم یہاں رہتے ہیں۔ ان جنگلوں کا حال یہ ہے کہ یہاں آگے چل کر بے پناہ مشکلات بکھری ہوئی ہیں۔ جنگلوں کے دوسری طرف انسانی آبادی بھی ہے لیکن ہم ان سے دور رہتے ہیں۔ ان کی روائتیں ہم سے بھی زیادہ خوفناک ہیں پھر ضروری تھا کہ ہم اپنے یہاں رہنے کا بندوبست کریں چنانچہ ہم نے ان چاقوؤں کی مدد سے بھالے بنائے اور جنگلوں میں گھس گئے۔ پہلی بار ہم نے کچھ جانور شکار کیے اور ان سے ہمارا پیٹ بھر گیا۔ اب یہی سلسلہ تھا ہم جنگلوں میں گھستے اور جو بھی ذی روح ہمارے سامنے آتا ہم اسے ہلاک کر کے لے آتے اور ہم اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے۔ اسی طرح ہم نے پانی حاصل کرنے کیلئے ایک بڑا کنواں کھودا جو اس غار کے اندر ہے۔ اس کنویں میں سے بہترین پانی مل جاتا ہے لیکن خوراک کا مسئلہ ابھی باقی ہے۔ ہم اکثر بھوکے رہتے ہیں۔ ہم میں سے دو چار جانوروں کا شکار کرتے ہوئے خود بھی ان کا شکار بن جاتے ہیں۔ کئی سال گزر چکے کہ ایک گروہ نے ان جنگلوں میں داخل ہو کر دلدلوں کا رخ کیا اور کافی افراد ان میں سے موت کا شکار ہو گئے پھر ہماری تعداد کم سے کم ہوتی چلی گئی چونکہ ہمارے ہاں نسل کے آگے بڑھنے کا کوئی انتظام نہیں ہے اس لئے ہم نے ایک لائحہ عمل مقرر کیا۔ ہم نے یہ غار اسی لیے بنایا

کہ اس میں ہم اپنی محفوظ پناہ گاہ تیار کریں۔ غار اندر سے بہت کشادہ نہیں ہے لیکن ہم جتنے لوگ ہیں ان کیلئے کافی ہے۔ عام طور سے لوگ یہاں ہی زندگی گزارتے ہیں۔ ہاں اس وقت جب جنگلی درندوں کی یلغار ہو یا پھر اس علاقے کے خوفناک جانور ادھر آنکلیں ہم ان غاروں میں پناہ لیتے ہیں۔ ابھی تک ہماری مقامی لوگوں سے جنگ نہیں ہوئی چونکہ ہمارے پاس جنگ کرنے کیلئے مناسب ہتھیار نہیں تھے لیکن کبھی کبھی یہ ہوتا ہے اس وقت جب یہ قبیلے آپس میں جنگ کرنے لگیں اور شکست خوردہ لوگ فرار حاصل کر کے ادھر آنکلیں تو ہمیں ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال ہم اپنا قانون الگ بنائے ہوئے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آخرکار ہماری نسل ایک دن ختم ہو جائے گی لیکن جب تک ہم زندہ ہیں اسی انداز میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک تصور چلا آرہا ہے کہ باہر کی دنیا بہت خراب ہے اور اس دنیا میں چھٹکارا حاصل کرنا بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ ہم اپنے طور پر یہ زندگی گزار رہے ہیں۔

"تم نے ابھی کہا تھا کہ ہم ہر چیز کھا لیتے ہیں۔"

"ہاں یہ بات تمہارے لئے باعث دلکشی ہوگی کہ جب بھی ہم میں سے کوئی عورت مر جاتی ہے ہم اسے ضائع نہیں کرتے وہ ہمارے کام آتی ہے اور ہمارے لیے ایک عمدہ غذا کی حیثیت رکھتی ہے۔"

"گویا تم آدم خور ہو۔" منگل نے کہا۔

"جو کچھ بھی تم سمجھ لو کیا کہا جا سکتا ہے۔" وہ بولی۔

اور منگل گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ سوچتا رہا۔ ظاہر ہے یہ سنگین صورتحال بے حد خوفناک تھی۔ اگر اس کی گفتگو سے کوئی پوائنٹ نکل آئے تو زندگی کو درپیش خطرہ ٹالا جا سکتا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے۔ منگل نے کہا۔

"ایک بات اور بتاؤ جب تم مجھے سب کچھ بتانے پر آمادہ ہو ہی گئی ہو تو میں تم سے ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں۔

"ہاں پوچھو۔"

"یہ بندوقوں کا استعمال تم نے کہاں سے سیکھا؟"

"ہم تو وہ زبان بھی جانتے ہیں جو تم لوگوں سے رابطے کا ذریعہ ہو اور نہ صرف یہ بلکہ میری تمام ساتھی بھی یہ زبانیں جانتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے مانتا ہوں میں لیکن بندوقوں کا استعمال۔"

"ہاں، جب ہم یہاں آئے تھے تو ہمارے بزرگوں کے پاس یہ آتشی اسلحہ موجود تھا بس سمجھ لو کہ اس سے واقفیت ہے یہاں تھا نہیں ہمارے پاس لیکن تمہاری بدولت

سے یہ مسئلہ حل ہوا ہے۔ اب خاصا اسلحہ ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے اور ہم اسے چلانا بھی جانتے ہیں اس سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ مقامی لوگ جب ہم پر حملہ کریں گے تو اس بار ہم ان کا استقبال خوفناک دھماکوں سے کریں گے جو ان کے جسموں میں سوراخ کر دیں گے۔ سیلیک نے کہا اور پھر وہ خوب ہنسی۔

منگل خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ دوسرے لوگ بھی ادھر متوجہ تھے لیکن ادھر آتے نہیں تھے۔ زرق کچھ فاصلہ پر بیٹھا ہوا یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ منگل نے کہا۔

"تم نے ہماری خوراک پر قبضہ کر لیا ہے۔"

"نہیں وہ خوراک تمہارے ہی کام آئے گی چونکہ اب ہمیں اس خوراک کی ضرورت نہیں رہی ہے ہم اس کے عادی نہیں ہیں۔ ہمیں وہ پھیکی اور بے مزہ معلوم ہوتی ہے لیکن تمہارے لیے وہ ضروری ہے کیونکہ ابھی تمہیں زندہ رکھنا ہوگا۔"

سیلیک کے یہ الفاظ بڑے معنی خیز تھے۔ منگل ایک بار پھر گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ کبھی کبھی اس کے ذہن پر جھنجھلاہٹ سوار ہو جاتی تھی اور وہ یہ سوچتا تھا کہ زندگی میں سیدھے سیدھے کام سب سے آسان ہوتے ہیں۔ بے شک شیر دل مر گیا تھا اور اس کے بعد سے یہ احساس منگل کے دل میں بہت زیادہ ہو گیا تھا کہ دولت جمع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے زندگی بہت مختصر ہے۔ کام کی تکمیل ہو اور اس کے بعد زندگی ختم ہو جائے تو کسی بھی چیز کی تکمیل سے کیا فائدہ۔ اب وہ ان لوگوں کو بھی دیکھتا تھا مشکل ترین مسائل سے دوچار تھے کسی بھی جگہ موت آسانی سے ان کی گردن دبوچ سکتی تھی لیکن وہ خزانے کے حصول کیلئے اپنی زندگی داؤ پر لگائے ہوئے تھے اور ہر طرح کی مشکل کا سامنا کر رہے تھے۔ بہت دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا۔ زرق بھی شاید صورتحال کو سمجھ گیا تھا۔ دفعتہً منگل کو کچھ خیال آیا۔ اس نے شہروز کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ شہروز کی رسی اتنی بڑی نہیں تھی کہ وہ آسانی سے منگل کے پاس پہنچ سکتا۔ جہاں تک وہ آ سکتا تھا آیا اور اس سے آگے منگل خود اس کے قریب پہنچ گیا پھر اس نے کہا۔

"کیا کہتے ہو شہروز اب تمہارا علم اور تمہارا اطمینان کیا کہتا ہے؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں لیکن ایک بات میں جانتا ہوں کہ ہم اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ ہمیں وہاں پہنچنا ہے۔"

"دیکھو میں بیوقوفیوں کا قائل نہیں ہوں اگر تمہیں میں یہ بتاؤں کہ یہ عورتیں آدم خور ہیں زمانہ قدیم میں ان کا تعلق مہذب دنیا سے تھا لیکن اب یہ تہذیب کو بھول چکی ہیں چونکہ ان کا تعلق وہاں سے رہا ہے اس لئے تھوڑی بہت تہذیب ان کے اندر ہے لیکن اس حد تک کہ صرف مقامی زبان بول لیتی ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ سمجھ رہے ہو نا میری بات۔ یہ آدم خور ہیں اور تم

یقین کرو کہ تھوڑے عرصے کے بعد ہماری زندگی موت سے ہمکنار ہو جائے گی۔ فرض کرو تمہیں اگر اس بات کا یقین ہے کہ ہم اپنی منزل پر پہنچیں گے یا تم اپنی منزل پر پہنچو گے تو کم میں یہ بات نہ سوچوں کہ اس وقت تک میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوں گا اور کسی نہ کسی جگہ موت کا شکار ہو چکا ہوں گا اس لئے کہ صرف یہ فیصلہ کر کے ہمیں منزل تک پہنچنا ہے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔ آنے کو تو ہم تنہا بھی آ سکتے تھے لیکن دیکھ لو کیا ہوا ہے ہمارے ساتھ۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں سر' لیکن اب آپ مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں؟"

"ہاں' دیکھو دنیا بھر میں انسان ہوتے ہیں اور جیسے بھی ہوتے ہیں ان کی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ یعنی یہ خوراک' جنس اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ میری آنکھیں بہت تیز ہیں۔ میں کچھ نگاہوں کو تم پر مرکوز دیکھ چکا ہوں۔ وہ عورتیں ہیں انہوں نے اپنے جذبات سلا لیے ہیں لیکن کسی کے جذبات بھڑکانے میں بہت زیادہ مشکل پیش نہیں آتی۔ یہ کام تمہیں کرنا ہے۔ کسی بھی طرح انہیں اپنی جانب متوجہ کرو اور ان سے رابطہ قائم کرو تاکہ ہمیں آزادی نصیب ہو۔ شہروز حیران نگاہوں سے منگل کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"لیکن۔"

"نہیں یہ ایک مجبوری ہے شہروز' اور تمہیں یہ کرنا ہے۔"

"جی' لیکن آپ یقین کریں میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

منگل ہنس پڑا اور اس نے کہا۔

"مہذب دنیا میں اس عمل کو زیادہ مشکل حیثیت حاصل تھی لیکن یہاں یہ وحشی لڑکیاں صرف وقت کی زبان سمجھتی ہیں اور تمہیں اسی سے اپنا کام کرنا ہے۔

سورج چھپا تو ان لوگوں کیلئے خوراک آ گئی لیکن ان لوگوں کے ہاتھ نہیں کھولے تھے۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے ایک ایک کو خوراک کھلانے لگیں۔ وہ سب اپنے اپنے طور پر عمل کر رہی تھیں۔ دو لڑکیاں شہروز کے پاس پہنچ گئی تھیں اور منگل کی نگاہوں نے ان کا جائزہ لیا تو اسے احساس ہوا کہ دونوں لڑکیاں شہروز پر نثار ہو رہی ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکی اپنی جگہ سے اٹھی اس کا چہرہ انگارہ ہو رہا تھا۔ منگل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے محسوس کر لیا کہ شہروز اپنا کام دکھا چکا ہے لیکن زیادہ حیرت اسے اس بات پر ہوئی جب وہی لڑکی کچھ لمحوں کے ساتھ اس کے پاس واپس آئی۔ اس کے ہاتھ میں وہی لمبا سا چاقو تھا اور اس نے چاقو سے شہروز کی رسیاں کاٹ دی اور پھر اس کا بازو پکڑا اور اسے لے کر ایک طرف چل پڑی۔ منگل نے ایک گہری سانس لی تھی۔ زرق نے عقب سے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں میں نے آپ کی اور شہروز کی بات سن لی تھی لیکن اس لیے

خاموش رہا تھا کہ آپ نے مجھے اس پروگرام میں شریک نہیں کیا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کام بن گیا اور یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ عورت کسی بھی خطے میں ہو کیسی ہی حیثیت کیوں نہ رکھتی ہو لیکن عورت رہتی ہے۔

"تم جانتے ہو زرق یہ آدم خور عورتیں ہیں اور انہوں نے ہمیں خوراک کے طور پر محفوظ کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے ایک بھی شخص کم ہو جائے ہمیں ان کے چنگل سے نکل جانا ہے۔ بہر حال ہمیں بددل نہیں ہونا چاہئے۔ شہروز چالاک نوجوان ہے۔ وہ یقینی طور پر کام کر لے گا اور ایک بات اور سن لو شہروز جو کچھ کرے گا اس کے بعد ہمیں کسی کے ساتھ بھی رعایت سے کام نہیں لینا ہے جیسے ہی آتشی ہتھیار ہمارے ہاتھ آئیں ہم انہیں ان پر استعمال کر ڈالیں گے یہ بڑا ضروری ہے۔"

منگل ان سب کو ہدایت دیتا رہا اور سب کے سب اس عمل کیلئے تیار ہو گئے۔ اب سب کی امیدوں کا مرکز شہروز تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ ان لڑکیوں میں اتنی مفاہمت تھی کہ اگر کوئی کچھ کرنا چاہے تو اس کی راہ میں زیادہ رکاوٹیں نہ ڈالی جائیں۔ اس کا اندازہ اس عمل سے ہو رہا تھا کہ شہروز کو پسند کرنے والی لڑکی اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی البتہ شہروز کی کیا حالت ہو گی اس کا منگل کو کوئی اندازہ نہیں تھا۔

بہر حال شہروز واپس نہیں آیا۔ رات ہو گئی پھر ان کی خوراک انہی میں تقسیم کی گئی۔ اس سلسلے میں انہوں نے کافی نظم وضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔ لڑکیاں خوراک بانٹ رہی تھیں لیکن کیفیت وہی تھی کہ انہوں نے ان لوگوں کے نزدیک بیٹھ کر انہیں ان کا کھانا کھلایا تھا۔ رات کا نجانے کونسا پہر تھا منگل گہری نیند سو رہا تھا۔ حالانکہ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ رات کو سوئے گا نہیں کیونکہ اسے شہروز کی واپسی کا انتظار تھا۔ پھر شہروز واپس آ گیا۔ اس نے منگل کو جھنجوڑ کر جگایا اور منگل چونک پڑا۔ اس نے شہروز کو اپنے قریب دیکھا تو شہروز نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے چاقو سے منگل کی رسیاں کاٹ دیں اور منگل اپنی کلائیوں کو مسلنے لگا۔ اس نے سرگوشی میں کہا۔

"گویا ہماری کوششیں کامیاب رہیں۔"

"ہاں' شہروز نے عجیب سے لہجے میں کہا۔"

"کیوں' خیریت کیا بات ہے؟"

"نہیں کچھ نہیں' میں نے قتل کرنے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں تھا لیکن اس لڑکی کو ہلاک کر دینا پڑا۔ یہ اسی کا چاقو ہے اور اس کے خون میں ڈوبا ہوا ہے۔"

"بہر حال جلدی کرو ایک بات بتاؤ ہماری رائفلیں کہاں چھپی ہوئی ہیں؟"

''اس وقت وہاں تین عورتیں موجود ہیں۔ یہ غالباً رات کی پہریدار ہیں لیکن سب کی سب بدمست ہیں۔ رائفلیں حاصل کی جاسکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان عورتوں کو اس طرح قتل کیا جا سکے کہ ان کی آواز نہ نکلے اور دوسری نہ جاگ جائیں۔ وہاں تو کافی تعداد موجود ہے ہم نے تو سوچا بھی نہ تھا بلکہ حیرت ہو رہی ہے کہ ان میں سے اکثر باہر کیوں نہیں آئیں۔ آنے والی تو یہ چند ہی تھیں۔''

''تم نے غور نہیں کیا شہروز میں نے غور کیا تھا۔ پہلے جن عورتوں کو میں نے دیکھا تھا ان کے چہروں کے نقوش مختلف تھے اور اب جو میں نے دیکھا ہے ان کے چہرے الگ ہیں۔''

''ہم اس کا مطلب ہے کہ ہمیں خاصی محنت سے کام لینا ہوگا۔''

کارلائل! تم' میں' شہروز اور دو آدمیوں کو لے کر جاتے ہیں۔ ہم پانچ آدمی اس غار میں داخل ہوکر اسلحہ اپنے قبضے میں کریں گے۔ اسلحہ اگر ہمارے قبضے میں آ جائے تو پھر ان سے نمٹا جا سکتا ہے کیونکہ ان کے پاس اور اسلحہ نہیں ہے مگر ایک بات کا خیال رکھنا کہ ان تین عورتوں کو ایک دم قابو کر کے ختم کر دینا ہے۔ اگر ان میں سے ایک کی آواز نکل گئی تو شاید ہم اتنی برق رفتاری سے کامیاب نہ ہوسکیں۔ سب نے اس سلسلے میں اتفاق کیا تھا اور پھر تمام لوگوں کو چوکنا کر دیا گیا۔ مزدور اس طرح بیٹھ گئے تھے جیسے اب بھی ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوں۔

ایسا اس لیے کیا گیا تھا کہ اگر اتفاق سے وقت سے پہلے کوئی عورت باہر نکل آئے تو یہی سمجھے کہ وہ سب کے سب اپنی جگہ موجود ہیں اور بندھے ہوئے ہیں پھر اس کے بعد منگل سمیت زمین پر رینگتے ہوئے غار کی جانب چل پڑے۔ شہروز ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ وہ اس طرح غار میں داخل ہوا تھا کہ غار میں آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ سب نے اس کی تقلید کی۔ غار میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ سونے والوں کے گہرے گہرے سانس سنائی دے رہے تھے۔ وہ ان کی سمت بڑھنے لگے۔ شہروز منگل کے بالکل قریب تھا اور غالباً تاریکی میں دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا۔ باقی لوگوں نے بھی اپنے اپنے سانس تک روکے ہوئے تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ان کی آنکھیں بھی تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہوگئیں۔ چنانچہ انہوں نے ان تینوں وحشی عورتوں کو دیکھا جو الٹی سیدھی پڑی سو رہی تھیں۔ وہ دبے قدموں ان کے سروں پر پہنچ گئے اور پھر پروگرام کے تحت انہوں نے اچانک اس طرح ان پر حملہ کیا کہ ان کی آوازیں نہیں نکل سکیں۔ ان لوگوں کا ایک ایک ہاتھ ان کے منہ پر جما تھا اور دوسرے گردن پر اور ان کی گردنوں پر انہوں نے اپنی تمام تر جسمانی قوتیں صرف کر دی تھیں۔ بلاشبہ یہ آسان کام نہیں تھا لیکن انہوں نے انہیں قابو کر لیا تھا۔ اگر یہ عورتیں جاگ رہی ہوتیں تو شاید ان کے قابو میں نہ آتیں کیونکہ انسان کا گوشت کھانے اور اس وحشت ناک ماحول میں رہنے کی وجہ سے ان کے جسموں میں بے پناہ قوت پیدا

ہوگئی تھی۔ بہرحال وہ سب پھر بھی حرکت کر رہی تھیں اگر وہ نیند میں نہ ڈوبی ہوتیں تو شاید انہیں بڑی مشکل پیش آتی۔ بہرحال ان تینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور پھر ان کے سر زور زور سے پکڑ کر زمین سے ٹکرائے۔ اس طرح کہ زمین ان کے خون سے رنگین ہو جائے۔ بہرحال یہ پورا اطمینان کر لیا گیا تھا کہ وہ زندہ تو نہیں ہیں اور اس وقت شہروز نے انہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اسلحہ تک پہنچ گئے۔ اسلحہ دوبارہ ہاتھ میں آ جانے سے ان کی خوشیوں کی انتہا نہیں رہی تھی۔ پہلی بنیادی غلطی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ان کا اسلحہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن اس سفر کیلئے یہ انتہائی اہم چیز تھی جسے ساری چیزوں پر فوقیت دینی چاہئے تھی۔ بہرحال اپنا یہ مشن سرانجام دینے کے بعد وہ باہر نکل آئے اور انہوں نے اس اسلحہ کو ان تمام افراد تک پہنچا دیا جو اسے استعمال کر سکتے تھے۔ بہرحال یہ ایک بڑی کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اس کے بعد طے کر لیا گیا تھا کہ آگے کیا کرنا ہے۔ خاص طور سے اس غار کو نشانہ بنانا تھا اور صورتحال اس طرح کنٹرول میں لینی تھی کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ چنانچہ ایسی چٹانوں کا انتخاب کیا گیا جن کے پیچھے مورچے بنائے جا سکیں۔ بہرحال یہ ساری کارروائی ہوتی رہی اور رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ یہ تمام لوگ بڑی عمدگی کے ساتھ اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے تیار تھے۔

یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوئی تھی۔ منگل کے سوا باقی لوگ شاید کسی کی زندگی نہیں لینا چاہتے تھے۔ خود شہروز نے جو کچھ کیا تھا اس سے وہ خاصا بددل نظر آ رہا تھا لیکن مجبوری تھی کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا اور جہاں تک منگل کی بات تھی تو منگل کیلئے زندگی اور موت کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ خاص طور سے دوسروں کی زندگی اور موت۔ بہرحال وقت گزرتا رہا اور صبح کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ ابھی روشنی پوری طرح نمودار بھی نہیں ہوئی تھی کہ چار عورتیں غار سے باہر نکلیں اور اس جانب بڑھیں جہاں تھوڑی دیر پہلے تمام لوگ کھونٹوں سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ پروقار انداز میں چلتی وہاں تک پہنچی تھیں اور پھر ان کی نگاہ خالی کھونٹوں پر پڑی۔ وہ ایک دم چیخ پڑی تھیں لیکن ان کی چیخ کے ساتھ چار رائفلوں سے گولیاں ابھری اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگئیں۔ ان کے بدن تڑپ رہے تھے۔ فائروں کی آوازوں سے ظاہر ہے دوسری وحشی عورتوں کو بھی تشویش ہوئی ہوگی چنانچہ چند ہی لمحات کے بعد غار کے دہانے سے عورتیں اگلنے لگیں۔ یہ بات منگل' شہروز اور ان کے ساتھی جانتے تھے کہ ان کی زندگی ان کیلئے خطرناک ہو سکتی ہے کیونکہ بہرحال وہ عورتیں ان ہی علاقوں کی رہنے والی تھیں اور وہ دیکھ چکے تھے کہ وہ خطرناک بلیاں ہیں جو کسی بھی لمحے اڑ کر ان تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس لئے برق رفتاری سے کام کرنا تھا۔ اندر سے عورتیں نکلتی رہیں اور یہ لوگ انہیں گولیوں کا نشانہ بناتے رہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر چاروں طرف ان وحشی

عورتوں کی لاشیں پڑی نظر آتی رہیں۔ اس کے بعد غار میں خاموشی طاری ہوگئی تھی۔ جب ان لوگوں نے یہ دیکھ لیا کہ اب عورتوں کا باہر نکلنے کا سلسلہ بند ہوگیا ہے تو باقی سارے کام خوش اسلوبی سے کرنا تھے۔ وہ لوگ غار میں داخل ہوئے اور انہوں نے پورے غار کا جائزہ لے ڈالا۔ یا تو سب مرگئی تھیں یا پھر اگر کچھ زندہ ہوں گی تو وہاں سے بھاگ گئی تھیں لیکن بھاگنے والوں کا کچھ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ البتہ انہوں نے اپنا سامان وغیرہ سب اپنے قبضے میں لیا اور باہر نکل آئے۔ زرق نے کہا۔

"اس خوفناک جگہ پر ایک منٹ بھی قیام نہیں کیا جاسکتا۔ آہ یہ وحشی عورتیں آدم خور نہ ہوتیں تو ان سے مذاکرات کیے جاسکتے تھے۔ ان کی بھی زندگی بچ جاتی اور ہمیں یہ سب کچھ نہ کرنا پڑتا۔

منگل نے سیلیک کی لاش بھی دیکھی تھی اور اس کے بعد اس نے آگے بڑھنے کا اشارہ کردیا تھا۔ چنانچہ یہ پورا قافلہ اکٹھا ہوکر آگے بڑھ گیا۔ بہرحال ان کے چلنے کی رفتار بہت زیادہ تیز نہیں تھی کیونکہ جنگل کا تعین کیے بغیر اس میں دوڑنا ایک احمقانہ بات ہوتی لیکن دوپہر تک وہ ان جنگلوں کے درمیان اتنا سفر کرچکے تھے کہ اب وہ علاقہ بہت دور ہوگیا تھا۔ دوپہر کو جب انہیں یہ احساس ہوا کہ اب کوئی مشکل درپیش نہیں رہی ہے تو انہوں نے خوراک کے سلسلے میں کام شروع کردیا۔ ان کی اپنی خوراک جسے وہ بہت عمدگی کے ساتھ پیک کرکے لائے تھے موجود تھی اور یہ ان کے لئے بڑی ہمت کا باعث تھی۔ خوراک سے معدہ پر کرنے کے بعد شہروز نے مسکرا کر منگل کو دیکھا اور کہا۔

"میرا جہاں تک خیال ہے بہت وقت کے بعد ہمیں پیٹ بھر کر کھانا ملا ہے۔ اب اگر تھوڑا سا آرام کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"نہیں' ان جنگلوں میں ہمارا مشن صرف آگے بڑھنا ہے اور شہروز تمہیں اپنی منزل تک پہنچنا ہے۔ میں تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ نقشوں کی ترتیب کیا ہے؟ کیا ہم صحیح سمت سفر کررہے ہیں؟"

"ہاں' میں اپنے ذہن میں ان نقشوں کی ترتیب قائم کرچکا ہوں اور میری پراسرار رہنما میری رہنمائی کررہے ہیں۔ یعنی وہ روحیں جنہوں نے مجھ سے رابطہ قائم کرلیا ہے۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ ہم بخیروخوبی اپنی منزل تک پہنچیں گے۔ حالات کچھ بھی ہوں ہماری منزل ہم سے دور نہیں رہے گی اور میں اب بھی مطمئن ہوں۔"

☆......☆......☆

منگل کبھی کبھی شدید ذہنی اذیت کا شکار ہوجاتا تھا۔ ایسے لمحات میں وہ یہ سوچتا کہ کہیں اس سے بہت بڑی غلطی تو نہیں ہوگئی ہے۔ ایک عظیم الشان خزانہ چھوڑ کر وہ ان جنگلوں میں بھٹک رہا ہے اگر یہاں کہیں زندگی موت سے ہمکنار ہوجائے۔ تو بہرحال نقصان ہوگا۔ یہ بات اس نے کتنی ہی بار سوچی تھی۔ لیکن اور کوئی حل بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ کسی سے بھی مخلص نہیں تھا۔ ماضی میں کسی درویش نے اسے زندگی سے محروم کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کے ماں باپ اس کی وجہ سے موت کا شکار ہوگئے تھے۔ پھر اس کے بعد منگل نے جو خونریزی کی تھی وہ بزرگ کی اس بات سے مکمل طور پر مماثلت رکھتی تھی۔ انسانوں کو بچانے کے لیے وہ بزرگ اسے قتل کردینا چاہتا تھا۔ یہ اس کی درویشیت تھی اور اس کے نتیجے میں وہ بیچارہ بھی مارا گیا تھا۔ لیکن کیا کہا جاسکتا ہے کہ کون مارا گیا تھا اور کون نہیں مارا گیا تھا۔ منگل شروع ہی سے کچھ ایسے پراسرار حالات کا شکار تھا کہ کبھی کبھی بات اس کی سمجھ میں خود نہیں آتی تھی۔ اب یہ شہروز اسے ملا تھا جس کا مشن اور مقصد کچھ اور تھا۔ ویسے اس نے شہروز کے تمام معاملات کی حقیقت کو بھی جانا تھا اور اس سے اتفاق بھی کرتا تھا۔ چنانچہ شہروز کے ذریعے وہ ان راستوں کو طے کررہا تھا جو اس کے لیے مشکل تھے۔ بہرحال یہ سفر جاری رہا۔ گھنے جنگلوں کا سلسلہ اب تقریباً ختم ہوگیا تھا اور اب کہیں کہیں درخت نظر آرہے تھے۔ پھر کافی فاصلے پر انہوں نے ایک وسیع وعریض جھیل کو دیکھا اور ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ مزدور تو دیوانوں کی طرح چیخنے لگے تھے اور انہوں نے برق رفتاری سے ادھر دوڑنا شروع کردیا تھا۔ لیکن کارلائل نے انہیں روکا اور ان کے قریب پہنچ کر کہا۔

"بے وقوفو! اس ہولناک علاقے کی ہر چیز اپنی جگہ ایک خوفناک حیثیت رکھتی ہے کہیں بھی بے قابو ہونے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ آؤ...... ساتھ ساتھ چل سکتے ہیں۔ پہلے دیکھ لیں گے کہ یہ کیسی جھیل ہے۔ اس کے بعد تم اس میں اتر سکتے ہو۔ پھر وہ لوگ آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے جھیل کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں کی فضا روشن تھی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور جھیل کا پانی چمک رہا تھا۔ کافی وسیع وعریض جھیل تھی۔ قرب وجوار کا

اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد مزدوروں کو اجازت دے دی گئی اور وہ کپڑے اتار کر پانی میں کود گئے۔ ان کے حلق سے خوشی کے قہقہے نکل رہے تھے۔ باقی لوگوں نے بھی اس صاف شفاف جھیل میں اپنے آپ کو داخل ہونے سے نہیں روکا تھا۔ ابھی تمام لوگ پانی ہی میں تھے کہ شہروز کی آواز ابھری۔

''اوہو۔ وہ اس طرف ادھر دیکھو۔'' تمام ہی نگاہیں اس جانب اٹھ گئی تھیں اور سبھی نے اس انسان کو دیکھ لیا تھا جو آدھے جسم سے اٹھا اسی سمت دیکھ رہا تھا۔

''وہ......زندہ ہے۔''

''آؤ۔'' زرق نے کہا اور شہروز اور زرق تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے اس زندہ انسان کو دیکھا جو اپنے نقوش سے مقامی ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس کا نچلا جسم بری طرح زخمی تھا اور اس پر سے جگہ جگہ سے گوشت غائب تھا۔ زخموں سے خون رس رہا تھا۔ انتہائی طاقتور جسم کا مالک ہونے کے باوجود وہ ہلکے ہلکے کراہ رہا تھا اور پھر اس نے ان لوگوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ جوان عمر کا آدمی تھا اور اس کے چہرے پر بڑی نرمی اور ملائمت تھی۔ کچھ لمحے کے بعد وہ اس کے قریب پہنچ گئے۔ ادھر منگل وغیرہ بھی اب ان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے جھیل کے پانی سے اس نوجوان کا جسم صاف کیا۔ نوجوان نے آنکھیں بند کر لی تھیں وہ بہت ہی پرجوش اور باہمت نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ممنونیت کے آثار تھے۔ مختلف زبانوں میں اس سے بات چیت کی گئی اور آخر کار شہروز نے ایک مخصوص زبان میں اس سے بات شروع کی تو ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔''

''کون ہو تم؟ کیا نام ہے تمہارا؟''

''معدوم! اس نے جواب دیا۔''

''تم زخمی کیسے ہو گئے۔''

''ایک درندے نے مجھے چبا ڈالا۔ ادھر درندے بہت بکھرے ہوئے ہیں۔''

''کہاں رہتے ہو۔''

''پہاڑوں کے اس طرف۔''

''یہاں کہاں سے آ گئے تھے۔''

''ایک جانور کا پیچھا کرتا ہوا۔ یہاں تک پہنچ گیا تھا۔''

''یہاں کب سے پڑے ہوئے ہو۔''

''چار دن گزر گئے۔''

''تمہارے قبیلے والے تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں تک نہیں آئے۔''

''نہیں۔''

''کیوں؟''

''انہیں میرے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اور اس طرف لوگ آنے سے گریز کرتے ہیں چونکہ یہ درندوں کی بستی ہے۔''

''اب کیا چاہتے ہو۔''

''کچھ نہیں اگر تم مجھے میرے قبیلے تک پہنچا دو تو میں تمہیں دعائیں دوں گا۔''

''کیا تمہارے قبیلے والے ہمیں قبول کر لیں گے۔''

''ہاں کیوں نہیں؟''

''ٹھیک ہے۔'' منگل نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا، نوجوان کے لیے ایک بستر بنایا گیا تاکہ اس میں اسے اٹھا کر لے جایا جائے اور اس کے بعد ان لوگوں نے ان پہاڑیوں کی جانب سفر شروع کر دیا۔ شہروز اس سے باتیں کر کے سب لوگوں کو تفصیلات بتا رہا تھا اور پتہ یہ چلا تھا کہ ان کی بستی کا نام سمایا ہے اور معدوم سمایا کے سردار کا بیٹا ہے۔ بستی میں پہنچنے کے بعد یہ لوگ جب سردار کے جھونپڑے تک پہنچے۔ جس کی طرف رہنمائی معدوم نے کی تھی تو وہاں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سردار نے ان لوگوں کے آرام کے لیے جگہ بنائی۔ پہاڑیوں کے دوسری سمت آباد یہ بستی خاصی اچھی نظر آ رہی تھی۔ ان لوگوں نے چھوٹے چھوٹے گھر بنائے ہوئے تھے اور مختلف چیزوں سے انہوں نے اپنے جسموں کو ڈھانپا ہوا تھا۔ جس جھونپڑے میں ان کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا وہاں وسیع و عریض احاطہ تھا جس میں درخت اگے ہوئے تھے۔ بہر حال ان کی تواضع گوشت اور دودھ سے کی گئی اور شہروز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں نے کہا تھا نا، ہمارے لیے بہر طور آسائشیں مہیا ہو جائیں گی۔'' منگل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بہر حال یہاں واقعی ان لوگوں کو بڑا سکون پہنچایا گیا اور معدوم کے مل جانے سے وہاں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔ سردار جو معدوم کا باپ تھا ان لوگوں کا بہت زیادہ ممنون تھا اور ان کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کر رہا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ آگے کیا کیا جائے۔ یہاں ان لوگوں نے اچھا خاصا طویل قیام کیا اور سب کے سب سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ باقی لوگوں کو تو یہ بتایا گیا تھا کہ خزانہ اب یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے لیکن شہروز اپنے مشن کے بارے میں جانتا تھا اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ اس پراسرار وجود تک پہنچنے کے لیے اب بہت زیادہ وقت باقی نہیں رہ گیا ہے۔ چنانچہ ان کے درمیان اس موضوع پر بات ہوئی اور پہلی بار سنجیدگی سے سر جوڑ کر وہ لوگ اس نقشے پر غور کرنے لگے۔ اندازہ یہ ہوا کہ ان کی منزل اب زیادہ دور نہیں

تھی۔ بڑے سردار نے اس بات کی تصدیق کی تھی۔ اس نے کہا۔

''ہاں۔ یہاں سے چار سورج اور چار چاند کے فاصلے پر بوآ نگا کا آغاز ہو جاتا ہے اور بوآ نگا ماسیکا کی سرزمین ہے اور ماسیکا صدیوں کی عورت ہے اور حسن و جمال میں بے مثال ہم سب ایک مخصوص دن جب سورج آدھا چھپ جاتا ہے اور اس کی طرف دیکھنے والوں کی آنکھوں کی بینائی چلی جاتی ہے۔ ماسیکا کی زیارت کرنے کے لیے بوآ نگا جاتے ہیں۔ لیکن ابھی اس میں خاصا وقت باقی ہے۔ یہ وہی کہانی تھی جو ان لوگوں کے لیے اہمیت کا باعث تھی اور کو بھی یہ بات معلوم تھی کہ بوآ نگا پہنچنے کے بعد ہی اس کی اپنی منزل کا آغاز ہوتا ہے۔ ماسیکا یقینی طور پر وہی کردار تھا جو اسے چشم زدن میں ان کے بارے میں بتا سکتا تھا۔ یہ سب کچھ بڑی اہمیت کا حامل تھا اور باقی لوگوں کو اسی راستے پر لگا کر وہ لوگ اپنی منزل تک پہنچ سکتے تھے۔

جنگل میں سفر کرنے والوں میں سب کا نظریہ الگ الگ تھا۔ بیشتر افراد دولت کے حصول کیلئے اپنی زندگی داؤ پر لگائے ہوئے تھے۔ شہروز کے دل میں انتقام کا جذبہ تھا اور وہ انتہائی مشکل کام اپنے شانوں پر لیے ہوئے تھا یعنی ماسیکا کی موت' جس کی ہدایت نسل در نسل چلی آ رہی تھی اور یہ اس کا پراسرار فرض تھا۔ منگل کے دل میں چشمہ حیواں کا تصور تھا اور جہاں تک اس کی معلومات کام کرتی تھیں چشمہ حیواں کے بارے میں ماسیکا ہی اسے بتا سکتی تھی۔ اس طرح ان لوگوں کے مفادات بھی الگ الگ ہو جاتے تھے اور ایک عجیب پریشان کن صورتحال پیدا ہو رہی تھیں چنانچہ سب اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔ معذوم کے باپ نے ان لوگوں کے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا اور انہیں بڑے بڑے تحفے تحائف پیش کیے گئے لیکن یہ لوگ چاہتے تھے کہ یہاں سے آگے بڑھ جائیں اور بوآ نگا کی جانب سفر کریں کیونکہ اب انہیں اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ ماسیکا کی آبادی زیادہ دور نہیں ہے۔ کارلائل، زرق اور دوسرے لوگوں کو یہ ہی بتایا گیا کہ ماسیکا کا علاقہ بوآ نگا ہی وہ جگہ ہے جس کے مشرق میں خزانوں کے انبار ہیں لیکن وہاں تک پہنچنا دشوار گزار ہے۔ بس یہ ہی آخری مشکل اور آخری مہم ہے اور اس کے بعد سب خزانے کے قریب ہوں گے چنانچہ سب کے اندر جوش پیدا ہو گیا تھا۔

زرق نے کہا۔

''معذوم کے باپ کا جو رویہ ہے ہمارے ساتھ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ابھی ہمیں اپنے قبیلے سے جانے کی اجازت نہیں دے گا لیکن اب یہاں تک پہنچنے کے بعد ہمیں یہ پتہ چل گیا ہے کہ اب ہماری منزل زیادہ دور نہیں ہے ہمارے لیے یہ مشکل ہو گیا ہے کہ ہم یہاں دیر تک قیام کریں۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔''

''ہمیں فوراً یہاں سے روانہ ہو جانا چاہئے۔''

چنانچہ یہ طے کر لیا گیا کہ خاموشی سے یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ سر شام ہی آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا۔ فضا میں نمی پھیلی ہوئی تھی جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ بارش کسی بھی وقت ہو سکتی ہے لیکن ابھی تک بارش کا کوئی وجود نہیں تھا۔ رات کے تقریباً بارہ بجے تک تاریکی انتہائی گہری ہو گئی تھی۔ معذوم کے قبیلے کے لوگ ان کی خاطر مدارت کرنے کے بعد اپنی اپنی آرام گاہوں میں چلے گئے تھے آگ روشن کر دی گئی تھی تاکہ مچھروں وغیرہ سے بچاؤ ہو سکے۔ تقریباً ایک بجے سب تیار ہو گئے تھے اور رات کی تاریکی میں خاموشی سے آگے بڑھنے لگے۔ رفتار بہت تیز رکھی گئی تھی اور گہری تاریکی کی وجہ سے جگہ جگہ ٹھوکریں کھانی پڑ رہی تھیں چونکہ ان علاقوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آگے کیا کیفیت ہے۔ پتھریلی چٹانیں راستہ روک رہی تھیں۔ جگہ جگہ حشرات الارض نظر آ رہے تھے۔ درندوں کا بھی خطرہ تھا لیکن ان تمام خطروں کے باوجود وہ آگے بڑھ رہے تھے اور ان کی یہی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے قبیلے سے دور نکل جائیں۔ چٹانیں جگہ جگہ پھیلی ہوئی تھیں اور ابھی جنگلوں کا راستہ نہیں شروع ہوا تھا۔ ویسے بھی اس بات کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ جس راستے پر وہ بڑھ رہے ہیں وہ آگے چل کر کہاں جائے۔ سفر شروع ہو رہا تھا لیکن بہرحال جتنی بھی مشکلات کا باعث ہو یہ سفر جاری رہا اور خوش قسمتی سے ایسا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا جو ان کے لیے تکلیف وہ ثابت ہوتا اور پھر جب صبح کے اجالے پھوٹے تو انہوں نے اپنے بائیں سمت ایک طویل جنگل پھیلا ہوا دیکھا تب انہیں احساس ہوا کہ وہ اپنے داہنی جانب جس ہولناک جگہ کو چٹانی دیوار سمجھ رہے تھے وہ چٹانی دیوار نہیں بلکہ جنگل تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ جنگل بہت دور سے شروع ہو گیا تھا'' کارلائل نے کہا۔

ہاں اتنی تاریک رات تھی کہ جنگل کا پتہ ہی نہیں چل سکا۔

کارلائل ہنس پڑا تو سب نے اسے چونک کر دیکھا۔

''کیوں''

''شاید رات کی تاریکی نے ہماری مدد بھی کی ہے۔''

وہ کیسے''

یقیناً جنگل میں درندے ہوں گے لیکن وہ بھی رات کی تاریکی میں ہمیں تلاش نہیں کر سکے۔''

زرق نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے جناب مسٹر کارلائل، درندوں کی آنکھیں رات کی تاریکی میں بخوبی دیکھ سکتی ہیں۔''

’’ہاں یہ بات بھی ہے۔ بہر حال اب کیا پروگرام ہے۔ ساری رات کے سفر نے طرح تھکا دیا ہے کیا خیال ہے یہاں آرام کیا جائے۔‘‘

’’خطرناک ہوگا۔‘‘ زرق نے کہا۔

’’کیوں۔‘‘

’’اتنے گھنے جنگلوں میں درندوں کی موجودگی یقینی ہے۔‘‘

سب نے سوالیہ نگاہوں سے منگل کی طرف دیکھا۔ منگل نے کہا۔

’’ہمیں سفر جاری رکھنا چاہیے۔‘‘

منگل کے بیان کی تصدیق ہوگئی جنگل سے شیر کے دہاڑنے کی آواز سنائی دی تھی کہیں سے ہاتھی کی چنگاڑ ابھری۔ اوران لوگوں کے قدموں کی رفتار خود بخود تیز ہوگئی۔ پھر جنگل کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے وہ کافی دور نکل آئے اور پھر ایک بار ان کی آنکھیں د چمک اٹھیں۔ قدرت کا نظام بھی خوب ہے پہاڑی سے ایک چشمہ گر رہا تھا اور نیچے اس کے علاقے میں اس کا پانی جمع ہو رہا تھا جبکہ آگے نکلنے کا راستہ بہت ہی تنگ تھا اور اس تنگ جگہ۔ پانی کے گزرنے کی رفتار بہت تیز تھی لیکن اس تالاب نما جگہ کا پانی بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔ دیکھتے ہی سب لوگ بے قابو ہوگئے لیکن زرق نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

’’پاگل بننے کی کوشش مت کرو اس ویران جنگل میں تالاب کا وجود سب سے زیا خطرناک چیز ہوتی ہے۔‘‘

’’کیوں؟‘‘ کارلائل نے سوالیہ نگاہوں سے زرق کو دیکھا۔

’’اس لیے کہ جنگل قریب ہے اور ایسے سنسان تالابوں پر وحشی درندے ہی پانی پ کے لیے آتے ہیں۔‘‘

’’ہم بھی اس وقت وحشی درندے ہیں ہم پانی میں غسل کریں گے کیونکہ پانی ہمارا ضرورت ہے اور اگر درندوں نے ہمارا راستہ روکا تو ہم ان کا شکار کریں گے۔‘‘ منگل نے کہا۔

’’یوں کیا جائے کہ چند لوگ بندوقیں لے کر باقاعدہ پہرہ دیں اور باقی لوگ پانی م نہائیں اور اس کے بعد دوسری ٹیم بھی یہی کرے جنگل کے جانور نظر آئیں تو ان پر زبردست فائرنگ شروع کر دی جائے۔‘‘

وہی ہوا سب نے خوب اچھی طرح سے اپنے جسموں کو ٹھنڈا کیا لیکن درندے یہاں نہیں آئے تھے البتہ ان کے پیروں کے نشان جگہ جگہ مل رہے تھے بڑا خوفناک ماحول تھا خوب اچھی طرح پانی سے سیراب ہونے کے بعد کھانے پینے کا انتظام ہوا۔ درندوں کی غیر موجودگی

نے ذرا سی ہمت بڑھا دی تھی بہر حال وہ تالاب سے آگے بڑھ گئے اور اس کے بعد ایک چٹانی میدان شروع ہوگیا تھا جو بتدریج بلند ہوتا جا رہا تھا جب وہ اس کی بلندی پر پہنچے تو سورج طلوع ہو چکا تھا اور دھوپ کی حدت اچھی خاصی تھی بلندی پر چٹانیں تھیں جن کے نیچے کافی سایہ تھا ان چٹانوں کے نیچے قیام کرنا بہتر تھا۔ چنانچہ انہوں نے وہیں پر پڑاؤ ڈال لیا۔ دن کا وقت تھا لیکن اس کے باوجود پہرے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ فیصلہ کیا گیا تھا کہ شام کے تین چار بجے تک آرام کیا جائے اس کے بعد آگے بڑھیں گے۔ چنانچہ سب کے سب لیٹ کر سو گئے۔ نیند قیامت کی طرح ٹوٹی تھی کہ تن بدن کا ہوش نہیں رہا تھا اور سب کے سب انتہائی گہری نیند میں سو گئے تھے۔ بہر حال وقت ایک عجیب وغریب داستان میں ڈھل گیا تھا اور یہ لوگ موت کے پراسرار مسافر بن گئے تھے پتہ نہیں بوآنگا کتنے فاصلے پر تھا۔ نقشے کے مطابق جوں جوں ان کی منزل قریب آتی جا رہی تھی ان کے ذہنوں میں ہیجان پیدا ہوتا جا رہا تھا پھر اس رات جب انہوں نے ایک بہتر جگہ قیام کیا تو شہروز کسی قدر بے چینی کا شکار ہوگیا۔ رات کی تاریکی میں وہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک چٹان پر جا بیٹھا اس کے چاروں طرف ایک عجیب سی فضا چھائی ہوئی تھی آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔

ستاروں کی مدھم روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ دفعتاً اسے اپنے قرب و جوار میں ایک جھنجھناہٹ سی سنائی دی اور پھر اس پر ایک سحر سا طاری ہوتا چلا گیا۔ دھوئیں کے سفید سفید بادلوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایک آواز اس کے کانوں میں گردش کرنے لگی۔

’’میری نسل کے بہادر نوجوان تیرے ہاتھوں ہمارے خاندان کی وہ قدیم خواہش تکمیل تک پہنچنے جا رہی ہے جس کے لیے نجانے کب سے بہت سی روحیں بے چین ہیں میرے عظیم بیٹے منزل اب تجھ سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔ ان پہاڑوں سے آگے بستی بوآنگا پھیلی ہوئی ہے اور وہیں پر تیری ماسیکا کا بسیرا ہے تجھے اپنے مقصد کے لیے جتنی جلدی ممکن ہو سکے روانہ ہو جانا ہے اور جو کام تجھے خود کرنا ہے اس کے لیے اتنے لوگوں کا ساتھ مناسب نہیں ہوتا۔ تنہا جو کام سرانجام دیا جا سکتا ہے اس میں تنہائی ہی بہتر ہوتی ہے۔‘‘ کچھ ایسا انوکھا سحر طاری ہوا تھا شہروز پر کہ اس نے وہیں سے آگے قدم اٹھا لیے تھے اور جھیل کے شمالی سمت میں چل پڑا تھا وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھا یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی مستی اس کے اندر سرایت کر گئی۔ ہوا سے بھی معلوم نہیں تھا کہ تھوڑے فاصلے پر منگل بھی اس کے پیچھے پیچھے چل رہا ہے یہ بھی صرف اتفاق تھا کہ منگل بھی اس وقت جاگ گیا تھا اور اس نے شہروز کو ایک طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے حیرت ہوئی اور اس نے شہروز کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ پھر جب اس نے دیکھا کہ

شہروز کسی لمبے سفر پر آمادہ ہے تو وہ تیزی سے واپس پلٹا اور اس نے کچھ چیزیں اپنے ساتھ لیں
جانتا تھا کہ شہروز پر یہ تنہائی کی دیوانگی کیسے سوار ہوئی ہے۔ لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شہ
ایسے سفر پر روانہ ہو چکا ہے جو اسے دوسروں سے بالکل الگ کر دے گا۔ ساری رات یہ
جاری رہا تھا اور کافی فاصلے پر پہنچ گیا تھا۔ کوئی دس یا بارہ میل آگے دلدل کی جھیل نظر آئی جس
اب رات کی تاریکی ختم ہوتی جا رہی تھی اور صبح کی آمد آمد تھی اور سورج کی روشنی دلدل پر پڑ رہی
تھی۔ سورج کی شعاعیں دلدل کو چاندنی کی طرح چمکا رہی تھیں اس کے گرد میلوں دور تک
پھیلا ہوا تھا۔

یہاں تک کہ سورج چڑھنے لگا تب پہلی بار شہروز کو ہوش آیا اور اس نے گردن گھما
منگل کو دیکھا یہ آہٹیں وہ جو بہت دیر سے محسوس کر رہا تھا اب اس کی عقل تک پہنچی تھیں۔ منگل
دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا۔ منگل آہستہ سے چلتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

''اس بات کو ذہن میں رکھو کہ مجھے تمہارے قرب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ہم ج
پیچھے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ آئے ہیں اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہے ہمیں کہ اب ہماری ان تک
ممکن نہیں ہے میں خود بھی ان سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کیونکہ اب ہمیں ان کی ضرورت باقی نہیں
رہی، لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ تم مجھے اس طرح نظرانداز کر دو گے میں تمہیں آگے جانے
اجازت دیتا ہوں بس یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مجھ سے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔

شہروز نے پریشانی کے عالم میں گردن جھکا لی۔ دیر تک خاموش رہا پھر اس نے آہستہ
سے کہا۔

''میں نہیں جانتا یقین کریں میں نہیں جانتا اور آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا آ
آگے بڑھیں۔''

منگل نے ایک نگاہ اسے دیکھا دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکے اگر ا
بھیانک دلدلوں میں، میں تیری گردن دبا کر تجھے پھینک دوں تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوگا میں
دنیا میں کبھی کسی کی زندگی کی پروا نہیں کی اور اس وقت تک میں اپنی زندگی کو بھی غیر محفوظ سمجھ
ہوں جب تک کہ مجھے حیات ابدی حاصل نہ ہو جائے۔ بہرحال اس نے یہ خیالات اپنے دل
میں چھپا لیے اور خاموشی سے شہروز کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

اس وقت تقریباً دوپہر ہو چکی تھی جب وہ دلدل کے کنارے پہنچے یہاں کھانے پینے
کی اشیاء نکال کر سامنے رکھی گئیں اور تھوڑی سی شکم سیری کے بعد وہ اس دلدل کے ساتھ ساتھ
آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک تو یہ راستہ بہت خوبصورت نظر آتا رہا لیکن آگے بڑھ کر ا

ں کچھ دشواریاں پیدا ہو گئیں حالانکہ یہ دشواریاں زیادہ تکلیف دہ نہیں تھیں۔ مثلاً بعض جگہوں پر
دلدل نرم تھی اور اس پر سفر کرنا مشکل تھا لیکن وہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہوئے
آگے بڑھتے رہے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی یا تو دلدل تھی یا تو بڑے بڑے مینڈک اچھلتے
ہوئے نظر آتے تھے۔ وہ چڑیاں بھی جو کبھی اڑتی ہوئی نظر آتی تھیں بلکہ یہ کہا جائے کہ چڑیاں
ہی دلدل کی رہنما تھیں تو غلط نہیں ہوگا۔ کہیں سبز بیلیں پھیلی ہوئی تھیں البتہ آگے چل کر جو
پریشان کن چیز انہیں ملی وہ دلدل سے اٹھنے والے زہریلے بخارات تھے جو ان کے سینوں پر دباؤ
ڈال رہے تھے۔ خدا خدا کر کے شام کے قریب ایک جگہ زمین ملی اس علاقے میں کافی گرمی تھی،
مچھروں، مینڈکوں کی وجہ سے یہاں کافی پریشانی ہو رہی تھی، لیکن دلدل کے خوفناک سفر کے بعد
قدرتی فرش انہیں بہت غنیمت محسوس ہوا اور یہاں انہوں نے رات کا قیام کیا۔ یہ سب کچھ بڑا
عجیب سا لگ رہا تھا۔ رات گزارنے کے بعد جب وہ آگے بڑھے تو انہیں خوشگوار کیفیت کا
احساس ہوا۔ تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا کہ دلدل سے پیچھا چھوٹ گیا اور دوپہر سے پہلے ہی یہ دونوں
نہائی پرفضا مقام پر پہنچ گئے۔ دور دور تک سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے جس میں جا بجا پھول لگے
ہوئے تھے۔ ایسے حسین اور ایسے دلکش کہ ان پر سے نگاہ نہ ہٹے۔ لگ رہا تھا کہ انسانی ہاتھوں نے
ان پھولوں کی تراش خراش کی ہو۔ سامنے کی سمت میں ایک عظیم الشان پہاڑی سلسلہ نظر آ رہا تھا
حسین سبزہ زاروں سے لدا ہوا تھا۔ اس پر چھوٹے چھوٹے درخت جھول رہے تھے شاید کوئی
رہ سوفٹ کی بلندی پر ایک بڑی سی فصیل نظر آئی تھی جو اندازاً بارہ تیرہ سوفٹ بلند ہوگی، لیکن
ریں پتہ چلا کہ یہ فصیل نہیں بلکہ پتھریلا سلسلہ تھا جس نے ایک دیوار قائم کر دی تھی۔ بہرحال
ں خطے کو دیکھ کر ایک عجیب سا پراسرار احساس دل و دماغ پر طاری ہو جاتا تھا لیکن طبیعت پر
ک خوشگوار کیفیت بھی۔ انہوں نے کچھ لمحے قیام کرنے کے بعد آخر کار پہاڑ کی جانب قدم
ھا دیئے پھر سامنے انہیں ایک سڑک جیسی جگہ نظر آئی جو سیدھی پہاڑ پر جاتی تھی، لیکن سڑک
ے دونوں پہلوؤں پر کنارے جگہ جگہ سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ اس سڑک کو دیکھ کر حیرت ہوتی
ھا اگر یہ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہے تو پھر ان پہاڑوں کو توڑنے کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن
حال کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ پراسرار دنیا کی پراسرار کہانی بڑی عجیب تھی۔ دل ان
روں کو دیکھ دیکھ کر جھوم جاتا تھا کہیں کہیں سبز درخت اور کہیں لمبے کھریوں کے درخت تھے جو
پناہ اونچے تھے۔ ان میں سے ہر درخت پر شہد کی مکھیوں کے چھتے لگے ہوئے تھے۔ خرگوش،
نگھے اور ہرن اس طرح نظر آ رہے تھے جیسے یہ علاقے ان کی ملکیت ہوں۔ دیکھ کر حیرت
تی تھی اور منگل تو خاص طور سے ان جانوروں کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

''عمدہ گوشت! بھلا اس کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیٹ کی ضرورت پوری کیے بغیر

ہم یہاں سے آگے بڑھیں جبکہ یہاں گوشت بھوننے کے انتظامات بھی کافی زیادہ ہیں۔"
پھر شہروز نے ایک ہرن شکار کیا اس سے زیادہ کی ضرورت ان دو افراد کو نہیں تھی
پیچھے وہ جن لوگوں کو چھوڑ آئے تھے ان کے بارے میں وہ جانتے تھے کہ وہ کس طرح افراتفری
شکار ہوئے ہوں گے۔ ان کے پاس تو نہ صحیح طور پر کوئی نقشہ تھا اور نہ ہی کوئی ایسی چیز جس
وہ خزانے کے حصول کی کوشش کر سکتے تھے۔ شہروز کے ایک سوال پر منگل نے ہنستے ہوئے کہا۔
"ہر شخص کو اپنے بارے میں سوچنا چاہئے ان لوگوں کی ضرورت ہمیں جہاں تک ت
ہم نے انہیں اپنے ساتھ رکھا اب ان کی ضرورت اگر انہیں ان کی منزل تک لے جا سکتی ہ
بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"
شہروز نے پہلی بار عجیب نگاہوں سے منگل کو دیکھا تھا۔ اس وقت اسے یہ احساس
کہ وہ ایک اجنبی چہرے کے سامنے ہے۔ ایک ایسا اجنبی چہرہ جس کے بارے میں پہلے اس۔
کبھی اس انداز میں نہیں سوچا تھا۔
ہرن کو بھون کر گوشت کھایا گیا بقیہ گوشت محفوظ کر لیا گیا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ آ
بھی انہیں ایسا ہی شکار مل سکے۔ غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے وہ بہر طور اس پہاڑ کے دا
میں پہنچ گئے اور آگے بڑھنے لگے پھر شام کی سیاہی نے ماحول کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ ا
وقت وہ ایک درے جیسے راستے میں تھے جو ایک پہاڑ کو درمیان میں سے کاٹ کر بنایا گیا ت
لیکن یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں سارے کے سارے کام انسانی ہاتھوں کے ہیں۔ یہ اندازہ
ہو رہا تھا کہ ماسیکا اب ان سے زیادہ دور نہیں ہے۔ رات کی تاریکی میں ماسیکا کی خوشبو کم از
شہروز محسوس کر سکتا تھا یا پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پراسرار روحیں ان کی مددگار ہیں۔ پھر دوسری
وہ ہوا جس کا امکان تھا یعنی جب وہ جاگے تو سورج سر پر ٹنگا ہوا تھا اور اس کی روشنی میں ان۔
اطراف کچھ ایسے لوگ نظر آ رہے تھے جنہیں دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے سکتے کے عالم میں
گئے تھے۔ یہ مقامی لوگ تھے اور ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ شہروز نے اپنی رائفل کی جان
ہاتھ بڑھائے لیکن یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا کہ اب کوئی رائفل ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ آ
والوں نے ان کے ہتھیار اپنے قبضے میں کر لیے تھے۔ منگل بھی جاگ گیا تھا اور سرد نگاہوں
انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کے گرد گھیرا ڈالنے والوں میں سے دو افراد آگے بڑھے اور انہوں نے ا
گردنیں خم کیں پھر ان میں سے ایک نے کہا۔
"عظیم دنیا سے آنے والو، ہماری جادوگر ملکہ، ماسیکا، تمہیں اپنی سرزمین میں خو
آمدید کہتی ہے اور جاننا چاہتی ہے کہ تم کون ہو اور کس غرض سے آئے ہو۔ کیا تم ہمیں بتا سکتے
کہ تم ہماری سرزمین کے باشندے ہو کہ کہیں اور سے آئے ہو۔ بہر حال اگر تم یہیں پہ نہ

چاہو تو ملکہ کے دربار میں چلو اس کی ہدایت ہے کہ آنے والے اگر ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچانا
چاہتے ہوں تو انہیں عزت و احترام کے ساتھ لے آیا جائے اور اگر وہ کسی برے ارادے سے
آئے ہیں تو انہیں ختم کر دیا جائے۔"
"ہم تو اپنے آپ کو اچھا انسان ہی کہیں گے فیصلہ تمہارا ہے۔" منگل نے کہا۔
"آؤ ہمارے ساتھ چلو، لیکن ایک بات اپنے ذہن میں رکھو یہ ماسیکا کی سلطنت ہے
یہاں تم اگر سرکشی کرو گے تو تمہیں نقصان ہوگا۔ آؤ!"
اور پھر وہ ان لوگوں کے ساتھ چل پڑے۔ یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ ماسیکا کے
قریب پہنچ گئے ہیں۔ قرب و جوار کے مناظر حسین سے حسین تر ہوتے جا رہے تھے اور آخر کار یہ
لوگ درے کے آخری حصے تک پہنچ گئے۔ سامنے پہاڑوں کی گہرائیوں میں ایک ندی بہہ رہی
تھی، ندی کے کنارے پہنچ کر وہ چند لمحات کے لیے رکے اور پھر انہوں نے ایک عجیب و غریب
راستے کا سفر اختیار کیا۔ یہ راستہ دریا کے نیچے سے گزرتا تھا اور ایک سرنگ دریا کے نیچے سے گزر
کر دوسری سمت جاتی تھی۔ اوپر سے پانی بہنے کا شور سرنگ کی چھت سے صاف سنائی دیتا تھا۔
بہر حال یہ عجیب و غریب جگہ انتہائی خوفناک تھی اگر کہیں اوپر سے کوئی پتھر ٹوٹ جاتا تو سرنگ
موت کی سرنگ بن جاتی جب یہ فاصلہ طے ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو پہاڑ کے دوسرے
دامن میں پایا جس چوٹی کو بہت اونچا تصور کیا جا رہا تھا وہ بہت ہی قریب تھی۔ اس طرف کی
زمین اس طرف کی زمین سے بہت اونچی تھی۔ بہر حال اس بڑی پہاڑی پر جو ایک پیالی کی شکل
کی تھی پہنچنے کے بعد کچھ کھنڈرات نظر آئے لیکن وہ ان تمام مناظر کو دیکھتے ہوئے خاموشی سے
آگے بڑھ گئے۔ یہاں کچھ اور لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور وہ ان کے ساتھ ایک ایک قدم
اٹھانے لگے۔ پھر اس کا اختتام ایک عظیم الشان غار میں ہوا تھا جہاں پتھروں کے بستر بنے
ہوئے تھے اور ان پر چیتوں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ انہیں یہاں لانے والوں نے پورے
ادب سے ان سے آرام کرنے کیلئے کہا اور کہا۔
"تمہیں جس چیز کی طلب ہو دروازے پہ کھڑے پہریدار سے مانگ لینا، تکلف کی
ضرورت نہیں ہے۔"
وہ باہر نکل گئے۔
شہروز منگل کی صورت دیکھنے لگا تھا اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی کچھ
دیر کے بعد اس نے کہا۔
"مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہماری مشکل حل ہو گئی ہے اور ہم آخر کار اپنی منزل پر پہنچ
گئے ہیں آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں......؟"

منگل نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بولا

''سب سے پہلی بات یہ ہے شہروز تمہاری رسائی اس شخصیت تک کیسے ہو سکتی ہے جس سے ملاقات کے لیے تم نے اتنا طویل سفر طے کیا ہے.....؟''

''یہ بات تو طے ہوگئی کہ ماسیکا یہیں ہوتی ہے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیں ملاقات کا موقع دیتی ہے یا نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہم کوشش کریں گے کہ خود اس تک جا سکیں۔'' شہروز نے کہا۔

''لیکن یہ تو صرف تمہارا کام ہے۔''

''ہاں، چونکہ آپ شروع سے اب تک میرے ساتھ رہے ہیں اور آپ نے ہر وہ عمل کیا ہے جو میرا معاون رہا ہے اس لیے اب بھی آپ کو میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

منگل خاموش ہو گیا تھا، جہاں تک منگل کی معلومات کا تعلق تھا وہ عورت جس کا نام ان آبادیوں میں ماسیکا ہے اسے چشمہ کا پتہ بتا سکتی تھی اور منگل کے لیے یہ نہایت مشکل کام تھا کہ وہ اسے زبان کھولنے پر آمادہ کر لے جس طرح یہاں تک رسائی حاصل ہوئی تھی اس سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ماسیکا کی حیثیت کیا ہے۔ بہر طور ماسیکا تک پہنچنے کا تصور دونوں کے ذہنوں میں الگ الگ حیثیت رکھتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ منگل کو اپنی فطرت کی مطابقت کے ساتھ شہروز کے مشن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ تو بس شہروز اس کی مرضی کا شخص ثابت ہوا تھا جس کی وجہ سے اب تک منگل اسے اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھا ورنہ منگل جیسے خونیں آدمی کے لیے یہ مشکل نہیں تھا کہ وہ نہ صرف شہروز کو بلکہ ان تمام لوگوں کو بھی موت کی نیند سلا دیتا جو اس کے ساتھ یہاں تک آئے تھے۔ زرق، کارلائل، ہری ناتھ اور باقی بہت سے دوسرے جنہیں یہ لوگ اپنے ساتھ لائے تھے، لیکن باقی ساری باتیں اپنی جگہ رہ گئی تھیں۔ یہ لوگ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر دوسرے دن جب ضروریات زندگی سے فارغ ہو چکے تھے کچھ افراد رنگین لباسوں میں ملبوس اور ہاتھوں میں ہتھیار لیے ہوئے ان کی آرام گاہ میں داخل ہوئے اور ان کے سامنے جھک گئے، پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''باہر کی دنیا کے معزز مہمانوں، ہماری عظیم دیوی ماسیکا تمہیں طلب کرتی ہے۔''

''ہمارے ساتھ آؤ۔''

پھر یہ دونوں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے وہ ایک طویل فاصلہ طے کر کے ایک بڑے غار کے دروازے کے سامنے پہنچے جہاں دو انسان پتھروں کے بتوں کی مانند کھڑے تھے ان کے کسی عضو میں کوئی جنبش نہیں تھی۔ جب وہ ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے جھک کر انہیں سلام کیا اور غار کے دروازے پر پڑا ہوا پردہ ہٹا دیا۔ منگل اور شہروز اندر داخل ہو گئے۔ انہوں

نے دیکھا کہ یہ غلام گردش اور اس کے کمرے بھی بالکل ویسے ہی تھے، ایک غار نما کمرے میں ان لوگوں کو ٹھہرایا گیا تھا وہاں سے آگے بڑھے تو دو مرد اور دو عورتیں ملیں انہوں نے جھک کر انہیں تعظیم دی۔ جو لوگ یہاں تک ان کے ساتھ آئے تھے وہ وہیں رک گئے اور عورتیں گردن خم کر کے ان کے آگے آگے چل پڑیں۔ باقی دونوں مرد پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ اس کے بعد کئی پردے طے کیے گئے اور آخر کار یہ دونوں ایک کمرے میں داخل ہو گئے یہاں بہت سی نوجوان لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ دو چار قدم طے کرنے کے بعد پھر ایک دروازہ ملا خیال ہوا کہ اس کے آگے اور کوئی کمرہ نہیں ہوگا، لیکن جب پردہ ہٹا تو اس کمرے کا بھی جائزہ لیا گیا یہ کافی کشادہ اور وسیع جگہ تھی اور یہاں بھی دس بارہ نوجوان لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک عجیب وغریب حسن تھا ان کا۔ سانولے رنگ، سانولے چہرے لیکن نقوش اس قدر دلکش کہ آنکھیں ان پر سے نہ ہٹیں اور پھر ان کے لباس بھی ایسے حسین تھے کہ ان کے جسموں کی پردہ پوشی کے بجائے کچھ اور نمایاں کرنے کا باعث بن جاتے تھے۔ ان میں سے ایک عورت اٹھی اور اس نے ایک ادا کے ساتھ اپنے نازک ہاتھوں سے سامنے والا پردہ ہٹایا۔ اس کمرے سے گزرتے ہوئے ایک اور کمرے میں پہنچنا پڑا اور یہ لوگ تہ در تہ کمروں کے سفر سے تنگ آ گئے۔ یہاں تک کہ اس کمرے کے سفر کا اختتام ایک وسیع وعریض ہال نما کمرے میں ہوا۔ اس کمرے کا طول وعرض بے حد وسیع تھا وہاں موجود ہر چیز اپنی مثال آپ تھی۔ تمام لوگ خاموشی سے گردن جھکا کر واپس پلٹ گئے اس کا مقصد تھا کہ یہ کمرہ وہ آخری جگہ ہے جہاں انہیں ماسیکا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا پھر داخلی دروازے سے پردے کی حرکت ہوئی اور ان کی متجسس نگاہیں دروازے کی سمت دیکھنے لگیں۔ ایک انتہائی خوبصورت گورے ہاتھ کی انگلیوں نے پردہ ہٹایا اور اس کے ساتھ ہی ایک انتہائی دلکش آواز سنائی دی۔

''تہذیب کی دنیا سے آنے والے اجنبی لوگو میں تمہیں اپنی مملکت میں خوش آمدید کہتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر داخل ہوگئی۔'' سلک کے سفید لبادے میں ملبوس سر سے پاؤں تک ایک ایسا حسین تصور ان کے سامنے آیا کہ جسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے۔ اس کا چہرہ چھپا ہوا تھا، لیکن سر سے پاؤں تک کے سفید لبادے سے آنکھیں جھانک رہی تھیں۔ انتہائی حسین طرز کے اس لباس سے اس کے بازو عریاں تھے اور ان بازوؤں کو دیکھ کر اس کے حسن کا احساس ہوتا تھا۔ بازو ایسے حسین جیسے سنگ مرمر سے تراشے ہوئے ہوں۔ ایسے سفید جس کے بعد سفیدی کا تصور ذہن سے ختم ہو جائے۔ قد وقامت انتہائی مناسب اور بدن کا تناسب اس لباس سے ہو جاتا تھا۔ بال سیاہ ریشم کے لچھوں کی مانند پنڈلیوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہ دونوں ایک لمحے کے لیے سکتے میں رہ گئے تھے۔ ایک بہت ہی عالی شان کرسی درمیان میں رکھی ہوئی تھی اور وہ بڑے

پروقار انداز میں چلتی ہوئی اس کرسی پر بیٹھ گئی پھر اس کی مترنم آواز ابھری۔

"معزز مہمانوں ایک روایت ہے کہ میرے سامنے کوئی بے تکلفی سے بیٹھتا نہیں ہے۔ اس لیے مجبوری ہے تمہیں بھی مجھ سے کھڑے ہو کر بات کرنا پڑے گی، میرا نام ماسیکا ہے۔ اپنا تعارف کراؤ گے۔"

"میں منگل ہوں اور یہ میرا ساتھی شہروز۔"

"اور اس کا اندازہ تو مجھے ہو ہی چکا ہے کہ تم مہذب دنیا سے آئے ہو۔ ہاں حالانکہ تمہارے اقدار کچھ بھی ہوں لیکن تم اسے تہذیب کی دنیا ہی کہتے ہو۔ خیر مجھے اس سے بحث نہیں کیونکہ یہ بحث تو ان بہتوں سے ہو چکی ہے جو یہاں آتے ہیں ویسے مجھے بتاؤ کہ کیا تمہاری آمد بھی انہی پتھروں کی تلاش کے سلسلے میں ہوئی ہے۔"

"ہاں اتنی عظیم ملکہ کے سامنے بھلا جھوٹ بولنے کا کیا سوال ہے۔" منگل نے جواب دیا۔

اس نے دیکھا کہ شہروز پر تو سکتہ سا طاری ہے اور وہ بہت دیر تک بولنے کے قابل ہی نہیں ہوا ہے۔ اس عورت کے انداز میں کچھ عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اس نے کہا۔

"نہ جانے کیوں دل چاہتا ہے کہ وہ کہوں جو عام لوگوں سے نہیں کہتی۔"

"کہو۔"

"نہیں ایسے نہیں، یہ نوجوان بھی تمہارا ساتھی ہے جو حسن و جمال میں بے مثال ہے اور جسے دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ اسے اپنی تنہائی، اپنی خلوتوں میں طلب کیا جائے۔"

"میں اس کا ترجمان ہوں یہ جو کچھ کہے گا وہ مختصر الفاظ ہوں گے لیکن میں اس کے جذبات کی ترجمانی کروں گا۔"

"تم اس کے ترجمان ہو۔"

"ہاں۔"

"لیکن جو لوگ ہمارے پاس آ جاتے ہیں اور ہمارے لیے اجنبی ہوتے ہیں انہیں یہاں کے قانون کی پابندی کرنا ہوتی ہے۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم اپنی دنیا چھوڑ کر یہ مشکل ترین سفر کرتے ہو اور سونے اور ہیروں کی تلاش میں یہاں تک آ جاتے ہو کیا تمہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ زندگی بڑی مختصر چیز ہے اس مختصر وقت کے لیے تم اپنی زندگی کیوں ضائع کرتے ہو۔"

"یہ ایک الگ سوال ہے عظیم ملکہ ہر جگہ کی اپنی ضروریات ہوتی ہیں تم یہاں حکمرانی کر رہی ہو۔ تمہارے قبیلے، تمہارے لوگوں کے مسائل نہ ہونے کے برابر ہیں۔ وہ لوگ اپنے

دلوں میں کوئی بڑی آرزو نہیں رکھتے کیونکہ ان کی زندگی گزارنے کا انداز بالکل الگ ہے۔ وہ سادہ سی زندگی گزارتے ہیں جبکہ ہمیں اپنی دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے بہت کچھ درکار ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ تم نے ابھی کہا ہے عظیم ملکہ، کہ زندگی بہت مختصر چیز ہوتی ہے کیا تم بھی یہ ہی بات کہتی ہو تمہاری زندگی تو مختصر نہیں ہے صدیوں سے تم زندہ چلی آ رہی ہو اور تمہارا اپنا ایک الگ مقام ہے۔"

جواب میں کچھ دیر کے لیے مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ پتہ نہیں کیوں خاموش ہو گئی تھی ویسے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ انتہائی حسین عورت ہے اور اگر وہ اپنا چہرہ کھول دے تو اس کے حسن کا جائزہ تک نہ لیا جا سکے۔ بہرحال اس انوکھی ملکہ کے سامنے یہ دونوں خاموش کھڑے ہوئے تھے کچھ دیر کے بعد منگل نے کہا۔

"تم نے جواب نہیں دیا اپنی مختصر زندگی کا۔"

"یہ جواب ابھی نہیں دوں گی میں تمہیں، تم انتظار کرو، میری تمہاری ملاقات ہوگی اب تم آرام کرو، میں کوشش کروں گی کہ جب تک تم یہاں ہو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے، لیکن میری آرزو ہے کہ میں تمہارا اصلی چہرہ دیکھوں۔" شہروز نے بے باکی سے کہا۔

"نہیں اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا کچھ عرصے بعد اپنے مقاصد پورے کر کے تم یہاں سے چلے جاؤ گے اور اس کے بعد میرے اور تمہارے درمیان ذہنی رشتے بڑھ گئے تو پھر میں پریشان رہوں گی میں نہیں چاہتی کہ خود پریشان رہوں یا تمہیں پریشان کروں۔"

شہروز نے مایوسی سے کہا۔

"یہ میری آرزو تھی، میرے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی تھی اگر یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی تو مجھے دکھ رہے گا۔ بہرحال ٹھیک ہے۔" یہ الفاظ شہروز نے عجیب سے انداز میں کہے تھے۔

وہ سوچنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تیری یہ خواہش پوری کرنے پر مجبور ہوں۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور ہاتھ پیچھے کر کے پہلے اپنے سر کا بندھن کھولا اور دم کے دم میں وہ نقاب یا وہ پورا لبادہ نیچے آن گرا۔ بجلی سی چمک گئی تھی، پلکیں جھپک گئی تھیں حسن و جمال کا ایک ایسا پیکر جو تصور میں بھی کسی نے نہ دیکھا ہو ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ وہ اس سرزمین کی سب سے حسین عورت تھی، عورت کے حسن کا تصور جہاں تک انسانی ذہن کی کائنات میں پوشیدہ ہو سکتا ہے اس وقت ان کے سامنے تھا۔ عضو عضو سانچے میں ڈھلا ہوا ہر نقش اپنی جگہ بے مثال۔

منگل کبھی انسانی حسن سے اتنا متاثر نہیں ہوا تھا، وہ ساکت اسے دیکھ رہا تھا۔

شہروز دو قدم آگے بڑھا اور اس کے سامنے پہنچ گیا۔ حسین ملکہ کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ ملکہ کہنے لگی۔

''تمہاری خواہش پر میں نے اپنا چہرہ تمہارے سامنے کیا ہے۔''

''اور تیرا یہ حسن ہزاروں سال سے اسی طرح قائم ہے۔''

شہروز نے سوال کیا اور وہ مسکرا دی۔

''ہاں میں سورج کی بیٹی ہوں، سورج میرا باپ ہے اور زندگی حاصل کرنے کا یہ نسخہ مجھے میرے علم نے دیا ہے تم لوگ کائنات کی تشکیل پر غور کرو۔ چاند، ستارے، ہوائیں، بادل، پانی، سورج یہ سب ہمیشہ ایک جیسے رہے ہیں کس طرح آخر۔ ان میں کوئی تبدیلی کیوں نہیں رونما ہوئی۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں نے انہی سے زندگی حاصل کی ہے اور یہ زندگی اسی طرح قائم و دائم ہے جس طرح چاند، سورج، ستارے۔ بہرحال تمہاری آواز سے مجھے مسرت ہوئی ہے اب تم آرام کرو۔''

تھوڑی دیر کے بعد انہیں ایک خوبصورت اور پرسکون رہائش گاہ میں منتقل کر دیا گیا جہاں زندگی کی تمام آسائشیں بھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت ہی وسیع و عریض غار تھا جسے دنیا کی حسین ترین چیزوں سے سجایا گیا تھا۔ ان چیزوں سے جن کی طلب دنیا والے خواب کے عالم میں کرتے ہیں اور انہیں پا نہیں سکتے۔

''میں الجھن میں پڑ گیا ہوں۔''

''میں جانتا تھا تمہاری عمر ایسی ہی الجھنوں سے ظاہر ہو سکتی ہے۔'' منگل نے مختصر الفاظ میں کہا اور اس کے بعد خاموش ہو گیا۔

شہروز آدھی رات تک کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ خود منگل کو بھی نیند نہیں آئی تھی۔ اب یہاں آ کر اس کی خودغرضی کا آغاز ہو گیا تھا وہ اپنے طور پر سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرح اپنا عمل شروع کرنا چاہئے۔ وہ عمل جو سب سے مختلف تھا۔

☆......☆......☆

دو دن گزر گئے۔

شہروز کی کشمکش کا اندازہ اس کے چہرے سے ہوتا تھا۔ ادھر ان لوگوں کے آرام و آسائش کے لیے دنیا کی ہر چیز مہیا کر دی گئی تھی۔ تیسرے روز منگل نے شہروز سے کہا۔

''کیا تمہیں یہ جگہ بہت زیادہ پسند آ گئی ہے میرے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ کیا تم اپنے مقصد سے ہٹ رہے ہو۔''

''نہیں بلکہ میں اپنے عزم کو تازہ کر رہا ہوں اور اگر آپ مجھ سے یہ سوال نہ کرتے تو میں یقینی طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو اپنے فیصلے کے بارے میں بتاتا۔''

''فیصلہ'' منگل نے سوالیہ نگاہوں سے شہروز کو دیکھا۔

''ہاں۔''

''کیا فیصلہ کیا تم نے۔''

''وہی جو میرے بزرگوں نے میرے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ نسل در نسل سے یہ ساری باتیں ہمارے خاندان کا حصہ چلی آ رہی ہیں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس کے حسن کے جال میں گرفتار ہو کر اپنے بزرگوں کے عزم کو ختم کر دوں۔'' نہیں یہ میں نہیں کر سکوں گا آج رات کو میں اسے قتل کر دوں گا میں نے وہ راستے معلوم کر لیے ہیں جن کے ذریعے میں اس کی عیش گاہ تک پہنچ سکتا ہوں۔

''اوہو، تو آج رات تم اپنا یہ کام سرانجام دے رہے ہو۔''

''ہاں۔'' ہم اس کام کی تکمیل کر لیں گے اور اس کے بعد سرنگوں کے ذریعے یہاں سے نکل جائیں گے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ اس دوران میں یہاں گھومتا پھرتا رہا ہوں میں نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی ہے جہاں سے نکل کر ہم پہاڑی علاقے میں پہنچ جائیں گے۔ وہ علاقے انتہائی پیچیدہ اور دشوار گزار ہیں لیکن ہمیں بہرحال یہ کام کرنا ہے اور میرے آباؤ اجداد کی روحیں میری مدد پر آمادہ ہیں۔''

''ٹھیک ہے مجھے پورے منصوبے سے آگاہ کرو۔''

اور بہت دیر تک شہروز منگل کو اپنے آئندہ اقدامات کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔
منگل اس کی ایک ایک بات کو نوٹ کرتا رہا تھا اس وقت شام کے تقریباً ساڑھے پانچ بجے ہوں
گے۔ شہروز معمول کے مطابق پھر آرام کرنے نکل گیا تھا۔ یہاں ان لوگوں کو بڑی آسانیاں
فراہم کر دی گئی تھیں۔ وہ ملکہ ماسیکا کے خاص مہمان تھے اس لیے ان کی نگرانی کوئی نہیں کرتا تھا۔
منگل پہلے یہ جائزہ لیتا رہا کہ شہروز کہاں ہے۔ پھر اس نے ایک جگہ پہ شہروز کو دور پہاڑیوں میں
بھٹکتے ہوئے دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ واپسی کا سفر اس نے طے کیا
اور مختلف سرنگوں سے گزرتا ہوا آخر کار اس ہال میں داخل ہو گیا جہاں ماسیکا کی رہائش گاہ تھا۔
ماسیکا اس وقت اپنے غلاموں کے جھرمٹ میں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی اس نے منگل کو دیکھ
لیا۔

پھر اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے اور تمام لڑکیاں پہاڑی غاروں کے سوراخوں میں
داخل ہو گئیں۔ ماسیکا نے گہری نگاہوں سے منگل کو دیکھا اس کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی۔
اس نے کہا

''جو مرتبہ تمہیں حاصل ہو گیا ہے صدیوں میں یہاں کسی کو حاصل نہیں ہوا، لیکن کچھ
آداب مہمانی بھی ہوتے ہیں تمہیں اس طرح یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔

منگل نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' یہ بالکل سچ ہے کہ ہم اپنی اوقات سے زیادہ بڑھ کر عمل کر رہے ہیں، لیکن
کبھی کبھی ایسا کچھ کرنا پڑ جاتا ہے میں یہاں پر حاضر ہوا ہوں اس میں آپ ہی کی بھلائی ہے
عظیم ملکہ!

''بیٹھو۔'' میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی ہوں تم جسے ساتھ لے آئے ہو اس نے
میرے دل و دماغ میں ایک ہلچل سی برپا کر دی ہے نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ میرا
اس کا صدیوں کا رشتہ ہے۔

''بات ایسی ہی ہے آپ اگر صدیوں میں لوٹ جائیں تو آپ کو اس کی صورت یاد آ
جائے گی۔''

''کیا مطلب۔''

''کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گی کہ زمانہ قدیم میں......''

''اجنبی'' میری بات سنو جو کچھ میں تمہیں بتا رہی ہوں غور سے سننا یہ پراسرار بستی
ہے۔ یہاں کچھ ایسے قانون رائج ہیں جنہیں تم سوچ بھی نہیں سکتے میری عمر صدیوں کی عمر نہیں
ہے، میں تو زیادہ سے زیادہ انیس یا بیس سال کی ایک لڑکی ہوں۔ یہ ایک طلسمی سلسلہ ہے یہاں

جو ملکہ ہوتی ہے میرا مطلب ہے ماسیکا وہ زمانہ قدیم کی صدیوں کی تاریخ سے منسلک ہے اس کا
آغاز کس طرح ہوا یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ وہ یونان سے یہاں منتقل ہوئی تھی لیکن ہزاروں سال
پہلے بس ان کی اولادیں ایک خاص منصوبے کے تحت تکمیل پاتی ہیں جیسا کہ میں نے تم سے کہا
کہ یہ سب طلسمی ماحول ہے اس خاندان میں ایک لڑکی ضرور پیدا ہوتی ہے اور اس کا طریقہ
پیدائش بھی عجیب سا ہے۔ وہ آگ کی بیٹی ہوتی ہے۔ وہ بس ایک طلسمی عمل کے تحت ظہور میں
آتی ہے اور میں بھی اسی آگ کی بیٹی ہوں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں سورج زادی ہوں،
سورج کی تخلیق۔ ہم مکمل انسان ہوتے ہیں۔ دل بھی رکھتے ہیں اور دماغ بھی اور اس کے بعد
ہمارے دل کی دنیا ویران رہتی ہے۔ یہ شخص آیا ہے تاریخ تو وہی ہے لیکن میرا ذہن اور دل ویسا
ہی ہے جیسا ایک انسان کا ذہن و دل ہوتا ہے اور یہ مجھے پسند آیا ہے، میں اسے اپنی زندگی میں
شامل کرنا چاہتی ہوں۔''

''تو سورج کی بیٹی میں بھی تمہیں ایک خاص بات سے آگاہ کرنے آیا ہوں اور اگر
تجھے یقین نہ آئے اس بات پر تو میرے اور تیرے درمیان ایک معاہدہ ہو سکتا ہے ایک عظیم
معاہدہ۔''

''کیا۔''

''میں تجھے اگر وہ اہم خبر دوں جو تمہارے لیے بہت ہی زیادہ دلچسپی کا باعث ہو تو
اس کے بدلے تو مجھے چشمہ حیواں کا پتہ بتائے گی۔''

ماسیکا نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر مدھم لہجے میں بولی۔

''چشمہ حیواں؟''

''ہاں پہاڑوں کی ملکہ میں اسی کی تلاش میں یہاں آیا ہوں جبکہ یہ نوجوان جس کا نام
شہروز ہے ایک اور مقصد کے تحت آیا ہے۔''

''مگر تو چشمہ حیواں کا پتہ کیوں معلوم کرنا چاہتا ہے اور تجھے یہ کیسے پتہ چلا کہ میں اس
کے بارے میں جانتی ہوں؟''

''بس یہ میرا علم ہے، جس سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی کیا تو اس بات سے انکار
کرتی ہے عظیم ملکہ!''

ماسیکا تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

''نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ چشمہ حیواں کہاں ہے ابدی حیات حاصل کرنے کے
لیے پتہ نہیں کتنے افراد وہاں جانا چاہتے ہیں لیکن میں انہیں ان کا پتہ نہیں بتاتی کیونکہ وہ سمجھتے
نہیں ہے کہ زندگی کیا چیز ہے۔ انسان زندگی سے تھک جاتا ہے موت سے نہیں۔ زندگی اتنی ہی

گھناؤنی چیز ہے کہ آخر کار اس سے نفرت ہونے لگتی ہے اور انسان موت کی آرزو کرتا ہے تو سو
اگر کسی کی موت مٹ جائے تو کیا ہو سکتا ہے وہ۔"

"یہ تیرا نظریہ ہے عظیم ملکہ۔"

"نظریہ ہی نہیں میرا ایمان ہے، دیکھ میں چشمہ حیواں کا پتہ جانتی ہوں لیکن میں نے
خود کبھی ابدیت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اس لیے کہ میں زندگی کی ناپائیداری اور اس کی
بدصورتی سے واقف ہوں۔"

"خیر یہ الگ بات ہے مجھے جواب دے اگر میں تجھے تیرے شایان شان بات
بتاؤں تو تو مجھے اس چشمے کا پتہ بتا سکتی ہے۔"

وہ دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

"ہاں مجھے اعتراض نہیں ہے۔"

"تو سن! زمانہ قدیم میں تیری نسل کی کسی عورت نے اس لڑکے کے ساتھ بدعہدی کی
تھی۔ میرا مطلب ہے اس کے والدین کے ساتھ اس کا باپ، دادا سب کے سب یہ وصیت
کرتے ہوئے مرے ہیں کہ ملکہ ماسیکا سے انتقام لیا جائے اور یہ اتنا بڑا فاصلہ طے کر کے اسی
مقصد کے تحت یہاں پہنچا ہے۔ سمجھ رہی ہے نا تو۔ شہروز تجھ سے محبت کرنے نہیں تجھے قتل کرنے
یہاں آیا ہے۔"

ماسیکا کے چہرے پر حیرت کے نقوش نمودار ہوئے پھر ایک دم سے اس کا چہرہ
خوفناک ہو گیا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں اپنے دل سے اس کی محبت کا ہر تصور نکالے دیتی ہوں، لیکن
اس کا کیا ثبوت ہے کہ تو سچ کہہ رہا ہے۔"

"آج رات وہ تیری خوابگاہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا سمجھ رہی ہے نا تو۔"

"ہاں تو پھر سمجھ لے کہ وہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جائے گا۔"

"کیا اب تو اپنا وعدہ پورا کرے گی۔"

"مجھے وعدہ پورا کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے لیکن کیا تو سچ کہہ رہا ہے؟ کیا ایسا
ہی ہوگا؟"

"ہاں، ایسا ہی ہوگا۔"

"تو ٹھیک ہے میں تمہیں وہ پتہ بتائے دیتی ہوں لیکن راستے بڑے دشوار گزار ہیں
سوچ لینا وہاں تک پہنچنا آسان نہیں ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں منگل نے کہا اس کا دل خوشی سے پھٹے جا رہا تھا وہ آرزو پوری ہو

ہی تھی جو اسے یہاں تک لے کر آئی تھی۔"

اور ماسیکا پتھروں کی مدد سے اسے زمین پر لکیریں کھینچ کر وہ نقشہ ذہن نشیں کرانے
گی۔ منگل اس پورے نقشے کو اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارتا جا رہا تھا۔

بہرحال ساری تفصیل معلوم کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"اور میں آدھی رات کے بعد اس وقت روانہ ہوں گا جب تجھے اس بات کا یقین ہو
جائے گا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے۔

ماسیکا مسکرا دی۔ اس نے کہا۔

"یہ بات تو میں پہلے طے کر چکی تھی اگر اس سے پہلے تو جانے کی کوشش کرتا تو یقین
کر زندہ نہیں جا سکتا تھا۔ اب میں تجھے ایسی جگہ بتائے دیتی ہوں جہاں تو آ کر چھپ سکتا ہے
اور دیکھ سکتا ہے کہ تیرے ساتھی کا حشر کیا ہوا۔"

منگل نے گردن ہلا دی تھی۔

ماسیکا اسے اپنے ساتھ لے کر غار کے ایک ایسے گوشے میں داخل ہو گئی جو ایک طلسمی
گوشہ تھا۔ یہاں پتھر کی ایک سل کے پیچھے ایک بڑا سا دروازہ تھا۔ ماسیکا نے کہا۔ "یہ دروازہ اس
وقت کھلے گا جب تیری بات کی تصدیق ہو جائے گی بس تم اس دروازے سے باہر نکل جانا۔"

"میں ایسا ہی کروں گا۔" منگل نے جواب دیا۔

اس کے بعد وہ خاموشی سے ماسیکا کی رہائش گاہ سے باہر نکل آیا اس کا دل خوشی سے
سرشار تھا اب تک کی محنت کامیاب رہی تھی۔ ابدی زندگی حاصل کرنے کا تصور اس کے سینے میں
ایک خوشی کی لہر بن کر مچل رہا تھا۔

جبکہ شہروز کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے وہ کچھ غمزدہ سا نظر آ رہا تھا۔

منگل نے اسے دیکھا اور پوچھا۔

"کیا بات ہے میرے دوست تمہارے چہرے پر اپنے مقصد کی کامیابی کی خوشی نہیں
ہے ایسا کیوں ہے۔"

شہروز نے افسردہ نگاہوں سے منگل کو دیکھا اور کہا۔

"یہ دل کم بخت عجیب چیز ہے کبھی کبھی یہ دشمن کو بھی دوست سمجھنے پر تل جاتا ہے اور
بہت پریشان کرتا ہے۔

"اس کا مقصد ہے کہ تیرا ارادہ ختم ہو رہا ہے۔" منگل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

شہروز نے کوئی جواب نہیں دیا تو منگل کہنے لگا۔

"بہت مشکل ہوتا ہے جو لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں وہ خود کچھ نہیں کر پاتے بس

آرزوؤں کا دامن پکڑے پکڑے حسرتوں کی آغوش میں سوتے رہتے ہیں تیرے آباؤ اجداد
پاگل تھے جو انہوں نے تجھ سے اس بات کی توقع کی، سب کچھ غلط ہے سب کچھ غلط۔''
''نہیں۔'' شہروز نے ایک دم سنبھلتے ہوئے کہا۔
''کیا نہیں تو نے اتنا لمبا سفر طے، کیا میں نے تیرا ساتھ دیا اور اب تو اس کے حسن
کے جال میں گرفتار اپنے مقصد سے انحراف کر رہا ہے۔''
''نہیں مقدس روحیں میری مدد کریں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ خنجر میں نے اس
لیے تیار کیا ہے کہ اس کی گردن پر پھیر دوں۔
''تیری مرضی ہے میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تیری رگوں میں دوڑنے والا
خون تجھے کون سے راستے پر لے جاتا ہے اس راستے پر جہاں محبت تیرا دامن پکڑے کھڑی ہے یا
اس راستے پر جہاں تیرے اجداد کی روحیں تیرے عمل کا انتظار کر رہی ہیں۔''
شہروز نے خونخوار نگاہوں سے منگل کو دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔
منگل انتظار کرتا رہا، رات کو جب گہری تاریکیاں ماحول پر مسلط ہو گئیں اور پہاڑیوں
کی دنیا نیند کا شکار ہو گئی تو منگل نے شہروز کو اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے دیکھا۔ شہروز نے تکیے کے
نیچے سے خنجر نکالا تھا اور اس کے بعد اسے اپنے لباس میں چھپا کر تیز تیز قدموں سے ماسیکا کی
رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ منگل نے ایک لمحے میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔ ماسیکا نے اسے
جو چور راستہ بتایا تھا وہ شہروز سے پہلے دوڑتا ہوا اس چور راستے سے اندر آ گیا اور اس پتھر کے
پیچھے پہنچ گیا غار میں تیز روشنی تھی اور ماسیکا اپنے بستر پر دراز شہروز کا انتظار کر رہی تھی۔ شہروز
اندر داخل ہوا تو ماسیکا کو جاگتے دیکھ کر ٹھٹھک گیا وہ اپنی جگہ رک گیا تھا۔ تب ماسیکا کے ہونٹوں پر
دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی۔
''دل کے راستے دل سے شروع ہو کر دل تک جاتے ہیں اس وقت میں تمہیں ہی یاد
کر رہی تھی۔''
''میں معافی چاہتا ہوں کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہاری خواب گاہ میں تمہاری
اجازت کے بغیر داخل ہوا۔''
''وہ جو دل میں رہتے ہیں کہیں بھی آ جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے تم میرے دل میں
بسے ہو آؤ کھڑے کیوں ہو گئے۔''
شہروز آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کی مسہری کے پاس پہنچ گیا۔ ماسیکا گہری نگاہوں سے
اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ شہروز نے کہا۔
''کیا تمہارے دل میں میرے لیے جگہ پیدا ہو چکی ہے۔''

''ہاں اگر تم پسند کرو تو تمہیں ان پہاڑوں میں زندگی مل سکتی ہے۔''
''افسوس چاہتا تو میں یہ ہی تھا لیکن کیا کروں تم نے جو رشتہ میرے جد امجد سے قائم
کیا تھا اس کے تحت میرے اور تمہارے درمیان محبت کا کوئی رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔ ہاں جس طرح
تم نے زمانہ قدیم میں میری نسل کے بزرگ کو نقصان پہنچایا تھا میں تم سے اس کا بدلہ لینے کے
لیے آیا ہوں اور تمہیں میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ کہہ کر شہروز نے اچانک ہی خنجر
نکال لیا۔
ماسیکا نے دونوں ہاتھ بلند کر کے تالی بجائی لیکن اچانک ہی شہروز اس پر ٹوٹ پڑا۔
ماسیکا کے تالی بجاتے ہی اندر سے کچھ لوگ باہر نکلے تھے اور انہوں نے شہروز کو پکڑنے کی کوشش
کی تھی، لیکن اتنی دیر میں ماسیکا شہروز کے خنجر کا شکار ہو چکی تھی۔ شہروز نے تیز دھار خنجر اس کے
گردن پر پھیر دیا تھا اور ماسیکا کی گردن کھال تک کٹ گئی تھی۔ اس کی گردن سے خون کا فوارہ بلند
ہوا۔ شہروز اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا اسے بے شمار افراد نے پکڑ لیا اور بری طرح مارنے
لگے۔ منگل یہ سب کچھ دہشت کے عالم میں دیکھ رہا تھا۔ یہ حادثہ اچانک ہی ہوا تھا۔ ماسیکا یقینی
طور پر وہ بہتر انتظام نہیں کر سکی تھی جو اسے کرنا چاہئے تھے اور شہروز جنون کے عالم میں اپنا کام کر
گیا تھا اور پتھر کے پیچھے منگل نے اپنا دم سادھ رکھا تھا۔ اگر اس کی سانس کی ذرا بھی آہٹ ہوتی
تو وہ بچ نہیں سکتا تھا کیونکہ اس نے محافظوں کو کہتے ہوئے سنا تھا۔ ''مارو اس کتے کو۔''
''مارو اس کتے کو ختم کر دو اس کا ایک اور ساتھی بھی ہے چلو تم میں سے آدھے لوگ
باہر جاؤ اور اسے گرفتار کر لو، خبردار جانے نہ پائے۔''
منگل ایک دم سنبھل گیا صورتحال بہت خطرناک ہو گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس
نے شہروز کی لاش کو زمین پر پڑے ہوئے دیکھا۔ ان لوگوں نے اس کی ہڈیاں پیس کر رکھ دی
تھیں۔ ادھر خوبصورت مسہری پر ماسیکا کی لاش پڑی ہوئی تھی پھر ان میں سے ایک نے کچھ کہا اور
سب کے سب باہر نکل گئے۔ منگل کے پورے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوئے تھے اس نے
مڑ کر عقب میں دیکھا تو یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ عقب کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔
پھر اس کے بعد وہاں رکنا سب سے بڑی بے وقوفی ہو سکتی تھی یہ سوچے سمجھے بغیر کہ
اس راستے کے دوسری طرف کیا ہے کیسا ماحول ہے کیا صورتحال پیش آئے گی منگل نے اس کھلے
دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔
اس کے سامنے ایک عجیب و غریب درہ پھیلا ہوا تھا وہ سوچے سمجھے بغیر کہ آگے کا
راستہ کیا حیثیت رکھتا ہے برق رفتاری سے دوڑنے لگا۔ یہ بات وہ اچھی طرح دیکھ چکا تھا کہ
شہروز نے اپنے بزرگوں کی خواہش پوری کر دی ہے وہ پراسرار کہانی نجانے کب سے اپنی عجیب و

غریب شکل میں پھیلی ہوئی تھی پراسرار ملکہ جس کے بارے میں یہ طے کرلیا گیا تھا کہ وہ لافا ہے اوراسے کبھی موت نہیں آئے گی موت سے ہمکنار ہوگئی تھی اور ساری داستان جھوٹی ہو تھی۔ خود اس نے اپنے بارے میں بتا دیا تھا کہ اس کی اصلیت کیا ہے لیکن بہرحال یہ بھی تقد ہی کا فیصلہ تھا یا پھر صدیوں کی خواہشات کی تکمیل کہ آخر کار اسے موت کا مزہ چکھنا پڑا تھا۔ ساری باتیں منگل کے ذہن میں آئی تھیں اور وہ اپنا یہ سفر طے کر رہا تھا۔ پہاڑ کی بلندیاں شرو ہوگئی تھیں اور آگے کے راستے انتہائی دشوار ہوتے جارہے تھے جبکہ اس پہاڑی کو دیکھ کر وحشہ طاری ہونے لگتی تھی۔ بعض جگہ تو اتنی خوفناک تھی کہ ذرا سا پیر پھسلنے سے انسان کی ہڈیا ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔ کوئی پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی پر پہنچنے کے بعد منگل کو ایک ایسا نظر آیا جو کافی تنگ تھا لیکن جیسے جیسے وہ اس درے میں آگے بڑھتا رہا درہ کشادہ اور ڈھلوان ہو جارہا تھا یہاں تک کہ آگے پہنچ کر بہت ہی چھوٹا راستہ رہ گیا پھر ایک ایسی چٹان نظر آ جو گھونگھٹ نما تھی اور جس نے درے کے راستے کو اس طرح چھپا لیا تھا جیسے کوئی نوجوان دوشیز دوپٹہ اوڑھے بیٹھی ہو اس کے بعد راستہ ہموار تھا۔ پھر یہ ایک وسیع و عریض جگہ پر جا کر ختم ہو جا تھا جو سرنگ کی شکل میں تھی ممکن ہے کسی زمانے میں آتش فشاں نے یہاں کی چٹانیں اڑا کر سرنگ بنائی ہوگی۔ اس سرنگ کا بے ترتیب راستہ ہی اس کے قدرتی ہونے کا ثبوت تھا۔ دوسر طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن یہاں بھی نہیں رکا جا سکتا تھا۔

منگل ایک جنونی انسان تھا اگر کوئی اور عقلمند آدمی ہوتا تو کسی قیمت پر اس تاریک سرنگ میں قدم نہ رکھتا لیکن اس وقت زندگی موت کا معاملہ تھا۔ اس کے علاوہ اس کی زندگی کا مقصد ہی یہی تھا۔ چنانچہ وہ بڑی احتیاط سے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ رفتار بہت ہی سست رکھی تھی ویسے بھی اندر کا راستہ بہت اونچا نیچا تھا اس لیے منگل بڑی احتیاط سے چلنا پڑ رہا تھا۔

کافی دیر میں اس نے تھوڑا سا فاصلہ طے کیا پھر ہوا کا جھونکا آیا اور منگل کو یہ احسا ہوا کہ سرنگ کا راستہ تقریباً ختم ہونے والا ہے لیکن تاریکی ایسی تھی کہ ہوش اڑے جارہے تھے برحال وہ آگے بڑھتا رہا اور پھر مدھم مدھم روشنی نظر آنے لگی لیکن روشنی ہوتے ہی ایک اور خوفناک نظارے کا سامنا کرنا پڑا۔ آتش فشاں نے اپنے زور میں ایک اور گہرا گڑھا اس طر بنایا تھا کہ ایک طرف پہاڑ میں ایک چٹان الجھ کر رہ گئی تھی اور اس کے اطراف بالکل خالی لیکن ان اطراف کی گہرائیاں اس قدر تھیں کہ نگاہوں کی حد وہاں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ یہاں پہنچ کر منگل جیسے بے جگر انسان کے قدم بھی رک گئے یہ چٹان اگر یہاں نہ ہوتی تو آگے جا کا راستہ بالکل بند تھا لیکن اس چٹان کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کتنی مضبوط

ممکن ہو کہ وہ ایک انسان کا وزن بھی نہ سنبھال سکے۔ منگل تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اسے اندازہ تھا کہ ذرا سا بھی قدم ادھر ادھر ہوا تو یہ گہرائیاں اس کی منتظر ہیں۔ اول تو ویسے ہی راستہ کونسا صاف تھا وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا آگے تو بڑھنا تھا چاہے صورتحال کچھ بھی ہو چنانچہ اس نے دونوں ہاتھ پیروں کی مدد سے جانوروں کی طرح چلنا شروع کردیا ابھی تھوڑی دور ہی بڑھا ہوگا کہ ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور منگل بالکل مکڑی کی طرح زمین سے چپک گیا۔ ہوا کا تیز جھونکا اس طرح سے محسوس ہو رہا تھا جیسے کہیں دور سے فاصلے طے کر کے آیا ہو۔ منگل دیر تک چٹان سے چپکا رہا اور ہوا اس پر سے گزرتی رہی خدا خدا کر کے اس چٹان کا خاتمہ ہوا اور ایک اور نئی ہیبت سامنے آ گئی۔ چٹان کے اوپر ایک خوفناک غار منہ پھاڑے کھڑا تھا اس غار کی گہرائی کا کوئی اندازہ بھی نہیں تھا۔ اندھیرے میں کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ غار کتنا لمبا چوڑا ہے اور اس کے آس پاس کیا ہے۔ بغور دیکھنے سے کسی چیز کا وجود تو معلوم ہوتا تھا لیکن پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے۔ یہ ہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے کہ اس غار میں کوئی شگاف ہو اور جب اسے غور سے دیکھا گیا تو پتہ چلا کہ وہ ایک چوڑا غار تھا جسے طے کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اس کی گہرائیاں بھی نامعلوم تھیں۔ لیکن بائیں سمت ایک بہت ہی چھوٹی سی پتھر کی سل پڑی ہوئی تھی جو دوسری طرف پہنچنے کا کام دے سکتی تھی۔ لیکن پتھر کی یہ سل زیادہ سے زیادہ دو یا تین انچ چوڑی ہوگی اب اگر اس سل پر سے گزرنے کا خطرہ مول لیا جا سکتا تھا تب تو ٹھیک تھا ورنہ کوئی بھی ہوشمند آدمی اسی جگہ سے واپس پلٹ سکتا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ بہرحال آگے بڑھنا تھا پیچھے جتنے ہولناک خطرے چھوڑ آیا تھا ان میں واپس پلٹنا بھی ایک مشکل کام تھا۔

بہرحال ہمت کی اور جب ہمت کر لی جاتی ہے تو بہت سے دشوار گزار مرحلے آسان ہو جاتے ہیں۔ وہ ان ناقابل یقین گہرائیوں کو عبور کر گیا اور اس کے بعد اسے جیسے اس کی مشکلات کا حل مل گیا تھا وہ آگے بڑھا اور تاریک راستوں پر سفر کرتا رہا۔ بے شک ابھی اس نے کوئی بہت زیادہ طویل سفر نہیں کیا تھا یا گزرے ہوئے دن میں اس نے کوئی بہت زیادہ مشقت نہیں کی تھی لیکن اعصابی تھکن سب سے زیادہ مشکل ہوتی ہے وہ اعصابی تھکن کا شکار تھا اور اس کا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا جن راستوں سے گزر کر وہ یہاں تک پہنچا تھا اگر اس سمت آنے تک یہ راستے تھے تو پھر اسے یقین تھا کہ اس کا تعاقب کرنے والے آسانی سے اس تک نہیں پہنچ سکیں گے چنانچہ اگر تھوڑی دیر آرام کرلیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس تصور کے ساتھ وہ ایک صاف ستھری زمین دیکھ کر لیٹ گیا۔ یہاں لیٹنے سے اس پر بہت سے انکشافات ہو رہے تھے۔ عیش و آرام کا رسیا انسان جب مشکلات میں گھر جاتا ہے تو عیش و آرام کی زندگی اس کے

لیے ایک طرح سے بالکل بے مقصد ہو جاتی ہے۔ وہ نجانے کیسی کیسی خواہشوں کا شکار ہوتا ہے
سوچتا ہے کہ دنیا کی ساری آسانیاں اسے حاصل ہو جائیں اور جب یہ نہیں حاصل ہوتا تو
کھردری زمین بھوک پیاس، مٹی، تیز وتند ہوائیں سب اس کے لیے بے اثر ہوتی ہیں عیش و
آرام کی زندگی کا خواہشمند منگل اپنے مستقبل کے لیے اپنے حال کو تباہ کیے ہوئے تھا پھر نجانے
کب اسے نیند آ گئی۔

صبح کو سورج کی روشنی نے اسے جگایا تھا جو نقشے اس کے ذہن میں محفوظ تھے ان کی
نشانیوں کی تلاش میں اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی سامنے ہی ناریل کے درختوں کے جھنڈ ایک
دوسرے میں لپٹے نظر آ رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور دل میں خوشی کا
احساس جاگا یہ تو ایک جانی پہچانی جگہ ہے یعنی ان نقشوں کے مطابق جو اس کے ذہن میں تھے۔
حقیقت یہ تھی کہ نہ تو زرق نہ کارلائل نہ ہری ناتھ اور نہ ہی وہ مزدور جنہوں نے لمحہ لمحہ اس کا ساتھ
دیا تھا اور نہ ہی شہروز حسین وجمیل نوجوان جو اس پر بہت زیادہ بھروسہ کرتا تھا اسے کسی کی زندگی
سے دلچسپی تھی اور نہ موت سے وہ تو اپنے ہی مقصد کے لیے راستے طے کر رہا تھا اور جب بھی کبھی
وہ لوگ کسی جذباتی بات کا اظہار کرتے اسے ہنسی آتی اور وہ یہ سوچتا کہ ان جذبات سے اس کا
کوئی تعلق نہیں تھا وہ تو اپنے ہی شوق کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس وقت وہ اپنے مقصد میں
بالکل علیحدہ تھا اور اسے کسی اور کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے بڑے پیار سے
ان درختوں کو دیکھا اور پھر اسے یاد آ گیا کہ آگے اسے ایک بڑی سی جھیل ملے گی جو درمیان سے
دو ٹکڑوں میں تقسیم ہے ایک سیدھی لکیر دوسری طرف پہنچنے کے لیے موجود ہے اور اسے اسی لکیر پر
چلنا ہے اگر نقشے اس کے ذہن میں پوری طرح محفوظ ہیں تو تھوڑی دیر کے بعد وہ جھیل سامنے آ
جانی چاہیے۔

البتہ عقل ودانش سے کام لے کر اس نے یوں کیا کہ ناریلوں کی جھنڈ کے پاس پہنچا
اس وقت اس کے پاس میں کوئی ہتھیار نہیں تھا، لیکن زمین پر پتھر پڑے ہوئے تھے اور اسے بچوں
کی طرح ان پتھروں سے کھیلنا پڑا لیکن نتیجے میں کافی ناریل زمین تک پہنچ گئے جو کسی بھی شکل
میں بیکار نہیں تھے۔ پانی اور خوراک قدرت کا تحفہ جو ہر اچھے اور برے کے لیے ہے۔ اس نے
وہاں شکم سیری کی اور اس کے بعد آگے بڑھ گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد قدرت نے اسے ایک
اور انعام دیا دور سے اسے جھیل کا پانی چمکتا ہوا نظر آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

منگل جیسا آدمی جو قدرت کے بہت سے انعامات سے دور تھا اور جس کے ذہن
میں کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ دینے والا ہر اچھے اور برے کو دیتا ہے اس جھیل کو دیکھ کر بے پناہ

...ش ہوا تھا، لیکن اس کی درمیانی پٹی بھی بہت ہولناک تھی۔ بظاہر تو منگل کو ملے ہوئے نقشے میں
...ں کا ذکر تھا لیکن جھیل کی لمبائی چوڑائی اور اس کے دوسرے مناظر بڑے بھیانک تھے۔ منگل
...نے ایک بات سوچی کہ کیوں نہ راستہ کاٹ کر اس جھیل کا جائزہ لیا جائے اور اس کے کسی بھی
کنارے سے دوسری طرف پہنچا جائے۔ کیا ضروری ہے کہ اس کے درمیان ہی سے گزرا جائے
چنانچہ اس خیال کے تحت وہ بائیں سمت چلنے لگا اور کوئی دو گھنٹے کے سفر کے بعد اس کے ہوش و
حواس درست ہو گئے۔ جھیل کے کنارے سے دلدلی زمین شروع ہوتی تھی اور یہ دلدل اتنی پتلی
تھی کہ پرندے تک اس پر نہیں بیٹھ رہے تھے بلکہ اگر وہ دلدل میں اچھل کود مچانے والے
مینڈکوں کو پکڑنے کی کوشش کرتے تو اس کے لیے وہ ایک لکڑی اپنی چونچ میں لے کر آتے
اسے دلدل میں گاڑتے اور پھر اس پر بیٹھ کر انتظار کرتے کہ کوئی اچھلنے والا مینڈک قریب سے
گزرے تو وہ اسے اپنا شکار کریں۔ منگل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

دو گھنٹے کا یہ سفر اور دو گھنٹے واپسی کے اور پھر جسمانی تھکن اس چار گھنٹے کے ضائع
ہونے کا اسے بہت افسوس تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اگر جھیل کے دوسری طرف سے جانے کا
راستہ آسان ہوتا تو اس پٹی کی نشاندہی نہ کی جاتی۔ گویا گزرنے کا راستہ یہی ہے، لیکن یہ بھی
ایک خوفناک سفر تھا۔ جو بڑی احتیاط سے کرنا تھی ذرا سی لغزش ہوتی تو ان ویرانوں میں نظر آنے
والی جھیلوں میں گھڑیال بھی ہوا کرتے ہیں، خوفناک مگرمچھ لمحوں میں اسے زندگی سے محروم کر دیں
گے۔

کنارے پر رک کر منگل سوچتا رہا کہ آگے بڑھے یا نہ بڑھے بڑا زبردست امتحان تھا
لیکن جس چیز کے حصول کے لیے وہ جا رہا تھا وہ بھی ایسی تھی کہ ایک بار مل جائے تو اس کے بعد
زندگی کی ہر مشکل دور ہو جائے۔

بہت دیر تک وہ اپنے آپ کو سمجھاتا رہا اور آخر کار اپنی دیوانی فطرت سے مجبور ہو کر
اس نے اس خشک پٹی پر قدم رکھ دیئے جو جھیل کی سطح سے کئی فٹ بلند تھی، لیکن اس کی چوڑائی دو،
ڈھائی فٹ سے زیادہ نہیں ہو گی سب سے بڑا خوف یہ تھا کہ کون جانے کہ کب اس کے جسم کے
وزن سے وہ پٹی ٹوٹ جائے یا اس کا کوئی حصہ ٹوٹ جائے۔ اس کے بعد زندگی کے لیے کوئی
معانی نہیں تھے چونکہ اس کا پہلا اندازہ بالکل درست تھا جھیل میں کہیں کہیں بلبلے اٹھتے نظر آتے
تھے اور کہیں کہیں گھڑیال سر ابھارتے نظر آتے تھے اور پھر جیسے ہی وہ پٹی پر کوئی دس پندرہ قدم
آگے بڑھا جھیل کے مکینوں کو علم ہو گیا کہ شکار آ گیا اس نے بڑے بڑے کشتی نما گھڑیال پٹی کی
جانب بڑھتے دیکھے اور جب انہوں نے قریب آ کر منہ کھولے تو اندازہ ہوا کہ وہ کیا حیثیت رکھتا
ہے۔ ایک ایک گھڑیال چار چار انسانوں کو زندہ نگل سکتا ہے۔ اس کی جسامت جتنی ہی تھی وہ

بھاڑ جیسے منہ کھولتے اوران کے لمبے لمبے خنجر جیسے دانت اس کی جانب لپکتے، لیکن یہ بھی قدرت ہی کا کارنامہ تھا کہ وہ اس سیدھی پٹی پر اوپر تک نہیں پہنچ پاتے تھے اوران کے وزنی جسم انہیں چھلانگ لگانے سے باز رکھتے تھے۔ البتہ ان کی للچائی ہوئی آنکھیں اورخوفناک جبڑے منگل کا بری طرح لرزا رہے تھے اورکئی جگہ وہ اس طرح اعصابی تناؤ کا شکار ہوا کہ جھیل میں گرتے گرتے بچا، کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ گھڑیالوں نے اپنے جسم اس دیوار کے ساتھ لگائے اوراپنے منہ اس طرح سیدھے کرتے کہ ان کے منہ کی لمبائی اتنی ہو جاتی کہ بس چار، چھ، آٹھ انچ کا ہی فاصلہ رہ جاتا۔ اگر یہ فاصلہ بھی طے ہو جاتا تو وہ آرام سے اس کا پاؤں پکڑ سکتے تھے۔ ایسے موقعوں پر منگل برق رفتاری سے آگے بڑھ جاتا اوراپنے جسم کا یہ عدم توازن بھی اسے بڑا ہولناک محسوس ہوتا۔ چونکہ اس کے بعد پٹی پر اسے اپنا بیلنس سنبھالنا پڑتا پھر اس نے اپنے ذہن کو ہر طرح کے خطرات سے بے نیاز کر دیا اوراپنی اس فطرت میں واپس آ گیا جس میں وہ بہتوں کو زندگیوں سے محروم کرتا اور پھر اچانک ہی اسے ایک خوشی کا احساس ہوا۔

جھیل کی وہ پٹی اس نے عبور کر لی تھی اور بڑی عمدگی کے ساتھ وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گیا تھا۔ البتہ وہاں پہنچنے کے بعد وہ تھوڑا سا آگے بڑھا اور پھر سیدھا سیدھا زمین پر لیٹ گیا اورآنکھیں بند کر لیں۔ شدید اعصابی دباؤ نے اسے نڈھال کر دیا تھا اوراسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اتنا خوفناک سفر طے کر لیا ہے۔

ابھی اسے لیٹے ہوئے ذرا سی دیر گزری تھی کہ زمین پر پتھر سرکنے کی آوازیں سنائی دیں اوراس نے سرسری نگاہوں میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کا خون خشک ہو گیا۔ گھڑیال اس پٹی پر تو نہیں پہنچ سکے تھے لیکن جھیل میں سے خشکی پر آنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا اوراس وقت کوئی دس بارہ اس کی طرف منہ پھاڑے بڑھ رہے تھے ان کے موٹے موٹے پاؤں زمین پر پڑتے تو پتھر اپنی جگہ سے کھسکنے لگتے۔

منگل کے حلق سے ایک چیخ نکلی اوراس کے بعد وہ اٹھ کر اس طرح سرپٹ بھاگا کہ اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ غلطی ہو گئی تھی بعض اوقات عقل اس طرح ساتھ چھوڑ جاتی ہے کہ انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ بھلا جھیل کے کنارے آرام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ گھڑیال آسانی سے جھیل سے باہر آ سکتے ہیں، مچھلیاں تو نہیں تھیں کہ جھیل ہی میں ان کی زندگی تھی۔ بہرحال وہ کافی دور نکل آیا اسے احساس ہوا کہ یہاں ان ہولناک جنگلوں میں ایک لمحے کی غفلت کا نام موت ہوتا ہے، جو ہو گیا تھا وہ تو ہو گیا تھا لیکن اس کے بعد ہوشیار رہنا تھا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے آسمان کی جانب دیکھا روشنی کم ہونے لگی تھی اوراب اسے کسی مناسب جگہ کا بندوبست کر لینا تھا۔ چنانچہ ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے

کے بعد اسے ایک چٹانی سلسلہ نظر آیا۔ عجیب بدصورت بدنما چٹانیں تھیں۔ جگہ جگہ ان میں لکیریں پڑی ہوئی تھیں اوران کے رنگ بالکل تارکول جیسی رنگت کے تھے۔ عجیب وغریب پتھر تھے یہ۔ لیکن بعض جگہیں بڑی صاف ستھری تھیں چنانچہ منگل اس جانب چل پڑا اور پھر اسے ایک ایسی جگہ نظر آ گئی جہاں وہ لیٹ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ وہاں لیٹ گیا اور جو ناریل ساتھ لایا تھا اور جنہیں اس نے بڑی احتیاط سے محفوظ کیا تھا ان میں سے دو ناریل اس وقت بھی اس کی زندگی کے لیے بہترین ذریعہ بنے۔

ہوائیں ٹھنڈی ہو گئی تھیں۔ ہوا کے جھونکوں نے اسے نیند کی آغوش میں پہنچا دیا اوررات اس طرح پرسکون گزر گئی کہ صبح کو بڑی فرحت کا احساس ہوا وہ ابھی لیٹا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ اس پرسکون رات کا صحیح لطف اٹھایا جائے اور آج کا پورا دن برق رفتاری سے سفر کیا جائے کہ اچانک ہی اسے فضا میں کچھ دھبے دھبے سے نظر آئے وہ حیرانی سے انہیں دیکھنے لگا کیونکہ ان کے سائے زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ ابھی وہ سمجھ بھی نہیں پایا تھا کہ یہ دھبے کیسے ہیں کہ اچانک ہی اس نے تیز تیز چیخیں سنیں اوراسے اندازہ ہو گیا کہ یہ پرندے ہیں، ان پرندوں کے پر چمگادڑوں کی طرح سے پھیلے ہوئے تھے، لیکن وہ اتنے اتنے بڑے تھے کہ چھوٹے چھوٹے جہاز معلوم ہوتے تھے۔ ایک لمحے کے اندر اندر منگل کو احساس ہو گیا کہ ایک اور خطرہ سر پر آ گیا ہے۔ یہ پرندے بآسانی اسے اپنے پنجوں میں دبوچ سکتے ہیں۔ وہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسی وقت ایک پرندے نے غوطہ لگایا اوراس پر جھپٹا، لیکن خوش قسمتی یہ تھی کہ منگل کے بالکل پیچھے ایک ایسی چٹان ابھری ہوئی تھی جو اسے چھپا سکتی تھی۔ پرندے کے پاؤں عین اس جگہ پڑے جہاں ایک لمحے پہلے منگل کھڑا ہوا تھا اور تارکول نما چٹان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر گہرائیوں میں لڑھکتا چلا گیا۔ پرندہ چیختا ہوا اڑ گیا تھا۔ چٹان کا جو ٹکڑا ٹوٹا تھا اس کے بارے میں منگل کو یہ اچھی طرح علم تھا کہ وہ انتہائی مضبوط جگہ تھی۔ پرندوں کی انتہائی قوت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو جاتا تھا۔

منگل سہا ہوا اپنی جگہ کھڑا رہا اب وہ چٹان کے سائبان سے نکل کر ان پرندوں کو دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ البتہ ان کے سائے بار بار اس جگہ سے گزر رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ہر قیمت پر اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ منگل دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا اور پرندے تقریباً آدھے گھنٹے تک اس پر پرواز کرتے رہے پھر آہستہ آہستہ ان کے سائے ختم ہو گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ مایوس ہو کر چلے گئے ہیں۔ اس کے باوجود منگل اس چٹان کے سائبان کے نیچے رہا۔ پھر جب اسے مکمل یقین ہو گیا کہ اب وہ پرندوں سے مکمل محفوظ ہے تو باہر نکل کر اس نے آسمان کی جانب دیکھا۔ خوفناک پرندوں کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔

چٹان سے اتر کر آگے بڑھتے ہوئے اس نے سوچا کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار ضرور ہونا چاہئے۔ آہ، کاش اگر رائفل اس کے پاس ہوتی تو وہ ان پرندوں کو نشانہ بنا سکتا تھا یا پھر کم از کم دھماکوں سے ہوسکتا ہے کہ وہ خوفزدہ ہو کر اڑ جاتے، لیکن اب یہ سوچنا بیکار ہی تھا کیونکہ ہتھیار اب اس کے پاس موجود نہیں تھے وہ وہاں سے چل پڑا۔ سفر کسی بھی خوف سے ختم تو نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن اس کی نگاہیں بار بار آسمان کی جانب اٹھ جاتی تھیں پھر کافی آگے چل کر اسے گھنا جنگل نظر آیا۔ یہ جنگل اسے خطروں سے بے نیاز کر سکتا ہے۔ گھنے درختوں میں پرندے اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن یہ ایک ناقابل یقین قسم کی بات تھی۔ پرندے واقعی ہولناک تھے اور وہ اگر اس تک پہنچ کر اس پر جھپٹا بھی مارتے اور اس کے سر تک پہنچ جاتے تو کھوپڑی پاش پاش ہو جاتی۔ منگل دوڑنے لگا، پرندوں کے خوف سے وہ جلد از جلد درختوں کے درمیان پہنچنا چاہتا تھا اور اس کوشش میں اسے کامیابی حاصل ہوگئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ درختوں کی چھاؤں میں تھا۔

غرض یہ کہ یہاں اسے پناہ مل گئی اور وہ درختوں میں آگے بڑھنے لگا لیکن آگے چل کر ان درختوں کی شکل بھی عجیب ہونے لگی تھی۔ درخت ہی پتہ نہیں کس طرح کے تھے لیکن منگل دیکھ رہا تھا کہ ان تنوں میں باریک باریک ریشہ دار جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔ یہ جھاڑیاں ایک دوسرے سے الجھی ہوئی تھیں۔

ابھی منگل ایک قدم رک کر ان جھاڑی نما ریشوں کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اس نے ایک زیبرے کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ زیبرے کے تعاقب میں شیر لگا ہوا تھا، منگل کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ زیبرا برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا منگل اس کے راستے سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا تھا پھر اس نے غور سے ان جھاڑیوں کو دیکھا، جھاڑیوں کے ریشے ایک لمحے کے لیے آپس میں ملتے تھے اور پھر جدا ہو جاتے تھے۔ زیبرا سامنے والے درختوں کی اوٹ سے اس وقت گزرا جب جھاڑیوں کے ریشے ایک دوسرے سے الگ ہو رہے تھے اور پھر ایک لمحے کے بعد شیر بھی اس کے پیچھے سے گزرا۔ منگل نے دیکھا اس وقت وہ ریشے آپس میں مل رہے تھے۔ شیر نے ایک چھلانگ لگائی لیکن ریشے نہ توڑ سکا اور پھر اچانک ہی وہ ان ریشوں میں الجھ گیا۔ زندہ ریشوں نے اسے زمین سے اوپر اٹھا لیا بالکل یوں لگا جیسے کسی کو اس کا شکار مل گیا ہو۔ ایک عجیب سی آواز فضا میں گونجی جیسے کسی بلند جگہ سے پانی کے قطرے ٹپ ٹپ کر کے ٹپک رہے ہوں لیکن منگل نے جو ہولناک منظر دیکھا تھا وہ یہ تھا کہ شیر ان درختوں کے تنوں کے درمیان ریشوں میں معلق تھا اور بھرپور ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن آہستہ آہستہ اس کے جسم کی کھال غائب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد اس کے پورے بدن کا گوشت نمایاں ہوگیا پانی جیسی بوندوں کے

رنے کی آواز اب بھی آ رہی تھی اور شیر کے بدن کا گوشت غائب ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ آن کی آن میں اس کا جسم گوشت سے خالی ہوگیا اور اب اس کا پنجر فضا میں لٹک رہا تھا جس کی ہڈیوں میں جگہ جگہ تھوڑا تھوڑا گوشت چپکا ہوا تھا لیکن بات یہاں تک ہی ختم نہ ہوئی کڑکڑاہٹ کی آوازیں ابھرنے لگیں اور اس کے بعد یوں لگا جیسے کوئی انتہائی قوت کے ساتھ جسم کو توڑ رہا ہو اور پھر منگل نے شیر کے بدن کی ہڈیوں کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا کوئی دس یا پندرہ منٹ کے اندر اندر یہ عمل ختم ہوگیا۔ ریشوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھر درختوں کے تنوں سے جا لپٹے۔

منگل کو خوف سے چکر آ رہے تھے وہ ان درختوں کو دیکھتا رہا، تنوں سے نکلنے والے ریشے بار بار آپس میں جڑ رہے تھے اور پھر علیحدہ ہو جاتے تھے بڑی ہولناک صورتحال تھی اب آگے بڑھنے کا مسئلہ تھا۔

منگل نے ایک تجربہ کر کے دیکھا اس نے لکڑی کی ایک بڑی سی شاخ توڑی جو پچھلے درختوں سے حاصل ہوگئی تھی اور پھر اس نے اس شاخ کو ریشوں سے دوسروی طرف پھینکا شاخ ریشوں سے گزر گئی تھی لیکن اس وقت جب ریشے ایک دوسرے سے جدا ہو رہے تھے ہوسکتا ہے وہ صرف جانداروں کے جسم کو پکڑتے ہوں۔ منگل نے سوچا اور دوسرے لمحے اس نے ایک اور شاخ توڑی اور پھر اس وقت اس شاخ کو اس نے ریشوں پر پھینکا جب ریشے آپس میں ملے ہوئے تھے۔ شاخ ریشوں میں الجھ گئی اور پھر یوں لگا جیسے کچھ نادیدہ ہاتھ اس شاخ کو توڑ رہے ہوں پانی کی بوندیں ٹپکنے کی آوازیں پھر سے سنائی دیں اور کچھ لمحوں کے بعد اس شاخ کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ منگل اب اپنے آپ کو آگے بڑھنے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ یہ تمام خطرات مول لیئے بغیر منزل کا مل جانا ناممکنات میں سے تھا چنانچہ وہ تیار ہوگیا اور پھر جیسے ہی ریشے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئے اس نے ایک لمبی چھلانگ لگا دی اور دوسری جانب پہنچ گیا۔ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا لیکن کوئی سو گز کے فاصلے پر پھر ویسے دو درخت نظر آ رہے تھے اور ان درختوں میں بھی وہی عمل جاری تھا۔ آگے جانے والا زیبرا اب پنجر کی شکل میں ان درختوں میں لٹکا ہوا تھا۔ غالباً ان کا نظام ہضم خراب تھا اور وہ زیبرے کو ابھی تک ہضم نہیں کر سکے تھے، لیکن سب کچھ منگل کی نگاہوں کے سامنے ہی ہوگیا۔

آہ، نہ جانے ان درختوں کا سلسلہ کتنا طویل ہے، لیکن دن کی روشنی میں اس ہولناک خطرے سے بھی باہر نکل جانا چاہئے۔ چنانچہ منگل اب پوری ہمت کے ساتھ تیاریاں کرنے لگا۔ قرب و جوار میں بھی ویسے ہی درخت پھیلے ہوئے تھے راستہ بدلنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا چنانچہ کچھ ہی لمحوں کے بعد منگل نے درختوں کے آخری حصے سے چھلانگ لگائی اور جنگل کا یہ اختتامی سلسلہ ایک وسیع وعرض نیلے پیلے پتھروں کے میدان پر جا کر ختم ہوگیا۔

منگل کی برح حالت ہو رہی تھی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کچھ پراسرار قوتیں اسے چشمہ حیواں تک جانے سے روک رہی ہوں، لیکن میں وہاں تک ضرور جاؤں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

☆......☆......☆

کچھ بھی نہیں ہوا سوائے اس کے کہ وہ دو تین گھنٹے تک اس پیلی پتھروں کی سرزمین پر پڑا رہا اور زندگی اسے بہت ہی حقیر شے محسوس ہوئی، لیکن ایک لگن ایک خیال اس کے اندر بدستور زندگی بن کر دوڑ رہا تھا۔

چنانچہ وہ تھوڑی دیر کے بعد بالکل سنبھل گیا اور اس نے آگے کا سفر شروع کر دیا۔ ایک عزم، ہمت اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں بس چلنا تھا۔ چلتے رہنا تھا۔ پیلی مٹی کی سرزمین کی خاص واقعہ کی مظہر نہ ہوئی اس کے بعد پھر ڈھلانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور ان ڈھلانوں پر جگہ جگہ درخت نظر آ رہے تھے پہلے تو اس نے ان درختوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی، لیکن پھر اچانک ہی اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ درخت عجیب طرح کے تھے ان کی لمبائی سولہ سے بیس فٹ کے قریب ہو گی، لیکن ان کے پتے اس طرح کے تھے جیسے کسی نے اپنے بال مخصوص انداز میں بنائے ہوئے ہوں اور ان کے نیچے عجیب و غریب نقش تھے لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ درخت اصلی ہیں۔

ایک نگاہ دیکھنے پر وہ کافی ہیبت ناک لگ رہے تھے منگل تھوڑی دیر تک سوچتا رہا لیکن جو کچھ اس کے سامنے آ رہا تھا وہ اتنا عجیب اور خوفناک تھا کہ اس کے بعد ہر خوف کا تصور ختم ہوتا چلا جائے چنانچہ اس نے ان درختوں کو بھی نظرانداز کر دیا اور ان کے درمیان آگے بڑھنے لگا۔ دفعتاً اسے اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

''نہیں، جہاں تم جا رہے ہو وہ جگہ مناسب نہیں ہے۔''

منگل بجلی کی سی تیزی سے واپس پلٹا لیکن نگاہوں کی آخری حد تک کسی ایسے ذی روح کا وجود نہیں تھا جو اسے ہدایت کر سکے۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر درختوں کی بلندیوں پر اور اس کے قرب و جوار میں دیکھا، لیکن کچھ نہیں نظر آیا اس نے ایک قدم آگے بڑھایا کہ آواز آئی۔

''دیکھو، زندگی بہت خوبصورت ہے لیکن موت اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے تم نے موت کا چہرہ نہیں دیکھا۔ زندگی کے مکروہ اور بھیانک چہرے کا اس سے کوئی موازنہ نہیں ہے۔ بے شک جو دیکھ لیا جاتا ہے اسی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے جو نہیں دیکھا جاتا وہ مختلف خیالات کا حامل ہوتا ہے موت کی تصویر نہیں دیکھی ہے تم نے، دیکھ لو تو اسی کی جانب دوڑو۔

مختلف آوازیں تھیں اور یہ آوازیں جہاں سے آ رہی تھیں اسے دیکھ کر اب منگل کی

آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں یہ ان درختوں کے ہونٹوں سے نکل رہی تھیں۔ درختوں میں غور سے دیکھنے پر ہونٹوں کی تراش نمایاں محسوس ہوتی تھی یہ درخت بول رہے تھے کوئی کچھ کہہ رہا تھا کوئی کچھ۔ آوازیں اب ملی جلی حیثیت اختیار کر چکی تھیں۔

''وہ سامنے چشمہ حیواں ہے تم وہاں پہنچ چکے ہو، لیکن نہیں ایسا نہ کرو زندگی اتنی خوبصورت نہیں ہوتی جتنا تم سمجھ رہے ہو دنیا میں رہ کر دنیا سے اکتا جاؤ گے یہ دنیا دکھوں کا گھر ہے، موت سکون کی منزل ہے اس کے بعد زندگی کے لاکھوں دکھ ختم ہو جاتے ہیں۔ نہیں موت سے کنارہ کشی نہ کرو، نہیں نہیں، رک جاؤ سنو بات سنو دیکھو ایسا نہ کرو۔

لیکن منگل کے قدم آگے بڑھتے ہی رہے اور اب وہ ان آوازوں سے بے نیاز ہو گیا تھا کیونکہ اس کی نگاہ سامنے کی سمت اٹھ گئی تھی وہ پانی نہیں تھا لیکن ایک چٹان سے بہہ رہا تھا۔ چمکتا ہوا سیماب تڑپتی ہوئی بجلیاں اپنے جنوں میں لیے ہوئے اس سے شعاعیں خارج ہو رہی تھیں۔ وہ نیچے گر رہا تھا۔ بوند بوند کی شکل میں اور نیچے چاندی کا شفاف سیلاب بہہ رہا تھا ایسی عجیب و غریب چیز کہ اس پہ نگاہیں نہ ٹکیں۔ اس سے رنگین روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ وہ سیمابی پانی تھا۔ منگل کے قدم اس کے قریب پہنچ کر رک گئے کنارے پر پتھر پڑے ہوئے تھے اور یہ پتھر بھی اسی کے رنگ میں چاندی کے رنگ میں رنگ گئے تھے ان سے شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ بڑی بڑی چٹانیں، چھوٹے چھوٹے پتھر ان کے درمیان چکراتا ہوا سیماب، چاندی کی بہار لیے ہوئے۔ ہیروں کے رنگ لیے ہوئے۔ وہ آگے بڑھ کر زمین کی گہرائیوں میں داخل ہو جاتا تھا اب یہ الگ بات ہے کہ زمین کی گہرائیوں میں وہ یہاں سے کہاں پہنچا ہو، لیکن یہاں، جہاں وہ گر رہا تھا بس ایک گول دائرے کی شکل میں چشمہ حیواں رواں دواں تھا اس منظر کو دیکھ کر جان نکلی جاتی تھی منگل کے کانوں میں آواز ابھری۔

''یہ ہی حیات ابدی ہے یہ ہی چشمہ حیواں ہے اس کا پانی پینے کے بعد موت منہ موڑ لیتا ہے اور زندگی ابدی ہو جاتی ہے۔ یہ ہی ابدیت کا چشمہ ہے چشمہ حیات، چشمہ حیواں۔

منگل بے خود ہو گیا آہستہ آہستہ وہ اس چشمے کے کنارے بیٹھ گیا اس نے دونوں ہاتھوں کا چلو بنایا اور اس کے ہاتھ آگے بڑھنے لگے پھر اس نے اپنے ہاتھوں میں وہ تھوڑا سا پانی لیا ٹھنڈا، نفیس، ہلکا لیکن چاندی کا رنگ لیے ہوئے اس نے یہ پانی ہونٹوں سے لگایا اور اسے یوں محسوس ہوا واقعی آب حیات وجود میں اتر گیا ہو ایک بار پھر اس نے چلو سے پانی بھرا چار چلو پیا تھا کہ آواز آئی۔

''بس رک جا آگے نہ بڑھ وقت کو موقع دے حالات کو سوچ غور کر یہ جو تو نے آب حیات پیا ہے تو زندہ رہے گا ابدی زندگی تو تجھے حاصل ہو گئی لیکن اگر کبھی مرنے کو دل چاہا تو اس

کی مقدار پوری کرنے کے بعد تو مر نہیں سکے گا بس اتنا کافی ہے اس میں کوئی فریب نہیں ہے۔
یہ ایک سچا سچ ہے پیچھے ہٹ جا خبردار اس کے بعد تیرے ہاتھ اس کی جانب بڑھے تو اسی جگہ
تجھے ہلاکت نصیب ہو جائے گی پیچھے ہٹ جا۔''
آواز میں ایسی سفاکی اور درندگی تھی کہ منگل ہل کر رہ گیا وہ چند قدم پیچھے ہٹا اور پھر
اس کی بے قرار آواز ابھری۔

''میں حیات ابدی حاصل کرنا چاہتا ہوں میں زندہ جاوید ہونا چاہتا ہوں میں مرنا
نہیں چاہتا چشمہ حیات تک پہنچنے کے بعد مجھے تشنہ نہ رہنے دو، میں اپنی زندگی مکمل کرنا چاہتا
ہوں۔''

''تیری زندگی مکمل ہو گئی ہے موت اب تجھ سے دور ہٹ گئی ہے لیکن اس سے آگے
اگر تو نے کوئی عمل کیا تو سخت نقصان سے دوچار ہو سکے گا دیکھ وہ سامنے کیا رکھا ہے یہ صحیح معنوں
میں تیرے لیے چشمہ حیات ہے۔

منگل کی نگاہیں سامنے کی جانب اٹھیں تو اس نے دیکھا ایک شیشی رکھی ہوئی ہے جس
میں سادہ پانی بھرا ہوا ہے بالکل سادہ اور عام سا پانی۔

''یہ کیا ہے؟'' منگل نے جیسے خود سے سوال کیا، جواب کہاں سے مل رہا تھا وہ نہیں
جانتا تھا نہ ہی اسے اس بات پر حیرت ہوئی تھی کہ اسے اس کے عمل سے روکنے والا کون ہے۔
بس ایک بے خودی سی طاری تھی اس پر اور سوال و جواب کا سلسلہ چل رہا تھا۔

''یہ کچھ اور ہے تجھ سے کہا جا رہا ہے صحیح معنوں میں یہ زندگی ہے جب کبھی مرنے کو
دل چاہے تو اس شیشی میں سے یہ پانی نکال کر اپنے وجود میں انڈیل لینا موت کا سکون تیرے
رگ و پے میں پھیل جائے گا اٹھا اس شیشی کو اٹھا۔''

منگل نے آگے بڑھ کر شیشی اٹھا لی پھر اس کی آواز ابھری۔

''اس میں موت ہے۔''

''ہاں اس میں موت ہے لیکن اس وقت جب تو یہ دیکھے کہ زندگی تیرے لیے بیکار ہو
گئی ہے اور موت تجھے زندگی سے بہتر نظر آئے اور تو اس بات پر افسوس کرے کہ تو نے حیات
ابدی حاصل کر کے غلطی کی۔ زندگی کی انتہا موت ہے۔ تو انتہا سے ہٹ گیا تو یہ شیشی اس وقت
تیرے کام آئے گی۔''

''اس کا پانی اپنے وجود میں اتار لینا۔''

''مجھے کبھی یہ درکار نہیں ہو گی میں ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی چاہتا ہوں۔''

منگل نے دانت پیس کر شیشی زمین پر دے ماری، لیکن اس کے ہاتھ کی قوت بے اثر

رہی اسے یوں لگا جیسے کچھ نادیدہ ہاتھوں نے اس سے شیشی چھین لی ہو، شیشی زمین پر لگنے کے
بجائے آسمان کی جانب پرواز کر گئی تھی اور پھر اس کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

منگل اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ وہ آسمان کی بلندیوں پر پہنچ کر ایک نقطے کی شکل
اختیار کر گئی تھی اس کے بعد گم ہو گئی تھی۔ منگل کو اپنا سارا وجود آتشی وجود لگ رہا تھا چشمہ حیواں کا
پانی اس کے سارے وجود میں اتر چکا تھا اور وہ خوشی سے سرشار ہو رہا تھا اس نے آسودہ نگاہوں
سے چاروں طرف دیکھا۔ دنیا کتنی حسین ہے۔ یہ شجر' یہ حجر' یہ زمین' یہ آسمان، یہ ٹھنڈی ہوائیں،
یہ بہتے ہوئے چشمے، یہ بلندی سے گرتے ہوئے آبشار، یہ چہچہاتے ہوئے پرندے یہ سب کے
سب زندگی کی علامت ہیں۔ دنیا تو بہت حسین ہے، نہیں مجھے اپنی ابدیت مکمل کر لینی چاہئے میں
زندہ جاوید ہونا چاہتا ہوں وہ چشمے کی جانب واپس مڑا لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی
کہ اب وہاں کسی چشمے کا وجود نہیں تھا۔ پتھریلی اور سنگلاخ زمین وہ جگہ جہاں سے چشمہ گر رہا تھا
خشک اور بنجر نظر آ رہی تھی۔

منگل حیرانی سے چاروں طرف دیکھتا رہ گیا ایک قدم بھی ادھر سے ادھر نہیں بڑھایا تھا
اس نے تو' پھر یہ چشمہ حیواں کہاں گیا، آہ لیکن مجھے کہا گیا ہے کہ یہ چار گھونٹ میرے لیے ابدی
زندگی کی ضمانت دیتے ہیں میں زندہ جاوید ہو گیا ہوں مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ وہاں سے جو کچھ بھی
لینا تھا وہ لے چکا تھا اور اب اپنی دنیا میں واپسی ضروری تھی اس کا دل اس کا ہر احساس اسے یہ
بات بتا رہا تھا کہ اب اس کی رگوں سے موت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل گئی ہے۔ اس کے حلق
سے مسرت بھرے قہقہے نکلنے لگے۔ پہاڑوں میں اس کی آواز ابھر رہی تھی۔

''میں زندہ جاوید ہوں میں امر ہوں، میں اب کبھی نہیں مروں گا آہ زندگی حسین
زندگی میرا تصور زندہ ہو گیا ہے۔ میں نے وہ پا لیا ہے جو دنیا میں کسی کو نہیں ملا میرے باپ،
میری بستی، میرا شہر سب بے کار تھے مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کائنات میں عظیم
حکمران ہوں اور اس کے بعد میں جو چاہوں گا وہ ہو گا سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہو گا۔
میں عظیم ہوں میں عظیم ہوں، وہ اپنے سینے پر ہاتھ مارنے لگا اس کے حلق سے نکلنے والے قہقہے
فضاؤں میں منتشر ہو رہے تھے اور ایک طرح سے اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔

''سمجھے میں عظیم ہوں اور اب میں آ رہا ہوں تمہاری طرف، دنیا کا سب سے بڑا
انسان، وہ جس کے آگے آخر کار تم سب کو اپنی گردنیں جھکانا ہوں گی تم سب کو میرے آگے سر
بسجود ہونا ہو گا۔ میرے پاس عظیم الشان سرمایہ ہے۔ بیوقوف ہیں وہ لوگ جو دولت کے حصول
کے لیے اپنی عمر کا آخری لمحہ تک ضائع کر دیتے ہیں اور پھر یہ دولت کسی اور کے لیے چھوڑ کر اس
دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اگر صحیح معنوں میں دولت اکٹھی کرنی ہو تو اسے خرچ کرنے کے لیے

اس سے شان وشوکت حاصل کرنے کے لیے ابدی زندگی ہونا ضروری ہے۔ شیر دل کی طرح مر جانا بے وقوفی ہے۔'' اس کے بعد اس نے واپسی کے لیے رخ تبدیل کرلیا اب اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ اگر پیروں میں دبوچنے والا پرندہ اسے اٹھا کر بھی لے جائے اور کہیں کسی سنگلاخ زمین پر پھینک دے تو موت تو اس سے دور رہے گی جب کسی کو موت ہی نہ ہو تو کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ میں ایک ایسا کارنامہ سرانجام دوں گا زندگی کا کہ دنیا میں لوگ اس کی مثال دیں۔ وہ پرمسرت انداز میں وہاں سے واپس پلٹ پڑا، دشوار گزار اور ہولناک راستے وہی تھے جن سے گزر کر وہ یہاں تک آیا تھا، لیکن اب اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی وہ بہت ہی خوشی خوشی اپنی دنیا کی طرف واپس پلٹ رہا تھا۔ دشوار گزار راستے اب اسے برے نہیں لگ رہے تھے۔ وہ احتیاط کے ساتھ ان راستوں کو عبور کر رہا تھا اور وقت اس کے وجود میں نجانے کیسے کیسے احساسات جگا رہا تھا، خوفناک جھیل، ہولناک دلدلیں، پتھریلے راستے اور تمام سنسنی خیز مناظر اس کی نگاہوں کے سامنے آ رہے تھے، لیکن اب وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں تھے۔ اسے اطمینان تھا کہ اب اس کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا۔ یہاں تک کہ وہ ماسیکا کی سرزمین پر پہنچ گیا اور پھر اس نے دور سے بے شمار انسانوں کو دیکھا وہ تعداد میں ہزاروں تھے اور اسے چاروں طرف سے گھیر رہے تھے۔ منگل کے قدم رک گئے ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں خوف کا گزر ہوا، لیکن دوسرے لمحے اس کے حلق سے قہقہہ نکل گیا اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''آؤ آؤ بے وقوفو، آؤ اور میرے ہاتھوں سے اپنی موت کا سامان پیدا کرو میرا بھلا کیا بگڑے گا مجھے تو تم لوگ نقصان پہنچا ہی نہیں سکتے۔''

☆......☆......☆

ماسیکا کی موت کسی ایک فرد کے لیے نہیں ایک پورے قبیلے کے لیے ہولناک حادثہ تھی اس سے پہلے ہزاروں سال پہلے سے ایسا نہیں ہوا تھا۔ ماسیکا بوڑھی ہو جاتی تو دوسری لڑکی اس کی جگہ لینے کے لیے تیار ہوتی، لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا تھا وہ دونوں شاطر ماسیکا کی زندگی لے کر فرار ہو گئے تھے۔ ایک مارا گیا تھا اور ایک غائب ہو گیا تھا۔ یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا اور اپنی آنکھوں سے کسی نے نہیں دیکھا تھا کہ ماسیکا کا اصل قاتل کون ہے پورے قبیلے نے قسم کھائی تھی کہ وہ ماسیکا کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور اسے ہلاک کر کے دم لیں گے۔ نجانے کہاں کہاں سے اس سلسلے میں کارروائی ہو رہی تھی اور ماسیکا کے قاتل کو تلاش کیا جا رہا تھا اور دور تک کے قبیلوں میں اطلاع دے دی گئی تھی کہ نہ کوئی دشمنی ہے نہ کسی سے جنگ کرنے کا کوئی ارادہ ہے، لیکن ماسیکا کے قاتل کی تلاش ہر قبیلے کا فرض ہے اور سینکڑوں افراد نجانے کتنی کتنی دور کے فاصلوں پر نکل گئے تھے اور منگل کو تلاش کر رہے تھے کہ وہ انہیں نظر آ گیا، کافی وقت کے بعد ایسا ہوا تھا لیکن منگل کو دیکھ کر ان کا جوش وخروش انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

انہیں ہدایت کردی گئی تھی کہ ماسیکا کے قاتل کو زندہ گرفتار کریں اور اسے نقصان نہ پہنچایا جائے سو جب انہوں نے دیکھا کہ ماسیکا کا قاتل اس علاقے میں موجود ہے تو انہوں نے اسے چاروں طرف سے گھیرنا شروع کر دیا۔ ہر طرف یہ خبر پھیل گئی کہ ماسیکا کے قاتل کو گھیر لیا گیا ہے۔ بے شمار لوگ اس کی گرفتاری کے لیے اس کی جانب چل پڑے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ مقابلے کے لیے تیار ہے لیکن انہیں جو ہدایت تھی یہ اس پر عمل کر سکتے تھے البتہ انہیں نقصان اٹھانا پڑا جیسے وہ منگل کے قریب پہنچے۔ منگل نے ان میں سے ایک کے لباس میں سے کھانڈا چھین لیا اور پھر اس نے اس کھانڈے سے ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ منگل ویسے بھی ایک خطرناک آدمی تھا۔ جنگ میں مہارت رکھتا تھا۔ بے درد تھا اور انسانوں کی زندگی لینے میں اسے کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی تھی چنانچہ اس نے پہلی ہی کوشش میں پانچ، اس کے بعد تین اور پھر مزید چار افراد کو ہلاک کر دیا چونکہ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اپنے اتنے افراد مروانے کے بعد انہیں جوش آ گیا تھا۔

چنانچہ وہ منگل پر ٹوٹ پڑے اور ایک آدمی بھلا اتنے سارے آدمیوں کا مقابلہ کیسے کر سکتا تھا چنانچہ انہوں نے منگل کو چاروں طرف سے جکڑ لیا اسے رسیوں سے باندھ لیا منگل کی کچھ نہ چلی تھی۔ وہ لوگ اسے جانوروں کی طرح گھسیٹتے ہوئے ماسیکا کے محل تک آ گئے جو ایک عظیم الشان غار کی شکل میں تھا۔ محل کے سامنے پتھر کا وسیع وعریض چبوترا بنا ہوا تھا جس پر قربانی کی رسم ادا کی جاتی تھی وہیں ایک ایسی جگہ تھی جہاں انہوں نے منگل کو باندھ دیا، منگل شدید غصے کے عالم میں تھا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ بھی ایک تجربہ ہے، بے شک اپنی جسمانی قوت اور مہارت سے کچھ افراد کو قتل کیا جا سکتا ہے وہ اسے قتل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے لیکن اسے گرفتار ضرور کر سکتے ہیں۔

چنانچہ آئندہ خیال رکھا جائے اس بات کا اور پھر یہ ہی ہوا منگل کو ایک دن ایک رات کس کر باندھا گیا تھا اور ماسیکا کے پجاری منگل کی تقدیر کا فیصلہ کر رہے تھے آخر کار یہ طے کیا گیا کہ اس کی گردن کاٹ دی جائے اور اسے موت کی سزا دے دی جائے۔ منگل اب کسی حد تک بے بسی کا شکار ہو چکا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ تو کچھ اچھا نہیں ہوا اس کا کوئی حل نکالا جائے کہ بہت سے انسان مل کر اس پر قابو نہ پا سکیں اسے اس بات کا بھی علم ہو گیا کہ اسے موت کی سزا دی گئی ہے لیکن وہ اس پر ہنس رہا تھا۔ اس کے اندر بہت سی پراسرار قوتیں بیدار ہو گئی تھیں۔ یہاں تک کہ اسے اس بات کا علم ہوا کہ اس کی گردن کاٹ دی جائے گی یہ ذرا سنسنی خیز بات تھی اور منگل کو یہ تجربہ نہیں تھا کہ اس طرح سے کیا ہوگا اب وہ ذرا پریشان ہو گیا تھا چنانچہ لاکھوں کے مجمعے کے سامنے اسے قربان گاہ میں لایا گیا اور بزرگوں نے اس کا جرم بتاتے ہوئے کہا۔

”یہ ہماری دیوی کا قاتل ہے ایک کو ہم نے وہیں ختم کر دیا تھا یہ بھاگ گیا تھا اب اسے موت کی سزا دی جا رہی ہے۔“

یہ کہہ کر منگل کا سر لکڑی کے اس کنڈے میں رکھا گیا جو قتل گاہ میں اسی کام کے لیے مخصوص تھا پھر ایک چوڑا کھانڈا بلند ہوا اور منگل اپنی تقدیر کے فیصلے کا انتظار کرنے لگا۔ آب حیات پی کر زندگی حاصل ہو گئی تھی اس کا خیال تھا کہ سارے ہتھیار اس پر بے اثر ہوں گے لیکن کھانڈے کا وار گردن پر ہوا اور گردن اچھل کر کوئی چار فٹ آگے اس بڑے تشت میں گر گئی جو قربان گاہ کے سامنے تھا۔ منگل نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی گردن اور اپنے جسم کو علیحدہ دیکھا۔ اس کی بینائی، اس کی سماعت اس کی زبان سب کچھ کام کر رہے تھے، خوف کے عالم میں وہ اپنے بے سر کے جسم کو دیکھ رہا تھا جو اس سے چار فٹ کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ منگل کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہے۔ سزا کی رسم پوری کرنے کے بعد وحشیوں کا مجمع دعاؤں میں مصروف ہو گیا تھا

ان کی نگاہیں کٹی ہوئی گردن اور بے سر کے جسم پر تھیں۔ منگل کچھ لمحے شدید خوف اور پریشانی کے عالم میں رہا اور پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا گردن سے تھوڑا بہت خون نکلا تھا لیکن زیادہ نہیں یہ ہی کیفیت سر کی تھی وہ آگے بڑھ کر سر کے پاس پہنچا اور اس نے اپنا سر اٹھا کر ہاتھوں میں لے لیا پھر اسے اپنے کندھوں پر فٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

مجمعے نے یہ ہولناک منظر دیکھا اور اس کے بعد وہ بھگدڑ مچی کہ کسی کو اپنے سر پاؤں کا پتہ نہ رہا۔ یہاں تک کہ قربانی کا حکم دینے والے اور موت کی سزا کا عمل کرنے والے پر بھی اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ وہ گرتا پڑتا بھاگا اور تھوڑی دیر کے بعد ہزاروں افراد کا وہ مجمع اس طرح گم ہو گیا جیسے چیونٹیاں بلوں میں گھس گئی ہوں۔ یہ دہشت ناک منظر ان کے لیے ناقابل یقین تھا اور ان کے رہنما نحوستوں کی پیش گوئی کر رہے تھے۔

منگل نے کئی بار اپنے سر کو صحیح جگہ رکھنے کی کوشش کی لیکن سر صحیح جگہ فٹ نہیں ہو سکا بمشکل تمام اس نے اسے اپنی گردن پہ رکھا لیکن وہ پھسل کر نیچے گر گیا۔ منگل کو شدید غصہ آ رہا تھا یہ تو بہتر بات نہیں ہوئی ہے اب کیا کیا جائے۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ یہ جنگل کے جانور جنگل میں روپوش ہو گئے ہیں۔ ان سے کسی بھی طرح کی مدد بھی نہیں لی جا سکتی تھی ساری صورتحال منگل کی سمجھ میں تھی۔

شہروز نے اپنا کام تو کر لیا تھا خود بھی مارا گیا تھا اور ماسیکا کو بھی ختم کر دیا تھا اس نے۔ لیکن اب اس کے بعد جو مشکل منگل کو بھگتنی پڑ رہی تھی وہ بڑی پریشان کن تھی۔ یہ تجربہ بھی ہو رہا تھا اسے کہ بے شک حیات ابدی اسے حاصل ہو گئی ہے لیکن اس کے جسمانی اعضاء انسانی جسم کی حیثیت ہی رکھتے ہیں وہ ٹوٹ بھی سکتے ہیں گم بھی ہو سکتے ہیں گل سڑ بھی سکتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اسے موت نہیں آئے گی وہ کسی نہ کسی شکل میں زندہ رہے گا یہ بات پہلے سے اسے نہیں معلوم تھی۔ سوال یہ ہے کہ اب کرنا کیا چاہئے۔ اس نے خوف اور پریشانی کے عالم میں سوچا، لیکن کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا تب اس کے دل میں غم کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اگر یہ سر میں اپنی جگہ پہ نہ جما سکا تو پھر کیا کروں گا۔ کیا ایک سر کٹے انسان کی حیثیت سے بقیہ زندگی گزارنی پڑے گی۔ نہیں ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ زندگی کی بقیہ کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ایک طویل ترین زندگی اس نے بڑی چاہت سے اپنے سر کو اپنے ہاتھوں میں رکھا اور کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے کوئی کپڑا، کوئی ایسی چیز مل جائے جس میں سر کو محفوظ کر لیا جائے تمام اعضاء کام کر رہے تھے اس کے اپنے خیال میں آنکھ بھی کھلی ہوئی تھی اور خیال کی آنکھوں سے وہ اپنے سر، اپنے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور ادھر اس کا چہرہ بھی بھرپور طریق سے کام کر رہا تھا وہ بول سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا، سن سکتا تھا، سوچ سکتا تھا سب کچھ ٹھیک تھا بس بات اتنی سی تھی کہ اس کا

سراس کے جسم سے الگ تھا۔ ایک بڑے سے کپڑے میں اپنے سر کو محفوظ کر کے آخر کار اس نے وحشیوں کی اس آبادی سے قدم اٹھا لیے یہ تو بہت بڑا نقصان ہو گیا تھا یہاں، اصل میں وہ ناتجربہ کاری کی بات تھی ورنہ وہ یہ کوشش کرتا کسی بھی طرح ان لوگوں کے نرغے سے نکل کر یہاں سے فرار ہو جائے، لیکن اس وقت یہ نہیں سوچا تھا بلکہ اس وقت اس نے یہ سوچا تھا کہ ان لوگ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور وہ آسانی سے یہاں سے نکل جائے گا۔

☆......☆......☆

غربت، مہنگائی، بیروزگاری تین طرح کی دیمک انسان کو لگ گئی ہے اور اس کا سارا وجود کھوکھلا ہوتا جا رہا ہے اپنے سارے اقدار، سارے خیالات کو قتل کر کے وہ ہر طرح سے اپنے لیے رزق کا خواہشمند ہے۔ نادیہ بس سے اتری اور پتہ پوچھتی ہوئی چل پڑی ساحل سمندر سے کافی فاصلے پر یہ عظیم الشان کوٹھی تھی جس کا پتہ اس اخبار میں دیا گیا تھا، ایک ہاؤس کیپر کی ضرورت تھی خاتون ہونا لازمی تھا۔ اندرونی ڈیکوریشن اور دوسرے گھریلو امور سنبھالنے تھے۔ نادیہ یہ طویل فاصلہ طے کر کے یہاں تک پہنچی تھی اور کوٹھی تک پیدل سفر کرتے ہوئے یہ سوچتی رہی تھی کہ اگر یہاں ملازمت مل بھی گئی تو یہاں تک آنا جانا کوئی آسان بات نہیں ہوگی ایک لمحے کے لیے تو دل چاہا کہ یہیں سے واپس لوٹ جائے، لیکن پھر اپنے گھر کا نقشہ ذہن میں آیا باپ ایک حادثے میں معذور ہو چکا تھا ماں محنت مزدوری کر کر کے بیمار ہو گئی تھی، تین چھوٹے بہن بھائی جنہیں باپ کے حادثے کے بعد سے سکول سے بھی اٹھا لیا گیا تھا کیونکہ تعلیمی اخراجات پورے کرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ گھر میں فاقہ کشی کی نوبت آ گئی تھی۔ اگر آنے جانے کی تھوڑی مشکل پر قابو پا لیا جائے تو گھر کے حالات میں بہتری پیدا ہو سکتی ہے ورنہ کیا ہوگا؟ یہ سوال منہ پھاڑے کھڑا ہوا تھا۔ نادیہ نے بی اے اسی لیے کیا تھا کہ ماں باپ کا سہارا بن جائے گی۔ شروع میں تو بہت سے خیالات دل میں آئے تھے۔ یہ کرنا ہے وہ کرنا ہے، ایسا کروں گی ویسا کروں گی لیکن وقت نے تمام خیالات کی شکل بگاڑ دی تھی۔ وقت کی اپنی کہانی ہی بالکل مختلف ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے خود سے کچھ آگے دو لڑکیوں کو جاتے ہوئے دیکھا بے چاریاں مجبوری کے عالم میں ایک دوسرے کو دھکیلتی آگے بڑھ رہی تھیں اور اسی گیٹ کے سامنے جا کر رک گئی تھیں۔ گیٹ پر چوکیدار موجود تھا جس نے انہیں اندر بھیج دیا۔ پھر نادیہ وہاں پہنچی تو اس نے چوکیدار سے کہا۔

"بابا صاحب میں انٹرویو کے لیے آئی ہوں۔"

"ہاں بی بی، اندر چلی جاؤ یہ سیدھا راستہ وہ دیکھو دو لڑکیاں اور جا رہی ہیں اور کئی پہلے سے وہاں موجود ہیں۔"

نادیہ نے ٹھنڈی سانس لی اور چل پڑی اس نے اس محل نما کوٹھی کو دیکھا تھا ایک ایک چیز دیکھ کر آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں اور دل عجیب سی کیفیت کا شکار ہو جاتا تھا، کتنا فرق ہے انسانوں میں۔ کچھ لوگ ان محلوں میں رہتے ہیں اور کچھ ایسی جگہوں پر جہاں صرف موت کی سسکیاں ہی سنائی دیں زندگی کی ہنسی کو کان ترس جائیں۔

شیشے کا بہت بڑا دروازہ تھا جو اس کے پہنچنے سے خود بخود کھل گیا اندر قدم رکھا تو یوں لگا جیسے پانی کے تالاب میں اتر گئی ہو قالین اتنا ہی موٹا اور نرم تھا اور رنگ بھی اس کا ایسا تھا جیسے پانی لہریں لے رہا ہو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور وہاں سے آگے بڑھ گئی یہ بھی ایک وسیع و عریض ہال تھا جو گول تھا اور دائرے کی شکل میں اس میں انتہائی قیمتی صوفے لگے ہوئے تھے سامنے ایک بالکل گول دروازہ تھا جو کسی مشینی عمل سے عجیب سے انداز میں گھوم رہا تھا۔ نادیہ چکرا کر رہ گئی کہ اس نے گھومتے ہوئے دروازے کے قریب پہنچ کر پریشانی سے چاروں طرف دیکھا کہ شاید کوئی اسے گائیڈ کر سکے اسی وقت آواز آئی۔

"رک کیوں گئیں اندر تشریف لے آئیے۔"

دروازہ اس طرح سے درمیان سے کھلا کہ نادیہ اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ آواز پھر آئی۔

"آئیے نا، آ جائیے۔"

نادیہ سہمی سہمی سی اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک دوسرا بڑا ہال تھا جس میں صوفے اس طرح سے لگے ہوئے تھے کہ دیکھنے والی آنکھ دیکھ کر دنگ رہ جائے۔ 9 لڑکیاں وہاں پہلے سے بیٹھی ہوئی تھیں سب کی سب بے چاری غربت کی ماری اپنی اصل شکل کو چھپائے ہوئے۔ کچھ نے بہت ہی گہرا میک اپ کیا ہوا تھا کون جانے باس کس مزاج کا مالک ہو۔ ہو سکتا ہے یہ خوش لباس اور اچھی شکل ہی پسند آ جائے۔ نوکری یوں ہی تو نہیں مل جاتی وہ خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ لڑکیاں مدھم مدھم آوازوں میں بات کر رہی تھیں۔ پھر ہال میں ایک آواز ابھری۔

"مس شاہدہ براہ کرم سامنے والے دروازے سے اندر تشریف لے آئیے۔ ایک لڑکی اپنی جگہ سے اٹھی اور سامنے والے دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ سب کی حالت اس عالیشان عمارت کو دیکھ کر عجیب ہو رہی تھی شاید وہ یہ ہی سوچ رہی تھیں کہ اگر یہاں نوکری مل بھی گئی تو کیا اس دنیا کے عجوبے کو وہ سنبھال سکیں گی۔ برابر بیٹھی ہوئی لڑکی نے نادیہ سے کہہ ہی دیا۔

"اخبار کے اشتہار میں کوئی خاص تجربہ یا تعلیم تو نہیں مانگی گئی تھی۔"

"ہاں بس لکھا تھا ایک تعلیم یافتہ اور انتظامی امور کی ماہر خاتون کی ضرورت ہے جو اک گھر کو مکمل طور سے سنبھال سکے، خاتون ہونا ضروری ہے۔"

یہ گھر ہے آپ نے دیکھا اسے چاروں طرف سے۔"

"نہیں ابھی تو صرف سامنے ہی سے دیکھا ہے۔" نادیہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اور ہوش خراب ہو گئے ہیں۔" لڑکی ہنس کر بولی۔

"ہاں"

"یقین کریں میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ چپ چاپ اٹھ کر بھاگ جاؤں بس اس لیے نہیں جا رہی کہ دوسری لڑکیاں ہنسیں گی۔"

"قسمت آزما لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ہو سکتا ہے بات بن ہی جائے۔"

"آپ یہ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔"

"سب سے کہہ رہی ہوں ظاہر ہے آپ بھی ضرورت ہی کی وجہ سے آئی ہوں گی۔ خودغرضی اچھی چیز نہیں ہوتی۔"

"آپ اچھی ہیں۔" لڑکی نے کہا۔

پہلی لڑکی واپس آ گئی تھی پھر یکے بعد دیگرے انٹرویو دینے والیاں اندر جاتی رہیں اور انٹرویو دے کر آتی رہیں۔ پھر نادیہ کو اپنا نام سنائی دیا اور وہ بوجھل قدموں سے اس دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ دروازے سے اندر داخل ہوئی تو سامنے ایک بہت ہی حسین کمرا نظر آیا جس میں صرف ایک کرسی پڑی ہوئی تھی اور سامنے کچھ عجیب سی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ نادیہ نے حیران نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا تو آواز آئی۔

"آپ کا نام نادیہ ہے۔"

"جی، نادیہ رحیم۔" نادیہ نے جواب دیا۔

"اس کرسی پر بیٹھ جائیے۔"

نادیہ اس نظام پر بھی حیران رہ گئی بہت سے انٹرویو دے چکی تھی وہ، پورا پینل ہوتا تھا انٹرویو لینے والوں کا، بنا، سنورا سجا۔ عجیب و غریب نگاہوں سے دیکھنے والا۔ طرح طرح کے سوال کیے جاتے تھے، لیکن یہاں تو کوئی تھا ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کسی کیمرے کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ سامنے سے آواز آ رہی تھی۔

"جی مس نادیہ، آپ نے اس ملازمت کی درخواست دی ہے تعلیم کتنی ہے آپ کی۔"

"جی، معمولی سی۔"

"چلئے ٹھیک ہے یہ بتائیے اگر اس گھر کی مکمل ذمہ داری آپ کو دی جائے تو کیا آپ

سے سنبھال لیں گی۔"

"سر، میں اس ذمہ داری کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"لان پر مالی کام کرتے ہیں، گیٹ پر چوکیدار ہے، کچن میں کوئی نہیں ہے، آپ کو اپنا کھانا خود تیار کرنا پڑے گا گھر کی جھاڑ پونچھ کے لیے پانچ ملازم صبح کو آتے ہیں اور اس وقت تک کام کرتے ہیں جب تک گھر آپ کی مرضی کے مطابق صاف ستھرا نہ ہو جائے۔ غرض یہ ہے کہ چوکیدار کے سوا باقی تمام لوگ اپنے کام پر آتے ہیں اور واپس چلے جاتے ہیں، میں انہیں یہاں رکھنا پسند نہیں کرتا، انہیں ان کے پسند کے معاوضے ملتے ہیں اور وہ خوش ہیں۔ اب بس یہ ہی سارے کام کرنا ہوں گے آپ ان سب کی نگران ہوں گی اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کو یہیں رہنا ہوگا۔"

"جی، لیکن سر اشتہار میں تو ایسی کوئی بات نہیں لکھی ہوئی تھی۔"

"وہ اشتہار تھا میری زندگی کی کہانی نہیں تھی جو کچھ آپ سے کہہ رہا ہوں وہ اب سن لیجئے گا۔ یہاں رہنا ہوگا آپ کو، آپ ہر طرح سے محفوظ رہیں گی کوئی ذہنی دباؤ کسی قسم کی ایسی کیفیت آپ کے ساتھ نہیں پیش آئے گی جو آپ کے لیے پریشانی کا باعث ہو۔ ہفتے میں ایک بار آپ چھٹی میں گھر جا سکیں گی، لیکن اس ضروری ہدایات کے ساتھ مثلاً یہ کہ یہاں کی کوئی بات آپ اپنے گھر نہیں کریں گی، میری معلومات بہت دور تک ہیں باہر بھی کسی شخص کے بہکاوے میں نہیں آئیں گی سمجھ رہی ہیں نا، یہ ساری باتیں، آپ کو پچیس ہزار روپے ماہوار ادائیگی کی جائے گی۔"

نادیہ کو ایک دم چکر آ گیا۔ یہاں تو پچیس روپے ہی زندگی کے لیے ایک نایاب چیز بن رہے تھے، پچیس ہزار میں تو زندگی کو پچیس بار قربان کیا جا سکتا ہے۔ حالات اس وقت یہ ہی تھے ایک لمحے تک وہ سوچتی رہی۔ کہیں یہ مذاق تو نہیں ہے اس کے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا تھا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی مس نادیہ، اب میں آپ کے بارے میں کچھ پوچھ سکتا ہوں۔"

"جی سر۔"

"آپ کے ساتھ اور کون کون رہتا ہے۔ آپ نے اپنے آپ کو مس لکھا ہے اس لیے یہ نہیں پوچھ رہا کہ آپ کی شادی ہوئی ہے یا نہیں۔"

"جی سر، میری والدہ ہیں، میرے معذور والد ہیں اور تین چھوٹے بہن بھائی ہیں۔"

"جس گھر میں آپ رہتی ہیں کیا وہ آپ کی اپنی ملکیت ہے۔"

"سر، چھوٹا سا گھر ہے، جب میرے والد بہتر حالت میں تھے تو انہوں نے یہ گھر بنایا

تھا۔ لیکن ایک حادثے نے انہیں معذور کر دیا اور اب ہم لوگ بڑی بے بسی کے عالم میں ہیں۔

"مس نادیہ! آپ کو ہر سہولت دی جائے گی آپ اپنے والدین سے کہہ دیجئے کہ یہ ملازمت آپ کو شہر سے باہر جا کر کرنا ہو گی ہفتے میں ایک بار آپ اپنے گھر آ سکیں گی یہاں سے آپ کو ہر طرح کی سہولت دی جائے گی۔ ابتدائی طور پر آپ کو ایک لاکھ روپے ایڈوانس دے دیئے جائیں گے تا کہ آپ اپنے بہن بھائیوں اور ماں باپ کے لیے بہتر انتظام کر سکیں۔ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے۔"

"سر اگر یہ ملازمت مجھے مل جائے تو میں زندگی کی طرح اسے قیمتی سمجھوں گی۔"

"مس نادیہ، اور بھی بہت سی لڑکیوں نے انٹرویو دیئے ہیں لیکن میرا ذہن آپ کو قبول کرتا ہے۔ آپ آرام سے باہر بیٹھے۔ جائیے نہیں میں باقی لڑکیوں سے بھی کچھ سوالات پوچھ کر انہیں فارغ کیے دیتا ہوں اس کے علاوہ چوکیدار سے بھی کہہ دیتا ہوں کہ دوسری لڑکیوں سے کہا جائے کہ سلیکشن ہو چکا ہے وہ واپس جا سکتی ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ آپ اگر اس بات پر اتفاق کرتی ہیں تو میری طرف سے آپ کو گرین سگنل ہے اس کے باوجود یہاں چند روز رہ کر آپ اگر یہ محسوس کریں کہ یہ جگہ آپ کے لیے مناسب نہیں ہے تو بخوشی مجھے اطلاع دے کر چلی جائیں میں اعتراض نہیں کروں گا۔" نادیہ کے دل پر ان الفاظ کا بہت اثر ہوا تھا کم از کم کچھ شریفانہ باتیں کہی گئی تھیں وہ باہر نکل آئی اور انتظار کرنے والیوں میں بیٹھ گئی۔

باقی لڑکیوں کو ایک ایک منٹ سے زیادہ نہیں دیا گیا تھا۔ نادیہ ہال میں بیٹھی رہ گئی تب ہال میں آواز ابھری۔

"آیئے مس نادیہ کمرے میں آ جائیے۔"

نادیہ اٹھ کر دوبارہ اسی جگہ جا بیٹھی اور عجیب سی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی پھر اس کی نگاہ سامنے اٹھی ہزار ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی پڑی ہوئی تھی آواز آئی۔

"جی مس نادیہ، اگر آپ یہ پیشکش قبول کر چکی ہیں تو یہ نوٹ اٹھا کر اپنے پرس میں رکھ لیجئے دو دن تین دن چار دن، چار دن میں آپ کو دے رہا ہوں چار دن کے بعد آپ براہ کرم یہاں آ جائیے۔ اپنے تھوڑے سے کپڑے لے آیئے بعد میں آپ کو بتاؤں گا کہ آپ کو کیا کرنا ہے سمجھ رہی ہیں نا آپ۔"

"جی سر۔"

"خدا حافظ آپ جا سکتی ہیں۔ گڈی اٹھا لیجئے گا۔"

ایک لاکھ روپے کے نوٹ نادیہ نے کبھی خواب میں بھی اپنی ملکیت میں نہیں دیکھے تھے۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی بڑی رقم اسے ملے گی۔ نوٹوں کی گڈی اٹھاتے ہوئے اور اسے

اپنے پرس میں رکھتے ہوئے اس کے سارے وجود میں لرزشیں دوڑ رہی تھیں۔

بہر حال وہ باہر نکل آئی پاؤں لرز رہے تھے چاروں طرف خوف سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر اسے ٹیکسی نظر آئی تو اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر پر اعتماد انداز میں چلتی ہوئی ٹیکسی تک پہنچ گئی ٹیکسی اسے لے کر چل پڑی تھی گھر والوں کو ساری صورتحال بتانے کے بجائے اس نے بس یہ کہا کہ نوکری کے لیے شہر سے باہر جانا پڑے گا لیکن تنخواہ بہت اچھی ہے اور اگر قبول کر لوں تو ایک بڑا ایڈوانس مل سکتا ہے۔ بے بسی انسان کو خود غرض بنا دیتی ہے۔ سبھی نے اجازت دے دی تھی اور اس کے بعد نادیہ کے تین دن ضروری انتظامات میں صرف ہوئے۔ اپنے لیے کئی جوڑے کپڑے بنائے، گھر والوں کے لیے سارے انتظامات کیے، کھانے پینے کی اشیاء گھر میں بھر دیں۔ بچوں کے لیے ماں سے بات کی کہ انہیں سکول میں داخل کر دیا جائے ایک ہفتے کے بعد چھٹی ہوا کرے گی چنانچہ کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی وہ یہ تمام باتیں کر کے مکمل طور پر تیار ہو گئی اور آخر کار چوتھے دن ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑی۔ چوکیدار نے اسے سلام کیا تھا اور کہا تھا۔

"بی بی صاحب، آپ کو تو کل آنا تھا صاحب نے مجھے بتا دیا تھا۔"

"ہاں، یہ ایک دن مجھے مل گیا بابا جی تو میں نے سوچا کہ اسے ضائع کیوں کیا جائے آ کر گھر کا کام سنبھال لیا جائے۔"

"ٹھیک ہے بی بی صاحب، آپ میرے ساتھ آ جاؤ۔"

چوکیدار نے گیٹ ناک کیا اور اندر داخل ہو گیا وہ اس کمرے میں پہنچا تھا تو آواز آئی تھی۔

"ہاں چوکیدار بابا میں نے سن لیا ہے۔ نادیہ آ گئی ہے اب تم ایک کام کرو۔ نادیہ کو گھر کا چپہ چپہ دکھا دو باقی جو لوگ کام کر رہے ہیں ان سے بھی ملوا دو کچن بھی دکھا دو اور اس کے بعد نادیہ آپ اس کمرے میں مجھ سے آ کر بات کریں۔"

"جی۔" نادیہ نے جواب دیا۔

اب وہ بہت مطمئن اور خوش تھی۔

چوکیدار عمر رسیدہ آدمی تھا نادیہ وہاں سے آگے بڑھی تو اس نے کہا

"بابا صاحب، یہ سب کچھ عجیب نہیں ہے۔"

چوکیدار نے اسے غور سے دیکھا اور بولا۔

"ہے بی بی، لیکن بہت ساری باتیں عجیب ہوتی ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں جب کوئی بات کسی بھی طرح سمجھ میں نہ آئے تو اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیجئے۔ میں نے بھی ایسا

ہی کیا ہے۔"

"یہاں کون رہتا ہے۔"

"بس وہی آواز اور میں۔ باقی کوئی نہیں۔"

"آپ نے مالک کو دیکھا ہے۔"

"نہیں۔"

"کتنے دن ہو گئے آپ کو یہاں نوکری کرتے ہوئے۔"

"چار مہینے۔"

"اور باقی لوگ جو یہاں آتے ہیں۔"

"وہ مجھ سے پہلے سے آتے ہیں۔"

"انہوں نے بھی کسی کو نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔"

"تعجب کی بات ہے ایک بات پوچھوں بابا صاحب، آپ میرے بڑے ہیں اور اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ میں یہ پہلی نوکری کر رہی ہوں مجھے ڈر بھی لگتا ہے۔ یہاں کوئی خطرے کی بات تو نہیں ہے۔"

"بی بی، ابھی تک ایسی کوئی بات نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کبھی نہیں ہوگی۔ مالک جو کوئی بھی ہیں بہت شریف آدمی ہیں، کیا قصہ ہے، کہاں رہتے ہیں؟ آپ یہ سمجھ لو کہ ہم اس وقت جس جگہ موجود ہیں یہاں سے بھی وہ ہماری بات سن سکتے ہیں ہر جگہ وہ بات سنتے رہتے ہیں اور اگر کہیں چاہیں تو بول بھی سکتے ہیں آواز اس درخت سے بھی آ سکتی ہے مگر یہ جادوگری نہیں ہے نہ ہی کوئی اور چکر، مالک شاید تمہیں بھی یہ بات بتا دیں کہ انہوں نے ہر جگہ سننے والے آلے لگا رکھیں گے جن سے سنا بھی جا سکتا ہے اور بولا بھی جا سکتا ہے۔ اب ایسا کیوں کیا ہے انہوں نے یہ سوال نہ میں کر سکتا ہوں اور نہ تم کرو گی۔ بی بی صاحب!"

نادیہ ایک عجیب تجسس کا شکار ہو گئی تھی۔

بہرحال کوٹھی کے چپے چپے کو دیکھا اس نے۔ کروڑوں روپے کی لاگت سے اس کوٹھی کا نظام قائم کیا گیا تھا اور نادیہ نے سوچا تھا کہ یہ کوئی انسانی عمل تو نہیں ہو سکتا۔

بہرحال پہلا دن، دوسرا دن، تیسرا دل، مالی سات کی تعداد میں آتے تھے اور پورے لان کو درست کرتے تھے۔ صفائی ستھرائی کرنے والے بھی چھ تھے ہر کوئی اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا تھا، چوکیدار ایک تھا اور اس کا کھانا بھی نادیہ کو خود پکانا پڑتا تھا۔ زبردست کچن تھا جس میں فریج اور ڈیپ فریزر کئی رکھے ہوئے تھے، الماریاں کھانے پینے کے سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ باس

کے لیے کھانا کہیں سے نہیں آتا تھا۔ اس سلسلے میں چوکیدار سے پوچھا تو اس نے کہا۔

"بس بی بی! اب تو کئی دن ہو گئے یہ ساری باتیں بھول جاؤ۔ باس! کیا کرتا ہے کیا نہیں کرتا۔ یہ ہمیں نہیں سوچنا ہے بس یہ دیکھو ہم کیا کرتے ہیں، ایک ہفتہ پورا ہوا تو گاڑی ڈرائیور کے ساتھ آ گئی باس نے اسے اپنے کمرے میں بلایا اور کہا۔

"ہفتے کی شام کو یہ گاڑی اسی طرح ڈرائیور کے ساتھ آ جایا کرے گی تاکہ تمہیں آنے جانے میں دقت نہ ہو۔ اتوار کی شام کو اسی طرح یہ گاڑی تمہیں واپس لے لیا کرے گی۔ میں نے ڈرائیور اور گاڑی صرف تمہارے لیے ہفتے وار حاصل کی ہے۔"

"سر! ملازمت سے ہٹ کر میں یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہوں کہ آپ جیسے مہربان باس مشکل ہی سے ملتے ہیں۔" کوئی جواب نہیں سنائی دیا تھا۔ نادیہ گھر پہنچی تو خوشیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ گھر کے لوگ بھی خوش نظر آ رہے تھے۔ نادیہ نے سوچا کہ پتہ نہیں کون سی نیکی کام آئی جو قدرت نے گھر کے حالات ایک دم بدل دیئے۔ دوسرے دن وہ واپس کوٹھی پہنچ گئی اور اس نے اپنی ذمے داریاں سنبھال لیں۔ اس طرح دن گزرتے رہے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو ذہن پر بار گزرتی۔ نادیہ پورے اعتماد کے ساتھ یہ کام کر رہی تھی۔ کوٹھی کے مختلف گوشے اس کے علم میں تھے۔ ایک دن وہ ایک کوریڈور سے گزرتی ہوئی آخری کمرے تک پہنچی تھی۔ انسان تھی تجسس ذہن میں شدید تھا اور ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ آخر باس خود کہاں رہتا ہے۔ صرف اس کی آواز ہی سنائی دیتی ہے۔ یہ آخری کمرہ باس کا بیڈ روم تھا جس کے بارے میں اسے بتا دیا گیا تھا کہ وہ باس کا بیڈ روم ہے اور وہاں جب بھی آئے دستک دے کر آئے۔ عام طور سے دروازہ بند رہا کرتا تھا۔ اس بیڈ روم میں بھی وہ کئی کام کرا چکی تھی۔ باقاعدہ بستر تھا، الماریاں تھیں۔ لباس تھے ان الماریوں میں ضروریات زندگی کی چیزیں ہوا کرتی تھیں لیکن جب بھی وہ وہاں کام کرنے جاتی تھی باس کو اطلاع دیتی تھی۔ دروازہ کسی طرح سے کھل جاتا تھا اور وہ کام کرا کر خاموشی سے نکل آتی تھی۔ اس سلسلے میں اسے ہدایت کر دی گئی تھیں کہ وہ تجسس نہ کیا کرے۔ بہرحال وہ ایک وفادار لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ اس دن بھی جب وہ آخری کمرے میں پہنچی تو اس نے دیکھا دروازہ کھلا ہوا تھا اس وقت وہ تنہا تھی۔ ایک لمحے تک وہ کھڑی سوچتی رہی کہ اس کھلے دروازے سے اندر جائے یا نہ جائے لیکن جس کام سے آئی تھی اس کے لیے اسے جانا ضروری تھی۔ اس نے دروازے پر دستک دی اور کوئی جواب نہیں ملا تو اندر داخل ہو گئی۔ ایک نگاہ اس نے چاروں طرف دیکھا اور دیکھنے کے بعد شانے جھٹکا کر اپنے کام کی طرف بڑھی۔ کوئی چیز چاہیے تھی اسے کہ دفعتاً ہی اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی وہ چونک کر پلٹی لیکن کوئی نہیں تھا ویسے بھی اسے علم تھا کہ دروازہ کسی میکنیزم سے کھلتا اور بند ہوتا ہے وہ ششدر رہ گئی پھر اس کی

پھٹی پھٹی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں۔ یہ کیا ہوا اس نے سوچا اس وقت اسے باس کی آواز سنائی دی۔

''جو اعتماد آپ کو دیا گیا ہے نادیہ! اس وقت بھی اس اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچے گی۔ آپ اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھیے۔ میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں بلکہ میں آپ کو بتاؤں۔ جب آپ اس طرف آ رہی تھیں تو میں نے یہ دروازہ جان بوجھ کر کھول دیا تھا تاکہ آپ اندر آ جائیں۔ تو میں آپ سے کہہ رہا تھا مس نادیہ کہ میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

''سر! مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے۔'' نادیہ پرسکون ہو کر بولی۔

''مس نادیہ! میری ذات سے آپ کو ابھی تک کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔''

''نہیں سر۔ بالکل نہیں۔''

''ایک بار پھر میں اپنے الفاظ دہراتا ہوں۔ آپ یوں سمجھیے کہ آپ یہاں اس طرح محفوظ ہیں جس طرح اپنے گھر کی چار دیواری میں۔ میں اپنے آپ کو کوئی تجربے کار انسان نہیں کہتا زندگی میں اتنی بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں مجھ سے کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ لیکن آپ کے بارے میں میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ آپ ایک ہمدرد اور نیک لڑکی ہیں اور کسی بھی مشکل میں ایک اچھے دوست اور اچھے ساتھی کی حیثیت سے آپ کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔'' نادیہ! ان الفاظ پر غور کرنے لگی پھر اس نے کہا۔

''سر! آپ یقیناً مجھ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔''

''نادیہ! میں ایک مشکل میں گرفتار ہوں جس کی وجہ سے میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتا حالانکہ میں ایک زندہ وجود ہوں۔ میرے اندر زندگی ہے لیکن میری شکل آپ اس کے بارے میں تفصیل نہ پوچھیں، البتہ میں اپنی مشکل کے حل کے لیے ایک عمل کا آغاز کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے مجھے آپ کا سہارا درکار ہے۔''

''کاش! سر میں آپ کے کام آ سکوں۔''

''آپ نے یہ تو سوچا ہو گا کہ میں اس قدر پوشیدہ کیوں رہتا ہوں۔''

''جی سر! بے شمار بار۔''

''مجھ سے ملنا چاہتی ہیں آپ۔''

''سر اگر آپ پسند کریں۔'' نادیہ کی آواز لرز گئی۔ اس سارے عرصے میں وہ اس پراسرار باس کے بارے میں نجانے کیا کیا سوچتی رہتی تھی۔ اس وقت وہ اس سے ملنے کی بات سن کر عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی تھی۔

دوسری طرف مکمل خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ نادیہ کو اس وقت اپنے دل کی دھڑکن اور سانسوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی اور وہ ایک شدید سنسنی کا شکار تھی۔ یہ خاموشی اسے بہت ہی ہولناک معلوم ہوئی۔ تب اس کی آواز ابھری۔

''وہ سامنے ایک کیبنٹ بنا ہوا ہے اس کا تین نمبر کھولو۔ کیبنٹ کے اوپر ایک گول دائرہ بنا ہوا ہے اس دائرہ پر ایک سے لے کر سولہ تک نمبر لکھے ہوئے ہیں۔ تمہیں پہلے ایک نمبر کو تین بار دبانا اور پھر سولہ نمبر کو، چلو لیکن بدحواس ہونے کی ضرورت نہیں ہے اسے کھول کر اس کے سامنے آرام سے کھڑی رہو۔ آخری بار تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ نادیہ کو اپنے ہاتھ پاؤں پھولتے ہوئے محسوس ہوئے۔ نجانے اس کیبنٹ سے کیا برآمد ہو گا، لیکن بہرحال اسے اس حکم کی تعمیل کرنی تھی اور اپنے تجسس کو بھی رفع کرنا تھا۔ چنانچہ وہ لرزتے قدموں سے ایک ایک قدم آگے چلتی ہوئی کیبنٹ کے پاس پہنچی۔ آواز کی ہدایت کے مطابق اس نے پہلے ایک نمبر کو تین بار دبایا اور پھر ایک ساتھ سولہ نمبر کو ہلکی سی کلک کی آواز ابھری اور کیبنٹ کا دروازہ بہت آہستگی کے ساتھ کھل گیا۔ نادیہ کی سحر زدہ نگاہیں کیبنٹ کے اندر رکھی ہوئی شے کو تلاش کر رہی تھیں لیکن تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ کیبنٹ میں نیلے رنگ والی ایک ہلکی سی روشنی والا بلب جل گیا لیکن اسے اس کے بعد جو کچھ نظر آیا تھا اسے دیکھ کر بلاشبہ ایک لمحے کے لیے نادیہ بالکل ہی بدحواس ہو گئی۔ اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا، خوف کے کچھ اثرات ایسے بھی ہوتے ہیں۔ اندر اسے جو چیز نظر آئی وہ ایک انسانی سر تھا جو کیبنٹ میں رکھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ اچھا خاصا تھا، لیکن سر گردن کے پاس سے کٹا ہوا تھا۔ وہ دہشت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ حلق سے چیخ تک نہیں نکل سکی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ کٹے ہوئے سر کی آنکھیں کھل گئیں اس کے نقوش اچھے خاصے تھے۔ چہرہ تروتازہ آنکھوں میں زندگی دوڑ رہی تھی۔ پھر اس کی آواز ابھری اور یہ آواز اس پراسرار باس کے علاوہ کسی اور کی نہیں تھی۔ ہلتے ہوئے ہونٹوں سے آواز نکلی۔

''ہاں۔ نادیہ! میں ہوں تمہارا ساتھی جسے تم باس کہتی ہو۔ میں ہی ہوں اور میں نے تم سے بارہا یہ بات کہی ہے کہ نہ تو خوفزدہ ہونے کی ضرورت ہے نہ ڈرنے کی۔ میں ایک انسان ہوں جیتا جاگتا زندہ انسان میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ ایک زبردست ٹریجڈی ہے۔ نادیہ میں تمہارے ذریعے اپنے کھوئے ہوئے وجود کو حاصل کرنا چاہتا ہوں اور میں نے زندگی میں پہلی بار کسی پر بھروسہ کیا ہے۔ تمہیں میرے بھروسے پر پورا اترنا ہو گا۔ بار بار یہ کہتے ہوئے مجھے خود ہنسی آتی ہے کہ تم ہر طرح سے محفوظ ہو اور تمہارا کوئی بھی پہلو کمزور نہیں ہے۔ میں تمہارا ایک اچھا ساتھی ثابت ہو سکتا ہوں۔ میرے ذریعے تمہیں زندگی کی سینکڑوں مشکلات سے نجات مل جائے

گی، میں تمہیں بتاؤں نادیہ! دولت اس دنیا میں وہ چیز ہے جس سے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے تم نے میرے اپنے علم کے مطابق تکلیف دہ زندگی گزاری ہے۔ یہ تمہاری ہر بات سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کے بعد میں چاہتا ہوں کہ تم زندگی کی ہر خوشی حاصل کر لو۔ میں تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ تم ایک شاندار زندگی گزار سکتی ہو۔ اپنے بہن بھائیوں کی کفالت کر سکتی ہو۔ اپنے باپ کی معذوری دور کر سکتی ہو۔ اپنی ماں کو زندگی کی ہر خوشی دے سکتی ہو یہ سب کچھ با آسانی کر سکتی ہو تم۔ دیکھو یہ باتیں میں اس لیے کر رہا ہوں کہ انسان کے دل میں بہر حال ایک اچھی زندگی گزارنے کی خواہش ہوتی ہے جس طرح میرے دل میں۔ چنانچہ ایک اچھی دوست ایک اچھی ساتھی کے علاوہ تم ایک اچھی زندگی کی مالک بھی بن سکتی ہو اور میں بھی زندگی بھر تمہارا احسان مند رہوں گا۔ نادیہ اس دوران پھٹی پھٹی آنکھوں سے سر کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر بمشکل تمام وہ بولی۔

''سر لیکن یہ سب کچھ آپ۔''

''میں تم سے پہلے ایک درخواست کر چکا ہوں نادیہ! بس اتنا بتا دینا کافی ہے کہ میری زندگی میں ایک بدترین ٹریجڈی ہوئی ہے۔ جس کا میں شکار ہوا ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ میں اپنا ایک وجود رکھتا ہوں اور ہر کام کر سکتا ہوں، کہیں بھی آ جا سکتا ہوں لیکن تم جانتی ہو کہ جس شکل میں، میں ہوں اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں زندگی چاہتا ہوں نادیہ! مجھے زندگی چاہیے۔ بولو کھل کر بات کرو ایک اور بات بتا دوں تمہیں۔ اگر تم میرے لیے یہ سب نہ کرنا چاہو گی تو بھی میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا سمجھ رہی ہو نا۔ لیکن شرط ہے کہ مجھ سے جو کہو اسے پتھر کی لکیر سمجھ لو۔ اگر سوچنا چاہو تو سوچ سکتی ہو، وقت دے سکتا ہوں تمہیں اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو ایک لمحے میں فیصلہ کر سکتی ہو۔ اب میں خاموش ہو رہا ہوں تمہارے سوال یا جواب کا انتظار کروں گا۔ نادیہ اپنے حواس کو جمع کرتی رہی تھی جو کچھ اس کے سامنے آیا تھا وہ تو روز اول ہی سے ایک الگ نوعیت کا حامل تھا۔ اس پراسرار ماحول میں کم از کم اسی طرح کی کوئی بات ہونی چاہیے تھی۔ چنانچہ اس کا خیال سامنے آ گیا تھا اس نے کچھ لمحوں کے بعد کہا۔

''سر! مجھے کیا کرنا ہو گا۔''

''نہیں نادیہ! پہلے میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ بھی میں کہوں گا اس پر خلوص دل سے عمل کرو گی یا نہیں۔''

''سر! آپ مجھے ایک بات بتائیے۔'' نادیہ نے کہا۔ اب وہ حیرت اور خوف کے اثر سے کافی حد تک آزاد ہو گئی تھی۔ حالانکہ اب بھی اس کی نگاہیں اس سر پر پڑتیں جو بول رہا تھا، دیکھ رہا تھا سن رہا تھا تو وہ خود ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتی۔ اپنے آپ کو بھی یہ کہانی سناتی تو شاید خود بھی یقین نہ کر پاتی، لیکن سب کچھ نگاہوں کے سامنے تھا۔

''ہاں پوچھو کیا بات ہے۔''

''سر جو کام آپ میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں کیا اس کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ میں وہ کام کر سکوں گی۔''

''ہاں۔ میں نے بلاوجہ تمہارا انتخاب نہیں کیا۔ میری اپنی بھی کچھ آبزرویشن ہے۔ میں نے تمہارے اندر ایک عزم و ہمت والی لڑکی دیکھی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اگر تم خلوص دل کے ساتھ مجھ سے تعاون کرو گی تو میرا کام سرانجام دے سکتی ہو۔''

''فرمائیے سر۔''

''اب وہ سامنے والا کیبنٹ ہے اس کے بھی تین نمبر خانے کو کھولو، بالکل اسی طرح جیسے تم نے یہ خانہ کھولا ہے۔'' نادیہ نے پلٹ کر اس کیبنٹ کو دیکھا کم از کم اسی فیصد اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ اس کیبنٹ میں کیا ہو سکتا ہے۔ جب اس نے پرانے کیبنٹ کے اصولوں کے مطابق اس کیبنٹ کو کھولا تو ایک بار پھر اس کے دل میں خوف کا احساس ابھر آیا۔ ایک بھرا بھرا انسانی جسم پورے لباس میں ملبوس لیکن سر سے محروم صاف اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ سر اسی جسم سے منسلک ہے۔ آواز ابھری۔

''ہاں۔ تم نے دیکھا''

''جی سر۔''

بند کر دو اور واپس آ جاؤ اور سامنے کرسی پر بیٹھ جاؤ۔'' آواز نے کہا اور نادیہ نے اس ہدایت پر عمل کیا۔ سر والا کیبنٹ خود بخود بند ہو گیا تھا بہر حال وہ بیٹھ گئی۔ آواز اب پہلے کی مانند کمرے میں گونج رہی تھی۔ ''نادیہ ہمت کرو۔ میں ایسا کبھی نہ کرتا اگر تم مجھے اپنے کام کی لڑکی نظر نہ آتی۔''

''جی سر۔ اب آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

''نادیہ! دولت کی میرے پاس کمی نہیں ہے۔ اتنی دولت ہے میرے پاس کہ میں دنیا کا ہر عیش حاصل کر سکتا ہوں۔ مجھے ایک ایسے ماہر سرجن کی تلاش ہے جو میرا سر میرے جسم سے جوڑ دے یہ سب کچھ تمہیں بہت عجیب محسوس ہو رہا ہو گا نادیہ لیکن ایسا سو فیصدی ممکن ہے۔ میرا سر میرے جسم سے جڑ سکتا ہے اور میں نئی زندگی پا سکتا ہوں۔''

''سر کیا میں آپ سے سوال کر سکتی ہوں کہ سر اور جسم کا رابطہ منقطع ہونے کے باوجود آپ زندہ کیسے ہیں۔''

''نادیہ! بس یہ سمجھ لو کہ یہ ایک عجوبہ ہے لیکن ہے جسے تم خود اپنی نگاہوں سے دیکھ رہی ہو۔''

''سر ایک بات آپ اور بتایئے کہ ایسا کوئی ماہر ڈاکٹر یا سرجن آپ کی نگاہوں میں ہے جو یہ کام کر دے۔''

''اصل بات تو یہی ہے نادیہ! کہ ہم ایسے ماہر سرجن کو تلاش کریں گے۔ یہ ایک انوکھی بات ہے۔ انوکھا راز۔ نادیہ تم اس راز کی دوسری راز دار ہو میں نے ایسا ہی طریقہ کار اختیار کیا ہے کہ کوئی نہ مجھے دیکھ سکے نہ جان سکے۔ میرے بعد تم دوسری شخصیت ہو جو اس حقیقت کو جانتی ہو، لیکن راز داری پہلی شرط ہے تمہیں میرے راز کو ہمیشہ راز رکھنا پڑے گا کیا سمجھیں۔''

''سر میں تیار ہوں۔'' نادیہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''جانتی ہو یہ جواب دینے کے بعد تم پر کیا ذمے داری عائد ہو گئی ہے۔''

''جی سر میں جانتی ہوں۔''

''تو پھر اس میز کی دراز میں دیکھو اس میں ایک اخبار رکھا ہوا ہے اسے نکال لاؤ۔''

نادیہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے یہ عمل بھی کر ڈالا۔ مقامی انگریزی کا اخبار تھا۔

''تیسرے صفحہ پر یہ خبر دیکھو جو اشرف شیراز کے بارے میں ہے۔'' آواز آئی۔ نادیہ نے اخبار حاصل کر کے اس کا مطلوبہ صفحہ کھولا۔

☆......☆......☆

شیراز صاحب اپنے پورے خاندان کے ہمراہ بیٹے کو لینے ایئرپورٹ آئے تھے۔ بلند و بالا قد وقامت کا مالک، خوبصورت چہرے والا اشرف شیراز تمام کارروائیوں سے فراغت حاصل کر کے مسکراتا ہوا باہر نکلا تو باپ نے اسے سینے سے لگا لیا اور پھر مسکراتا ہوا اشرف شیراز ایک ایک سے گلے ملنے لگا۔ شیراز صاحب نے اپنی زندگی بھر کی کمائی بیٹے کو سپیشلسٹ بنانے میں جھونک دی تھی۔ عالیشان کوٹھی بیچ دی تھی اور ایک درمیانے درجے کے گھر میں منتقل ہو گئے تھے۔ بس ایک امید ایک آرزو پر انہوں نے زندگی کا یہ تاج محل بنایا تھا۔ اشرف شیراز کے بارے میں غیرملکی اخبارات میں اتنا کچھ لکھا گیا تھا کہ شیراز صاحب کے سینے میں سانس نہیں سماتی تھی۔ وہ ایک بہترین سرجن تھا اور اس نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ اصل مسئلہ یہی ہوتا ہے کہ اس چھوٹی سی عمر میں اتنی شہرت حاصل کر لی جائے۔ اس کے بعد ہی آگے کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ بہرحال پرانے ماڈل کی کار اشرف شیراز کو لے کر چل پڑی۔ پیچھے ٹیکسیوں میں گھر کے دوسرے افراد آ رہے تھے اشرف شیراز نے اس کار کو ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا تھا، لیکن کچھ بولا نہیں تھا اور پھر جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوا تو اس نے حیرانی سے گھر کو دیکھا پھر بولا۔

''آپ نے مجھے لکھا تو تھا ڈیڈی! کہ آپ نے بڑی کوٹھی بیچ دی ہے اور ایک ہوٹے گھر میں منتقل ہو گئے ہیں لیکن وہ گھر اتنا چھوٹا ہوگا یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔'' رات کے ھانے کے بعد محفل جم گئی تو شیراز صاحب نے کہا۔

''میں نے اس وقت تمہارے سوال کا جواب نہیں دیا تھا بیٹے! گھر کبھی چھوٹے نہیں تے دل چھوٹے ہوتے ہیں۔ دل بڑا ہو تو گھر بھی بڑا بڑا لگتا ہے۔'' اشرف شیراز ہنس پڑا پھر ا۔

''یہ باتیں کتابوں کے صفحات پر اچھی لگتی ہیں۔ حقیقت کی دنیا اس سے بہت مختلف ہے۔ خیر یہ بات میں جانتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے میرے لیے کیا ہے ظاہر ہے جو راجات مجھ پر ہوئے ہیں وہ اتنے زیادہ ہیں کہ یہ سب کچھ کیے بغیر چارہ نہیں تھا۔ یہ بات میں ی طرح جانتا ہوں۔''

''شکر ہے اللہ نے تمہیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔ بہرحال بیٹے! جو کچھ اری محنت نے ہمیں دیا ہے اب اسے صحیح انداز میں استعمال کرنا تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''جی۔ آپ فکر نہ کریں ڈیڈی! اسے پہلے والی کوٹھی سے چار گنا بڑی کوٹھی میں تبدیل کر دوں تو اشرف نام نہیں میرا۔''

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ اللہ تعالیٰ محنت کا صلہ دیتا ہے لیکن ایک بات کا خاص طور ے خیال رکھنا۔''

''کیا ڈیڈی!''

''بیٹے! کبھی کسی غریب کی آہ مت لینا۔ نادار اور کچھ نہ ادا کرنے والے لوگوں کو ان ں پر ترجیح دینا جو تمہیں بہت کچھ دے سکتے ہیں۔ غرور کو کبھی پاس نہ پھٹکنے دینا۔ خیال رکھنا یہ ری شخصیت اور کردار میں نکھار پیدا کرتی ہیں۔'' اشرف نے عجیب سی نگاہوں سے باپ کو دیکھا بولا۔

''لگتا ہے ڈیڈی کہ اس دوران آپ صرف اور صرف کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ہ اور افسانہ نگاری سے دلچسپی لیتے رہے ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ نے اپنا گھر بیچ کر مجھ پر رقم لگائی ہے ڈیڈی! انسان جب تجارت کرنا چاہتا ہو کیا کرتا ہے۔ مفت سودا بیچنا شروع کر دیتا ہے؟ ڈیڈی! میں پہلے یہاں اپنے کمالات اؤں گا اور اس کے بعد ان کمالات کا معاوضہ وصول کروں گا۔'' شیراز صاحب نے تشویش کی ہوں سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

''گویا تمہارے خیال میں وہ تینوں نصیحتیں فرسودہ ہیں۔''

''ڈیڈی! بس میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ آپ نے اپنے بیٹے کو اپنے پیروں پر کھڑا کر دیا ہے اب ان پیروں کی دوڑ دیکھئے کہاں سے کہاں تک جاتی ہے۔ شیراز صاحب کو بیٹے کے انداز میں ایک سرکشی کا احساس ہوا تھا لیکن ایسا ہی ہوتا ہے وہ ننھے ننھے وجود جو سینوں پر کلبلا کر بڑے ہوتے ہیں جب اپنا وجود پاتے ہیں تو سب سے پہلے ان کی نگاہوں میں ماں باپ ہی غیر ہو جاتے ہیں اور وہ سوچتے ہیں کہ یہ فرسودہ لوگ پرانی زندگی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں حالانکہ یہی زندگی انہیں وہ قوت بخشتی ہے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔ اشرف نے وہی شروع کر دیا جو وہ چاہتا تھا۔ اس کی آمد کی خبر ایک اخبار میں چھپی تھی۔ چنانچہ گورنمنٹ ہسپتال میں عین اس وقت پہنچا جب ایکسیڈنٹ کا کیس وہاں لایا گیا تھا۔ اس کی ران بالکل ٹوٹ کر علیحدہ ہو گئی تھی۔ لیکن زندگی باقی تھی۔ اشرف نے گورنمنٹ ہسپتال کے سرجن سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ وہ بلا معاوضہ اس سلسلے میں اپنی خدمات پیش کرنا چاہتا ہے۔ اس کا نام غیر ملکی اخبارات نے خاصی اچھی سرخیوں کے ساتھ واضح کیا تھا۔ چنانچہ اسے اجازت مل گئی اور اشرف نے اس حادثے زدہ شخص کی ران اس طرح جوڑی کہ بڑے بڑے سرجن حیران رہ گئے۔ یہ امر یقینی ہو گیا تھا کہ حادثہ زدہ شخص اپنی اس ٹانگ سے مکمل طور پر اس طرح کام لے سکے گا جس طرح حادثے سے پہلے لیا کرتا تھا۔ اس طرح اشرف نے اچانک مختلف بڑے بڑے ہسپتالوں میں پہنچ کر اپنی اعلیٰ کاریگری کے نمونے دکھائے۔ حکومت کی طرف سے اسے بہت عمدہ ملازمت کی پیشکش کی گئی، لیکن اس نے یہ پیشکش قبول نہیں کی اور یہ کہہ کر اس پیشکش کو ٹھکرا دیا کہ ابھی وہ کچھ وقت آرام کرنا چاہتا ہے۔ کئی پرائیویٹ بڑے ہسپتالوں نے اسے اعلیٰ درجے کی تنخواہ اور دوسری آسانیاں فراہم کرنے کی پیشکش کی لیکن اشرف نے یہ کہہ کر انہیں مسترد کر دیا کہ ابھی وہ ملازمت کرنا ہی نہیں چاہتا۔ پانچ چھ کیس اس نے مفت کیے پھر ایک بڑے آدمی کا کیس آ گیا اور اس نے درخواست کی کہ اشرف سے یہ سرجری کرائی جائے۔ اشرف نے لاکھوں روپے معاوضہ طلب کیا اور معاوضہ اسے ادا کر دیا گیا۔ یہ پہلی کمائی تھی جو اس نے گھر لا کر باپ کے سامنے رکھ دی اور شیراز صاحب ششدر زدہ رہ گئے۔

''ڈیڈی میں نے جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے۔ آپ مجھے بتائیے غلط کیا ہے یا صحیح۔''

''نہیں بیٹے! مجھے اختلاف تو نہیں ہے تم سے۔ میں نے صرف یہ کہا تھا کہ کبھی دل میں غرور نہ لانا، کسی مفلس کی مدد ضرور کرنا وغیرہ وغیرہ۔''

''غرور ایک بے حقیقت چیز ہے اور جہاں تک مفلس کی مدد کرنے کا سوال ہے ڈیڈی! تو کی جا سکتی ہے لیکن یہ جو ہے یہ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔'' اس نے

ؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''سنا ہے، آج کل ملازمتیں ٹھکراتے پھر رہے ہو۔''

''جی۔ اب دیکھئے اخبارات میرے بارے میں تفصیلات لکھ رہے ہیں شہرت آہستہ ہستہ ہمارے گھر پہنچتی جا رہی ہے۔ ڈیڈی! میں نے پہلے یہ سوچا ہے آپ چاہے اس چھوٹے ے گھر میں رہیں لیکن میں پرائیویٹ ہسپتالوں میں یہ کیسز کرنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد میں ترین معاوضے حاصل کر کے خود اپنا چھوٹا سا کلینک بناؤں گا جہاں صرف سرجری کے کیس ہوں ے۔ ڈیڈی! اس طرح مجھے آسانی ہو جائے گی۔ آپ دیکھئے بہت کم عرصے میں میں آپ کے لیے ایک عالیشان کوٹھی تعمیر کر دوں گا۔ دنیا کی ہر آسائش آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا۔ ب دیکھئے نا ڈیڈی لوگ تجارت کرتے ہیں۔ دکانیں کھولتے ہیں، مل لگاتے ہیں، کارخانے اتے ہیں، فیکٹریاں لگاتے ہیں، کیوں؟ آخر کیوں؟ اس لیے نا ڈیڈی کہ محنت کریں اور اپنے الات بہتر بنائیں۔ اپنی دولت میں اضافہ کریں۔ اس لیے کرتے ہیں نا یہ سب کچھ۔ میں نے ی آخر زندگی کے لمحات صرف کیے ہیں۔ بلاوجہ تو نہیں ڈیڈی! میں ان سے کچھ حاصل کروں ا۔'' شیراز صاحب ان باتوں کا کوئی مناسب جواب نہیں دے سکے تھے۔ لیکن تھوڑی سی تشویش کا شکار ضرور ہو گئے تھے۔ بیٹے کا انداز فکر بے شک زمانہ جدید کے مطابق ہے لیکن ان کا ایمان ا کہ اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ دعائیں بھی لیتا رہے تو اسے اس کے کاروبار میں ہر کام میں بے پناہ ترقی ملے گی۔ لیکن بیٹے کے انداز سے یہ پتہ چل چکا تھا کہ وہ اپنے موقف میں کوئی بدیلی نہیں کرے گا۔ بہرحال یہ سلسلہ جاری رہا تھا اور اشرف شیراز آہستہ آہستہ شہرت کی منزلیں طے کرتا چلا جا رہا تھا۔ وہ باہر کی دنیا سے آیا تھا چنانچہ زندگی کے وہ لوازمات جو انسان کو اپنے در پر زندگی سے دلچسپی پر آمادہ کرتے رہتے ہیں اس کے ساتھ تھے۔ یورپ کی حسین دنیا ہرے معمولات کے لیے بھی دلکش تھی اور اشرف شیراز کی فطرت میں حسن پرستی کا عنصر نمایاں ا۔ وہ حسین چہروں اور حسین لمحوں کا شیدائی تھا۔ بہت سی لڑکیاں اس کی زندگی میں آ چکی تھیں اروہ یہ سوچتا تھا بلکہ یہ اس کا انداز فکر تھا کہ زندگی کسی ایک نقطے پر نہیں مرکوز ہونی چاہئے بلکہ بدیلیاں زندگی کی مضافات ہوتی ہیں۔ یکسانیت سے انسان آدھا مر جاتا ہے۔ چنانچہ شادی غیرہ ایک بیکار مشغلہ ہے۔ بیوقوفوں کی کوشش کیونکہ اس سے زندگی پر جمود طاری ہو جاتا ہے۔ ہرحال ابھی یہ مسئلہ اس کے لیے کوئی نازک شکل نہیں اختیار کر سکا تھا۔ کھل کھیل رہا تھا۔ یہ دازہ اسے تھا کہ اب زندگی یہیں گزارنی ہو گی۔ چنانچہ اس نے اپنے لیے تفریحات بھی تلاش کر لی تھیں۔ نائٹ کلب، جم وغیرہ اس کی توجہ کا مرکز تھے۔ نائٹ کلبوں میں بھی وہ شہرت حاصل کرتا جا رہا تھا۔ ایک ایسی شہرت جو ایک سرجن کی حیثیت سے تھی اور لوگ دانشوروں سے بہت

جلدی متاثر ہوتے ہیں وہ لڑکی بھی غالباً اس کی شہرت سے متاثر ہو کر اس تک پہنچی تھی۔ بڑے
نفیس نقوش تھے، بہت ہی حسین لڑکی تھی۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا
''میرا نام نادیہ ہے ایک درمیانے سے گھر کی فرد ہوں اور ملازمت کرتی ہوں۔''
''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر مس نادیہ!''
''سر خوشی تو مجھے آپ سے مل کر ہوئی ہے آپ اتنی بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔''
''شکریہ نادیہ! ویسے آپ بہت دلکش ہیں۔'' نادیہ کے چہرے پر جو شرم کے آثار
ابھرے تھے وہ حقیقی نوعیت کے تھے۔ اس نے کہا۔
''سر! کیا آپ اس بات پر یقین کریں گے کہ میں ایسے کسی نائٹ کلب میں زندگی
میں پہلی بار آئی ہوں لیکن اس بات پر بھی یقین کر لیجیے کہ میری یہاں آمد صرف آپ کے لیے
تھی۔ بہت معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ آپ یہاں آتے رہتے ہیں۔''
''ارے یہ تو آپ نے مجھے حیران کن بات بتائی۔ ویسے آپ یقین کیجیے مس نادیہ
یہ بات تو میں سوچتا رہا ہوں۔ میرا مطلب ہے ابھی ان لمحات میں آپ کے بارے میں کہ آپ
نے اپنے بارے میں جو کچھ تفصیلات بتائی ہیں اس کے بعد کسی نائٹ کلب میں آنا۔''
''نہیں سر۔ میں تو یہاں کے ماحول کی متحمل بھی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو آپ بڑے لوگوں
کی دنیا ہے ہم تو غریب لوگ ہیں۔''
''اوہو، غربت کو دور کرنے کے لیے انسان کو تھوڑی سی جدوجہد تو کرنی چاہئے۔''
اشرف نے اپنا کھیل شروع کر دیا۔
''جی سر۔ کرنی چاہئے لیکن آپ کا کیا خیال ہے کیا دولت سڑکوں پر پڑی مل جاتی
ہے۔''
''نہیں بالکل نہیں، اس حسین دیوی کو حاصل کرنے کے لیے تو بڑی محنت کرنا پڑتی
ہے مجھے دیکھئے نا۔ میں شدید جدوجہد کر رہا ہوں۔ بہت اچھے گھر کا مالک تھا میں، مطلب یہ کہ
ایک اچھا گھرانہ تھا میرا' کھاتا پیتا، لیکن میرے ماں باپ نے اپنی ساری دولت مجھ پر صرف کر
دی۔ مجھے ایک بہترین سرجن بنانے کے لیے اور میں بن گیا! اور اب میں دنیا سے اپنی محنت کا
صلہ مانگ رہا ہوں۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ پہلے محنت کرنا ہوتی ہے اس
کے بعد صلہ ملتا ہے۔''
''سر ایسے وسائل سب کو مہیا تو نہیں ہوتے۔''
''ہاں۔ میں مانتا ہوں ایسے وسائل سب کو مہیا نہیں ہوتے لیکن جدوجہد تو ضرور کرنی
چاہئے اس سے فائدہ ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے سر، میں جدوجہد کروں گی۔''
''ایک بات بتائیے، آپ مجھ سے ملاقات کے لیے یہاں تک پہنچیں میں آپ کی
کوئی خدمت کر سکتا ہوں۔''
''جی۔ سر مجھے آپ سے ایک کام ہے اور ایک ایسا کام جس کے بارے میں آپ
سوچ بھی نہیں سکتے کہ مجھ جیسی کوئی شخصیت آپ سے کوئی ایسا کام لینا چاہتی ہے۔''
''اچھا۔ بتائیں گی نہیں مجھے۔''
''سر! ابھی نہیں۔ دو تین ملاقاتیں تو ہو جانے دیجئے۔''
''ہاں ضرور۔ میں آپ سے مل کر خوشی محسوس کروں گا۔'' چار دن تک روزانہ شام
میں ان کی ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں۔ چوتھے دن نادیہ نے کہا۔
''کیا ہم یہاں سے ہٹ کر کہیں نہیں مل سکتے۔''
''میں آپ سے خود یہ بات کہنے والا تھا۔ ساحل سمندر حسین جگہ ہے کیا کہتی ہیں
آپ اس کے بارے میں۔''
''بے شک۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ساحل بہت خوبصورت ہوتا ہے۔''
دوسرے دن وہ ساحل پر ملے۔ نادیہ اپنی زندگی کا ایک ایسا کھیل کھیل رہی تھی جس کے بارے
میں اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ اکثر اسے یہ خوف محسوس ہوا کہ اسے شہر میں
دیکھ نہ لیا جائے۔ اپنے والدین سے تو اس نے یہی کہا تھا کہ وہ شہر سے باہر ایک دوسرے علاقے
میں جاتی ہے اور ایک ہفتے کے بعد اس کی چھٹی ہوا کرتی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اسے اس عالم
میں کہیں دیکھ لیا گیا تو اس کا پول کھل جائے گا اس لیے زیادہ تر وہ بیرونی مقامات پر نکلنے سے
گریز کرتی تھی، لیکن ادھر پراسرار باس کا رویہ اس کے ساتھ اتنا اچھا تھا کہ وہ اس کے لیے سب
کچھ کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ بہرحال اس طرح وقت جاری رہا ساحل سمندر پر وہ دونوں ملے۔
اشرف تو اپنا ہی کھیل کھیل رہا تھا۔ ایک خوبصورت لڑکی کا حصول اس کے لیے بڑی دلکشی کا
باعث ہوتا تھا اور وہ خاص طور سے مقامی لڑکی جو پہلی بار اسے ملی تھی۔ لہروں کے ساتھ پاؤں
بھگوتے ہوئے اس نے نادیہ سے کہا۔
''مس نادیہ! زندگی کے بارے میں آپ نے کس انداز میں سوچا ہے۔ میرا مطلب
ہے زندگی کو ایک کھلونا بنانا پسند کریں گی آپ یا اس سے بھی کچھ آگے۔''
''مطلب۔''
''اس دن بھی میری آپ سے بات ہوئی تھی کہ دولت کے حصول کے لیے انسان کو
محنت کرنا ہوتی ہے۔ میں آپ کو ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔''

’’کیا......‘‘

’’آپ مس نادیہ...... جب میں اپنا کلینک بنا لوں تو میرے ساتھ کام کیجئے گا اور یہ وقت زیادہ دور نہیں ہے اصل میں، میں آپ کو بتاؤں مس نادیہ، کہ میں دولت حاصل کرنے کے لیے شدید جدوجہد کر رہا ہوں۔ میں ایسے لوگوں کے لیے کام کرنا چاہتا ہوں جو مجھے بھرپور معاوضہ دے سکیں۔‘‘

’’اشرف صاحب! میں آپ سے ایک اہم بات کہنا چاہتی ہوں کیا آپ اسے سننا پسند کریں گے۔‘‘

’’ہاں کیوں نہیں۔‘‘

’’اشرف صاحب! میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا تھا جب پہلی بار میری آپ سے ملاقات ہوئی تھی کہ مجھ جیسی غریب اور مفلس لڑکی کسی نائٹ کلب میں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی اس کے علاوہ اشرف صاحب میں ایسی جگہوں کی متحمل بھی نہیں ہو سکتی۔ یعنی میں نہیں جانتی یہاں کے آداب کیا ہوتے ہیں۔‘‘

’’ہاں۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ کلب میں کچھ اس طرح سے نظر آتی ہیں جیسے راستہ بھٹک کر ادھر آ گئی ہوں۔‘‘

’’بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ راستہ بھٹکی تو نہیں تھی لیکن میں نے اس دن آپ کو یہ بات جتا دی تھی کہ میں صرف آپ کی تلاش میں یہاں تک پہنچی ہوں۔‘‘

’’آج اس بات کی وضاحت کر دیجئے مس نادیہ!‘‘ اشرف نے کہا۔ نادیہ سوچ میں ڈوب گئی۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

’’اصل میں اشرف صاحب! مجھے یہی رہنمائی آپ تک کی گئی تھی۔‘‘

’’رہنمائی۔‘‘

’’کیا؟‘‘

’’میں اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔‘‘

’’میرے باس! میرے باس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے ملاقات کروں اور آپ سے دوستی بڑھا کر آپ کو ان کے پاس لے کر آؤں۔ دوستی بڑھانے سے میری مراد یہ ہے کہ آپ سے واقفیت حاصل کر کے اگر آپ مجھے کوئی اہمیت دے سکیں تو۔‘‘

’’مطلب اب بھی میں کچھ نہیں سمجھا۔‘‘ اشرف نے حیرانی سے کہا۔

’’وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

’’ان کا کوئی پروبلم ہے۔‘‘

’’کیسا پروبلم۔‘‘

’’سرجری سے متعلق۔‘‘

’’تو پھر انہوں نے اس طرح مجھ سے ملنے کے لیے یہ راستہ کیوں نکالا‘‘ اشرف نے حیرت سے کہا۔

’’وہ خفیہ طور پر آپ سے ملنا چاہتے تھے۔ مطلب یہ کہ بالکل اپنے طور پر۔‘‘

’’تعجب کی بات ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا۔‘‘

’’میں یقیناً آپ کو سمجھا بھی نہیں پا رہی۔ اچھا آپ یہ بتائیے اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے باس سے بات کر لیجئے تو میرے کہنے سے کیا آپ تیار ہو جائیں گے۔‘‘

’’سو بار۔ اچھے دوست! دوستوں کے معاملات سے پوری طرح متفق ہوتے ہیں۔ اور کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ میں آپ کے باس سے نہ مل سکوں۔ بتائیے کب ملائیں گی آپ مجھے ان سے اور یہ بات آپ مجھ سے پہلے ہی کہہ دیتیں۔ میں سمجھ نہیں پایا کہ آپ نے اتنا تکلف کیوں کیا۔‘‘

’’بہت بہت شکریہ اشرف صاحب! میں آپ کی بہت شکرگزار ہوں۔ آپ نے میری بہت بڑی مشکل حل کر دی۔ اصل میں جب مجھے باس نے ہدایت کی کہ میں آپ سے ملاقات کروں اور اس طرح کروں تو میں سوچتی رہی کہ آخر ایسا کیوں ہے اور پھر میں نے یہ بھی سوچا کہ کہیں یہ نہ ہو کہ آپ میرے اوپر کوئی شک کرنے لگیں۔ ایسی صورت میں اشرف صاحب مجھے دکھ ہوتا خیر چھوڑیئے۔‘‘

’’آپ نے میرے ذہن میں تجسس پیدا کر دیا ہے نادیہ! آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کے باس کیا کرتے ہیں۔‘‘

’’کچھ نہیں کرتے۔‘‘

’’میرا مطلب ہے کوئی کاروبار ہے ان کا۔ کوئی مسئلہ ہے۔ کوئی معذوری ہے انہیں کس طرح کی بات ہے کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔‘‘

’’اشرف صاحب! آپ ایک کام کیجئے گا میں آپ کی فون پر باس سے بات کرا دوں گی۔ آپ اس کے بعد ان سے مل لیجئے گا۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ میں آپ کو اپنا ذاتی فون نمبر دے دیتا ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے بے حد شکریہ۔‘‘ نادیہ نے کہا بہر حال نادیہ چلی گئی تھی لیکن اشرف کے ذہن میں ایک کرید پیدا ہو گئی تھی۔ نادیہ کو اس نے اپنا فون نمبر دے دیا تھا اور نادیہ نے کہا تھا

کہ کل دن میں دس بجے باس اسے فون کرے گا دوسرے دن دس بج اسے نادیہ کا فون موصول ہوا۔

''اشرف صاحب۔''

''ہاں میں ہی بول رہا ہوں مس نادیہ اور میں نے آپ کی آواز کو بھی پہچان لیا ہے۔''

''اشرف صاحب! پلیز باس سے بات کیجئے۔'' پھر ایک بھاری آواز سنائی دی۔

''جی ڈاکٹر اشرف! نادیہ کے حوالے سے میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔''

''جی سر! بڑا پراسرار انداز اختیار کیا ہے آپ نے مجھ سے ملاقات کرنے میں۔''

جواب میں ہنسی سنائی دی۔ پھر کہا گیا۔

''اصل میں میں خود ایک پراسرار شخصیت ہوں ڈاکٹر اشرف!''

''ویری گڈ۔ میں نے زندگی میں پہلی بار کسی پراسرار شخصیت کو اپنے آپ کو پراسرار کہتے ہوئے سنا ہے اور فرمایئے آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''ڈاکٹر میں ایک مشکل میں گرفتار ہوں آپ یہ سمجھ لیجئے کہ آپ ہی کی لائن کا کیس ہے۔ آپ براہ کرم مجھ سے ملاقات کر لیجئے اور ایک درخواست اور کرتا ہوں آپ سے وہ یہ کہ اپنے آلات لے کر آیئے تاکہ آپ میرا معائنہ کر سکیں میں تو نہیں جانتا کہ میڈیکل سرجری کے معاملات میں ڈاکٹروں کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ میرا مکمل چیک اپ کر لیں۔ نادیہ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ دونوں کے درمیان خاصی مفاہمت پیدا ہو گئی ہے اور آپ ایک دوسرے کے بہت اچھے دوست بن گئے ہیں۔ اصل میں میرا کیس ہی ایسا تھا ڈاکٹر کہ میں پہلے آپ کی توجہ چاہتا تھا کسی نہ کسی شکل میں۔ نادیہ نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ دوسری بات میں آپ کو بتا دوں ڈاکٹر اشرف کہ میرا جو بھی کیس ہے، میں آپ کو اس کا منہ مانگا معاوضہ دوں گا۔ آپ اپنے ذہن میں کسی بھی رقم کا تعین کر لیجئے۔ میں بڑی خوشی سے آپ کو ادا کروں گا۔ دولت کی میرے پاس کمی نہیں ہے۔''

''بس بس جناب! بہت بہت شکریہ۔ پہلے میں دیکھ تو لوں کہ آپ کا کیس کیا ہے۔ فون پر بتانا پسند کریں گے آپ۔''

''نہیں ڈاکٹر! مشکل ہو جائے گا۔ اصل میں جو مشکل مجھے درپیش ہے اس کے لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ بڑی رازداری سے اس کے لیے کام کریں۔''

''میں دیکھوں گا کس وقت آنا ہے مجھے آپ کے پاس۔''

''اب یہ آپ پر منحصر ہے جب میری آپ سے بات چیت ہو گئی ہے تو پھر اب آپ

فیصلہ کریں گے کہ آپ کس وقت میرے پاس آ سکتے ہیں۔''

''ایسا کریں آپ شام کو چار بجے نادیہ کو میرے پاس بھیج دیجئے گا میں نادیہ کے ساتھ آ جاؤں گا۔''

''میں اپنی گاڑی بھیجوں گا آپ کے پاس آپ بالکل بے تکلفی سے آ جایئے۔''

''ٹھیک ہے۔'' فون بند ہو گیا اشرف کے ذہن میں ایک کرید سی پیدا ہو گئی تھی۔ نجانے کیا قصہ ہے نجانے کیا تکلیف ہے نادیہ کے باس کو۔ لیکن کچھ بھی ہو، جب وہ شخص کہتا ہے کہ منہ مانگا معاوضہ دے گا تو پھر کیسا ہی کیس کیوں نہ ہو یا کتنی ہی رازداری کیوں نہ برتنی پڑے، برتی جائے گی۔ ظاہر ہے وہ معاوضہ دے گا اس کے معاوضے کی ادائیگی اسے ضرور ہو گی اور پھر اشرف اپنا بیگ تیار کرنے لگا تاکہ وہ جو کوئی بھی ہو اس کا بہتر معائنہ کیا جا سکے۔

☆......☆......☆

ڈرائیور نے کار کوٹھی کے صدر گیٹ سے اندر داخل کر دی۔ یہ ڈرائیور بھی ایک پراسرار آدمی تھا اور خود نادیہ نہیں جانتی تھی کہ پراسرار باس نے اس سے کیا رابطے قائم کیے ہوئے ہیں۔ وہ نادیہ کو لے کر اس کے گھر جاتا تھا اور پھر اتوار کی شام کو اسے واپس لے آتا تھا۔ اور اس کے بعد کہیں چلا جاتا تھا۔ نادیہ کو کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی تھی۔ کوٹھی میں اتنا سب کچھ موجود تھا کہ نادیہ اس سے اپنا تمام کام چلا لیا کرتی تھی۔ بہر حال اس وقت ڈاکٹر اشرف اس کے ساتھ تھا اور ڈاکٹر اشرف اپنا میڈیکل بکس لے کر یہاں پہنچا تھا۔ اس نے بڑے پراشتیاق انداز میں اس عظیم الشان کوٹھی کا معائنہ کیا اور نادیہ سے بولا۔

''تم یہاں کام کرتی ہو۔''

''جی ڈاکٹر اشرف!''

''کیا کرنا ہوتا ہے یہاں تمہیں؟''

''میں ہاؤس کیپر ہوں۔''

''کیا شاندار ہاؤس ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ صاحب جو تمہارے باس ہیں۔ جو کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔''

''ہاں۔''

''ویسے کس طرح کے انسان ہیں۔''

''بہت ہی اچھے۔ بہت ہی نفیس طبیعت کے مالک۔ مگر ایک بات پر سختی سے زور دیتے ہیں وہ۔''

''کیا؟''

"یہی کہ ان کی ہر بات راز رکھی جائے ۔ چنانچہ آپ سے درخواست کرتی ہو ڈاکٹر اشرف ! کہ ان سے ملاقات سے پہلے مجھ سے ان کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے گا۔"

"ٹھیک ہے ۔ چلئے ۔ ویسے کوٹھی بہت شاندار ہے۔ ایسی کسی حسین کوٹھی کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

"شاید" نادیہ نے آہستہ سے کہا اور ڈاکٹر اشرف نے معنی خیز نگاہوں سے نادیہ کو دیکھا۔ نہیں وہ باس کی منظور نظر تو نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ بھی ہے یہ تو سب کچھ چلتا ہے۔ وہ اس کی جانب جس طرح متوجہ نظر آتی ہے اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس کے اندر لچک ہے۔ آخر کار کئی کمرے طے کرنے کے بعد اس بڑے کمرے میں دونوں داخل ہوگئے۔ جس کے بارے میں باس نے نادیہ کو ہدایت کردی تھی۔ ایک بہت ہی خوبصورتی سے سجا ہوا کمرہ تھا۔ جس میں ڈاکٹر اشرف کو بٹھا دیا گیا۔ یہاں داخل ہوتے ہی ڈاکٹر اشرف یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ کوٹھی کا مالک درحقیقت انتہائی صاحب حیثیت انسان ہے۔ لیکن بہر حال وہ خاموشی سے اس کا انتظار کرنے لگا تب ایک آواز کمرے میں گونجی۔

"مس نادیہ ! ڈاکٹر سے پوچھئے وہ کچھ پینا پسند کریں گی۔" اشرف نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا پھر بولا۔

"یہ کس کی آواز ہے۔"

"باس!" نادیہ نے جواب دیا۔

"مگر اس طرح۔"

"ہاں۔"

"حیران نہ ہوں ڈاکٹر اشرف میں آپ سے ابھی ملاقات کروں گا۔ ایک پراسرار اور سنسنی خیز ملاقات ۔ یہاں داخل ہوتے ہوئے آپ نے یقینی طور پر اپنے اندر کچھ سنسنی محسوس کی ہوگی۔ سوچا ہوگا کہ آخر وہ شخص کون ہے جس نے اتنی ڈرامائی کیفیت اختیار کی ہے۔ لیکن اب میں اسے کیا کہوں کہ ڈرامہ اب میری زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے ۔ چلئے بتائیے۔ آپ کچھ پینا پسند کریں گے۔"

"کچھ نہیں پلیز! آپ آیئے مجھ سے ملاقات کیجئے اور مجھے بتائیے کہ آپ کی مشکل کیا ہے۔"

"ہاں میں بتانا چاہتا ہوں ۔ ابھی چند منٹ کے بعد میں آپ کے پاس حاضر ہورہا ہوں۔" نادیہ نے اپنے پورے بدن میں شدید تھرتھری محسوس کی تھی۔ کیا پراسرار باس ! براہ راست آکر اس سے ملاقات کرے گا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ پھر کچھ لمحات انتہائی خاموشی سے گزر

گئے۔ ایک عجیب سی سنسنی ماحول پر طاری تھی اور نادیہ ایک بار پھر شدید دھڑکنوں کا شکار تھی۔ پھر اچانک ہی دروازے پر آہٹ ہوئی اور اس کے بعد جو دہشت ناک منظر نگاہوں کے سامنے آیا وہ ناقابل یقین تھا۔ ڈاکٹر اشرف کیلئے بھی' نادیہ کو بھی اس بات کی امید نہیں تھی کہ پراسرار باس اس طرح سامنے آجائے گا۔ وہ ایک عمدہ سوٹ میں ملبوس تھا اور اپنے قدموں سے چل کر آرہا تھا۔ اس نے اپنا سر اپنی بغل میں دبایا ہوا تھا۔ کھلی ہوئی آنکھیں ہنستا ہوا چہرہ لیکن اس عالم میں کہ دیکھنے والا دیکھے اور دہشت سے اس کے دل کی دھڑکن بند ہوجائے۔ نادیہ تو چونکہ اس منظر کی عادی ہوچکی تھی۔ باس نے خود اسے اپنے پاس بلا کر اپنی اصلیت اسے دکھا دی تھی۔ لیکن اشرف شیراز کیلئے یہ دنیا کا دہشت ناک ترین منظر تھا وہ خوف کے عالم میں کھڑا ہوگیا۔ اس کی گھگی بند گئی تھی جبکہ پراسرار باس۔ بڑے نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور پھر وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ صوفے کے ساتھ لگی سائیڈ ٹیبل پر اس نے اپنا سر رکھ دیا۔ ڈاکٹر اشرف اب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تب سر کے ہونٹ ہلے آنکھیں ڈاکٹر اشرف پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ اس نے سرد اور بردبار آواز میں کہا۔

"تشریف رکھیے ڈاکٹر اشرف! یقینی طور پر آپ کو یہ منظر دیکھ کر حیرت ہوئی ہوگی۔ بلکہ آپ خوف کا شکار بھی ہوئے ہوں گے۔ میں سب سے پہلے آپ کا خوف ختم کرنے کیلئے اپنے بارے میں بتا دوں۔ نہ میں کوئی بھوت ہوں نہ جن ہوں۔ نہ کوئی بدروح۔ ایک انسان ہوں' زندہ ہوں اور زندگی کی ایک بدترین مشکل کا شکار ہوگیا ہوں۔ میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں ایک باقاعدہ شہر آباد کرسکتا ہوں۔ شہریوں کے مسائل حل کرسکتا ہوں۔ اس شہر کی تمام ضرورت پوری کرسکتا ہوں۔ سو برس تک اسے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر کھلا سکتا ہوں لیکن میری موجود حالت آپ دیکھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر اشرف اس حالت کی وجہ نہیں بتاؤں گا آپ کو۔ بس یوں سمجھ لیجئے ۔ مجھے میری اصلیت واپس کردیجئے۔ بس یہ آپ کا کام ہے۔ اور اس کے معاوضے کے طور پر آپ مجھے بتائیے کہ آپ کو کیا چاہیے ۔ جتنی دولت آپ کے اپنے ذہن میں آئے آپ اس کا تعین کرلیجئے۔ میں آپ کو ادا کروں گا۔ جو کچھ بھی آپ پسند کریں وہ طے کرلیجئے۔ کیا سمجھے آپ؟" ڈاکٹر اشرف کا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے اہم ترین واقعہ تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہنے لگا۔

"میں آپ کو کس نام سے پکاروں۔"

"نہیں میرا کوئی نام نہیں ہے آپ مجھے بس اشارتی نام سے پکار لیجئے۔"

"ٹھیک ہے سر! یہ تو آپ کو بتانا پڑے گا کہ آپ کی یہ کیفیت کیسے ہوئی کیونکہ ہم لوگ تھوڑی سی معلومات کے بغیر یہ سب کچھ نہیں کرسکتے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ نادیہ جیسی لڑکی

جب اس بات کے بارے میں کہتی ہے کہ آپ ایک زندہ حقیقت ہیں تو یقیناً آپ ایسے ہی ہوں گے۔ لیکن یہ دنیا کا سب سے حیرت انگیز واقعہ ہے کہ کسی انسان کا سر اس کے جسم سے الگ ہو اور وہ زندہ ہو اور الگ الگ حیثیت سے بات چیت کرسکتا ہو۔"

"ڈاکٹر! یہی تو آپ کی مہارت کا کام ہوگا۔ آپ یہ نہ معلوم کریں کہ یہ سب کیسے ہوا۔ کیونکہ میں آپ کو بتاؤں گا نہیں۔ آپ صرف اپنا کام کریں۔ آپ خود تجزیہ کرلیں کہ میرے اس جسمانی عمل کو کس طرح کرسکتے ہیں یا یہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ مجھے صرف یہ جواب دیجئے کہ یہ ہوسکتا ہے سمجھ رہے ہیں نا آپ۔" اشرف شیراز سوچ میں ڈوب گیا۔ خوف کے وہ لمحات تو ختم ہوگئے۔ جو اس پر پہلے طاری ہوئے تھے لیکن اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ صورتحال جو کچھ بھی ہے یہ اس کی زندگی کا سب سے پراسرار اور ہیبت ناک واقعہ ہوگا۔ یقینی طور پر یہ تجربہ اسے نجانے کہاں سے کہاں پہنچا دے گا۔ اس کے علاوہ یہ شخص کہتا ہے کہ وہ اسے منہ مانگا معاوضہ دے گا۔ کچھ دیر اس طرح سوچ میں ڈوبا بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔

"سر! میں یہ کام کرنے کیلئے تیار ہوں۔ سر کے چہرے پر خوشی کے تاثرات نمودار ہوگئے۔ ہونٹوں پر مدہم سی مسکراہٹ آئی اور اس نے کہا۔"

"ڈاکٹر! کسی مریض کیلئے زندگی کی سب سے بڑی خوشی یہ ہوتی ہے کہ سامنے بیٹھا ہوا ڈاکٹر اسے یہ خبر سنائے کہ وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ کا پہلا انعام یہ ہے۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک انتہائی قیمتی ہیرا نکال کر سامنے میز پر رکھا دیا۔ نہ جاننے والا بھی یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ یہ ہیرا بے پناہ قیمتی ہے۔ اس کی جگمگاہٹ سے اندازہ ہو جاتا تھا۔ باس نے کہا۔"

"مس نادیہ! ڈاکٹر صاحب کو یہ خوش خبری سنانے کا پہلا انعام دے دیجئے گا۔"

نادیہ مؤدبانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے وہ ہیرا لرزتے ہاتھوں سے اٹھایا اور اشرف کو پیش کردیا۔ اشرف نے مسکراتے ہوئے وہ ہیرا اپنے ہاتھوں میں لے لیا پھر بولا۔

"جناب! میں بہت بڑا آدمی نہیں ہوں۔ ماں باپ نے یوں سمجھ لیجئے اپنے آپ کو بیچ کر مجھے تعلیم دلائی۔ یہ ہیرا میرے لیے بے پناہ قیمتی ہے چونکہ یہ میرا انعام ہے میں اس کی مالیت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ لیکن میں انعام کو محفوظ رکھوں گا۔ اب میں آپ سے کام کی بات کرتا ہوں۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں دل و جان سے آپ کی صحت یابی کی بھرپور کوشش کروں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں اس میں کامیابی حاصل کرلوں گا۔ بلکہ اب تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید قدرت نے مجھے یہ مہارت آپ ہی کیلئے بخشی تھی۔ آپ اپنی اصلی شکل میں واپس آ جائیں گے۔ یہ میرے لیے بھی ایک اعزاز ہوگا۔ دولت آنی جانی چیز ہے۔ بے شک کچھ

ضرورتیں انسان کو حسرتوں کا شکار رکھتی ہیں۔ وہ تو جو کچھ ہوگا وہ تو ہوگا ہی لیکن آپ کو صحت یاب پا کر میں بڑی خوشی محسوس کروں گا۔ اب جہاں تک آپ نے مجھے معاوضے کا سوال کیا ہے تو ہر انسان لالچی ہوتا ہے۔ ہر ایک کو مختلف قسم کے لالچ ہوتے ہیں۔ آپ کو اپنی بے پناہ دولت کیلئے اپنی صحت اور زندگی درکار ہے اور میں آپ کو سچ بتاؤں مجھے اعلیٰ مستقبل کیلئے ایک خوبصورت کلینک درکار ہے۔ ایک ایسی عمارت جس میں دنیا کی جدید ترین مشینیں ہوں۔ میرے معاون ڈاکٹر ہوں اور میں اس طرح کی سرجری کے نئے نئے ریکارڈ قائم کروں۔ آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں منہ مانگا معاوضہ طلب کرسکتا ہوں۔ آپ مجھے یہ بتائیے کہ اگر آپ ٹھیک ہو جائیں تو آپ مجھے ایک ایسا کلینک معاوضے کے طور پر دے سکتے ہیں۔"

"ہاں! یہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور میں بلا تکلف اس کا وعدہ کرتا ہوں آپ سے بلکہ آپ اپنے دوران عمل اس کلینک کیلئے زمین دیکھ لیجئے اسے خرید لیجئے۔ اور اس کی تعمیر شروع کرا دیجئے مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔"

"نہیں سر! ایسے نہیں پہلے میں آپ کو صحت یاب کردوں۔ اپنے قدموں پر کھڑا کردوں اس کے بعد اس کا حقدار ہوں گا۔"

"یہ آپ کی نیک نفسی ہے۔ تو پھر میرے اور آپ کے درمیان یہ معاملہ طے ہے۔"

"ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں میں آپ سے۔" اشرف نے کہا۔

"جی فرمائیے۔"

"یہ علاج مجھے آپ کی کوٹھی میں ہی کرنا ہوگا۔"

"ہاں ڈاکٹر! سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کو مکمل راز داری کے ساتھ یہ کام کرنا ہوگا۔ جس دن آپ اپنے اس تجربے میں کامیاب ہو جائیں اور میرا سر میرے جسم سے جوڑ دیں۔ اس کے بعد آپ چاہیں تو پریس کانفرنس کرسکتے ہیں۔ پریس کو بلا کر یہ بتا سکتے ہیں کہ دیکھیں آپ نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ میری تصویریں اپنے ساتھ اخبارات میں چھپوا سکتے ہیں۔ میرا بیان چھپوا سکتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے اگر ایک لفظ کسی کو معلوم ہوگیا۔ ڈاکٹر اشرف تو میرے اور آپ کے درمیان یہ معاہدہ کینسل ہو جائے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" ڈاکٹر اشرف نے پراعتماد لہجے میں کہا پھر بولا۔

"اس کام کیلئے مجھے اپنا بہت سا ساز و سامان یہاں منتقل کرنا پڑے گا۔ جو میرا اپنا نہیں ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ آلات مجھے کہاں سے خریدنے پڑیں گے اور کہاں سے حاصل ہوں گے۔ بہت سے آلات مجھے کرائے پر بھی لینے پڑیں گے۔"

"بالکل نہیں۔ آپ تمام آلات یہاں جمع کرلیجئے۔ میں اس کا معاضہ آپ کو دوں

گا۔''

''یہ بہت اچھی بات ہوگی اس طرح میں بڑے آرام سے کام کرسکوں گا۔ کیا مجھے اپنے ساتھ ایک معاون رکھنے کی اجازت ہوگی؟''

''نہیں۔'' باس نے صاف لہجے میں کہا۔

''وہ کیوں؟''

''بس میں نے آپ سے کہا نا کہ راز داری شرط ہوگی۔ ہاں آپ نادیہ کو اپنا معاون رکھ سکتے ہیں۔''

''لیکن مس نادیہ چوبیس گھنٹے میرا ساتھ تو نہیں دے سکیں گی۔''

''دیں گی۔ صرف ہفتے کی رات کو آپ کو ان سے جدا ہونا پڑے گا۔ اتوار کی شام کو یہ پھر واپس آ جاتی ہیں۔ یہ ان کا معمول ہوتا ہے۔''

''تب ٹھیک ہے۔ مجھے ایک ایسی اچھی معاون پا کر خوشی ہوگی۔'' ڈاکٹر اشرف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جب ڈاکٹر اشرف وہاں سے واپس پلٹا تو خوشی سے سرشار تھا۔ باس نے اسے دس لاکھ روپے نقد ادا کیے تھے۔ اشرف نے کہا بھی تھا کہ اسے چیک دے دیا جائے تو باس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں آپ کو جتنی رقومات ملیں گی نقد ہی ملیں گی۔ تا کہ آپ کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ یہ دس لاکھ روپے تو صرف ابتدائی رقم ہے۔ آپ چاہیں تو مجھ سے پچاس لاکھ روپے لے سکتے ہیں۔ کروڑ روپے لے سکتے ہیں۔ آپ اپنے آلات کی خریداری جلدی کیجئے۔ یہ تو آپ کو اندازہ ہوگا ڈاکٹر کہ ہر شخص جلد صحت یاب ہونا چاہتا ہے۔ میں بھی اپنی اس کیفیت سے اتنا ہی بددل ہوں۔''

''آپ بے فکر رہیے میں دن رات اس سلسلے میں کام کرتا رہوں گا۔ رقم کی جہاں بھی مجھے ضرورت پیش آئے گی میں بلاتکلف آپ سے کہہ دوں گا۔''

''آدھی رات کو۔ ڈاکٹر آدھی رات کو۔'' باس نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' اشرف شیراز اپنے گھر واپس آ گیا۔ اس کے سارے وجود میں سنسنی دوڑی ہوئی تھی۔ رات کو بھی وہ بستر میں لیٹ کر عجیب وغریب انداز میں سوچتا رہا تھا۔ نادیہ ایک لڑکی ہے۔ جب وہ لڑکی ہو کر اس شخص سے اسقدر خوفزدہ نہیں ہوئی تو اس کا مطلب ہے کہ اس میں خوف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن میڈیکل سرجری میں یہ ایک ناممکن کیس تھا۔ ایک انسان کے جسم اور سر کے تمام رابطے منقطع ہوں وہ نہ صرف زندہ ہو بلکہ اس کا سر بالکل اس انداز میں گفتگو کرسکتا ہو جس طرف وہ اپنے جسم پر موجود ہو۔ آخر ان رابطوں کی وجہ کیا ہے۔ یہ عجوبہ کیا

حیثیت رکھتا ہے۔ اور ایسا کیسے ہوا ہے۔ یہ ایک ناقابل فہم بات تھی۔ بہر حال ڈاکٹر اشرف کو اسے نظر انداز کرنا ہی تھا۔ اگر یہ کوئی پراسرار عمل بھی ہے۔ تو کاش! میں اس کے سر کو اس کے جسم میں جوڑنے میں کامیاب ہو جاؤں اور وہ میرا کلینک تعمیر کردے۔ یقیناً یہ اس کیلئے مشکل کام نہیں ہوگا۔ بلکہ میں عمدگی کے ساتھ اس سے اتنی رقمیں لیتا رہوں گا کہ میرا کام شروع ہو جائے۔ اس کی پیشکش اس نے خود مجھے کی ہے۔ ڈاکٹر اشرف نے پوری طرح سے اس سلسلے میں اپنے ذہن پر زور دینا شروع کردیا۔ وہ ساری رات جاگتا رہا تھا۔ میڈیکل کی مختلف کتابیں پڑھتا رہا تھا اور یہ اندازہ لگاتا رہا تھا کہ اگر بالکل ہی علیحدہ سر کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ تو اسے کون کون سے عمل کرنے ہوں گے۔ یہاں تو سب سے خوفناک بات یہ تھی کہ معاملہ سر کا تھا۔ ہاتھ' پاؤں اور جسم کے دوسرے بہت سے اعضاء جوڑ دینا ایک ممکن عمل تھا۔ لیکن سر کے ساتھ تو سب کچھ ہوتا ہے خوراک کی نالی' شہ رگ اور دوسری ایسی شریانیں جو جسم اور دماغ کا رابطہ قائم رکھتی ہیں۔ بس اسے ایک اطمینان تھا کہ اگر جسم کے دونوں حصے اپنے اپنے طور پر کام کررہے ہیں تو یقینی طور پر کوئی ایسی گنجائش ہوگی کہ انہیں آپس میں منسلک کردیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کام بہت ہی آسان اور سادہ سا ہو۔ بہر حال اس نے اپنے طور پر یہ عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ دوسرے دن وہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ شیراز صاحب سے گفتگو ہوئی تو اس نے کہا۔

''ڈیڈی! ہر انسان کو اس کی زندگی کا مقصد ملتا ہے۔ میں نے اپنے مقصد کی جانب قدم بڑھا دیئے ہیں اور اب میں ایک ایسے عمل کی جانب قدم بڑھا رہا ہوں جس سے میری تمام خواہشوں کی تکمیل ہو جائے گی۔''

''مطلب۔''

''نہیں۔ میرا مطلب ہے ڈیڈی کہ میں نے اپنا کلینک بنانے کیلئے ایک ایسی جگہ رابطہ قائم کیا ہے۔ جہاں ایک سرجری کیس مجھے ملا ہے اور جس شخص نے یہ سرجری کیس مجھے دیا ہے وہ اس قدر دولت مند ہے جو اس جیسے دس کلینک مجھے بنوا کر دے سکتا ہے۔ دعا کیجئے کہ میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاؤں۔''

شیراز صاحب نے بیٹے کی طرف دیکھا اور مدھم لہجے میں بولے۔

''میں تو اس دن سے تمہارے لیے دعائیں کررہا ہوں بیٹے! جس دن سے تم نے اس دنیا میں قدم رکھا تھا لیکن صرف ایک دعا سے کام نہیں چلتا بات وہیں آ جاتی ہے کہ انسان دعاؤں کا طالب ہوتا ہے لیکن تم نے مجھ سے اتفاق نہیں کیا۔ تمہاری مرضی ہے۔ لیکن میں اب بھی وہی بات کہوں گا کہ میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن تمہیں دوسری دعائیں بھی

ساتھ لینی چاہیں۔'' اشرف نے قہقہہ لگایا اور کہا۔

''ڈیڈی! میرے لیے صرف آپ کی دعائیں کافی ہیں۔'' شیراز صاحب ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئے تھے۔ بہر حال اس کے بعد اشرف نے دن رات صرف کرنا شروع کر دیئے۔ تقریباً تیس لاکھ روپے اس نے نادیہ کے ذریعے اور حاصل کیے۔ اور میڈیکل کے آلات وہاں پہنچاتا رہا۔ اس کے بعد اس کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک دن اس نے نادیہ سے کہا کہ اب وہ اپنا کام شروع کرنے کیلئے تیار ہے اور اسے وہاں جانا ہوگا۔ نادیہ نے پُرمسرت انداز میں گردن ہلا دی تھی۔

☆......☆......☆

نادیہ کی زندگی کو بھی اب ایک بہترین مشغلہ مل گیا تھا پراسرار باس پیسوں کے معاملے میں بہت ہی مخلص اور فراغ دل تھا اس نے نادیہ کی تمام مشکلات حل کر دی تھیں بلکہ بعض اوقات تو اس کے والد بڑی تشویش کا شکار ہو جاتے تھے۔ ایک دن نادیہ نے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی۔ نادیہ کے والد اپنی بیگم سے کہہ رہے تھے۔

''میں سخت پریشان ہوں۔''

''کیوں؟'' بیوی نے پوچھا۔

''نادیہ جو کچھ لا رہی ہے مجھے اس کے بارے میں بتاؤ کیا یہ ایسے ہی مل جاتا ہوگا آخر وہ کیا کام کر رہی ہے جو اسے اس کا اتنا معاوضہ مل رہا ہے یا پھر اگر اس کے مالکان بہت زیادہ ہمدرد ہیں تو وہ اسے اتنا کچھ کیوں دے رہے ہیں ہر چیز کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوتی ہے۔''

''میں آپ سے صرف ایک بات کہہ سکتی ہوں۔ وہ یہ کہ ہماری بیٹی صاحب کردار ہے اور وہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتی۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو عزت بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے حالانکہ بعض اوقات انسان اس قدر خود غرض ہو جاتا ہے اور اس طرح سے گر جاتا ہے اپنی بے بسی کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہ وہ ہر بات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔''

نادیہ کو اس بات پر بہت غصہ آیا تھا۔ یہ اسی کمرے میں گھس گئی تھی اور سرد لہجے میں بولی تھی۔

''ایک بات صرف آپ لوگوں سے کہہ دینا چاہتی ہوں کہ اس قدر ذہنی طور پر پسماندہ نہ ہوں کہ نفرت آنے لگے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں میں آپ کو بدکردار نظر آتی ہوں۔''

ماں باپ سن ہو رہ گئے تھے۔ نادیہ نے کہا۔

''اس کے بعد اگر آپ لوگوں نے میرے بارے میں اگر اس انداز سے سوچا تو

خودکشی کر لوں گی سمجھ رہے ہیں نا آپ۔''

''معاف کر دینا بیٹے' بس اپنے خوف کا شکار ہو گئے تھے۔ تم نہیں جانتیں ایک معذور باپ بیٹی کیلئے کسی انداز میں سوچ سکتا ہے۔''

نادیہ نے انہیں معاف کر دیا تھا ان کا اپنا انداز فکر تھا لیکن بہر حال نادیہ اپنے طور پر بے حد خوش تھی۔

ڈاکٹر اشرف ایک خوش مزاج نوجوان تھا اس کے ساتھ جتنا بھی وقت گزرا تھا وہ بہت اچھا تھا اور نادیہ یہ سوچتی رہی تھی کہ اس جیسا انسان اگر زندگی میں آ جائے تو زندگی جنت بن کر گزر سکتی ہے وہ نہیں جانتی تھی کہ ڈاکٹر اشرف کیا بدلے ہوئے چہرے والا انسان ہے۔ باہر کچھ اور اندر کچھ' وہ صرف اسے پامال کر دینا چاہتا ہے۔ لیکن یہ نادیہ کی خوش قسمتی تھی کہ ڈاکٹر اشرف کو ایک ایسا منافع نظر آیا تھا جس کا حصول اس کے لیے بڑا ضروری تھا اور نادیہ کو اسی حساب میں تھوڑے عرصے کیلئے معاف کر دیا گیا تھا۔ اس وقت تک کیلئے جب تک کہ وہ رقم حاصل نہ ہو جائے جو اس پراسرار باس سے اسے ملنے والی تھی۔ بہر حال وہ اپنے والدین کو سمجھا کر اس پراسرار کوٹھی میں آ گیا اور یہاں پہنچنے کے بعد اس نے باس سے ملاقات کی۔

''اشرف شیزار' تم میرے کام کی تکمیل کیلئے آ گئے ہونا۔''

''جی سر! میں آج سے اپنا کام شروع کر دوں گا۔''

''اور اس وقت یہاں سے واپس جاؤ گے جب تک میرے کام کی تکمیل نہ کر دو۔''

''جی سر!''

''گویا یہ سمجھو کہ اس عمارت سے باہر جانے والے راستے اب بند ہو چکے ہیں۔''

''سر' آپ کو میرے اوپر اعتماد بھی کرنا ہوگا ویسے میں آپ سے یہ عرض کروں کہ اس دوران میں نے اپنے والدین تک کو نہیں بتایا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔''

''مجھے پورا یقین ہے لیکن میں احتیاطاً یہ ہی کہنا چاہتا تھا آپ سے۔''

''آپ مطمئن رہیے میں بہت جلد اپنا کام شروع کر دوں گا۔''

اشرف نے کہا یہاں کوٹھی میں اسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی ایک بہترین آرام گاہ اسے دے دی گئی تھی نادیہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھتی تھی۔ اس نے اپنی مشینیں ایک بڑے سے ہال نما کمرے میں لگا دیں اور پھر اپنے کام کو آگے بڑھانے کا انتظام کرنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام کام سیٹ ہو گئے۔ بڑی سی آپریشن ٹیبل پر اس نے اپنے کام کا آغاز کیا اور سب سے پہلے اس نے اس خوفناک وجود کے سر کو اس کی گردن کے مختلف حصوں پر رکھ کر اس کے نشانات ایک خاص قسم کے کاغذ پر لیئے گردن کے وہ حصے جو جسم سے منسلک ہو سکتے تھے۔ انہیں چیک کیا اور

ان کے فوٹو پرنٹ وغیرہ لیے پہلے مرحلے پر وہ یہ تجزیہ کرنا چاہتا تھا کہ جسم کے ان حصوں کو کس طرح تراش خراش کر ایک دوسرے سے جوڑا جا سکتا ہے۔ تین دن تک یہ ہی کوششیں کی گئیں اور چوتھے دن جو رزلٹ سامنے آیا اس نے ڈاکٹر اشرف کو حواس باختہ کر دیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے' نمودار ہو گئے وہ تمام حصے سوکھ کر اپنا عمل بند کر چکے تھے جو ایک دوسرے سے رابطے رکھتے تھے دماغ کا خون خشک ہو گیا تھا اور ایک طرح سے اس کا تجزیہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اب وہ ایک مردہ دماغ ہے آنکھوں کی روشنی کی تمام رگیں سوکھ کر ٹیڑھی میڑھی ہو گئی تھیں۔ یہ وہ عمل تھا جو مردہ جسموں میں ہوتا ہے یعنی انسان کی موت کے بعد جب اس کا جسم گلنا سڑنا شروع ہوتا ہے تو یہ تمام چیزیں اسی طرح ناکارہ ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ گوشت گلنا شروع ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ہڈیاں اپنی اصل شکل میں سامنے آ جاتی ہیں۔ سر کی ہڈی چونکہ انسانی جسم میں سب سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے اور قائم رہتی ہے طویل طویل عرصے تک مٹی نہیں بنتی لیکن جسم بہت تیزی سے گلتا ہے اور تھوڑے عرصے بعد اپنی اصلیت کھو دے کر سوکھا ہوا پنجر رہ جاتا ہے اس عمل کو مرنے کے بعد شروع ہو جانا چاہیے لیکن یہ عمل ایک زندہ انسان کے وجود میں تھا اس کی رگیں اتنی خشک ہو گئی تھیں کہ انہیں جوڑنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا نئی رگیں نکلنا ناممکن بات تھی جوں جوں اشرف شیراز اس کے پورے جسم کا تجزیہ کرتا چلا گیا۔ اس کے خوف کی کیفیت بڑھتی چلی گئی اس شخص کی جسمانی حیات زندہ تھی لیکن یہ صحیح معنوں میں مر چکا تھا۔ یہ کیا قصہ ہے؟ ایک ایسا شخص جو زندہ بھی ہے اور مردہ بھی ہے کیسے؟ آخر کیسے؟ یہ آج تک کسی کتاب میں درج نہیں تھا۔ میڈیکل کی پوری تاریخ میں ایسا کوئی کیس سامنے نہیں آیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اشرف شیراز پر مایوسی کا ایک شدید حملہ ہوا اگر وہ اس تجربے میں ناکام رہا تو پھر اس کا خواب پورا نہیں ہو سکے گا وہ تجزیہ کرتا رہا تجربے کرتا رہا۔ دس دن پندرہ دن ایک مہینہ گزر گیا لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

نادیہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ اشرف شیراز کے چہرے پر اب وہ رونق نہیں رہی ہے جو پہلے موجود تھی اس کا مطلب ہے کہ کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے لیکن کیا گڑبڑ ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ پھر خاصے دن گزر گئے اور وہ پریشان ہو گئی۔

''باس نہایت صبر کے ساتھ اشرف کی طرف سے کسی بات کا انتظار کر رہا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ کب اپنا کام شروع کرے گا۔ غرض یہ کہ کوئی ڈیڑھ مہینہ اس طرح گزر گیا پھر ایک دن نادیہ ہی نے اس سے کہا۔''

''ڈاکٹر اشرف آپ اپنا کام کب شروع کریں گے۔ کیا ارادہ ہے آپ کا؟''

جواب میں ڈاکٹر اشرف نے جن نگاہوں سے نادیہ کو دیکھا تھا۔ اس نے نادیہ کو

خوفزدہ کر دیا۔

''کیوں کیا بات ہے آپ مجھے بتائیے پلیز بات کیا ہے نادیہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔''

''نادیہ میں سخت پریشان ہوں' میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں یہ میری زندگی کا سب سے حیرت ناک لمحہ ہے اور اس کے لیے میں بہت غم زدہ ہوں نادیہ۔''

''کیا کیا مطلب؟'' نادیہ نے سنسنی خیز لہجے میں پوچھا۔

''نادیہ باس کا سر سے رابطہ ہونا ممکن نہیں ہے ان کے جسم کی رگیں سوکھ چکی ہیں وہ ''سر'' ان کی گردن سے منسلک نہیں ہو سکتا۔ میں بہت پہلے اپنی ناکامی کو سمجھ چکا ہوں لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ میں کیا کروں' نادیہ میں عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو گیا ہوں۔ میرے بہت سے خواب ادھورے رہ گئے ہیں میرے ذہن میں یہ خیال تھا کہ میں یہ کام خوشی کے ساتھ کر لوں گا اور میرے ایک حسین مستقبل کا آغاز ہو جائے گا۔ لیکن نادیہ نہیں ہو سکتا ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''کیا' آپ ناکام ہو چکے ہیں ڈاکٹر اشرف!''

''ہاں' مکمل طور پر' اب میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ میں کیا کہہ کر یہاں سے جاؤں۔ کسی طرح سے میں یہاں سے باہر نکلوں؟ آہ' ایسا نہیں ہو سکتا بالکل نہیں ہو سکتا۔''

''تو آپ باس کو بتا دیجئے۔''

''بس یہی سوچتا ہوں کہ اس طرح سے میرا مستقبل ختم ہو جائے گا۔''

''لیکن کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔''

''نادیہ کیا تم میری مدد کر سکتی ہو۔''

''کیسے ڈاکٹر اشرف!''

''نادیہ! باس سے ایک لمبی رقم حاصل کی جائے۔ ایک کروڑ' دو کروڑ' اور یہ کہا جائے ل سے کہ کچھ ایسی خریداری کرنی ہے جو باہر جا کر کرنا ہوگی۔ باہر سے کچھ مشینیں لانا ہونگی یہ رقم حاصل کر کے روپوش ہو جاتے ہیں سال دو سال تک خاموش بیٹھ جائیں گے اپنے بارے ما کسی کو اطلاع نہیں دیں گے اور اس کے بعد میں اپنے خوابوں کی تکمیل کر لوں گا۔''

''نہیں' باس بہت اچھا آدمی ہے میں یہ کام نہیں کر سکتی۔''

''میرے لیے نادیہ میرے لیے۔''

''تو تمہارا مطلب ہے کہ میں باس کو دھوکا دوں؟''

''تم بتاؤ''

''وہ بہت اچھا آدمی ہے۔''

''اور میں۔''

''تم ڈاکٹر اشرف ! آج میں تم سے یہ بات کہنے پر مجبور ہوں کہ تم میرے دل کی گہرائیوں میں آ بسے ہو میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔''

''تو میرے بارے میں کیا خیال ہے کیا میرے دل میں تمہارا کوئی مقام نہیں ہے نادیہ! تم میری آخری خوشی ہو ہر خوشی میری تم سے منسلک ہو چکی ہے۔ نادیہ ! میں' میں بھی تو تمہیں چاہتا ہوں۔''

''تو پھر ہمیں کیا کرنا ہوگا۔''

''دو کروڑ روپے کا مطالبہ' باس سے یہ رقم وصول کی جائے اور اس کے بعد ہم لوگ یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے میں تمہاری مدد کروں گی۔'' نادیہ نے جواب دیا لیکن اسی وقت کمرے میں ایک آواز گونجی۔

''افسوس ہے بے حد افسوس' ہاں ٹھیک ہے دنیا میں کسی کو کسی پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور پھر تم ڈاکٹر اشرف تم مجھے فریب دے رہے ہوں مجھے نہیں جانتے ہو تم' میں کون ہوں؟ کیا ہوں اپنی کہانی سناؤں تمہیں' حیرت ہوگی تمہیں۔ ایک معمولی سی بستی کا رہنے والا ہوں میں ایک غریب سا انسان۔ میرا باپ ایک زمیندار کے ہاں بھینسوں کا دودھ نکالتا تھا۔ معمولی سی بات پر زمیندار نے میرے باپ کو جوتے لگوائے۔ میں چھوٹی سی عمر کا تھا۔ اس نے میرے باپ کی بے عزتی کی جس شخص نے میرے باپ کو جوتے لگائے تھے میں نے اس کے ہاتھ کاٹ دیئے اور میرا باپ مجھے وہاں سے لے کر فرار ہوگیا۔ ٹرین میں ڈاکوؤں نے حملہ کیا میرے باپ کی موت واقع ہوگئی اور ڈاکو شیر دل مجھے لے کر وہاں سے فرار ہوگیا۔ وہ اپنی غار میں آیا جہاں انہوں نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا۔ وہاں ڈاکو شیر دل نے مجھے پرورش کرنا شروع کیا میں اسے پسند آ گیا تھا۔ آخر کار میں جوان ہوا اور اس نے مجھے ڈاکو بنا دیا۔ اس کے پاس اتنی دولت جمع ہوگئی تھی کہ پہاڑی غار بھر گئے تھے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ دولت ہی سب کچھ ہوتی ہے دولت نہیں ہے تو انسان کی زندگی نہیں ہے میرے دوستو! مجھے بھی اس بات کا یقین آ گیا۔ ڈاکو بن کر میں نے سب سے پہلے اس زمیندار کو برباد کیا۔ جس نے میرے باپ کو جوتے لگوائے تھے اور مجھے ڈاکو بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں شیر دل کیلئے ڈاکے ڈالتا تھا کہ ایک دن شیر دل مر گیا یہ ساری دولت اس کے پاس تھی لیکن وہ پھر بھی مر گیا میرے ذہن پر یہ چیز اثر انداز ہوگئی کہ دولت زیادہ قیمتی چیز نہیں ہے اگر انسان دولت کے انبار لگا دے اور اس طرح مر جائے تو پھر دولت جمع کرنے سے کیا فائدہ۔ چنانچہ میں حیات ابدی کی تلاش میں نکل گیا اور میری کوششیں رنگ لائیں مجھے

چشمہ حیات کا پتہ چل گیا اور اس کے بعد میں نے اپنے پورے گروہ کو موت کی نیند سلا دیا اور دولت غاروں میں محفوظ کر کے چشمہ حیات کی تلاش میں چل پڑا۔ بڑے دشوار گزار راستے طے کیے میں نے' بڑی ہنگامہ خیز زندگی گزاری اور آخر کار چشمہ حیات کا پتہ لگا لیا اس دوران بہت سے ایسے کردار میرے ساتھ منسلک ہوئے تھے جن کے اپنے اپنے مسائل تھے ایک خوفناک قبیلے میں پھنس کر میں اس قبیلے کی دیوی کے قتل میں ملوث ہوگیا تھا پھر چشمہ حیات سے آب حیات پی کر میں واپس پلٹا تو اس قبیلے کے لوگوں نے میرا سر کاٹ دیا یہ میرے لیے ایک حیران کن بات تھی۔ میں زندہ جاوید ہو چکا ہوں لیکن میرا سر میرے شانوں پر نہیں ہے۔ بہر حال واپس آنے کے بعد میں نے اپنی تمام دولت منتقل کی اور اس کے بعد یہ کوٹھی تعمیر کروائی بہت طویل محنت کی میں نے اس کیلئے اور اس کے بعد میرے دل میں صرف ایک ہی آرزو بیدار ہوئی کہ میرا سر میرے شانوں سے منسلک ہو جائے اور اس کے لیے اشرف شیراز میں نے تمہارا انتخاب کیا لیکن تم لوگ جو باتیں کر رہے ہو یا جو سازش تم نے تیار کی ہے تم خود سوچو! کیا یہ میرے ساتھ انصاف ہے۔ یہ لڑکی بہت عرصے سے میرے ساتھ ہے لیکن بے وقوف ہے یہ' یہ نہیں جانتی کہ اس پوری کوٹھی میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں میں نے مائیکروفون فٹ نہ کر رکھے ہوں۔ ہر آواز مجھ تک پہنچتی ہے معمولی سی سرگوشی ہلکی سی بھنبھناہٹ میرے کانوں تک پہنچ جاتی ہے اور میں سب کچھ سن لیتا ہوں تم لوگوں نے جو سازش تیار کی ہے تم کیا سمجھتے ہو کیا میرے کانوں تک یہ آواز نہیں پہنچی۔''

ڈاکٹر اشرف اور نادیہ سناٹے میں رہ گئے تھے۔ نادیہ تو کپکپانے لگی تھی۔ ڈاکٹر اشرف نے کہا۔''

''سر' سر لیکن۔''

''نہیں یہ ہی میری بدقسمتی ہے کمزوری ہے یا پھر تم لوگوں کی بدقسمتی اور کمزوری کہ میں راری کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔''

''لیکن ہم۔''

'' کچھ نہیں دوست' معافی چاہتا ہوں' معافی چاہتا ہوں ڈاکو منگل اتنا شریف انسان بن ہے کہ اپنے دشمنوں کو اپنے درمیان جگہ دے۔ ویسے بھی میں اپنی کہانی باہر نہیں جانے دینا ہتا۔ تم خود سمجھتے ہو کہ یہ کہانی باہر گئی تو لوگ کسی طرح میری جانب متوجہ ہو جائیں گے۔ اس ے بعد میرا کیا ہوگا۔ اچانک ہی ڈاکٹر نے نادیہ کی کلائی پکڑی اور باہر کی جانب دوڑا لیکن دازے کو کھولنے کی کوشش کی تو باہر سے بند ملا وہ لوگ کھڑکیوں کی جانب دوڑے اور باس کا کرار قہقہہ فضا میں گونجا۔''

"نہیں میرے دوست نہیں' اصل میں یہ تو بدقسمتی ہوتی ہے انسان کی کہ وہ عمل کر ڈالتا ہے۔ ہر ایک انسان اس عمل میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ مجھے افسوس ہے نادیہ تم اچھی لڑکی تھیں۔"

"دیکھو! باس' ہم معذرت چاہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے خلاف یہ سازش تیار کی اب ہم جانا چاہتے ہیں۔"

"ہاں' جاؤ میں کب منع کر رہا ہوں چھت کی طرف دیکھو!" آواز ابھری۔

اور ان کی نظریں بے اختیار چھت کی جانب بڑھ گئی دو نلکیاں چھت سے باہر نکل رہی تھیں اور ان نلکیوں سے سفید سفید دھواں خارج ہونے لگا تھا۔

باس کی آواز ابھر رہی تھی۔

"یہ زہریلا دھواں ہے کمرے کو مکمل طور پر ہوا سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور اب یہ دھواں تمہاری زندگی ختم کر دے گا میں نے مختلف طریقے قتل کے ایجاد کیے ہیں ان میں سے یہ ایک ہے۔"

"دیکھو! میری بات سنو تم غلط کر رہے ہو باس! ہم تمہیں ہم تمہیں مشورہ دے سکتے ہیں کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔"

"نہیں اب اس کے بعد کسی مشورے کی گنجائش نہیں ہے۔"

نادیہ کی آواز بند ہونے لگی تھی۔ اس کی سانس گھٹ رہی تھی اور آنکھیں باہر نکلی پڑ رہی تھیں۔ ڈاکٹر اشرف نے بھی اپنی گردن پکڑلی۔ دھواں بڑھتا گیا اور تھوڑی دیر میں اتنا دھواں بڑھ گیا کہ کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی نادیہ اور ڈاکٹر اشرف کی لاشیں بھی اس دھوئیں میں روپوش ہوگئیں تھیں۔

☆......☆......☆

اس پراسرار حویلی میں دو انسانوں کی لاشیں ٹھکانے لگانے کا کام ذرا بھی مشکل نہیں تھا جس انداز میں اس کی تعمیر کی گئی تھی اس میں منگل کی وحشیانہ فطرت کو پورا پورا دخل تھا۔ شاید اس کی پیدائش کے بعد اس درویش نے اسے ہلاک کرنے کی جو کوششیں کی تھیں وہ اس سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں۔ درویش کو اس بات کا یقینی طور پر علم ہوگا کہ آنے والے وقت کیلئے ایک ایسا شیطان جنم لے رہا ہے جو لاتعداد انسانوں کی ہلاکت کا باعث بنے گا۔ اور ایسا ہی ہوا تھا منگل نے بھی کسی کے ساتھ نہ رحم کیا تھا نہ انصاف' وہ ایک ایسا دیوانہ' ایسا وحشی تھا۔ جس کے ذہن میں کوئی بھی بات آ جائے وہ اپنی عقل کے مطابق اس کی تکمیل کر ڈالتا تھا۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ کسی اور کو اس سے کیا تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ اپنی خوفناک مہم سے واپسی کے بعد

اس نے بڑے جتن کیے تھے اور اپنی پہاڑوں میں چھپی ہوئی دولت کو یہاں منتقل کیا تھا اس عمارت کے زیر زمین تہہ خانوں میں ایسا عظیم الشان خزانہ موجود تھا جس سے ایک پورا شہر بسایا جا سکے اور اس شہر میں رہنے والوں کو سو سال تک زندگی کے کسی مسئلے سے دوچار نہ ہونا پڑے اس ساری دولت کا وہ تنہا مالک تھا۔ اب اس نے دنیا کو بہت اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا داری کیا چیز ہوئی ہے اور اسے کس طرح اپنے معاملات آگے بڑھانے ہیں۔ زندگی کے تمام مرحلے اس کے علم میں تھے۔ دولت مند انسان کس طرح اپنی امارت کا مظاہرہ کر کے دولت خرچ کرتے ہیں دنیا کے بڑے بڑے شہر' ان میں رہنے والے لوگ' ان کی دلچسپیاں' یہ ساری چیزیں حاصل کرنا انسان کی خواہش ہوتی ہے لیکن اس کا سر ہی اس کے شانوں پر موجود نہیں تھا۔ لوگ اسے سرکٹا' بھوت تو کہہ سکتے تھے ایک باعزت دولت مند فرد نہیں۔ کوئی اس کے قریب نہیں آ سکتا تھا۔ بڑی مشکل سے یہ لڑکی اس کی اصل حیثیت سے اسے قبول کر سکی تھی۔ لیکن یہ اندازہ لمحوں میں ہوگیا کہ ایک سر کٹے دولت مند انسان سے ایک غریب آدمی زیادہ بہتر ہے۔ گویا کہیں سے بھی اس کی پذیرائی نہیں ہوگی اس وقت تک جب تک اس کا سر اس کے شانوں پر نہ آ جائے لیکن ڈاکٹر اشرف نے اس کا معائنہ کرنے کے بعد جو انکشاف کیا تھا وہ بڑا سنسنی خیز اور وحشت ناک تھا اور یہ وحشت منگل کے وجود میں سرایت کر گئی تھی۔ اور وہ دیوانگی کا شکار ہوگیا تھا۔ کئی دن اسی غور و فکر میں گزرے کہ اب کیا کرے انتہائی پریشان تھا۔ ایک حسرت سی اس کے دل میں ابھرتی تھی کاش ساری زندگی ضائع کر کے اور نجانے کیسے کیسے زندگی سے محروم کر کے جو دولت اکٹھی کی ہے اسے استعمال کرنے کیلئے صحیح حالات درکار ہوسکتے۔ کاش...... یہ حسرت بھرا تصور اس کے دل میں ایک عجیب سی دھن پیدا کر دیتا تھا۔ سارے احساسات جاگ رہے تھے۔ مکمل طور پر ایک جیتا جاگتا انسان تھا۔ لیکن بس سر سے محروم' اور پھر کچھ اور ایسی خصوصیتیں اس کے اندر پیدا ہوگئی تھیں جو کسی بھی انسانی عمل پر پوری نہیں اترتی تھیں۔

کٹے ہوئے سر کی آنکھوں سے وہ دیکھ سکتا تھا' سن سکتا تھا' بول سکتا تھا' ہنس سکتا تھا' ہر احساس اس کے دماغ میں موجود تھا لیکن جب کیبنٹ میں اس کا سر اور دھڑ الگ الگ ہوتا تھا تب بھی اس کی سوچیں کسی سر اور دھڑ کی محتاج نہیں ہوتی تھیں اس کے اپنے احساسات اور خیالات ایک عجیب کیفیت رکھتے تھے اس وقت بھی وہ اپنی عظیم الشان لیکن ویران حویلی میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

یہاں حویلی میں دروازے کے چوکیدار اور ایک وہ ڈرائیور جو کار کے ساتھ کہیں اور رہتا تھا بس یہ دو راز دار تھے اس کے جو اس کی اصلیت سے تھوڑے بہت واقف تھے یعنی اس حد تک کہ وہ بے سر کا ایک پراسرار انسان ہے جسے انہوں نے زندگی میں ایک آدھ بار ہی دیکھا

تھا اور دہشت زدہ رہ گئے تھے لیکن اس نے انہیں بڑے اعتماد کے ساتھ یہ بتایا تھا کہ وہ ان کیلئے کسی بھی طور خطرناک نہیں ہے۔ ڈرائیور کو اس نے اس لیے دور رکھا تھا کہ اپنی اس عمارت میں وہ اپنے بارے میں کہانیاں عام نہیں کرنا چاہتا تھا۔

چوکیدار بہت ہی نیک نفس انسان تھا۔ اس نے اس کے سلسلے میں اس طرح زبان بند کرلی تھی جیسے اس کے بارے میں کچھ نہ جانتا ہو۔ بہر حال وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوگیا کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس کمرے میں بس ایک عام سا کمرہ تھا لیکن ایک دیوار کے پاس پہنچ کر اس نے دونوں ہاتھ چوڑائی میں پھیلائے تو نجانے کیسا عمل ہوا کمرے کی ایک دیوار ایک طرف سرک گئی تھی اور اندر ایک لفٹ نما پلیٹ فارم نظر آ رہا تھا وہ اندر داخل ہوا تو دیوار اپنی جگہ برابر ہوگئی۔ اور تقریباً بیس فٹ کی گہرائی میں لفٹ نے اسے پہنچا دیا یہاں شاید پوری عمارت کے نیچے پھیلا ہوا ایک عظیم الشان تہہ خانہ تھا اتنی وسعتوں میں کہ اس کے آخری سرے نظر نہیں آ رہے تھے اور اس تہہ خانے میں لکڑی کے صندوقوں کے انبار لگے ہوئے تھے یہ صندوق کھلے تو پورے تہہ خانے میں تیز روشنی پھیل گئی یہ ان ہیروں کی روشنیاں تھیں جو ان صندوقوں میں بھرے ہوئے تھے۔ سونے چاندی کے انبار' سونے کے سکے دیکھ کر یہ وحشت ہونے لگتی تھی طرح طرح کے زیورات جو نجانے کہاں کہاں سے حاصل کیے گئے تھے اور کرنسی نوٹوں کے انبار اسے دولت کا کوئی اندازہ نہیں تھا اس کا دل خوشی سے لرزنے لگا اگر اس دولت کے ساتھ وہ منظر عام پر آ جائے تو کوئی بھی نہیں سوچے گا کہ وہ ماضی کا ڈاکو تھا جس کا منہ کھلے گا وہ سونے سے بھر دیا جائے گا اور دنیا کے بارے میں وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ دنیا کیا چیز ہے دولت کی چمک آنکھوں کی بینائی بدل دیتی ہے زبان کے الفاظ بدل دیتی ہے دماغ کی سوچ بدل دیتی ہے دل کا احساس بدل دیتی ہے اور یہی سب کچھ بدل جائے تو کون منگل کا نام منگل لے گا۔

اپنا نام اپنی پسند سے رکھ سکتا ہے لیکن پہلے یہ سر تو اپنی جگہ جڑ جائے پھر اس نے اپنے ڈرائیور کو کچھ ہدایات کیں اور ڈرائیور نے اس کی فراہم کردہ اشیاء مہیا کر دیں منگل کو ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جو اسے اصل زندگی کے قریب لے آئے اور وہ اس کیلئے دیوانہ ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

دوسرا شکار توفیق رانا تھا۔ توفیق رانا بھی ایک ماہر سرجن تھا اور اپنی زندگی کا آدھا حصہ اس نے باہر کے ممالک میں گزارا تھا۔ اس نے سرجری میں کمال حاصل کیا تھا اور دنیا کے کئی ملکوں میں اس کی ذہانت کا لوہا مانا جاتا تھا۔ ان ممالک میں اسے بڑے بڑے اعلیٰ درجے کے ہسپتالوں میں بڑی بڑی پیشکشیں ہوئی تھیں لیکن وہ ایک وطن پرست انسان تھا اس نے یہی کہا تھا۔

''میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک آسودہ حال گھرانے کا فرد ہوں۔ دولت میرے لیے کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے۔ میرے اپنے ملک میں بھی مریضوں کی تعداد بے پناہ ہے بلکہ ایک پسماندہ ملک ہونے کی حیثیت سے وہاں یہ تعداد زیادہ ہے چنانچہ میں ان کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''

اور وہ وطن واپس آ گیا تھا اور اب ایک خوشحال زندگی گزار رہا تھا۔ وہ ایک بڑے سرکاری ہسپتال میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا تھا اور اس کے بعد ایک پرائیویٹ ہسپتال میں کام کرتا تھا۔ جہاں اس نے اپنا ایک آفس بنا رکھا تھا۔ لاتعداد رسالوں اور اخبارات میں اس کے متعلق فیچر چھپتے رہتے تھے اور اس کی مہارت کے گن گائے جاتے تھے۔ منگل کو وہی اخبارات درکار تھے جو اسے اس کے ڈرائیور نے فراہم کیے تھے اور اس کے بعد منگل کے ذہن میں ڈاکٹر توفیق رانا کا خیال آیا تھا لیکن صورتحال اب ذرا مختلف تھی۔ پہلی ناکامی کے بعد وہ خاصا ذہنی طور پر پریشان ہوگیا تھا اور اس کے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا۔ فطرتاً مجرم تھا اور اب اسی مجرمانہ فطرت کے تحت سارے کام کرتا تھا۔

چنانچہ اس نے اپنے ڈرائیور باگا کو طلب کیا ضرورت کے وقت یہ لوگ اپنے باس کی آواز سن لیا کرتے تھے اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں کبھی اسے کوئی خاص ہدایت دی جاتی تھی تو وہ آ جاتا تھا پچھلے ایک ہفتے وہ لڑکی اس کے ساتھ نہیں گئی تھی جسے وہ کافی دن سے لاتا اور لے جاتا رہا تھا۔ چوکیدار نے کہا تھا کہ وہ لڑکی اب یہاں نہیں ہے۔ بہر حال یہ بڑوں کے معاملات ہوتے ہیں۔ باگا' باس کی آواز کا منتظر تھا کہ آواز ابھری۔

"باگا! تو ٹھیک ہے۔"

"جی مالک' بالکل ٹھیک ہوں۔ مالک وہ لڑکی میرے ساتھ نہیں گئی اس کے بارے میں کوئی بات ہے جس کیلئے آپ نے مجھے بلایا ہے۔ چوکیدار بابا نے مجھے بتایا ہے کہ اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

"ہاں' باگا وہ نوکری چھوڑ کر چلی گئی مگر مجھے تجھ سے بات کرنی ہے۔"

"حکم مالک۔"

"یہ بتا تیرا بچہ ہسپتال میں تھا اب کیا حالت ہے اس کی۔"

"مالک کی مہربانی سے بالکل ٹھیک ہوگیا ہے اسکول جانے لگا ہے۔ ڈاکٹر اسے بالکل فٹ قرار دیتے ہیں۔ مالک اگر آپ میری مدد نہ کرتے تو شاید میں اس کا علاج نہ کروا سکتا۔ بہت بری حالت ہوگئی تھی میرے مالک' دل چاہتا تھا کہ سامنے نظر آنے والے ہر بندے کو قتل کردوں۔ مالک آپ نے بڑے احسانات کیے ہیں میرے اوپر۔"

"بس باگا! میں نے تمہیں شکریہ ادا کرنے کیلئے نہیں بلایا ہے۔ میں نے اگر تمہارے لیے کچھ کیا ہے تو تم نے بھی میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔"

"کچھ بھی نہیں کیا' مالک کرنا چاہتے ہیں۔"

"جتنا کر رہے ہو اتنا کافی ہے باگا' مجھے جب بھی کوئی ضرورت ہوتی ہے میں تمہارا سہارا لیتا ہوں۔ چلو چھوڑو ان باتوں کو ہم لوگ بیکار باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہیں اب اس وقت مجھے جو تم سے کام ہے وہ ذرا مختلف نوعیت کا ہے۔"

"حکم کریں مالک! باگا آپ کیلئے وہ سب کچھ کرسکتا ہے جو آپ چاہو۔"

"تو باگا ' ہمیں ایک آدمی کو اغواء کرنا ہے بہت بڑا آدمی ہے وہ اور اسے اغواء کر کے یہاں لانا ہوگا۔"

"مالک کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ آپ مجھے اس کے بارے میں پوری تفصیل بتا دو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" باگا م نے کہا۔

"نہیں' اس کام میں' میں خود تمہارے ساتھ رہوں گا۔" منگل نے کہا۔

اور باگا کچھ دیر کیلئے ساکت رہ گیا۔ تھوڑی دیر تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر باگا نے کہا۔

"جیسا آپ کا حکم مالک' جیسا آپ پسند کریں۔"

"باگا! اب تک تم میرے لیے جتنے وفادار اور قابل اعتماد ثابت ہوئے ہو اسے سامنے رکھتے ہوئے میں تمہیں اپنے ایک اور راز میں شریک کرنا چاہتا ہوں دیکھو باگا! میرے

ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ میں اپنے اچھے ساتھیوں کے درمیان آ کر بیٹھنا چاہتا ہوں۔ ان سے باتیں کرنا چاہتا ہوں لیکن باگا یہ ممکن نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر میں دوستوں کے درمیان چلا جاؤں تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے' مجھ سے خوفزدہ ہو جائیں گے۔ مجھ سے ڈر کر بھاگیں گے۔ یہ پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کرے گا کوئی کہ میرے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا اور کسی طرح میں اس مشکل کا شکار ہوا۔ باگا کچھ لوگ ایسے ہی بدقسمت ہوتے ہیں۔ میں نے زندگی میں سب کچھ حاصل کرلیا لیکن باگا میں کچھ بھی نہیں کرسکا۔ اور اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ کہیں نہ کہیں مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے اوفوہ میں تم سے کیا باتیں کرنے بیٹھ گیا۔ میں تو صرف تمہیں آگے کا منصوبہ بتانا چاہتا ہوں۔ ہمیں یوں کرنا ہے باگا' کہ ہم پہلے اس شخص کے مشاغل کا جائزہ لیں گے۔ وہ ایک ڈاکٹر ہے ایک سرکاری ہسپتال میں ملازمت کرتا ہے اور ایک پرائیویٹ ہسپتال میں اور اس کے بعد اپنے گھر جاتا ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسے اغوا کرنے کیلئے کون سی جگہ مناسب ہوسکتی ہے۔"

"جی مالک! آپ ٹھیک کہتے ہیں یہ معلوم کرنا تو بڑا ضروری ہوتا ہے۔" باگا نے جواب دیا۔

"لیکن باگا! میں نے تم سے جو کچھ کہا وہ تمہارے ذہن میں ہے۔"

"کیا مالک؟"

"میں تمہارے سامنے آ رہا ہوں۔ لیکن تمہیں خود پر قابو رکھنا ہوگا۔ اور اس کے بعد میرے راز کو راز رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"باگا پر ایک بار بھروسہ کر کے دیکھیں مالک! آپ نے جو احسانات کیے ہیں مجھ پر اس کے تحت میری جان ہزار بار بھی آپ کے کام آ جائے تو میں حاضر ہوں۔"

"میں آ رہا ہوں تمہارے پاس دروازہ بند کردو۔" باس نے کہا۔

اور باگا نے گردن ہلا دی اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ بند کردیا تھا۔ اب اس کے دل و دماغ میں شدید سنسنی ہو رہی تھی۔ باگا نے ایک ملازمت دلانے والی فرم سے رابطہ قائم کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اسے یہ نوکری ملی تھی ابتداء میں تو بہت عرصے تک وہ اپنے پراسرار باس کے سلسلے میں پریشان رہا اور سوچتا رہا تھا کہ پتہ نہیں باس ہے کیا چیز صرف اس کی آواز ہی سنائی دیتی ہے لیکن پھر اس کا بیٹا سخت بیمار ہوا تو باس نے اس کی جس طرح مالی مدد کی اور زبردستی اسے بڑے سے بڑے ہسپتال پہنچا کر اس کے بل ادا کیے۔ اس نے باگا کو خرید لیا اور باگا نے اس کے بارے میں یہ سوچنا چھوڑ دیا کہ وہ کیا ہے۔ باس کی خوشی اب اس کی اپنی خوشی تھی۔ وہ اپنے گھر میں ہی رہتا تھا اور باس نے اسے ہر طرح کی آسائش مہیا کردی تھی ایک ڈرائیور کو اتنی

تنخواہ معاوضہ ملتا تھا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ ایسے حالات میں باگا اپنے باس کیلئے جان دینے کیلئے بھی آمادہ تھا تو کوئی اتنی اہم بات نہیں تھی آج وہ پراسرار باس اسکے سامنے آ رہا تھا۔

دروازے پر آہٹیں ہوئی اور اندرونی دروازے کا پردہ ہلا اور اس کے بعد جو اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر باگا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ بلاشبہ کسی انسان کیلئے اپنے ذہن پر قابو پانا مشکل ترین کام ہوتا تھا۔ ایک ایسی شخصیت کو دیکھ کر جسے انسان سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ جو خوبصورت لباس میں ملبوس تھا لیکن یہ لباس بس گردن تک تھا اس کا سر اس کی بغل میں دبا ہوا تھا اور سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ ایک کٹا ہوا سر اس طرح آنکھیں کھول سکتا ہے۔ بات کرسکتا ہے' ہنس سکتا' ہے وہ اندر آ گیا۔ کٹے ہوئے سر کی نگاہیں باگا پر جمی ہوئی تھیں اور باگا کی کیفیت سو فیصدی وہی تھی جو ایسی کسی شخصیت کو دیکھ کر کسی بھی انسان کی ہوسکتی ہے۔ وہ تھوڑے فاصلے پر کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنا سر برابر رکھی ہوئی میز پر رکھ دیا۔

"ہاں باگا! یہ میں ہوں تمہارا باس۔" لیکن میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں نہ بھوت ہوں نہ پریت ایک انسان ہوں زندہ بھی ہوں یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو وہ ایک انوکھا حادثہ ہے جو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ ظاہر ہے میں تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتا۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ اپنے دل سے خوف نکال دو میں تمہارے لیے اتنا ہی ہمدرد اور اتنا ہی اچھا ہوں جتنا تھا۔ باگا! اگر تمہارے حواس قائم ہوگئے ہوں تو مجھے بتاؤ"

"جج جی باس"

"میں تمہارے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلوں گا۔ ہماری کار کے شیشے رنگین ہیں مجھے کوئی نہیں دیکھ سکے گا اور اگر دیکھ بھی لیا تو عارضی طور پر میں یہ سر اپنی گردن پر ٹکا سکتا ہوں۔ بس اسے ایک ہاتھ سے پکڑنا پڑے گا۔ اس طرح جیسے میں گردن کھجلا رہا ہوں۔ یہ ایسی جگہوں پر ہوگا جہاں رش ہوگا۔ اور لوگ توجہ دے سکیں گے۔ کیونکہ بہرحال ونڈ اسکرین سے بھی کسی کی نگاہیں اندر آسکتی ہیں باگا یہ کام ہم آج سے شروع کر رہے ہیں کیا تم تیار ہو۔"

"جی جی باس۔"

"نہیں ابھی تمہاری کیفیت ایسی نہیں معلوم ہوتی اپنے آپ کو سنبھال لو میں تمہارے پاس بیٹھا ہوا ہوں مجھ سے باتیں کرو۔"

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد باگا باس کی اس شکل وصورت کا عادی ہوا تھا لیکن ظاہر ہے تمام تر گفتگو کے دوران باس نے اسے یہ بتایا تھا کہ یہ سب کچھ ہوا کیسے ہے پھر باگا تیار ہوگیا اور باس اس کے ساتھ کار میں آ کر بیٹھ گیا۔

"تمہارے اعصاب قابو میں تو رہیں گے نا۔"

"جی باس آپ بالکل فکر نہ کریں۔" باگا نے جواب دیا۔

اور اس کے بعد کار چل پڑی۔ باس نے اسے ہسپتال کا پتہ بتادیا تھا شام کو ساڑھے چار بجے ڈاکٹر توفیق رانا اپنی خوبصورت کار میں ہسپتال سے باہر نکلا اس کا ڈرائیور باوردی تھا۔ وہ اسے لے کر چل پڑا اور اس کے بعد وہ راستہ طے کرتا ہوا اس پرائیویٹ ہسپتال پہنچ گیا۔ وہاں انہیں چار گھنٹے گزارنا پڑے تھے چار گھنٹے گزارنے کے بعد توفیق رانا پھر باہر نکلا اور کار میں بیٹھ کر چل پڑا پھر تھوڑا سا فاصلہ طے کیا گیا تھا اور ایک ایسی سنسان جگہ نگاہوں میں آ گئی تھی۔ جہاں اگر توفیق رانا کی کار کو روک کر کوشش کی جاسکے تو توفیق رانا کو آسانی سے اغواء کیا جاسکتا تھا۔

بہر حال اس کے بعد تین دن تک توفیق رانا کا پیچھا کیا جاتا رہا اور چوتھے دن جب آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور رات وقت سے کچھ پہلے ہوگئی تھی اس وقت جب توفیق رانا کی کار اس سنسان راستے سے گزر رہی تھی تو اچانک کار کا ٹائر برسٹ ہوگیا۔ کوئی ایسی بے آواز چیز اس پر ماری گئی تھی جس سے ٹائر پھٹ گیا تھا کیونکہ نئی کار کے نئے ٹائروں کا پنکچر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال ڈرائیور نیچے اتر گیا اور کار کا ٹائر دیکھنے لگا۔ اس وقت ایک کار برابر آ کر رکی اور دو افراد اس سے نیچے اتر آئے ڈرائیور نے چونک کر ادھر دیکھا اور پھر دوسرے لمحے اس کی حالت خراب ہوگئی جو شخص پچھلی سیٹ سے نیچے اترا تھا اس کا سر ہی غائب تھا وہ آہستہ سے ڈرائیور کی جانب بڑھا تو ڈرائیور بری طرح دوڑ پڑا اور سڑک کی ڈھلانوں میں اتر گیا۔

توفیق رانا حیران تھا ادھر دوسرے آدمی نے جو ڈرائیونگ سیٹ سے اترا تھا پچھلا دروازہ کھولا اور توفیق رانا کی کنپٹی پر پستول کی نالی رکھ دی۔

"نیچے اتر آؤ شرافت کے ساتھ ورنہ کیا فائدہ زندگی کھو بیٹھو گے۔" پستول والے کا لہجہ بے حد سفاک تھا۔

توفیق رانا ویسے بھی امن پسند آدمی تھا خاموشی سے نیچے اتر آیا۔ اور دوسرے لمحے اسے دوسری کار میں ٹھونس دیا گیا۔ کٹے ہوئے سر والا آدمی توفیق رانا کے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ اور توفیق رانا کے حواس گم ہوئے جارہے تھے اتنی دیر میں اس کار کے ڈرائیور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر کار برق رفتاری سے آگے بڑھا دی تھی جبکہ توفیق رانا کی کار کا ڈرائیور سڑک کے عقب سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا اور اسے چکر آ رہے تھے ویسے تو ساری باتیں اپنی جگہ لیکن کٹے ہوئے سر والا آدمی حیرت ناک تھا۔ جو بالکل زندہ انسانوں کی طرح ہر کام کر رہا تھا ڈرائیور تھوڑی دیر

تک تو خوفزدہ انداز میں دور جاتی ہوئی کار کی سرخ روشنی دیکھ رہا تھا اور اس کے بعد اپنی کار کی جانب لپکا اور ٹائر بدل کر سیدھا پولیس اسٹیشن پہنچ گیا۔ پولیس اسٹیشن میں اس نے اپنے مالک کے اغواء ہونے کی رپورٹ لکھوائی۔

"صاحب جی میرے مالک ایک اچھی حیثیت کے مالک ہیں آپ نے تو ڈاکٹر توفیق رانا کا نام سنا ہوگا بڑے ماہر ڈاکٹر ہیں جی۔ لیکن انہیں تاوان کیلئے اغواء نہیں کیا گیا ہے۔"

"یہ تمہیں کیسے معلوم۔" پولیس آفیسر نے ڈرائیور سے پوچھا۔"

"صاحب جی اغوا کرنے والا ایک سر کٹا تھا میں آپ کے سامنے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان میں سے ایک کے کندھوں پر سر نہیں تھا۔"

"وہ سر تیرے پاس ہے۔" پولیس آفیسر نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"آپ مانیں یا نہ مانیں اس کا سر نہیں تھا اور وہ بالکل زندہ انسانوں کی طرح بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ وہ ہم پر لپکا تو صاحب جی اگر ہم بھاگ نہ جاتے تو نہ جانے کیا ہوتا ہمارے ساتھ۔"

"اس کی رپورٹ درج کرو اور فوراً تفتیش کیلئے افسروں کو بھیجو۔" پولیس آفیسر نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

توفیق رانا ہوش و حواس میں تھا کار میں بھی اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی گئی تھی۔ سوائے اس کے کہ برابر بیٹھے ہوئے ناقابل یقین انسان نے پستول کی نالی اس کی پسلیوں میں لگائی ہوئی تھی۔ حالانکہ اس کا سر نہیں تھا لیکن پھر بھی اس کی سرد آواز ابھری تھی۔

"دوست! تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ تم سے ایک بہت ہی اہم کام ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہیں کسی رقم وغیرہ کے حصول کیلئے اغواء کیا جارہا ہے تم ڈاکٹر ہو تو سمجھ تو تم سے تمہاری لائن کا ایک چھوٹا سا کام لیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تمہیں انتہائی عزت و احترام کے ساتھ واپس تمہارے گھر پہنچا دیا جائے گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے رہو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ زخمی ہو جاؤ گے کیونکہ ہم تمہیں قتل تو اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک کہ ہمیں یہ نہ پتہ ہو جائے کہ تم ہمارے کام کے انسان نہیں ہو۔"

توفیق رانا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بار بار اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پلٹ کر اس شخص کو غور سے دیکھے کوئی شعبدہ گری ہے یا حقیقت اس قسم کی شعبدہ گری کے بہت سے واقعات وہ پہلے سن چکا تھا۔ حالانکہ یہ شخص کہہ رہا تھا کہ اسے کسی لالچ کے تحت اغواء نہیں کیا گیا ہے لیکن

کسی کے کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جو تماشہ اس نے لگایا ہے وہی کم نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ توفیق راستوں کو دیکھنے کی بھی کوشش کر رہا تھا لیکن کار کے شیشے تاریک تھے اور ونڈ اسکرین سے بھی کچھ نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔ چنانچہ وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ یہ لوگ کون سے راستے سے جا رہے ہیں آخر کار کار ایک بنگلے میں داخل ہوگئی۔ توفیق رانا کو اس وقت بھی یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ کون سے علاقے میں اور بنگلہ کیا ہے۔ بہر حال پھر اس کے بعد اسے کار سے اتارا گیا تو اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں ان لوگوں نے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اسے اس جگہ میں چھپانا نہیں چاہتے تھے توفیق رانا آہستہ آہستہ اس کٹے ہوئے سر والے آدمی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اس عالیشان کوٹھی کو دیکھ کر اسے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ کوئی بہت ہی شاندار علاقہ ہے۔ اور کوٹھی' اسے دیکھ کر تو اچھے اچھوں کو چکر آجاتے تھے تو توفیق رانا نے باہر کی دنیا میں بہت وقت گزارا تھا۔ بڑی اعلیٰ درجے کی رہائش گاہیں دیکھی تھیں یہ بھی کسی بہت بڑے نواب کی رہائش گاہ ہی معلوم ہوتی تھی۔

پھر اسے ایک کمرے میں لے جایا گیا اور کٹے ہوئے سر والے نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی تھوڑے فاصلے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اب توفیق رانا کو اس کی بات کا یقین ہوگیا تھا کہ یہ شخص واقعی ہی بغیر سر کا انسان ہے۔ وہ ایک جدید دنیا کا انسان تھا جن' بھوت' پریت کے بارے میں اس نے سنا تو ضرور تھا۔ لیکن ان باتوں پر یقین نہیں کرتا تھا لیکن اس وقت صورتحال بالکل مختلف تھی اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ شخص جب غیر انسانی حیثیت نہیں رکھتا تو پھر اس کا سر کیا معنی رکھتا ہے۔ بہر حال اس شخص نے کہا۔

"ڈاکٹر رانا میں آپ کی بڑی تعریفیں سن چکا ہوں۔ اخبارات' رسالے آپ کی تعریفوں سے بھرے ہوئے ہیں ان تمام چیزوں کو دیکھ کر میں نے آپ کو اپنے پاس زحمت دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر نہیں آئیے پہلے میں آپ کو کچھ دکھاؤں ڈاکٹر رانا اگر آپ نے یہ سمجھا ہے کہ میں نے آپ کو برائے تاوان اغواء کیا ہے تو آپ کو خود اپنے خیال پر ہنسی آئے گی۔ آئیے میرے ساتھ آئیے۔"

اور پھر منگل ڈاکٹر توفیق رانا کو اپنے اس تہہ خانے میں لے گیا۔ جہاں خزانوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ تہہ خانے میں مکمل روشنی کرنے کے بعد منگل نے ان صندوقوں کے ڈھکنے کھول دیئے اور ڈاکٹر توفیق رانا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا وہ سحر کی سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ ایسے کسی خزانے کی کہانیاں تو سنی جاسکتی تھی اپنی آنکھوں سے ایسے کسی خزانے کو دیکھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ شاید حکومت وقت کے پاس بھی اتنی دولت نہ ہو جتنی اس تہہ خانے میں بھری ہوئی تھی۔ توفیق رانا پر سکتہ سا طاری ہوگیا۔ اس کے اعصاب بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ تبھی

کٹے ہوئے سر والے کی آواز ابھری۔

''یہ سب کچھ میری ملکیت ہے ڈاکٹر رانا سب کچھ میرا ہے اور کسی کی اس میں کوئی شرکت نہیں ہے اگر آپ میرے کام آ گئے تو اس میں سے جتنا مانگیں گے میں آپ کو دے دوں گا کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا کہ ایسا کیوں ہوا۔ آپ نے دیکھ لیا نا ڈاکٹر رانا! چنانچہ اب آپ کے دل میں یقینی طور پر میرے کام سے لگن پیدا ہو جائے گی آئیے۔''

وہ تہہ خانے سے باہر نکل آیا اور پھر اس نے اسے اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھا دیا جہاں کیبنٹ لگے ہوئے تھے ایک کیبنٹ سے اس نے اپنے سر کو نکالا ڈاکٹر رانا سارے کام اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا وہ سوچ رہا تھا کہ کبھی کبھی کے خواب بھی کیسے انوکھے ہوتے ہیں یہ عالم ہوش کی باتیں تو نہیں ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ آنکھ کھل جائے اور اس کے بعد یہ سب کچھ غائب ہو۔ چھوٹے کیبنٹ سے اس نے اپنا سر نکالا تھا اور یہ چیز بھی ڈاکٹر رانا کیلئے ناقابل یقین تھی۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنا سر سامنے رکھ لیا اور اب آواز اس کے منہ سے برآمد ہو رہی تھی۔''

''ڈاکٹر رانا یہ سر میرے شانوں پر جوڑ دیجئے مجھے مکمل کر دیجئے میں نامکمل ہوں کیا آپ یہ کام کر سکتے ہیں۔''

توفیق رانا نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر بولا۔

''بے شک میں نے میڈیکل سرجری میں بہت کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ ہاتھ کو جوڑا جاسکتا ہے آنکھ نکال کر دوبارہ لگائی جاسکتی ہے اندر کے آپریشن کیلئے جاسکتے ہیں لیکن جناب گردن زندگی کا پہلا نشان ہے شہ رگ شاید کبھی نہیں جوڑی جاسکتی نرخرہ سانس کی نالی۔ خوراک کی نالی' ان سب کا تو ایک دوسرے سے رابطہ ہوتا ہے اگر ان میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو آپریشن کر کے ٹھیک کیا جاسکتا ہے آپ یہ بتائیے کتنے عرصے سے آپ کا سر شانوں سے جدا ہے۔''

''اب تو وقت بھی یاد نہیں رہا ڈاکٹر!''

''لیکن آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ زندہ کیسے ہیں۔''

''جیسے بھی ہوں تمہارے سامنے ہوں۔''

''آپ کا یہ سر کیسے کٹا۔''

''کچھ دشمنوں نے کاٹ دیا۔ جو میرے اس خزانے کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔''

''اور آپ زندہ رہے۔''

''تمہارے سامنے ہوں۔''

''معاف کیجئے گا برا نہ منائیں آپ! کوئی روحانی یا جادوگری کا مسئلہ تو نہیں ہے۔''

''بالکل نہیں میرا سر میرے دشمنوں نے کاٹ دیا ہے لیکن میں زندہ ہوں اور بغیر سر ے بھی میں زندہ رہ سکوں گا یہ میں جانتا ہوں لیکن ڈاکٹر اس زندگی سے کوئی فائدہ نہیں ہے اب تو ں بہت بد دل ہو چکا ہوں آپ نے اپنے فن میں جو کمال حاصل کیا ہے وہ کمال مجھ پر صرف ر دیجئے اور جیسا کہ میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ آپ کو اتنا دوں گا کہ سوچیں گے کہ اس کے ند آپ بلاوجہ محنت کر رہے ہیں۔''

ڈاکٹر رانا سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں آپ کو اپنے کلینک لے چلوں گا۔ بہت سے ٹیسٹ کروں گا آپ کے اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں اکیلا یہ سب کچھ نہیں کر سکتا اور دوسرے لوگ آپ کو دیکھ کر انہیں پنے ذہن پر قابو پانا مشکل ہو گا۔ معاف کیجئے گا یہ بات میرے لیے سب سے بڑی مشکل کا عث بنے گی۔''

''یہ تو میں جانتا ہوں ڈاکٹر رانا اور اس لیے میں آپ کو اس طرح یہاں لے کر آیا وں۔ آپ یہیں میرا علاج کیجئے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے اس کام کیلئے تو بڑی عمدہ قسم کی چیزیں درکار ہیں۔''

''وہ میرے پاس موجود ہیں آئیے میں آپ کو دکھاؤں۔''

ڈاکٹر توفیق رانا کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ جتنے کچھ آلات یہاں اکھٹے کیے گئے وہ ب اسی مسئلے سے متعلق ہیں اس نے یہ سوال کر بھی ڈالا۔

''آپ خود بھی ڈاکٹر ہیں کیا؟''

''نہیں کیوں۔''

''یہ جو کچھ آپ نے اکٹھا کیا ہے یہ تو سو فیصدی اسی مسئلے کیلئے ہے۔ آپ کو اس رے میں کسی نے اطلاعات فراہم کی ہیں۔''

''یہ سب بیکار سوالات ہیں ڈاکٹر آپ صرف اپنا کام کریں۔''

''پھر بھی مجھے جانے کی اجازت دیجئے آپ کا یہ کام کر سکتا ہوں۔''

''مسخرے پن کی باتیں مت کرو ڈاکٹر توفیق رانا تم یہاں آ گئے ہو جو کہا جا رہا ہے تم ے وہی کرو اور اس کے بعد یہاں سے اپنا معاوضہ وصول کر کے جاؤ میں تم پر اعتبار کروں گا کہ تم ہرے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔''

''گویا آپ نے مجھے یہاں قیدی کر لیا ہے۔''

''ہاں اس وقت تک آپ اپنے آپ کو قیدی ہی سمجھئے جب تک کہ آپ اپنا یہ کام

مکمل نہ کر دیں۔''

''لیکن میری اپنی ذمہ داریاں ہیں' میرا گھر ہے' میرے بچے ہیں لوگوں سے میرے رابطے ہیں' کیسے ہوسکتا ہے یہ کہ میں آپ کی یہ بات مان لوں۔''

''ہوسکتا نہیں ہو چکا ہے۔ آپ یہاں سے نکل نہیں سکیں گے ڈاکٹر رانا! اسی لیے آپ کو اس طریقے سے لایا گیا ہے ورنہ آپ سے باقاعدہ رجوع کیا جاسکتا تھا۔''

''گویا اگر نکلنے کی کوشش کروں گا تو۔''

''تو زندہ باہر نہیں جاسکیں گے۔''

توفیق رانا نے ٹھنڈی سانس لی یہ سب کچھ دیکھ کر اسے اندازہ تو ہوگیا تھا کہ بہت بڑا جنجال ہے چنانچہ اس سے تعاون تو کرنا ہی پڑے گا تین دن تک وہ اس سر اور جسم کا تجزیہ کرتا رہا لیکن وہی ٹیکنیکل خرابی اس کے سامنے آگئی تھی اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

''اصل میں آپ کے وہ تمام رابطے ناکارہ ہو چکے ہیں دماغ' سر اندر سے اتنا خشک ہوگیا ہے اور یہ ہی کیفیت جسمانی نسوں کی ہے۔ آپ کا یہ رابطہ کبھی بحال نہیں ہوسکتا دنیا کا کوئی بھی سرجن یہ نہیں کرسکتا میں بھی معذرت چاہتا ہوں بلکہ میں آپ سے ایک درخواست کروں گا وہ یہ کہ آپ باقاعدہ بین الاقوامی میڈیکل بورڈ کے سامنے پیش ہوں۔ میڈیکل بورڈ آپ کے بارے میں ریسرچ کر کے یہ معلوم کرے گا کہ جب آپ کا دوران خون ختم ہو چکا ہے جب آپ کے دل کی دھڑکن بند ہو چکی ہیں اور آپ کا پورا جسمانی نظام ختم ہو چکا ہے تو پھر آپ زندہ کیسے ہیں۔ معاف کیجیے گا میں سمجھتا ہوں میڈیکل بورڈ آپ کا معائنہ کرنے کے بعد یہ ہی قرار دے گا کہ آپ کوئی بدروح ہیں کیونکہ آپ کی زندگی کہیں نہیں ہے پتہ نہیں کون سا عمل ہے جس کے تحت آپ متحرک ہیں۔''

منگل ڈوبتے دل کے ساتھ ڈاکٹر رانا کے یہ الفاظ سنتا رہا تھا پھر اس کے انداز میں جنون ابھر آیا تھا۔

''اگر یہ بات ہے ڈاکٹر تو اتنا جاننے کے بعد آپ کو بھی زندہ نہیں رہنا چاہیے آپ زندہ رہ کر کیا کریں گے۔''

''کیوں مگر میرا کیا قصور ہے اس سلسلے میں۔''

''صرف یہی کہ اتنی شہرت حاصل کرنے کے باوجود آپ میرے لیے کچھ نہیں کرسکتے۔''

''لیکن جناب صورتحال یہ ہے کہ آپ کا کیس اس قابل نہیں ہے۔''

''میں یہ سب کچھ نہیں جانتا کہ آپ کو اس سلسلے میں کچھ کرنا چاہیے۔''

''میں کیسے کرسکتا ہوں۔''

''مگر میں کرسکتا ہوں۔''

منگل نے کہا۔

''کیا؟''

جواب میں منگل نے پستول نکال لیا۔

☆......☆......☆

پہلے تو ان تمام معاملات کو غیر سنجیدگی سے لیا گیا تھا لیکن ڈاکٹر توفیق رانا کو گم ہوئے آج آٹھواں دن تھا اور یہ وقت بہت ہوتا ہے اور بات بھی کسی معمولی آدمی کی نہیں تھی۔ توفیق رانا ایک زبردست سرجن تھا۔ سرکاری ہسپتال میں ایک بہت بڑا نام تھا اس کا اور اس کے بعد ایک پرائیویٹ ہسپتال جو مشرق وسطیٰ کی طرف سے یہاں بنایا گیا تھا اور بہت بڑی حیثیت کا حامل تھا۔ سرجن توفیق وہاں پر بھی ایک اہم ذمہ دار شخصیت رکھتا تھا۔ ایسی اہم اور ذمہ دار شخصیت اس طرح گم ہوگئی تھی۔ یہ بات بڑی سنسنی خیز کیفیت کی حامل تھی چنانچہ اخبارات وغیرہ میں بڑی بھاگ دوڑ ہونے لگی پولیس کا محکمہ خصوصی طور سے اس طرف متوجہ ہوا اور اس سلسلے میں ایک افسر اعلیٰ کی ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ ڈاکٹر توفیق کو بازیاب کرائے اور اس کے بارے میں مکمل رپورٹ دے ایس ایس پی سعید جان نے یہ کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور اس کی پوری پوری چھان بین شروع کردی تھی پہلے وہ توفیق رانا کے گھر پہنچا اس کے اہل خانہ سوگ میں ڈوبے ہوئے تھے توفیق رانا کا بھائی عارف رانا سعید جان سے ملا۔ تو سعید جان نے اس سے سوالات کیے۔

''براہ کرم آپ مجھے رانا صاحب کی تمام ہسٹری بتا دیجیے۔ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جن سے کسی حادثے کے محرکات کا پتہ چلتا ہے۔''

''ہسٹری کیا بتاؤں جناب' ہمارا تعلق ایک شریف گھرانے سے ہے۔ تعلیم حاصل کی' ملک سے باہر چلے گئے۔ دنیا کے آٹھ ملکوں میں تجربات کرتے رہے وطن پرست تھے چنانچہ بڑی بڑی پیشکشیں ٹھکرا کر وطن واپس آگئے۔ اللہ کا دیا ہمارے پاس بہت کچھ ہے زمینیں وغیرہ ہیں ان سے بھی ٹھیک ٹھاک آمدنی ہوتی ہے اس لیے دولت کمانے کا بھی کوئی لالچ نہیں تھا۔ شادی شدہ اور بچوں والے ہیں بیوی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ آپ چاہے تو بھابھی سے مل کر دیکھ سکتے ہیں۔''

''ہاں' انہیں بلوا لیجیے۔'' سعید جان نے کہا۔

توفیق رانا کی بیوی کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں ایس ایس پی کے سوالات پر اس نے

کہا۔

''بہت ہی باکردار انسان تھے۔ ورنہ باہر کی دنیا میں رہ کر انسان نجانے کیا سے کیا ہو جاتا ہے کبھی کسی غلیظ شے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میری مراد' شراب وغیرہ سے ہے بس میانہ روی رکھتے تھے۔ نہ بہت زیادہ مذہب پرست اور نہ دہریئے۔ نیکیوں کے کاموں سے گریز نہیں کرتے تھے یعنی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔''

''اصل میں یہ تمام باتیں اس لیے پوچھنی پڑ رہی ہیں کہ اگر ان کے بدلے کوئی رقم طلب کی جائے تو یہ سوچا جاسکتا تھا کہ انہیں تاوان کیلئے اغواء کیا گیا ہے لیکن ایسی بھی بات نہیں تھی تو پھر کیا وجہ ہوسکتی ہے۔ بہر حال ہم دیکھتے ہیں آپ لوگ مطمئن رہیے۔ پولیس وہ تمام تر کوششیں کرے گی جو وہ کرسکتی ہے۔''

ایس ایس پی سعید نے دونوں ہسپتالوں سے معلومات حاصل کیں توفیق رانا کے بارے میں بہترین رپورٹ ملی تھی۔ آخر میں اس ڈرائیور کو بلوالیا گیا جس کی موجودگی میں یہ حادثہ ہوا تھا۔ ڈرائیور تو شدید بوکھلاہٹ کا شکار تھا۔ پولیس نے اسے گرفتار نہیں کیا تھا لیکن یہ بات اس سے کہہ دی گئی تھی کہ وہ کہیں بھی جانے کی کوشش نہ کرے۔ وہ بہت ہی غمزدہ اور ڈرا ہوا تھا۔

''ہاں دوست' پورا واقعہ میرے سامنے بیان کرو۔''

''صاحب جی' انسپکٹر صاحب کے سامنے بیان کیا تھا تو انہوں نے مجھے پاگل قرار دے دیا تھا۔ آپ بھی میری دکھ بھری داستان سن لو۔ صاحب کے ساتھ دن رات رہتا تھا ان کی مہربانیاں مجھ پر بہت زیادہ تھیں صاحب اس لیے جو کچھ بھی کہوں گا۔ جھوٹ بالکل نہیں کہوں گا۔ گاڑی میں آرہے تھے کہ ٹائر میں گولی لگی۔ فائر کی آواز نہیں آئی تھی۔ صاحب لیکن ٹائر پھٹ گیا بعد میں گولی بھی اس کے رم میں اٹکی ہوئی ملی آپ تو سروس والے صاحب سے پوچھ لیجئے صاحب جی' اس کے بعد ایک گاڑی ہمارے پاس آ کر رکی پہلے ڈرائیونگ سیٹ سے ڈرائیور باہر نکلا اور اس کے بعد پچھلی سیٹ سے جو نکلا صاحب' بس آپ کو کیا بتائیں اس کی گردن نہیں تھی۔ صاحب جی' سر کٹا تھا سوٹ پہنے ہوئے تھا ٹائی بندھی ہوئی تھی۔ مگر گردن نہیں تھی اس نے صاحب کو گاڑی سے کھینچ کر باہر نکالا ہم تو اسے دیکھتے ہی بھاگ لیے تھے۔ صاحب' یہ کوئی روحانی چکر ہے ضرور ہمارے صاحب جی نے کہیں ایسی ویسی جگہ کوئی گندگی کر دی ہے یا پھر کسی گندی جگہ چلے گئے ہیں۔ بھوت' پریت پیچھے لگ گئے ان کے۔ پولیس کیا کرسکے گی صاحب' یہ ہے ہماری پوری داستان۔''

''تم شراب پیتے ہو۔''

''توبہ کرتے ہیں صاحب جی' آپ بھی اللہ سے ڈرو۔''

''نشے میں تو نہیں تھے اس وقت۔''

''ہاں صاحب' نشہ تھا بس روٹی کا۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔''

''بہت زیادہ چرب زبان بننے کی کوشش مت کرو۔ اچھا یہ بتاؤ تم ڈرائیور ہو گاڑیوں کے میکر اور ماڈل سے تو واقف ہو گے۔''

''صاحب جی' بس ایک ہی تو غلطی کی ہے زندگی میں ہم نے کہ نمبر نہیں دیکھا گاڑی کا۔ اصل میں ڈر گئے تھے اور کٹی ہوئی گردن نے ہمارے حواس خراب کر دیئے تھے ویسے کرولا تھی نئے ماڈل کی۔ رنگ بھی رات میں پتہ نہیں چل سکا تھا چونکہ جگہ بڑی گندی تھی صاحب جی' بجلی والوں کا نظام ہی خراب ہے سڑک پر کھمبے لگے ہوئے ہیں لیکن بلب نہیں لگے ہوئے یا لگے ہوئے ہیں تو فیوز ہوگئے ہیں۔ اگر جلے ہوئے ہوتے تو ہم نمبر نہ دیکھ لیتے لیکن تھا نیا ماڈل یہ بات ہم کہہ سکتے ہیں۔''

''رنگ کا بھی اندازہ نہیں ہے۔''

''نہیں صاحب جی۔''

''ہوں۔'' ایس ایس پی نے پرخیال انداز میں کہا۔

بہر حال اتنی معلومات سے کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا توفیق رانا بدستور غائب تھا۔

ایس ایس پی سعید جان اپنی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح توفیق رانا کا سراغ ملے۔ لیکن اس کا کہیں نام ونشان نہیں تھا کہ ایک اور واردات ہوگئی وہ بھی ایک سرجن تھا اور ایک پرائیویٹ ہسپتال کا مالک بھی اس کا نام شاہد ایاز تھا۔ شاہد ایاز کو ہسپتال سے اغوا کیا گیا اور اغواء کرنے والے دو افراد تھے جن میں سے ایک کی گردن غائب تھی۔ اسے ہسپتال کے صدر گیٹ سے اس وقت پکڑا گیا تھا جب اس کی کار صدر گیٹ پر آ کر رکی تھی۔ اور وہ چوکیدار کو بیان دے رہا تھا چوکیدار کا بیان تھا کہ میرون کلر کی ایک کرولا وہاں آ کر رکی اور اس میں سے دو افراد نیچے اترے جن میں سے ایک کی گردن نہیں تھی انہوں نے شاہد ایاز کو قابو کیا اور کرولا میں ڈال کر لے گئے۔ چوکیدار نے کرولا کے ٹائر پر فائر بھی کئے تھے لیکن نشانہ کامیاب نہیں ہوسکا اور کرولا نکل گئی شاہد ایاز بھی ایک ماہر سرجن تھا۔ پولیس نے چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی خاص طور پر میرون کلر کی کرولا گاڑیوں پر نگاہ رکھی جانے لگی۔ لیکن اس کا پتہ نہیں چل سکا تھا نہ ہی شاہد ایاز برآمد ہوا پھر تین یا چار دن کے بعد اس کی کال گھر پر آئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ اہم کام کر رہا ہے گھر والے پریشان نہ ہوں لیکن اس کے بعد پھر اس کا کوئی نام ونشان نہیں ملا۔

پھر ایک اور سرجن اس کے بعد ایک اور' شہر سے تقریباً آٹھ اتنے بڑے سرجن اور ڈاکٹر غائب ہوگئے تھے کہ ایک کہرام مچ گیا تھا چاروں طرف خوف کی فضاء پھیل گئی تھی۔ ہسپتالوں نے ہڑتال کردی تھی ڈاکٹر کام کرنے سے انکار کررہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ان سرجنوں کو برآمد کیا جائے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس پر غور کیا جائے اخبار طرح طرح کی قیاس آرائیاں کررہے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ سب ڈرامہ بازی ہے۔ سرجنوں کے خلاف کوئی خاص طرح کی دہشت گردی کی جارہی ہے کٹی ہوئی گردن کا کیس مذاق ہی مذاق میں سامنے لایا جارہا ہے۔ ایس ایس پی سعید جان ہی نہیں بلکہ اب تو بہت سے افراد اس سلسلے میں مصروف ہوگئے تھے۔ کیونکہ معاملہ ملک کے بہترین سرجنوں کا تھا ان کی کمی کسی بھی شکل میں پوری نہیں کی جاسکتی تھی۔

چنانچہ چاروں طرف ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی اور سب لوگ شدید پریشانی کا شکار تھے۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اور سعید جان دیوانہ ہو رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے ہسپتال ہی نہیں بلکہ جتنے پرائیویٹ ڈاکٹروں کے کلینک تھے جو اپنے طور پر پرائیویٹ کام کرتے تھے ان سب کی شدید نگرانی شروع کرادی گئی تھی اور وہ سارے اپنے طور پر خود بھی اپنی حفاظت کا بندوست کر چکے تھے دو دو تین تین گن مین ہر وقت ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ یہ ساری انتظامی کارروائیاں تو ہو چکی تھیں لیکن جو سرجن غائب ہو چکے تھے ان کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ اور ایک شدید سنسنی شہر بھر میں ہی نہیں ملک بھر میں بھی پھیل گئی تھی۔

بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی تھی طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہوتی رہتی تھیں ایس ایس پی سعید جان کی ملاقات ایک سینئر پولیس سرجن سے ہوئی۔ پولیس سرجن کا نام سرجن علی حیات خان تھا اور وہ نہایت سینئر اور ذہین سرجن تھا۔ سعید جان سے اس کی دوستی تھی۔ حالانکہ اب وہ ایک ریٹائر زندگی گزار رہا تھا لیکن پھر بھی فطرت کہاں جاتی ہے۔ سعید جان مشورے کے لیے اس کے پاس پہنچا تو سرجن حیات خان کہا۔

''ہاں' بات واقعی سوچنے کی ہے اور پریشانی کی بھی' میں تمہیں بتاؤں میں نے بھی اس بارے میں بڑا ذہن دوڑایا ہے کبھی کبھی جرم کے رسیا ہمیں غلط راستوں پر ڈالنے کیلئے ایسے پراسرار کھیل کھیلتے ہیں جو سمجھ میں نہ آئے سمجھ رہے ہو ناتم۔ وہ اس قسم کے کھیل کھیلتے ہیں کہ سب کچھ بہت عجیب لگتا ہے تم نے نیا کوٹ کا نام تو سنا ہوگا ایک چھوٹی سی پہاڑی بستی ہے یا گاؤں ہے بظاہر اس کی کوئی اہم حیثیت نہیں ہے۔ لیکن پرفضا مقام ہے پرسکون سادہ سی دیہاتی زندگی کا حامل۔''

''ہاں' نیا کوٹ معروف جگہ ہے۔''

''اس کا جائے وقوع بتاتے ہو۔''

''رئیس صاحب۔''

''ایک بار وہاں جا کر دیکھو' تمہیں وہ جگہ پسند آئے گی۔ بہر حال میں وہاں جا چکا ہوں اور وہیں لمحہ بہ لمحہ دلچسپ واقعات پیش آئے۔''

گرمیوں کے دن تھے اور میں یہ سوچ کر نیا کوٹ گیا تھا کہ وہاں کچھ سکون ملے گا۔ تنہائی ملے گی۔ ذرا سیر وتفریح کروں گا اور اپنے خیالات کی دنیا میں کھو جاؤں گا۔ وہاں کوئی شخص میرے معاملات میں دخل دینے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس علاقے میں جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں بے وقوف سیاحوں اور نااہل شکاریوں سے ملنے کا امکان قطعی نہ تھا۔ مجھے اس قسم کے لوگوں سے صدا وحشت رہی ہے۔ جب میں نیا کوٹ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک جوڑا وہاں آیا ہوا ہے۔ مرد انگریز تھا اور عورت مصری۔ مرد میں کوئی خاص انفرادیت نہ تھی جیسے اور انگریز ہوتے ہیں ویسے ہی وہ بھی تھا۔ لیکن عورت ہزاروں لاکھوں میں ایک تھی۔ نہایت حسین چہرہ' سڈول جسم' خوش اخلاق اور بے حد ہنس مکھ۔ اس کی گہری سبز آنکھوں میں ذہانت کا خزانہ بند تھا۔ کبھی کبھی وہ نہایت سنجیدہ ہو جاتی اور گھنٹوں کسی سے بات نہ کرتی۔

ابتدا میں کئی روز تک ہماری بات چیت نہیں ہوئی۔ میں خود بھی ان کے قریب جاتا ہوا گھبراتا تھا اور غالباً وہ لوگ بھی مجھے سڑی سودائی سمجھتے تھے لیکن یہ اجتناب زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ آخر ہم کب تک زبانیں بند کیے رکھتے۔ ایک دن جبکہ اپنے مکان پر واپس آرہا تھا وہ مجھے راستے میں ملے اور گرم جوشی سے مزاج پرسی کرنے کے بعد کہنے لگے۔

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ بہت دلچسپ آدمی ہیں اور آپ کو سیر و سیاحت سے خاصا لگاؤ ہے۔ یہی مرض ہم دونوں کو بھی ہے کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آج رات آپ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائیں۔ اور کھانا میرے ساتھ کھائیں۔''

انہوں نے کھانے کی دعوت پورے خلوص سے دی تھی جسے رد کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ چنانچہ میں وقت پر ان کے ہاں جا پہنچا۔ وہ میرے منتظر تھے کھانے پر خاصا تکلف کیا گیا تھا۔ اس دوران ہم آپس میں باہمی دلچسپی کی باتیں کرتے رہے۔ کھانے کے بعد ہم نے قہوے کے پیالے اٹھائے اور باہر لان میں جا بیٹھے۔ چاروں طرف گہرے سرمئی رنگ کے پہاڑ سر اٹھائے کھڑے تھے۔ ایک ہیبت ناک سناٹے نے ماحول کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ ہم دیر تک اس ماحول میں جکڑے رہے مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے سرمئی رنگ کے یہ پہاڑی ہمارے قریب آرہی ہے اور چند لمحے بعد ہمیں روندتی ہوئی گزر جائے گی۔ میرے میزبان بھی

چپ چپ سے تھے۔ یکا یک جیمس نے اس تکلیف دہ سکوت کو درہم برہم کرتے ہوئے کہا۔

''مسٹر حیات خان! آپ کو معلوم ہے کہ آج کل یہ علاقہ خوف اور دہشت کی لپیٹ میں ہے۔''

میں نے چونک کر جیمس کی طرف دیکھا اور جواب میں کہا۔

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

جیمس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ قہوے کے دو گھونٹ لینے کے بعد اس نے کہنا شروع کر دیا۔

''پچھلے ہفتے دو افراد ان جنگلوں میں گم ہو گئے تھے ان میں سے ایک آدمی دس میل کے فاصلے پر واقع کسی قصبے کا رہنے والا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ سورج ڈھلنے کے بعد یہ شخص ایک پہاڑی سے اتر رہا تھا کہ کسی انجانے راستے کے باعث غائب ہو گیا۔ کسی گڈریے نے اسے پہاڑی پر دیکھا تھا اور دونوں میں کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں؟ تاہم اس کے بعد اسے دوبارہ نہیں دیکھا گیا۔ غائب ہونے والا دوسرا شخص اس کھوجی گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو پہلے شخص کی تلاش میں نکلا تھا۔ اسے اس پہاڑی کے نزدیک نگرانی پر لگایا گیا تھا۔ اور گروہ کے دوسرے کھوجی آگے نکل گئے تھے جب کچھ دیر بعد وہ واپس آئے تو اس کا ساتھی وہاں سے غائب تھا۔ انہوں نے اس کی تلاش میں سارا علاقہ چھان مارا مگر کوئی پتہ نہ چل سکا۔''

''یہ بہت دلچسپ اور حیران کن بات ہے مسٹر جیمس!'' میں نے کہا۔ ''کیا اس سے پیشتر بھی ایسے واقعات ہوتے رہے ہیں؟''

''جی نہیں ۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے ۔ لوگ اس بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے ۔ انہیں بھیڑیئے اٹھالے گئے ہیں۔ اس علاقے میں چونکہ بھیڑیوں کے شکار پر گورنمنٹ نے پابندی لگا رکھی ہے۔ اس لیے ان کی تعداد بے حد بڑھ گئی ہے۔ بہر حال چھان بین کے بعد کوئی ایسا سراغ نہیں ملا ہے کہ ان بدقسمت آدمیوں کو بھیڑیوں نے پکڑ لیا ہو۔ خون کے داغ دھبے کہیں بھی دکھائی نہیں دیئے اور نہ اس قسم کے نشان ملے جن سے پتہ چلے کہ ان آدمیوں کو گھسیٹ کر لے جایا گیا ہے۔ بعض توہم پرست لوگوں نے یہ بات پھیلا رکھی تھی کہ ان جنگلوں میں کسی آسیب یا بدروح نے ٹھکانا بنایا ہے اور وہی ان حادثوں کی ذمہ دار ہے۔''

''خوب ......خوب......'' میں نے جواب میں کہا۔ '' سائنس کے اس دور میں بھی بعض لوگ بھوت' پریت اور بدروحوں پر اعتماد رکھتے ہیں۔''

''میں خود ان چیزوں کو لغو خیال کرتا ہوں۔'' جیمس کہنے لگا...... ''تاہم میرا قیاس یہ

ہے کہ وہ دونوں آدمی خود ہی غائب ہوئے ہیں اور اب غالباً کسی پر فضا مقام پر مزے کر رہے ہوں گے۔''

جیمس کی بیوی صفارہ نے پہلی مرتبہ نظریں اٹھا کر اپنے شوہر کو دیکھا اس کے چہرے پر حیرت کے ساتھ ساتھ ناگوار اثرات نمایاں تھے۔ اس نے منہ بنا کر اپنے شوہر سے کہا۔

''جیمس! تم نہایت سنگدل آدمی ہو۔ کبھی کوئی شخص یوں بھی غائب ہوا کرتا ہے۔''

''ہاں' ہاں کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔'' جیمس نے سخت لہجے میں کہا۔ ''اگر انہیں مار دیا جاتا یا بھیڑیئے اٹھا کر لے جاتے تو اس کا کوئی ثبوت تو ملتا۔''

یہ سن کر صفارہ خاموش ہو گئی۔ اور اس نے مزید بحث نہ کی۔ البتہ مجھے اس کی گہری سبز آنکھوں میں ایک نرالی سی چمک دکھائی دی۔ دفعتہً ایک نیا خیال میرے ذہن میں آیا کیا یہ ممکن نہیں کہ صفارہ ان آدمیوں کی گمشدگی کے راز سے آگاہ ہو......ضرور یہی بات ہے......بہر حال میں نے اس وقت جرح کرنا مناسب نہ سمجھا اور تھوڑی دیر بعد اپنے مسکن پر چلا آیا۔

گھر واپس آکر میں دیر تک اس عجیب حادثے پر غور کرتا رہا۔ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے گردو پیش کے حالات سے باخبر رہنا چاہیے۔ ممکن ہے کچھ اور عقدے وا ہو جائیں۔ میں اس وقت نیا کوٹ کی پرانی سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ یہاں ہر طرح کے افراد کثرت سے آتے جاتے تھے اور خوب گپ چلتی ۔ اب میں بھی گاہے گاہے ان میں جا کر بیٹھنے لگا۔ اور خوب میل ملاپ بڑھا لیا۔ ضلع مجسٹریٹ بھی یہاں مستقل آنے والوں میں سے ایک تھا۔ نہایت شریف اور نیک آدمی تھا۔ میں نے کبھی اس کے منہ سے فضول بات نہ سنی اور نہ وہ کسی کو بیہودہ بات کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ چند دن کے اندر اندر میری اس کی خاصی دوستی ہو گئی وہ بڑا منطقی تھا۔ کسی دلیل یا ثبوت کے بغیر کوئی بات تسلیم نہ کرتا۔ ان دو آدمیوں کی گمشدگی سے متعلق نیا کوٹ میں جتنی افواہیں گشت کر رہی تھیں ۔ وہ سب کی سب سرائے میں بار بار دہرائی گئیں۔ لیکن مجسٹریٹ نے ہر بار انہیں بکواس اور جھوٹ کہہ کر ٹال دیا۔ میں نے بار بار اسے ان افواہوں پر بحث کرنے پر آمادہ کرنا چاہا لیکن وہ فوراً گفتگو کا رخ سیاست' اقتصادیات اور مذہب وغیرہ کی طرف پھیر دیتا۔ آخر میں اس نے اس موضوع پر کلام کرنا ہی چھوڑ دیا۔ کیونکہ نیا کوٹ میں اس مجسٹریٹ کی نہایت عزت تھی۔ اس لیے گاؤں کے لوگ بھی اس کا قریبی دوست سمجھ کر احترام سے پیش آنے لگے۔

یکا یک افواہ اڑی کہ ایک اور آدمی نہایت پراسرار طور پر گم ہو گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ گم ہونے والا شخص گاؤں کا ایک معمولی دکاندار ہے۔ یہ بدنصیب آدمی سورج غروب ہونے کے بعد سامان لے کر گاؤں میں آرہا تھا کہ جنگل کے قریب یک لخت غائب ہو گیا اس کے غائب ہو

جانے کا پتہ یوں چلا کہ اگلے روز جب اس کی دکان خلاف معمول نہ کھلی تو لوگوں کو تشویش ہوئی۔ اس کے گھر کچھ لوگ گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ دکاندار سامان خریدنے شہر گیا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا۔ مزید تفتیش کی گئی تو کچھ لوگ ایسے مل گئے جنہوں نے گزشتہ روز شام کے وقت دکاندار کو اس جنگل میں چلتے دیکھا تھا۔ گاؤں کے ایک اور آدمی کا بیان تھا کہ اس نے سورج غروب ہونے کے کچھ دیر بعد گولی چلنے کی آواز بھی سنی تھی۔

پولیس کے ہیڈ کانسٹیبل اور گاؤں کے چودھری کا خیال تھا کہ یہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ دکاندار شہر میں کہیں ٹھہر گیا ہوگا اور ایک آدھ دن بعد واپس آجائے گا۔ لیکن جب پورا ایک ہفتہ گزر گیا اور دکاندار واپس نہیں آیا تو پولیس کو یقین ہوگیا کہ معاملہ خراب ہے۔ خود میرا اندازہ یہی تھا کہ جنگل میں فائر کیا جانا بے معنی نہیں ہوسکتا۔ اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ گاؤں کا چودھری اور ہیڈ کانسٹیبل ایک روز مجھ سے ملنے آئے اور دکاندار کو تلاش کرنے کی مہم میں شامل ہونے کی درخواست کی۔ بھلا مجھے کیا عذر ہوسکتا تھا۔ اس وقت ایک کھوجی پارٹی وجود میں آئی اور ہم دوکاندار کی جستجو میں جنگل کی طرف روانہ ہوئے۔ مسٹر جیمس بھی اس پارٹی میں شامل تھے۔ جب ہم نیا کوٹ کے علاقے میں آئے تھے۔ ہم نے جنگل اور پہاڑی کا چپہ چپہ چھان مارا تھا اور کوئی گوشہ ہماری نگاہوں سے بچا ہوا نہ تھا۔

میں اور مسٹر جیمس سب سے آگے تھے اور ہمارے پیچھے دیہاتیوں کی ٹولی ڈری سہمی سہمی آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہم اس تنگ کچی پگڈنڈی پر ہولیے جو گاؤں کو شہر سے ملاتی تھی اور جس کے نزدیک ہی وہ پہاڑی تھی جس پر پہلے دو آدمی غائب ہوئے تھے۔ میں نے جیمس سے کہہ دیا تھا کہ آدمیوں کی گمشدگی کا راز بہر حال اس پہاڑی کے اندر پوشیدہ ہے اس لیے ہمیں پوری توجہ اسی پر دینی چاہیے۔

دفعتہً جیمس کے حلق سے گھٹی گھٹی سے چیخ نکلی اور اس کی انگلیاں میرے بازو میں پیوست ہوگئیں۔ میں رک گیا اور پوچھا کیا بات ہے؟ تب جیمس اس پہاڑی کے دامن میں اگی ہوئی گھنی جھاڑیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''میں نے ابھی ان جھاڑیوں میں کسی شے کو حرکت کرتے دیکھا ہے۔''

''کون تھا وہ......کوئی آدمی؟''

''ہاں۔ آدمی ہی تھا اور یقیناً وہ مجھے یہاں آتے دیکھ کر کہیں چھپ گیا ہے۔''

میں نے اپنے پیچھے آنے والے دیہاتیوں کو رکنے کا اشارہ کیا۔ پھر میں جیمس کو ساتھ لے کر جھاڑیوں کی طرف چلا۔ یہ جھاڑیاں چھ فٹ اونچی اور نہایت گھنی تھیں۔ ان میں سے کسی شخص کا راستہ بنا کر گزر جانا ممکن نہ تھا۔ یوں بھی ان میں دو دو انچ لمبے نوکیلے کانٹے اگے ہوئے

تھے۔ میں نے نہایت غور سے جھاڑیوں کا معائنہ کیا۔ ایک مقام پر محسوس ہوا۔ جیسے یہاں سے جھاڑیاں روندی گئی ہیں۔ ہم نے جھانک کر دیکھا تو ایک چھوٹا سا گڑھا نظر آیا۔

''معلوم ہوتا ہے یہ کسی لومڑی کا بھٹ ہے۔'' میں نے جیمس سے کہا۔ ''تم نے اسی جانور کو دیکھا ہوگا۔''

''ممکن ہے وہ لومڑی ہی ہو...... بہر حال معلوم ہوا جاتا ہے کہ کیا قصہ ہے۔ ذرا پہاڑی کے اوپر تو چلو۔ اگر وہ کوئی آدمی تھا تو زیادہ دور نہ جاسکا ہوگا۔ ہر صورت میں دیکھائی دے جائے گا۔''

جیمس کے اس مشورے میں مجھے وزن محسوس ہوا۔ چنانچہ ہم سرعت سے پہاڑی پر چڑھنے لگے چوٹی تک پہنچنے کیلئے ہمیں خاصی صعوبت برداشت کرنی پڑی۔ یہاں بھی جا بجا جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ اتنی گھنی نہ تھیں۔ ایک مقام پر نہایت اونچا درخت نظر آیا۔ جیمس اس کے تنے کا غور سے معائنہ کرنے لگا۔ پھر چیخ کر بولا۔

''جلدی سے یہاں آؤ......''

''میں دوڑتا ہوا ادھر گیا۔ میں نے دیکھا کہ تنے پر گولی کا نشان ہے۔ بلاشبہ رائفل کی گولی اس تنے کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ میں نے اندازہ کیا کہ یہ نشان درخت کی جڑ سے تقریباً ایک فٹ اونچائی پر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کسی نے رائفل چلائی۔ لیٹ کر چلائی ہوگی۔ جیمس ایک ماہر سراغرساں کی طرح کبھی گھٹنوں کے بل جھک کر اس نشان کا معائنہ کررہا تھا پھر وہ درخت کے پیچھے اس انداز میں کھڑا ہوا کہ مجھے اس کا صرف آدھا جسم نظر آ رہا تھا۔''

''لیجئے جناب! ایک اور چیز دیکھئے۔ اس نے پکار کر کہا۔ میں جلدی سے ادھر گیا تو اس نے درخت کی جڑ کے نزدیک ایک سیاہی مائل سرخ دھبا دکھاتے ہوئے کہا۔''

''یہ خون کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر یہ کیا عجیب ہے۔''

جمے ہوئے خون کے اس دھبے کے ساتھ ہی سفید سفید سی کوئی چیز جڑ سے چمٹی ہوئی تھی۔ میں نے انگلی سے چھوا تو یہ چیز میری انگلی سے چمٹ گئی۔ میں نے سونگھا تو عجیب سی بدبو آئی۔ بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

''یہ تو بھیجے کی بو ہے...... لیکن یہاں اتنا ہی سا ٹکڑا کیوں چپکا رہ گیا۔ باقی کہاں ہے اس کے علاوہ یہ بات بھی حیران کن ہے کہ اس معمولی دھبے کے سوا کہیں خون کا نشان موجود نہیں۔ بہر حال یہ بات ثابت ہے کہ نہایت بھیانک جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔''

جیمس کی پیشانی پر گہری غور وفکر کی لکیریں ابھری ہوئی تھیں۔ وہ پلک جھپکے بغیر

درخت کے تنے کو گھور رہا تھا۔ پھر وہ شکاری کتے کی طرح کہیں کہیں سے زمین اور تنے کو سونگنے لگا۔ آخر اس نے نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''تمہاری بات درست ہے...... قتل کی واردات ہوئی ہے لیکن لاش گھسیٹی نہیں گئی۔''

''مگر میرے دوست! سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قتل ہوا ہے تو خون کی بڑی مقدار یہاں موجود ہونی چاہیے ایک ہی دھبہ کیوں ہے۔''

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خون کے باقی دھبے مٹا دیئے گئے ہیں۔''

''ہاں! یہ ممکن ہے۔'' میں نے اعتراف کیا۔

اتنی دیر میں ہمارے ساتھی بھی وہاں آ پہنچے اور انہوں نے بھی اس دھبے اور بھیجے کے ٹکڑے کو باری باری دیکھا سب کے چہروں پر موت کی زردی پھیلی ہوئی تھی۔ گاؤں کا چودھری ہیڈ کانسٹیبل بھی دہشت زدہ تھے۔ پولیس والے نے اپنی ڈائری میں اس واقعہ کا اندراج کیا اور پھر ہم سب لوگ خاموشی سے گاؤں میں چلے آئے۔ جیمس کہنے لگا۔

''پہلے میرا خیال تھا کہ وہ آدمی جو پہلے غائب ہوئے تھے اپنی مرضی سے کہیں چلے گئے ہیں۔ لیکن اب مجھے یہ خیال بدلنا پڑے گا۔''

اسی روز شام کو سرائے میں مجسٹریٹ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ساری داستان سنائی سب کچھ سن کر وہ کہنے لگا۔

''ان حالات کو دیکھتے ہوئے میرے لیے یہ تسلیم کرنا مشکل ہے کہ یہ قتل کی واردات ہے۔ خون کا وہ دھبہ پرانا بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خون بھی جانور کا ہو اور بھیجا بھی۔ جب تک اس کا تجزیہ نہ ہو جائے کسی فیصلے پر نہیں پہنچنا چاہیے۔''

نیا کوٹ میں اس نئی دریافت سے نہایت سنسنی پھیلی۔ ہر شخص کہہ رہا تھا کہ یہ ضرور کسی شیطانی بلا کا کام ہے۔ کوئی بدروح کسی چیتے یا بھیڑیئے کے جسم میں حلول کر گئی ہے جو اکا دکا آدمیوں پر حملے کر کے انہیں مار ڈالتی ہے اور لاشوں کو یوں غائب کر دیتی ہے کہ کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس قسم کی باتیں کرنے میں سب سے زیادہ حصہ نوجوان حمیدو نے لیا۔ وہ جنگل کے چوکیدار کا لڑکا تھا۔ اور پھیری پر ہرن کا گوشت بیچتا تھا۔ وہ جنگل سے ہرن کا شکار کر کے لاتا اور چونکہ اس کا باپ جنگل کا محافظ تھا۔ اس لیے حمیدو کو شکار کیلئے کچھ زیادہ تگ و دو نہ کرنا پڑتی۔ بہت جلد ایسا ہوا کہ اس جنگل میں ہرنوں کی تعداد کم ہونے لگی۔ کسی شخص نے بڑے افسروں تک یہ حالات پہنچا دیئے۔ وہاں سے حکم آیا کہ آئندہ کسی شخص کو جنگل میں ہرن کا شکار کھیلنے کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ حکم سن کر حمیدو بالکل پریشان نہ ہوا۔ وہ نہایت پھرتیلا اور مضبوط نوجوان تھا۔ روزانہ بیس تیس میل پیدل چلنا اس کے لیے بچوں کا کھیل تھا۔ اب وہ نیا کوٹ کے اس جنگل

میں نہ جاتا۔ بلکہ آس پاس کے دوسرے جنگلوں میں پھرا کرتا۔ کبھی کبھار گاؤں میں دکھائی دیتا۔ میں نے اس نوجوان کو کئی بار دیکھا تھا اور سمجھا تھا کہ اس کے مضبوط اور گٹھیلے جسم میں ایک وحشی روح چھپی ہوئی ہے۔

مسٹر جیمس کو حمیدو سے خواہ مخواہ نفرت تھی۔ وہ کہتا تھا کہ یہ نوجوان نہایت خطرناک ہے۔ اور اسے آدمیوں میں شمار کرنا حماقت ہے۔ جب آدمیوں کے غائب ہونے کی وارداتیں شروع ہوئیں تو حمیدو ان دنوں نیا کوٹ میں آ گیا تھا۔ اس نے طرح طرح کے من گھڑت قصے سنا سنا کر لوگوں کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ کوئی شخص بھی سورج غروب ہونے کے بعد گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ البتہ گاؤں کا گڈریا ہی ایسا آدمی تھا جسے دنیا کی کوئی طاقت خوفزدہ نہیں کر سکتی تھی۔''

وہ ہنس کر کہتا۔

''جو لوگ بدروحوں سے ڈرتے ہیں اور ان سے دور بھاگتے ہیں وہ ازلی بزدل ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی ڈرنے کی چیزیں ہیں۔ ان سے تو یاری گانٹھنی چاہیے۔ میں نے سنا ہے کہ بدروحیں جب کسی کی دوست بن جائیں تو اسے زمین میں چھپے ہوئے دفینے نکال کر دیتی ہیں۔''

گاؤں کے چودھری اور پولیس کانسٹیبل نے بھی کئی بار گڈریے کو سمجھایا کہ وہ جنگل اور پہاڑوں میں گھومنا پھرنا بند کر دے۔ مگر وہ باز نہ آیا اور آخر ایک دن یہ خبر وحشت اثر سنائی دی کہ گڈریا بھی غائب ہے۔

گڈریے کا یوں گم ہو جانا معمولی بات نہیں تھی۔ گاؤں میں ماتم برپا ہو گیا۔ ہر شخص اس سے محبت کرتا تھا اور کوئی بھی اس کا دشمن نہ تھا۔ مجھے تو بے حد افسوس ہوا کیونکہ وہ بیچارہ کبھی کبھی میرے پاس بھی آ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اور عجیب عجیب باتیں کرتا جن میں مکاری اور عیاری کا کوئی شائبہ نہ ہوتا۔

اس روز میں نے جی میں ٹھان لیا کہ ان وارداتوں کا سراغ لگا کر ہی رہوں گا۔ خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ میں نے جیمس سے ذکر کیا تو وہ بھی میرا ساتھ دینے کیلئے تیار ہو گیا۔ صفارہ کو جب ہمارے ارادوں کا پتہ چلا تو وہ سخت پریشان ہوئی۔ اس کا سرخ و سفید چہرہ ایک دم ہلدی کی مانند زرد پڑ گیا۔ ہونٹ کپکپانے لگے۔ اس نے جلدی سے اپنے شوہر جیمس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔

''کیا تم لوگ بھی دیوانے ہو گئے ہو خواہ مخواہ اپنی جان دینے کے درپے۔''

''صفارہ! تم زیادہ فکر نہ کرو۔ خدا نے چاہا تو کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔''

جیمس نے کہا۔

میں نے بھی صفارہ کو سمجھایا کہ اس وقت ہمارا فرض یہی ہے کہ ان وارداتوں کے اصل مجرم کو گرفتار کرانے میں پولیس کی مدد کریں۔ بدروحیں نہ کسی کو قتل کرتی ہیں اور نہ لاشیں غائب کرتی ہیں۔ یہ ضرور کسی چالاک مجرم کا کام ہے۔ صفارہ نے ہماری ان باتوں کا کوئی جواب نہ دیا اور روٹھ کر ایک طرف چلی گئی۔ اس وقت مجھے اس کی آنکھوں میں پہلے سے زیادہ چمک نظر آئی۔ جیمس بھی کسی فکر میں گم ہو گیا۔

اب ہم نے اس خطرناک مہم کو سر کرنے کی تمام تیاریاں مکمل کر ڈالیں۔ ان تیاریوں میں دو باتوں پر زیادہ زور دیا گیا تھا۔ ایک یہ کہ اندھیرے میں صحیح نشانہ لگانے کی مشق پختہ ہو جائے اور دوسری یہ کہ رات کو نیند ہرگز نہ آئے۔ اس دوران میں جیمس نے کہا کہ اگر ہم اکٹھے پہاڑی پر گئے تو ممکن ہے ہم دونوں بیک وقت اس پراسرار قاتل کے ہتھے چڑھ جائیں۔ اس لیے زیادہ مناسب ہے کہ باری باری وہاں جائیں۔ طریقہ کار یہ رہے گا کہ ہم میں سے ایک شخص سورج چھپنے سے کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے پہاڑی کے قریب کسی محفوظ مقام پر چھپ جائے اور دوسرا شخص سورج چھپنے کے فوراً بعد پہاڑی پر نمودار ہو۔ اور خود کو چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ وہ اس طرح چلے پھرے جیسے تفریح کر رہا ہے۔ جب اندھیرا گہرا ہو جائے تو وہ پہاڑی سے اترے۔ اور اس پگڈنڈی پر مزے سے چلنے لگے جو گاؤں کو جاتی ہے۔ اس دوران میں پہلا شخص برابر اپنی ساتھی کی کڑی نگرانی رکھے۔ اور جھاڑیوں پر ہی نظریں جمائے رہے۔ اسے اتنا چست رہنا چاہیے کہ جونہی معمولی سی آہٹ پائے یا کسی کو دیکھے فوراً فائر کر دیئے۔

میں نے جیمس کی اس تدبیر پر غور کیا تو اسے بہت عمدہ اور قابل عمل پایا۔ تاہم میں نے اس میں اتنا اضافہ اور کر دیا کہ اگر ہم میں سے کسی کو کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو مختلف راستوں سے گاؤں کو واپس آئیں گے۔ اس کے علاوہ اندھیری راتوں میں جانا ٹھیک نہ ہوگا۔ بلکہ چاندنی راتوں کا انتظار کر لیا جائے۔

قصہ مختصر' چاند کی چودھویں رات تھی کہ ہم نے اپنی مہم کا آغاز کر دیا۔ سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے جیمس پہاڑی کی طرف چلا۔ نگرانی کی باری اس کی تھی اور مجھے اس پراسرار قاتل کا شکار بننا تھا۔ جیمس جب سرائے سے نکلا تو اس کی بیوی صفارہ کا جسم خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ گزشتہ ایک ہفتے سے مجھے اور جیمس کو سمجھاتے سمجھاتے عاجز آ گئی تھی کہ اس مہم پر جانے کا خیال ترک کر دیں۔ مگر ہمیں بھی ضد ہو گئی تھی۔ جیمس نے اپنی بیوی کی حالت دیکھی اور مسکرا کر صرف اتنا کہا۔

''دیکھو صفارہ! تم ایک بہادر آدمی کی بیوی ہو۔ ان آنسوؤں کو پی جاؤ۔ اگر میری موت کا وقت آ گیا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے بچا نہیں سکتی اور اگر وقت نہیں آیا ہے تو کوئی

بھی مجھے مار نہیں سکتا۔''

جیمس کے ان الفاظ نے عورت پر جادو کا اثر کیا اور وہ روتے روتے یک لخت کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

جب میں پہاڑی کے قریب پہنچا تو سورج مغرب کے دامن میں اتر چکا تھا اور کوئی دم میں نظروں سے اوجھل ہونے والا تھا۔ میں سگار کے کش لگاتا اور چھڑی گھماتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ پہاڑی پر چڑھتے ہوئے میں دزدیدہ نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھتا بھی جاتا تھا۔ میرے کوٹ کی جیب میں نو گولیوں سے بھرا ہوا ریوالور موجود تھا۔ اور مجھے یقین تھا کہ میرا نشانہ خالی نہ جائے گا۔

سورج غروب ہونے کے بعد کچھ دیر تک میں پہاڑی میں موجود رہا۔ پھر نیا سگار جلا کر تیزی سے نیچے اترا اور مدھم سروں میں ایک مشہور گیت گاتا ہوا۔ گاؤں کو جانے والی پگڈنڈی پر ہو لیا۔ جنگل میں پرندوں کی آوازوں سے ایک حشر برپا تھا۔ کہیں لومڑیاں چیخ رہی تھیں اور کہیں گیدڑ ہاؤ ہو کر رہے تھے۔ ایک دو مرتبہ میں نے دور سے بھیڑیوں کو بھی دیکھا جو جھاڑیوں کو سونگھتے پھر رہے تھے۔

چند لمحے بعد مشرق کی جانب سے ایک چمکدار سنہری تھال ابھرنا شروع ہوا۔ یہ چودھویں کا چاند تھا۔ میں نے اپنی رفتار سست کر دی اور چاندنی سے لطف اندوز ہونے لگا۔ میں جانتا تھا کہ جیمس میرے عقب میں کچھ فاصلے پر موجود ہے اور خطرے کی صورت میں اس کا نشانہ بھی خطا نہ ہوگا ڈیڑھ گھنٹے کی سیر کے بعد میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا گاؤں میں پہنچ گیا اور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا۔

دوسرے روز جب میں ناشتہ کر کے جیمس کے کمرے میں گیا تو وہ ابھی تک بستر پر بے سدھ پڑا تھا۔ میں نے صفارہ کو منع کر دیا کہ جگانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے دیکھا کہ صفارہ کی آنکھیں بھی سرخ ہیں۔ یقیناً یہ عورت رات بھر جاگی ہے۔ میں دیر تک بیٹھا صفارہ سے باتیں کرتا رہا۔ جیمس نے اس دوران میں کروٹ تک نہ لی۔ جب میں رخصت ہونے لگا تو صفارہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور خوشامد سے کہنے لگی۔

''ڈاکٹر! میرا شوہر نہایت ضدی ہے اسے راہ پر لانا بے کار ہے۔ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اس کا خیال رکھنا۔ اگر جیمس دنیا میں نہ رہا تو میرا جینا بھی محال ہوگا۔''

میں نے صفارہ کو یقین دلایا کہ جیمس کو آسانی سے مرنے نہ دوں گا۔

اس رات شکار بننے کی باری جیمس کی تھی۔ حسب قاعدہ میں سہ پہر کے فوراً بعد پہاڑی کے قریب پہنچ گیا۔ اتفاق سے میری نظر اس درخت پر پڑی۔ جس پر خون کا دھبہ اور

پیچے کا ٹکڑا چپکا ہوا تھا۔ اس درخت کی شاخیں خاصی گھنی تھیں۔ میں جلدی سے درخت پر چڑھ گیا۔ یہاں سے دور تک کا منظر میرے سامنے تھا۔ میں اس مرتبہ ریوالور کے علاوہ اعشاریہ کی رائفل اور طاقتور برقی ٹارچ بھی لے کر آیا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی خاصی دیر تھی جنگل اور پہاڑی پر ہیبت ناک سناٹا طاری تھا کبھی کبھی تین چار افراد کی ٹولی تیز تیز قدم چلتی ہوئی ادھر سے گزر جاتی۔ جب اندھیرا پھیلنے لگا اور درختوں کے سائے آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے۔ تب میں نے جیمس کو دیکھا کہ بے فکری سے جھومتا جھامتا آرہا ہے۔ وہ سیٹی پر کوئی دھن بجا رہا تھا۔ میں نے رائفل کے دستے پر انگلیاں گاڑھ دیں اور جیمس کو نگاہ کے دائرے میں قید کرلیا۔

چاند ابھی نہیں نکلا تھا۔ البتہ مشرقی افق پر روشنی کی تیز کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ دفعتہً دائیں ہاتھ پر درختوں کے ایک وسیع جھنڈ میں سے ایسی آواز بلند ہوئی کہ میرا کلیجہ حلق میں آ گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے کوئی مصیبت زدہ عورت چلائی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھے درخت سے اترنے کی جرات بھی نہ ہوئی۔ چند لمحے بعد وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ تب مجھے یاد آیا کہ یہ تو اس پرندے کی آواز ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ انسانی بھیجا ہڑپ کرنے کا بڑا شوقین ہے۔ لوگوں میں اس کے بارے میں عجیب قسم کی داستانیں مشہور ہیں کہا جاتا ہے کہ ان علاقوں میں یہ پرندہ کثرت سے ہے۔ ان کی چونچ نہایت تیز اور لوہے کی مانند سخت ہوتی ہے اپنے شکار پر عقب سے زبردست حملہ کرتا ہے اور اس طرح چونچ مارتا ہے کہ کھوپڑی میں گہرا سوراخ ہو جاتا ہے۔ انسان اس زخم کی تاب نہیں لاسکتا اور وہیں ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ پرندہ مزے سے اس کا بھیجا ہڑپ کرتا ہے۔ اور اڑ جاتا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کہانی میں صداقت کہاں تک ہے تاہم مجھے یہ کہنے میں شرم محسوس نہیں ہوتی کہ اس آواز نے میرے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ یوں معلوم ہوا جیسے کوئی لمحہ جاتا ہے۔ میرا بھیجا بھی ندارد ہوگا۔

دوسری مرتبہ آواز سنتے ہی میں نے درختوں کے جھنڈ کی طرف رائفل کی نال پھیر دی۔ اور غور سے دیکھنے لگا اس وقت میرے دل کی دھڑکن بہت تیز ہوگئی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس جھنڈ میں سفید سفید سی روشنی ہو رہی ہے۔ جو کبھی نظر آتی ہے اور کبھی اوجھل ہو جاتی ہے۔ کبھی آگے بڑھتی ہے کبھی پیچھے ہٹتی ہے۔

میں اس وقت جیمس کو قطعی فراموش کر چکا تھا کچھ کہہ نہیں سکتا تھا کہ فریب نظر تھا کہ واقعی وہاں کوئی چیز تھی۔ بہر حال میری آنکھوں نے ایک سفید انسانی ہیولے کو وہاں رقص کرتے دیکھا۔ اچانک روشنی غائب ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی ہیولا بھی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ پھر میں نے جیمس کے گانے کی آواز سنی۔ وہ پہاڑی پر چڑھ رہا تھا۔ پھر وہ بہت دیر تک سگار جلا جلا

کر کش لگاتا اور ٹہلتا رہا۔ مگر کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔ آدھی رات کے لگ بھگ جبکہ چاند کی تیز روشنی میں دور دور کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اور ہوا کے سرد جھونکے چلنے لگے تھے۔ جیمس پہاڑی سے اترا اور گاؤں کو جانے والی پگڈنڈی پر ہولیا۔ میں اس کے پیچھے گاؤں تک گیا۔

اگلے روز میں بستر میں لیٹا آرام کررہا تھا کہ جیمس میرے پاس آیا۔ تب میں نے آواز روشنی اور ہیولے کا ذکر کیا۔ اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

”میرے بھولے بھالے دوست ! یہ سب تمہارا وہم ہے۔ وہاں ضرور جگنو چمک رہے ہوں گے۔ اور جہاں تک آواز کا تعلق ہے تو سمجھ لو کہ اس جنگل میں بہت سے پرندے ایسے ہیں جن کی آوازیں ہم نے ابھی تک نہیں سنی ہوں گی۔“

میں بھلا اس سر پھرے شخص سے کیا بحث کرتا۔ خاموش ہو رہا۔

اس رات شکار بننے کی باری میری تھی۔ پہاڑی کے قریب جا کر میں نے اس جھنڈ کی طرف دیکھا اور وہیں رک گیا۔ یہ جگنوؤں کی چمک تو ہرگز نہ تھی۔ اب وہ انسانی ہیولا بھی صاف نظر آتا تھا۔ کوئی واضح اور پھرتی ہوئی چیز تھی۔ جو مسلسل آگے پیچھے حرکت کر رہی تھی۔ میں نے سیٹی بجا کر جیمس کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً جھاڑیوں میں سے نکلا اور تقریباً دوڑتا ہوا اس جھنڈ کی طرف گیا میں اس کے تعاقب میں تھا جیمس کے ہاتھ میں رائفل تھی اور میں نے اپنا ریوالور تان رکھا تھا۔

جھنڈ کے نزدیک پہنچ کر میں ایک پتھر کے پیچھے چھپ گیا اور جیمس ایک جھاڑی کی اوٹ میں کھڑا رہا۔ پھر وہ میرے پاس آیا اور دبے لہجے میں بولا۔

”مگر میں نے کچھ کہنا چاہا مگر جیمس نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ جھنڈ میں وہ انسانی ہیولا ابھی تک حرکت کررہا تھا۔ اب میں نے بھی دیکھا کہ اس کے بدن پر سفید لمبا لبادہ ہے۔ جس کا دامن ہوا سے اڑ رہا ہے۔ اتنے میں جیمس نے ایک...... دو...... تین کہا اور میں نے ٹارچ کا بٹن دبا دیا۔ روشنی کی ایک تیز لکیر جھنڈ تک گئی اور وہ پراسرار انسانی ہیولا اپنے پورے خدوخال سمیت ہمارے سامنے تھا۔ کوشش کے باوجود میں اپنی چیخ نہ روک سکا۔ ادھر جیمس پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چلایا۔“

”خدا کی پناہ...... صفارہ...... تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“

صفارہ نے قریب آ کر کہا۔

”میں تو ہر رات تمہارے پیچھے یہاں تک آتی ہوں۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔“

”میں آپ کی جرات اور حوصلے کی داد دیتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”یقین کیجئے اس وقت خدا نے آپ کو بچایا ہے۔ ورنہ جیمس آپ پر فائر کرنے ہی والا تھا۔“

''آؤ چلو...... خبردار آئندہ کبھی ایسی حماقت نہ کرنا۔'' جیمس نے کرخت لہجے میں کہا اور صفارہ کا بازو پکڑ کر گھسیٹتا ہوا پہاڑی سے اترنے لگا۔

قاعدے کے مطابق ہمیں الگ الگ راستوں سے گاؤں میں داخل ہونا چاہیے تھا چنانچہ میں ان دونوں کو چھوڑ کر پہاڑی کی طرف لوٹا اور دوسری پگڈنڈی پر آیا ہی تھا کہ اپنے عقب میں کسی کے چلنے کی آہٹ سی سنی۔ میں نے فوراً مڑ کر دیکھا۔ پھر اتنا نظر آیا کہ کوئی پھرتیلا آدمی جھاڑیوں میں گھسا ہے۔ میں نے ریوالور سنبھالا اور دبے پاؤں جھاڑیوں کی طرف بڑھا۔ ایک ایک کر کے تمام جھاڑیاں دیکھ لیں...... مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ یہ موقع ایسا نہ تھا کہ میں اپنا وہم یا فریب نظر سمجھ کر ٹال جاتا۔ میں نے خود اپنی آنکھ سے ایک لمبے تڑنگے آدمی کو چھلانگ لگا کر جھاڑیوں میں گھستے دیکھا تھا۔ میں نے للکار کر کہا۔

'' جو شخص بھی جھاڑیوں میں چھپا ہے فوراً باہر آ جائے' ورنہ میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

میں نے کئی مرتبہ یہ اعلان کیا' مگر بے سود' کسی نے جواب نہ دیا۔

جب واپس آ کر میں نے جیمس کو یہ قصہ سنایا تو وہ آنکھیں بند کر کے سوچ میں گم ہو گیا پھر کہنے لگا۔

''گزشتہ تین دنوں میں ہم نے گاؤں میں مشہور کر دیا ہے کہ ہم اس پراسرار بلا کو گرفتار کرنے کے درپے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے۔ وہ ''بلا'' محتاط ہو گئی ہو اور اب تمہاری اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں کوئی جانور نہیں تھا۔ بہرحال جو کوئی بھی ہے ہم سے بچ کر کہاں جائے گا...... ہم اسے کل رات تک ضرور گرفتار کر لیں گے۔''

جب میں سونے کیلئے بستر پر لیٹا تو میرے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لینے لگے۔ جیمس کا یہ کہنا کہ ہم اسے کل رات ضرور گرفتار کر لیں گے۔ یقیناً کوئی معنی رکھتا ہے۔ کیا اسے اس بلا کا پتہ چل گیا ہے۔ ممکن ہے اس کی بیوی صفارہ بھی اس بھید سے آگاہ ہو چکی ہو۔ کتنی بے وقوف عورت ہے کہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے درختوں کے جھنڈ تک پہنچ گئی۔ بھلا وہ وہاں کیا کر رہی تھی۔ اس قسم کے ہزاروں سوال میرے ذہن میں رقص کرنے لگے۔

اگلے روز صبح ناشتے کے بعد میں نے دیکھا کہ نوجوان حمیدو سرائے کے ہال کمرے میں مجمع لگائے ہوئے ہے۔ گاؤں کے سبھی نوجوان' توہم پرست بڈھے اور بوڑھی عورتیں اسے یوں گھیرے بیٹھے تھیں۔ جیسے وہ ان کیلئے نہایت قابل احترام ہستی ہو۔ حمیدو نے دیکھا تو اس کے لبوں پر ایک تحقیر آمیز تبسم نموار ہوا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا۔

''کیوں صاحب! آپ کچھ بیمار نظر آتے ہیں۔ نصیب دشمناں طبیعت علیل ہے۔''

اس کے یوں مضحکہ اڑانے پر مجھے تاؤ تو بہت آیا' مگر ہنگامہ کھڑا کرنے سے فائدہ کچھ نہ تھا۔ میں نے اس کی بکواس کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔

''میں بیمار تو نہیں ہوں۔ کام کی زیادتی کے باعث تھک سا گیا ہوں۔''

''جناب! گستاخی معاف' جو کام آپ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ وہ آپ کے بس کا نہیں ہے۔ یہ بدروحیں کسی کے قابو میں نہیں آتیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی قیمتی جان گنوا دیں۔''

یہ سن کر کچھ جوان ہنسے میں نے غصہ کر لیا۔

''حمیدو! تم حد سے بڑھ رہے ہو۔ مجھے یہ باتیں پسند نہیں۔''

وہ شرمندہ ہو کر پلکیں جھپکانے لگا...... پھر میں نے جاتے جاتے کہا۔

تم نے ان بھولے بھولے لوگوں کو بیکار قصے کہانیاں سنا کر ڈرا رکھا ہے۔ ابھی چند دن تک سب کو پتہ چل جائے گا کہ بدروحیں کیا ہوتی ہیں اور انہیں کیونکہ گرفتار کیا جاتا ہے۔

یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا گیا۔ میں نے سنا کہ حمیدو دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''یہ آدمی اور وہ انگریز...... مسٹر جیمس دونوں بالکل پاگل ہیں...... بے وقوف کہیں کے...... یہ دونوں آج کل راتوں کو جنگل میں جاتے ہیں......'' پھر اس نے قہقہہ لگایا۔

''سوال یہ ہے کہ اگر اس انگریز کو کچھ ہو گیا تو اس کی مصری بیوی کون سنبھالے گا۔'' ایک اور نوجوان بولا۔ اس جملے پر خوب قہقہے لگے۔

شام ہوتے ہی میں پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس روز شکار بننے کی باری جیمس کی تھی ابھی میں گاؤں سے باہر نکلا ہی تھا کہ حمیدو سے مڈبھیڑ ہو گئی اس نے بدتمیزی سے سلام کیا اور بولا۔

'' کہیئے سرکار کدھر کے ارادے ہیں۔''

''یونہی ذرا گھومنے جا رہا ہوں۔'' میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔ مجھے اس حمیدو پر سخت طیش آ رہا تھا۔ نہایت نابکار اور بدمعاش آدمی ہے۔ میں اپنے خیالوں میں گم جھاڑیوں سے گزر رہا تھا کہ پیچھے سے میرے کندھے کسی نے مضبوطی سے پکڑ لیے۔ میرے منہ سے چیخ نکلی اور میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی۔ عین اسی وقت پہاڑی کی فضا فائر کے دھماکے سے گونج اٹھی۔ پھر کوئی چیز دھڑام سے نیچے گری۔ اتنے میں جیمس کی آواز میرے کانوں میں آئی۔

''کیا تم صحیح سلامت ہو......''

''ہاں میں ٹھیک ہوں...... مجھ پر حملہ کس نے کیا تھا؟''

''کوئی آدمی تھا...... میں نے اسے بھاگتے دیکھ لیا ہے۔ میرے ساتھ آؤ۔''

جیمس اس وقت وحشی درندہ بنا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ اڑ رہا تھا اور چہرے پر غیظ وغضب کے آثار تھے۔ وہ آپ ہی آپ بڑبڑا رہا تھا۔

''بدمعاش بچ کر نکل گیا...... مگر جائے گا کہاں...... میں تو اسے پاتال سے بھی کھینچ لاؤں گا...... خبیث روح...... راتوں کی نیند حرام کردی تھی اس نے...... اب چھپتا پھرتا ہے......''

جیمس شکاری کتے کی طرح جھاڑیوں کو سونگھتا پھر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ لہولہان ہو رہے تھے۔ اور کپڑے تار تار۔ لیکن اسے کچھ ہوش نہ تھا۔

جیمس...... ہوش میں آؤ...... یہ کیا کر رہے ہو۔

''پاگل تو نہیں ہوگئے۔''

''خاموش...... خاموش......'' وہ میری طرف منہ کر کے دہاڑا۔ ''ادھر آؤ اس گڑھے پر سے شاخیں اور مٹی ہٹاؤ۔''

وہ جھاڑیوں کے اندر کشادہ جگہ پر بنے ہوئے گڑھے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ میں نے سوکھی شاخیں اور مٹی ہٹانی شروع کی۔ وہ بھی اس کام میں میری مدد کرنے لگا۔ جب ہم نے گڑھے کا منہ خاصا فراخ کردیا۔ تب وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اس کے اندر کود گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک تاریک غار میں پایا۔ ابھی میں ٹارچ روشن کرنے بھی نہ پایا تھا کہ غار میں فائر کی آواز گونجی۔ میں نے فوراً ٹارچ روشن کی' کیا دیکھتا ہوں کہ جیمس کے قریب ہی کوئی آدمی اوندھے منہ پڑا ہے۔ اس آدمی کے دائیں ہاتھ میں ریوالور اور بائیں ہاتھ میں سوراخ کرنے والے برمے کی طرح کا کوئی عجیب سا ہتھیار تھا۔

''اسے سیدھا کرو۔'' جیمس نے مجھ سے کہا اور جونہی میں نے اسے سیدھا کیا اور اس کے چہرے پر روشنی ڈالی میں بے اختیار چیخ اٹھا۔

وہ مر چکا تھا۔ جیمس نے اس کی کھوپڑی میں سوراخ کردیا تھا۔ اب ہم نے غار کا معائنہ کیا۔ ایک جانب دیوار کے ساتھ ایک اور گڑھا نظر آیا۔ یہ دراصل ایک قسم کا تہہ خانہ سا تھا۔ ہم اس گڑھے میں اترے اور ٹارچ کی رہنمائی میں تقریباً پندرہ منٹ تک چلتے رہے۔ ہم ایک تنگ سرنگ میں سے گزر رہے تھے۔ سرنگ ختم ہوئی تو ہم نے اپنے آپ کو پتھر کے بنے ہوئے ایک کشادہ کمرے میں پایا۔ جس کی فضاء نہایت گرم تھی۔ ایک گوشے میں پتھر کا چولہا بنا ہوا تھا۔ جس میں موٹے موٹے کندے سلگ رہے تھے۔ قریب ہی ایک اچھی رائفل پڑی تھی۔ رائفل کے ساتھ ہی چوکور پتھر پر بہت سے کارتوس' تین چار لمبے لمبے شکاری چاقو' ہتھوڑے اور اس قسم کے کئی اوزار پڑے تھے۔ کمرے کے بالکل بیچ میں لکڑی کی ایک بوسیدہ سی میز پڑی تھی۔ اس میز پر دائیں جانب کچے گوشت کا ایک ڈھیر رکھا تھا۔ اس گوشت کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا

اور اس میں سے ہلکی ہلکی سی بدبو اٹھ رہی تھی۔ قریب ہی تیز کی ہوئی چھریاں دھری تھیں۔ پتھر کے ایک بڑے سے پیالے میں سفید سفید سی کوئی چیز نظر آئی۔ جیمس نے چھری سے اس چیز کو اٹھایا اور غور سے دیکھا۔ یہ انسانی بھیجے کا ذخیرہ تھا۔

میرے ذہن پر تاریکی چھانے لگی۔ اور اگر جیمس آگے بڑھ کر مجھے سنبھال نہ لیتا تو میں زمین پر زور سے گرتا۔ تھوڑی دیر میں اوسان بحال ہوئے تو ہم اس منحوس تہہ خانے سے باہر نکلے تازہ ہوا کے جھونکوں نے ہمارے حواس درست کردیئے پھر ہم دوڑتے ہوئے گاؤں کی طرف چلے گئے۔ ہماری حالت بے حد خراب تھی۔

''پھر...... سعید خان نے پوچھا۔''

''بس' اس کے بعد ان وارداتوں کا سلسلہ رک گیا۔''

''مگر بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''جو میں کہنا چاہتا ہوں وہ سمجھو۔''

''پلیز آپ مجھے بتایئے۔''

''مجرم صرف اور صرف حمید و تھا۔''

''وہ تو سامنے آ گیا۔ وہ انسانی بھیجے کھاتا تھا۔''

''جنون' دیوانگی کبھی کبھی انسان کسی حادثے کا شکار ہو کر جنونی ہو جاتا ہے۔ یہ بھی مجھے کسی کا جنون معلوم ہوتا ہے۔''

''لیکن خاص طور سے ماہر سرجنوں اور ڈاکٹروں کو کیوں نشانہ بنایا جا رہا ہے۔''

''ممکن ہے کسی ڈاکٹر کی وجہ سے اس پر یہ جنون طاری ہوا ہو۔''

''اور کٹے ہوئے سر والا......'' ایس ایس پی نے پوچھا۔''

''بس یہی بات ہمیں الجھائے ہوئے ہے۔'' سرجن حیات نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

منگل کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا سر اس کے پاس رکھا ہوا تھا۔ کٹے ہوئے سر کے چہرے پر تمام تاثرات اسی طرح نمایاں ہوتے تھے جس طرح ایک عام انسان کے چہرے پر' اس وقت اس کے چہرے پر غم کے سائے چھائے ہوئے تھے۔ بہت سی سوچوں نے اسے افسردہ کر رکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا اس نے غلطی کی ہے۔ نصیحت کرنے والے تو اسے نصیحت کرتے رہے تھے ان کا کہنا تھا کہ زندگی اتنی دلکش چیز نہیں ہے کہ اس کا دامن ہی نہ چھوڑا جائے موت تو ایک خوبصورت داستان ہے جو آگے بڑھتی ہے۔ زندگی کی کہانی تو بہت ہی مختصر ہوتی ہے۔ اصل کہانی تو موت کے بعد شروع ہوتی ہے مگر دنیا کے رنگ نے منگل کو کچھ اور ہی راستے دکھائے تھے اور وہ سوچتا تھا کہ اگر دولت کا استعمال کھل کر نہ ہو تو ایسی دولت سے فائدہ ہی کیا اور اس کیلئے اس نے زندگی کی ایک طویل جدوجہد کی تھی اور اب جبکہ اسے اس جدوجہد کا صلہ ملا تھا۔ تو وہ زندگی کے حسن سے ہی محروم ہو گیا تھا۔ ہر جتن کر لیا تھا بے شمار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ یہ کام تو ایک ڈاکو کی حیثیت سے وہ پہلے بھی کرتا تھا۔ لیکن اب اس نے جن سرجنوں کو قتل کیا تھا وہ ملک کا سرمایہ تھے ایسے ماہر سرجن برسوں میں تیار ہوتے ہیں۔ اس نے ان کی زندگی چھین لی تھی۔ ساری تفصیلات اس کے سامنے آتی رہیں تھیں۔ ملک بھر میں کہرام مچ گیا تھا۔ پولیس اس سر کٹے کو تلاش کر رہی تھی۔ باگا نے بتایا تھا کہ ہر کلینک پر پورے ملک میں فوج متعین کر دی گئی ہے۔ اور چپے چپے پر اس کی تلاش ہو رہی ہے۔ وہ اس بات کو خاطر میں نہیں لایا تھا۔ بہر حال یہ سب کچھ چل رہا تھا لیکن اسے اس کی منزل نہیں مل رہی تھی۔ اس کے سارے وجود میں ایک گھٹن طاری تھی۔ دولت کے انبار اس کے قدموں کے نیچے تھے لیکن وہ زندگی کی ہر نعمت سے محروم تھا اور اب اس کے اندر آہستہ آہستہ مایوسی اتر رہی تھی یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی اگر یہ ہی سب کچھ تقدیر میں تھا تو پھر اتنی محنت کرنے سے کیا فائدہ۔ افسوس کچھ بھی نہیں کر سکا۔ باگا کو بلایا تھا اس نے باگا اب اس کا سب سے بڑا راز دار تھا۔ اور حقیقت یہ ہے انتہائی وفادار ساتھی تھا۔ ہر طرح سے وہ اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ اور اب وہ بلا روک ٹوک اس کے پاس آ جایا کرتا تھا اس سے ڈرتا بھی نہیں تھا انہی سوچوں میں گم تھا کہ باگا آ گیا۔

منگل نے اس سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ باگا! باہر کی خبریں سناؤ۔"

"جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا صاحب جی پولیس چپے چپے پر لگی ہوئی ہے ہر گاڑی چیک کی جا رہی ہے مگر صاحب جی' وہ آپ کو نہیں پکڑ سکیں گے۔"

"میں تھک گیا ہوں باگا' میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔"

"صاحب جی آپ کے پاس آج میں ایک خاص کام سے آیا ہوں آپ ناراض تو نہیں ہونگے۔"

"نہیں باگا' اب میں نے دنیا سے ناراضگی چھوڑ دی ہے۔"

"صاحب جی یہ ڈاکٹر جو کوششیں کر رہے ہیں نا تو یہ کچھ نہیں کر سکیں گے آپ بغیر سر کے بھی بول سکتے ہو۔ اپنا سر ہاتھ میں لے کر چلتے ہو صاحب جی' اگر یہ سر آپ کسی چیز سے اپنی گردن پر چپکا لو تو کیا فرق پڑے گا۔"

"ایسی کونسی چیز ہے باگا' جس سے یہ سر میری گردن پر چپک جائے۔"

"بس وہی کام میں کر کے لایا ہوں صاحب جی' تجربہ کر رہا تھا تین دن سے میں نے سوچا صاحب جی' میرا مذاق اڑائیں گے یا ناراض ہو جائینگے ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔"

"کیسا تجربہ؟"

"صاحب جی' ایک سریش بنایا ہے میں نے۔ اس سریش سے اور بھی چیزیں خیر بڑی مضبوط چپک جاتی ہیں میں نے بازار سے گوشت خرید کر اس کے دو ٹکڑوں کو آپس میں چپکا کر دیکھا وہ اتنے چپک جاتے ہیں صاحب جی کہ ذرا سی طاقت لگاؤ تب چھوٹتے ہیں آپ صاحب جی' باہر کی دنیا میں تھوڑی بہت دیر کیلئے گھومنے جاؤ گے۔ یہ سریش اپنی گردن پر لگا کر اپنا سر اس سے چپکا کر باہر سے گھوم پھر آؤ۔ واپس آ کر اتار کر رکھ لو صفائی میں کر دوں گا۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لو۔"

منگل سوچ میں ڈوب گیا ایک انسان کی حیثیت سے انسانوں کے درمیان جانے کا شوق اس کے دل میں اب ایک حسرت بن گیا تھا۔ جس طرح سے باگا کہہ رہا تھا کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا۔

"وہ سریش کہاں ہے باگا۔"

"صاحب جی! باہر رکھا ہوا ہے۔ گاڑی میں لے کر آیا تھا اور آج یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ سے بات کر کے ہی رہوں گا۔ آپ دیکھیے تو سہی صاحب جی! ہو سکتا ہے اس طرح آپ کو عارضی طور پر کام کرنے کا موقع مل جائے اور ایک بات اور کہوں صاحب جی' اب آپ

کا گاڑی میں بیٹھ کر اس طرح باہر نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ پولیس ایک ایک چپے پر سر کٹے کی تلاش میں گے۔''

''جاؤ تم وہ سریش لے کر آؤ۔'' منگل نے کہا۔

اور باگا باہر نکل گیا۔ منگل کے ذہن میں عجیب وغریب خیالات آ رہے تھے۔ اس طرح یہ تو کم از کم ہوسکتا کہ تھوڑی بہت دیر کیلئے انسانوں کی حیثیت سے انسانوں کے درمیان پہنچا جا سکے۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ باگا سریش کی بوتل لے آیا۔ اور پھر تجربہ ہونے لگا۔ ایک بڑے سے آئینے کے سامنے بیٹھ کر باگا نے یہ عجیب وغریب کام شروع کردیا۔ یہ بھی کوئی معمولی کام نہیں تھا منگل کی گردن کے اوپر اس کا سر جمانا اور وہ بھی بالکل صحیح انداز میں باگا نے چند منٹ میں اپنا کام کرلیا اور منگل کا سر اس کی گردن پر ٹک گیا کچھ لمحے باگا اس پر پھونکیں مارتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

''اب صاحب جی آپ ایسا کرو گردن جھکاؤ۔''

منگل نے گردن جھکائی لیکن اس کا سر اس کی گردن پر سے نہ گرا تو اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر جاگنے لگی پھر باگا نے کہا۔

''صاحب جی! آپ ادھر ادھر گردن کو جھٹکو۔''

منگل نے اس کی ہدایت پر یہی کیا تو سر ایک طرف سے ہٹ گیا۔ تو باگا نے کہا۔

''ابھی ٹھیک طریقے سے سوکھا نہیں تھا۔ صاحب میں دوبارہ لگائے دیتا ہوں۔''

تھوڑی دیر کے بعد منگل گردن کو جھٹک رہا تھا اور جھکا رہا تھا اور پھر اس نے پر مسرت لہجے میں کہا۔

''یہ تو واقعی چپک گیا ہے باگا۔''

''صاحب جی میں یہ نہیں کہتا کہ یہ مستقل چپکا رہے گا لیکن تھوڑی بہت تو بات بنی ہے۔''

''بہت بات بن گئی باگا بہت بات بن گئی۔''

اور اسکے بعد منگل نے کپڑے پہن لیے وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ باگا بھی خوش تھا اس نے کہا۔

''صاحب جی اب آپ آرام سے گھومو پھرو۔ آپ لباس بدل لو باہر چلتے ہیں۔

باہر کی دنیا منگل کو اتنی حسین لگ رہی تھی کہ وہ الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا تھا۔ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر وہ کھڑکیوں سے باہر جھانک رہا تھا آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ قرب و جوار میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ وہ ساحل پر پہنچے تو منگل نے ساحل کے ساتھ ٹہلتی ہوئی لہروں کو دیکھا

لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے کسی نے اس کی جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ منگل کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ باگا بھی مسکرا رہا تھا منگل خوب گھوما پھرا اور پھر جب رات ہوگئی تو وہ آ کر باگا کے پاس گاڑی میں بیٹھ گیا۔''

''باگا میں نے رات میں باہر کا منظر بہت عرصے سے نہیں دیکھا۔ مجھے پورا شہر گھما دو۔''

رات کو دو یا اڑھائی بجے تک منگل باگا کے ساتھ گھومتا پھرا تھا۔ آج وہ طویل عرصے کے بعد اپنی آنکھوں کا صحیح استعمال کر رہا تھا پھر وہ کوٹھی واپس لوٹ آئے تو منگل نے کہا۔

''اب یہ بتاؤ کیا میں اسے یونہی کاندھوں پر رکھے رکھے سو جاؤں۔''

''صاحب جی' تجربے میں کیا حرج ہے۔''

منگل اپنے بیڈ روم میں پہنچ گیا بے پناہ خوشیاں اس کے سینے میں اتر رہی تھیں۔ زندگی کی تمام رنگینیوں سے اس نے اپنے آپ کو خود ہی دور کرلیا تھا لیکن اب اس کا دل چاہ رہا تھا کہ سب کچھ اس کے پاس ہو۔ ایک حسین محبوبہ سمیت اور اس کیلئے اس کے ذہن میں بہت سے منصوبے آ رہے تھے البتہ صبح کو جب وہ اٹھا تو مسہری پر اس کا سر اس سے خاصے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ گویا اس کا مطلب تھا کہ سر بہت دیر تک نہیں چپکا رہ سکتا تھا۔ لیکن جتنا ہوا اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے باگا کو طلب کرلیا اور پھر اس نے کہا۔

''باگا اب تم میرے ساتھ رہا کرو تمہیں کوئی دقت تو نہیں ہوگی اپنے گھر والوں کے پاس تو تم جب چاہو جا سکتے ہو۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم زیادہ وقت میرے ساتھ ہی گزارو۔''

''ٹھیک ہے صاحب جی' آپ فکر مت کرو۔''

منگل بہت خوش تھا۔ سارا دن خوش رہا شام کو پھر گھومنے نکل گئے۔ تین چار دن اسی طرح گزر گئے۔ پھر اس دن منگل نے ایک بہت ہی حسین لباس پہنا اس نے ایک نائٹ کلب جانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ زندگی کی دلچسپیاں جس طرح بھی ہوں انہیں حاصل کرنا چاہیے ایک ترسا ہوا انسان تھا پیاس ہی پیاس تھی اس کے وجود میں۔ شاندار قیمتی سوٹ' ہیرے کی حسین انگوٹھیاں' بہت نفاست سے اس نے اپنے چہرے کو سنوارا تھا۔ باگا' اس کے ساتھ تھا وہ نائٹ کلب پہنچ گئے۔ نائٹ کلب کی رنگینیاں بے مثال تھیں منگل حالانکہ ایک دیہاتی نوجوان تھا لیکن زندگی میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا اس نے۔ یہ ماحول یہ فضا اس کیلئے اجنبی نہیں تھی باگا باہر گاڑی میں موجود تھا۔ وہ ایک میز کے پاس بیٹھ گیا وہ محسوس کر رہا تھا کہ بہت سی نگاہیں اس پر پڑ رہی ہیں۔ اس کی شخصیت نے لوگوں پر اثر ڈالا تھا۔ اس کے دل میں مسرت کی لہریں اٹھنے لگیں۔ یقیناً اگر اسے

اس بات کا اعتماد ہو جائے کہ زندگی اس طرح گزر سکتی ہے تو پھر کوئی کوفت نہ رہے۔ زندگی میں سوچا تو پتہ نہیں کیا کیا تھا اپنی شخصیت بالکل بدل دے گا۔ پھر بہت بڑے رئیس کی حیثیت سے زندگی گزارے گا۔ سینکڑوں افراد کو اپنے گرد جمع کرے گا۔ جو اس کے ٹکڑوں پر پلیں گے۔ پتہ نہیں کیا کیا تصورات ذہن میں لایا تھا وہ لیکن بات وہی ہوتی ہے کہ آخر کار انسان حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر قناعت کرتا ہے اور جو مل جاتا ہے اسے ہی غنیمت تصور کرتا ہے یہ ساری باتیں لیکن اس وقت اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ تب ہی اچانک ایک مترنم آواز اسے اپنے قریب سنائی دی اور وہ چونک پڑا۔

''میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔''

اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور سرشار ہو گیا۔ بہت ہی خوبصورت سی نیلی آنکھوں والی لڑکی تھی۔ اس کے منہ سے آواز نہ نکلی تو لڑکی خود ہی مسکراتی ہوئی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

'' معافی چاہتی ہوں میری فطرت میں بہت بے تکلفی ہے۔ آپ مجھے غلط نہ سمجھئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آپ کا تعلق یہاں شہری آبادی سے نہ ہو میرے ذہن میں اکثر پہاڑی علاقوں کے خواب جاگتے رہتے ہیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے جناب جیسے میرا خمیر پہاڑ کی مٹی سے رکھا ہے۔ نجانے کیوں مجھے پہاڑوں میں انسانی نقوش محسوس ہوتے ہیں آپ کے چہرے میں بھی مجھے ایک ایسی ہی کیفیت نظر آئی۔''

''کیسی۔'' منگل نے خود کو سنبھال کے سوال کیا۔

''مجھے یوں لگا جیسے آپ کسی پہاڑی علاقے کے نوجوان ہوں اور یہاں آئے ہوئے ہیں۔''

''پہاڑی علاقوں سے تو بہت سے لوگ آتے ہیں۔''

''ہاں' لیکن پہاڑی شہزادے نہیں۔''

''آپ کے خیال میں میرا تعلق کسی پہاڑی ریاست سے ہے۔''

''ہاں''

''ہے تو نہیں میں لیکن آپ جیسی خوبصورت لڑکی کہے تو میں سچ مچ ایک ریاست آباد کر سکتا ہوں۔''

''کیسے؟''

''میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں چاہوں تو ایک شہر بسا سکتا ہوں۔''

''خوب! کیا واقعی۔ لڑکی مسکرا کر بولی۔

''جی۔''

'' چلئے' ٹھیک ہے آپ ریاست آباد کریں یا نہ کریں میری آپ سے دوستی پکی ہوگئی۔''

''کیا نام ہے آپ کا؟''

''وینا۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

''آپ کے خیال میں میرا کیا نام ہونا چاہیے۔''

''شیر خان۔'' لڑکی ایک دم بولی۔

اور منگل خوب ہنسا۔

''چلئے ٹھیک ہے میں نے آج سے اپنا نام شیر خان رکھ لیا۔''

''اس سے پہلے کیا تھا۔''

''بھول جائیے۔''

''چلئے بھول گئی۔''

اور پھر اس کے بعد وہ منگل سے انتہائی بے تکلف ہوگئی۔ منگل نے اس کیلئے کھانے پینے کی اشیاء منگوائیں پھر رقص کیلئے موسیقی شروع ہوگئی اور لڑکی نے کہا۔

''آیئے رقص کریں۔''

''رقص منگل گھبرا کر بولا۔''

''ہاں' کیوں؟''

''میں نے زندگی بھر کبھی رقص نہیں کیا۔''

''آپ نے ابھی زندگی گزاری ہی کتنی ہے۔'' وینا کہنے لگی۔

''بہت۔''

''اس سے آگے بھی تو گزارنی ہے نا۔''

''ہاں۔''

''تو آیئے آگے کی زندگی میں رقص کریں۔''

''مگر مجھے نہیں آتا۔''

''آیئے نا' میں آپ کو سکھا دوں گی۔''

وہ بولی اور کچھ اس انداز سے اس نے آگے بڑھ کر منگل کا ہاتھ پکڑا کہ منگل کو اٹھنا ہی پڑا خوشیاں ہی خوشیاں' آہ' پہاڑوں کی زندگی میں ایک ڈاکو کی حیثیت سے وقت گزارا تھا اور اس کے بعد مہم گیری میں چلا گیا۔ سینکڑوں قسم کی ہنگامہ آرائیاں ہوئیں لیکن جو کچھ سوچا تھا وہ اسی زندگی کے بارے میں تو سوچا تھا۔ اسی انداز کی زندگی تو ہونی چاہیے وہ لڑکی کے ساتھ رقص

کے فرش پر آ گیا اور لڑکی اس کے بدن سے چپک کر ہلکورے لینے لگی۔ منگل کے سارے وجود میں سرور کی لہریں اتر رہیں تھیں۔ اور وہ شدت جذبات سے بوجھل ہو گیا تھا۔ مدھم مدھم موسیقی، مدھم مدھم روشنیاں، ہلکے ہلکے قدم، لڑکی کا خوشبو اگلتا ہوا جسم، منگل پر ایک بے خودی سی طاری ہوگئی۔ رقص کرنا اسے بالکل نہیں آتا تھا۔ اس کے پاؤں الٹے سیدھے پڑ رہے تھے لیکن لڑکی اسے سنبھالے ہوئے تھی اچانک ہی اس کا پاؤں لڑکی کے پاؤں پر پڑا اور وہ لڑکھڑا گئی۔ اس نے گرنے سے بچنے کیلئے منگل کی گردن میں ہاتھ ڈالے اور اس کی گردن سے جھول گئی لیکن دوسرے لمحے جو کچھ ہوا وہ کسی کے تصور میں نہیں تھا۔ منگل کی گردن اس کے شانوں سے نیچے گر پڑی تھی۔ اور لڑکی کے ہاتھ خلا میں جھول گئے تھے اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے منگل کو دیکھا جواب بے سر کے انسان کی حیثیت سے کھڑا کا کھڑا رہ گیا تھا۔ اس کی گردن نیچے پڑی ہوئی تھی لڑکی کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور دوسرے لمحے وہ اچھل کر بھاگی۔ منگل کے سر کو کئی افراد کے پیروں کی ٹھوکریں لگی تھیں اور منگل ایک لمحے کیلئے ساکت کھڑا رہ گیا تھا دوسرے لوگوں نے بھی منگل کی کٹی ہوئی گردن کو دیکھا اور عورتیں بھی ان میں شامل تھیں اس کے بعد جو افراتفری مچنا تھی۔ وہی مچی۔

چاروں طرف سے ہولناک چیخیں ابھرنے لگیں منگل کے سر کو بھاگتے ہوئے لوگوں کی کئی ٹھوکریں لگی تھیں اس نے لپک کر پھرتی سے سر اٹھا لیا۔ وہ لڑکی تو نجانے کہاں غائب ہوگئی تھی جو اس کے ساتھ ناچ رہی تھی لیکن اب ہال میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ یہاں پر کلب کے عملے کے لوگ بھی برق رفتاری سے باہر کی جانب بھاگے تھے۔ منگل کو ایک دم یہ احساس ہوا کہ صورتحال کافی گڑبڑ ہوگئی ہے اب وہ اس قدر تو بے وقوف نہیں تھا کہ وہیں کھڑا رہتا اس نے بھی پھرتی سے اپنی گردن بغل میں دبا کر باہر چھلانگ لگا دی اور اس کے بعد دوڑتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ بھاگ دوڑ کرنے والے لوگ اسے اب بھی دیکھ رہے تھے۔ منگل برق رفتاری سے دوڑتا ہوا پارکنگ میں پہنچ گیا۔ باگا کار سے باہر نکل آیا تھا اور اس بھگدڑ کو دیکھ رہا تھا۔ منگل اس کے پاس پہنچا تو باگا سمجھ گیا کہ کیا صورتحال ہوئی ہے۔ اس نے پھرتی سے پچھلا دروازہ کھولا اور جیسے ہی منگل اندر بیٹھا باگا کار کو ریورس میں ہی دور تک لیتا چلا گیا اور اسکے بعد اس نے پھرتی سے کار سڑک پر چھوڑ دی۔ پیچھے بدستور شور شرابے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اور یہ خوش قسمتی تھی کہ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

☆......☆......☆

ایس ایس پی سعید جان اپنی زندگی میں کئی مسئلے حل کر چکا تھا۔ اس عہدے تک وہ اپنی کوششوں سے پہنچا تھا اور اسے بہت سے اعلیٰ کارکردگی کے تمغے مل چکے تھے۔ بڑے بڑے

خطرناک مجرموں کو اس نے اپنی شدید محنت سے اور ذہانت سے گرفتار کرایا تھا۔ ایک بھرے پرے گھر کا مالک تھا۔ ایک اچھے خاندان کا فرد۔ اس کے علاوہ اس کے نام کے ساتھ کوئی ایسی بری کہانی وابستہ نہیں تھی۔ جس پر اہل خاندان کو کبھی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ اس وقت بھی وہ اپنے اہل خاندان کے ہمراہ بیٹھا صبح کا ناشتہ کر رہا تھا۔ ویسے تو خیر بہت سے معاملات تھے۔ کئی علاقوں کے تھانے اس کی تحویل میں تھے۔ جرائم کے بہت سے کیس ایسے تھے جن پر وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ لیکن ملک کے بڑے بڑے سرجنوں کے اغواء ان کی گمشدگی اور ان کی لاشوں کا نہ ملنا یا پھر ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملنا بڑی حیران کن بات تھی اور سعید جان اس سلسلے میں بڑی الجھن کا شکار تھا۔ کچھ فاصلے پر اس کی بیٹی بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ دفعتاً ہی سعید جان کو اپنی نوجوان بیٹی کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ کچھ غیر متوقع سی بات تھی۔ چنانچہ وہ اس طرف متوجہ ہو گیا۔

''کیا بات ہے۔ نویدہ کون سی ایسی بات ہے اخبار میں جسے پڑھ کر تم ہنس پڑی ہو۔''

''ڈیڈی! اخبار کی دنیا بھی عجیب ہے جب ان لوگوں کے پاس کوئی سنسنی خیز خبر نہیں ہوتی تو پھر یہ بیٹھ کر سنسنی خیز خبریں بناتے ہیں۔''

''بیٹے! ہر انسان کسی نہ کسی طریقے سے روزی کماتا ہے۔ اخبار میں چٹ پٹی اور گرم خبریں لوگوں کی توجہ کا سبب بنتی ہیں اور وہ انہی کے لیے اخبار خریدتے ہیں۔''

''ہاں ڈیڈی! یہ تو آپ کا کہنا بالکل درست ہے۔ لیکن بہت سے اخبارات تو بالکل بچوں کے اخبار بن جاتے ہیں۔ یعنی ایسی بے تکی خبریں جن کا کوئی سر پاؤں نہ ہو۔''

''نہیں ایسی بات تو نہیں ہے۔ کوئی چھوٹی خبر بڑی بنا کر تو لگائی جا سکتی ہے اگر کسی واقعہ کا وجود ہی نہ ہو اور اس کو خبر بنا دیا جائے تو یہ غلط بات ہوتی ہے۔ لیکن کسی ایسے دور میں اگر کوئی سنسنی خیز خبر نہ ہو۔ تو پھر کسی چھوٹی سی خبر کو ہی بڑا بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن اس کا کوئی سر پاؤں تو ہو۔ کچھ دن پہلے کی بات ہے خبر آئی کہ سمندر سے کوئی ایسی مچھلی پکڑی گئی جس کا سر عورت کا اور دھڑ مچھلی کا ہے۔ ڈیڈی اس کی تصویر تک شائع کی گئی تھی۔ اور پھر دو دن کے بعد اسکی تردید آ گئی کہ خبر جھوٹ تھی تو آپ یہ بتائیے کہ تصویر کہاں سے آئی۔''

''تصویر بھی جھوٹی تھی!'' سعید جان نے کہا اور مسکرا دیا۔

''نہیں ڈیڈی! صحافت کا ایک مزاج ایک معیار ہونا چاہیے۔ ایسی بے تکی خبروں سے تو گریز کرنا بہتر ہوتا ہے۔ آپ خود بتائیے کیا یہ کوئی اچھی بات ہے۔ اخبارات ایک موثر ذریعہ ہوتے ہیں عوام تک موجود حالات پہنچانے کا ان کا ایک معیار بھی ہونا چاہیے۔''

"بیٹا! ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسی ہی خبروں کیلئے اخبار خریدا کرتے ہیں۔"

"پھر بھی ڈیڈی!"

"مگر بھائی! ہوا کیا ہے تم ان بیچارے اخبار والوں پر اتنی گرم کیوں ہو رہی ہو۔"

"سنیے ایک نائٹ کلب ہے "ایکس اینگ" ایکس اینگ کلب میں ایک بڑا ہی دلچسپ واقع پیش آیا ہے۔"

"کیا؟" سعید جان نے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"کلب کی رونقیں شباب پر تھیں۔ لوگ زندگی کے معمولات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ رقص کے لیے موسیقی شروع ہوئی تو وینا نامی ایک لڑکی نے اپنے لیے ایک ساتھی کا انتخاب کیا اور اس کے ساتھ چوبی فرش پر آ گئی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وینا کے ساتھ رقص کرنے والا شخص ایک خوبرو نوجوان تھا۔ بہترین جیسے وہ زندگی میں پہلی بار کسی نائٹ کلب میں ناچ رہا ہو۔ اور پھر اس کے اناڑی پن نے ایک حادثے کو جنم دیا۔ لیکن عجیب و غریب حادثہ اس کا پاؤں اس کی ساتھی لڑکی کے پاؤں پر پڑ گیا۔ جو اس کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔ لڑکی نے اپنا وزن سنبھالے کیلئے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اپنے آپ کو گرنے سے بچانے کی کوشش کی۔ اور اسی وقت اس کی گردن اکھڑ کر اس لڑکی کے شانوں پر گری اور اس کے بعد زمین پر۔ لڑکی بھی گر پڑی تھی۔ رقص کرنے والا جوان کچھ لمحے تو بغیر سر کے زمین پر کھڑا رہا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اس کی حالت دیکھی اور اس کے بعد انہیں اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔ عورتیں چیخ چیخ کر بے ہوش ہو گئیں اور لوگ چیختے ہوئے باہر بھاگے۔ عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ اس کے گرے ہوئے سر کو کئی ٹھوکریں لگیں اور وہ ادھر ادھر لڑھکتا رہا۔ لیکن اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا۔ یہاں تک کہ اس شخص نے آگے بڑھ کر اپنا سر اٹھایا اور اسے لے کر پھرتی سے باہر دوڑ پڑا۔ پھر وہ پارکنگ لاٹ پر کھڑی ہوئی کار تک پہنچا۔ کار میں اس کا ڈرائیور موجود تھا۔ وہ کار میں بیٹھا اور کار پارکنگ لاٹ سے نکل کر چل پڑی۔ اس وقت تک لوگ سہمے ہوئے تھے اور اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھے لیکن پھر لوگوں نے اپنے حواس سنبھالے کئی کاریں اس کار کے پیچھے دوڑیں۔ لیکن اب یہ کار ہوا ہو گئی تھی اور اس کے بعد اس کا پتہ نہیں چلا۔ پولیس کو اطلاع دی گئی تو پولیس وہاں پہنچی اور اس نے لوگوں کے بیانات لیے لیکن کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہو سکی جو پولیس کو صحیح راستے پر ڈال سکتی۔ بہر حال اتنے جدید کلب میں ایک سر کٹے کا وجود بڑا حیرت ناک تصور کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے خبر ڈیڈی! اب آپ بتائیے کہ کیا کہا جائے ان اخبار والوں کو لوگ نائٹ کلب کے بارے میں معلومات حاصل کرتے پھریں گے۔ اور ہر جگہ سے انہیں ایک ہی اطلاع ملے

گئی۔" سعید جان کی بیٹی نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو پھرتی سے کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور تیزی سے چلتا ہوا ڈائننگ ہال سے باہر نکل گیا تھا نوجوان لڑکی نے افسوس بھرے انداز میں شانے ہلائے۔

"بات کسی ایک محکمے کی نہیں ہے۔ اب ڈیڈی! اس طرح سسپنس کا شکار ہو کر بھاگے ہیں۔ جیسے دوڑ کر اس سر کٹے کو پکڑ ہی لیں گے۔ آپ دیکھ رہی ہیں مما! وقت کیا ہو گیا ہے حالات کیا ہو گئے ہیں۔"

"ہاں حالات ایسے ہی ہو گئے ہیں کہ اب کسی بھی خبر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ اس خبر میں کوئی صداقت ہو سکتی ہے۔"

"ہمارے ہاں کتنے اخبار آتے ہیں۔"

"تین دو اردو کے اور ایک انگلش کا۔"

"ایسا کرو اس خبر کو دوسرے اخبارات میں تلاش کرو ممکن ہے ان میں مل جائے اگر ایسا نہ ہوا تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ اس اخبار والے کے پاس کوئی دلچسپ خبر نہ تھی۔ اور اس نے یہ کہانی گھڑ لی۔"

"میں دیکھتی ہوں۔" لڑکی نے انگریزی کا اخبار جو تھوڑے فاصلے پر رکھا ہوا تھا اٹھایا اور پھر اس کی ورق گردانی کرنے لگی پھر منہ ٹیڑھا کر کے بولی۔

"بات اردو اخباروں ہی کی نہیں ہے مما! ظاہر ہے انگریزی اخباروں کو بھی تو کوئی نہ کوئی کہانی درکار ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا آپس میں رابطہ ہوتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے ایک دوسرے سے کہ بھائی آج کا دن کیسے گزارو گے۔ اور پھر خبریں ایک دوسرے کو منتقل ہو جاتی ہیں۔ ذرا یہ تیسرا اخبار دیجئے مجھے۔" لیکن اس تیسرے اخبار میں بھی یہ خبر اسی حاشیہ آرائی کے ساتھ موجود تھی۔ لڑکی نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

"ہوں فراڈ' جھوٹ' بکواس۔"

☆......☆......☆

سعید جان نے جلدی جلدی تیاریاں کیں۔ بیگم بھی اٹھ کر اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔

"کیا ہوا خیریت' اچانک ہی آپ بے حد سنجیدہ ہو گئے ہیں۔" سعید خان نے سرد نگاہوں سے بیوی کو دیکھا اور بولا۔

"تم جانتی ہو کہ میں دفتر کے معاملات گھر میں کبھی نہیں بتاتا۔"

"نہیں۔ میں آپ سے دفتر کے معاملات نہیں پوچھ رہی۔ میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ آپ کا اس طرح اٹھ جانا اور جلدی جلدی پروگرامنگ کرنا' میری سمجھ میں نہیں آیا۔" سعید جان

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جب میری سمجھ میں آ جائے گا نا تو میں آپ کو بھی سمجھا دوں گا۔ کیا خیال ہے؟''

''مرضی ہے آپ کی۔'' بیگم نے کہا سعید جان نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا تمام تیاریاں کیں اس کے بعد اپنی سروس کار میں بیٹھ کر باہر نکل آیا۔ بہر حال یہ خبر اس کیلئے انتہائی سنسنی خیز تھی۔ اس وقت تو یہ بے سر کا انسان محکمہ پولیس کیلئے وبال جان بنا ہوا تھا۔ یہ گھر کے معصوم لوگ کیا جانیں کے باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کس طرح پریشانیاں ان کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ سرکاری طور پر جس قدر لے دے ہو رہی تھی۔ اس کا ان لوگوں کو کیا علم۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ سعید جان کی ساری سرکاری ملازمت کی زندگی میں اس طرح کا واقعہ پہلے کبھی نہیں پیش آیا تھا۔ جرائم پیشہ افراد نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کیلئے بہت سے بہروپ بدلے تھے۔ لیکن وہ صرف بہروپ تھے اور حقیقت کھل کر سامنے آئی تھی تو پتہ چل گیا تھا کہ یہ سب انہی کی کارستانی ہے۔ لیکن اس بار جو صورتحال درپیش تھی۔ وہ بہت ہی عجیب و غریب نوعیت رکھتی تھی۔ وہ پراسرار وجود اکثر سرجنوں ہی کو کیوں اغواء کر رہا تھا۔ سعید جان جیسے ذہین سرکاری افسر نے کم از کم اس کا اتنا جواز ضرور ڈھونڈ لیا تھا کہ یقینی طور پر وہ کسی ایسے حادثے کا شکار ہے جس سے اس کی گردن اس سے جدا ہو گئی ہے۔ اور وہ اپنی گردن کو ساتھ لیے لیے پھرتا ہے لیکن طبی نقطہ نظر سے اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ بغیر گردن کا کوئی انسان ایک لمحے بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ بجائے اس کے وہ گھومتا پھر رہا ہے۔ اور سب کچھ کر رہا ہے۔ ایسی تمام باتوں کو سوچتا ہوا۔ آخر کار وہ اس علاقے کے پولیس اسٹیشن تک پہنچ گیا جہاں ہوٹل واقع تھا۔ یعنی وہ نائٹ کلب جس کا ایک دوسرا حصہ ہوٹل کی شکل میں تھا۔ تھانہ انچارج ایس ایس پی کو دیکھ کر ایک دم الرٹ ہو گیا۔ اور اس نے بڑے اچھے انداز میں سعید جان کا استقبال کیا۔

''سر! میں خود آپ سے رابطہ قائم کرنے والا تھا۔''

''ہوں' کیا قصہ ہوا ہے بھئی۔ اخبار میں ایک عجیب خبر پڑھی ہے وہ نائٹ کلب تمہارے ہی علاقے میں آتا ہے۔''

''جی سر! میں وہاں گیا تھا باقاعدہ ہمیں کوئی رپورٹ نہیں بھیجی گئی۔ بس موبائل نے وہاں ہنگامہ آرائی دیکھی تو نائٹ کلب جا کر معلومات حاصل کیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا لوگ انوکھی کہانیاں سنا رہے ہیں۔ نہ کوئی جانی نقصان ہوا ہے نہ مالی نقصان۔ سر آپ سمجھتے ہیں۔ یہ نائٹ کلب وغیرہ کیسی جگہیں ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ خاتون بھی نشے میں ہوں۔ جنہوں نے یہ کہانی گھڑی ہے۔''

''آؤ۔ میرے ساتھ چلو نائٹ کلب چل کر ذرا معلومات حاصل کرنی ہیں۔ ویسے تمہیں مجھے اس واقعہ کی اطلاع دینی چاہیے تھی۔''

''بات اصل میں یہ ہے سر کہ نہ تو کسی نے ایف آئی آر لکھائی ہے اور نہ کوئی شکایت لے کر آیا ہے۔ بس وہاں ہوٹل میں ہنگامہ ہوا تھا۔ موبائل پولیس پہنچی تو انہوں نے یہ ساری باتیں بتائیں۔ لیکن کوئی بھی اس بات پر آمادہ نہیں ہوا۔ کہ پولیس اسٹیشن جا کر پرچہ کٹائے۔ سر! یہی سوچا تھا میں نے کہ کوئی نشے میں چیخ پڑا ہوا گا بھگدڑ مچنے میں کیا دیر لگتی ہے۔''

''اٹھو۔'' سعید جان نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ انسپکٹر وغیرہ کے ساتھ نائٹ کلب جا پہنچا سارے کام معمول کے مطابق ہو رہے تھے۔ منیجر بھی موجود تھا۔ پولیس کو دیکھ کر وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

''ہاں' مجھے پتہ تھا کہ اب اس کے بعد یہ سب کچھ بھی ہوگا۔ بھائی! کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا کسی نے کوئی رپورٹ نہیں درج کرائی۔ کسی کی ایک پائی کی بھی کوئی چیز گم نہیں ہوئی۔ اب آپ بتائیے۔ ایسے ہنگامے تو ہو جاتے ہیں۔ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔''

''آپ رات کو کس وقت تک یہاں ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔''

''بارہ ساڑھے بارہ بجے تک اس کے بعد گھر چلا جاتا ہوں۔''

''کلب کے معمولات آپ کے جانے کے بعد جاری رہتے ہیں۔'' سعید جان نے سوال کیا۔

''جی دو بجے تک۔''

''اس کے بعد''

''بند ہو جاتا ہے کلب۔ مہمان بھی چلے جاتے ہیں۔''

''اسٹاف یہیں رہتا ہوگا۔''

''کچھ لوگ جو چار بجے تک کام کرتے ہیں اسکے بعد دوسرے دن تین بجے ڈیوٹی پر آتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ منیجر صاحب! اس وقت آپ یہاں موجود تھے جب یہ ہنگامہ ہوا تھا۔''

''جی تھا۔''

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ کسی اور سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے بجائے ہم آپ سے ہی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔''

''جی۔ آپ مجھے حکم دیجئے میں کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی۔''

''کیا ہوا تھا؟'' سعید جان نے منیجر کو گھورتے ہوئے کہا

''کچھ نہیں جناب! میرا آفس اس ہال سے کافی فاصلے پر ہے آپ دیکھ رہے ہیں جب میں وہاں پہنچا تو سارا ہنگامہ ختم ہو چکا تھا۔ بہت سے لوگ بھاگ گئے تھے۔ بہت سے جوتے اب بھی پڑے ہوئے ہیں اور ان کے مالکوں نے شاید اس لیے اپنے جوتے واپس نہیں مانگے کہ ان کا مزاق اڑایا جائے گا۔ حالانکہ بات واقعی مذاق اڑانے کی ہی ہے۔ ارے بابا! آپ سوچیں تو سہی ایک خاتون کسی کی گردن میں بانہیں ڈالتی ہے اور گردن الگ گر پڑتی ہے۔ اور جس کی گردن گر پڑتی ہے۔ وہ گردن اٹھا کر بھاگ جاتا ہے۔ کوئی کھوپڑی میں آنے والی بات ہے سر! معاف کیجیے گا آپ کو اس بات پر یقین آ جاتا ہے۔''

''تو پھر آپ کے خیال میں یہ ہنگامہ کس لیے ہوا تھا منیجر!''

''کسی نے کوئی شرارت کی ہوگی جناب! سو فیصدی کسی نے شرارت کی ہوگی۔''

''آپ نے اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ دیکھا نہیں ہے۔''

''نہیں جی بالکل نہیں۔ میں نے بتایا کہ میں تو اس وقت آفس میں تھا۔ ہنگامے کی خبر ملی تو میں اٹھ کر وہاں گیا۔''

''جب آپ ہال میں پہنچے تو اس وقت وہاں کیا کیفیت تھی۔''

''جوتے۔'' منیجر نے جواب دیا۔

''ہوش میں آ کر بات کیجیے۔''

''نہیں میرا مطلب ہے۔ بہت سے جوتے وہاں پڑے ہوئے تھے لوگ بھاگ چکے تھے صرف اسٹاف کے چند افراد وہاں پریشان کھڑے ہوئے تھے۔''

''جو اس وقت وہاں ڈیوٹی پر تھے ان میں سے کسی کو بلایئے کوئی ہے اس وقت۔''

''جی ہاں۔ تین افراد موجود ہیں۔'' یہ تینوں ہال کے ویٹر تھے اور اس لیے یہاں موجود تھے کہ دن رات یہیں رہا کرتے تھے۔ کسی گاؤں دیہات سے آئے تھے اور یہاں نوکری کیا کرتے تھے۔ انہیں کلب ہی کی عمارت میں سونے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس لیے ان کا قیام وطعام یہیں رہا کرتا تھا۔ سعید جان نے ان تینوں کی شکل دیکھی اور پھر ان میں سے ایک کو جو سمجھ دار نظر آتا تھا اشارہ کر کے پاس بلایا۔

''ساری باتیں تفصیل سے بتا دو۔ تم جانتے ہو کہ نہ یہ کوئی جرم کا کیس ہے کہ کوئی پریشان ہو سب ایک حادثہ ہوا ہے معلومات حاصل کرنی ہیں۔''

''جی سر۔ ہم حاضر ہیں۔''

''کیا واقعہ ہوا تھا۔''

''صاحب! ڈانس چل رہا تھا۔ سارے لوگ سکون سے ڈانس کر رہے تھے کہ

اچانک ہی ایک تیز چیخ سنائی دی۔ اور اس کے بعد ہنگامہ مچ گیا۔''

''تم نے اس کٹے سر والے کو دیکھا تھا۔''

''جی دیکھا تھا صاحب۔''

''بالکل ہوش وحواس کے عالم میں دیکھا تھا۔''

''صاحب جی۔ بالکل دیکھا تھا اس وقت میں زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ جب وہ جھک کر اپنی گردن اٹھا رہا تھا۔ بھاگنے والوں کی ٹھوکریں اس کی گردن پر لگی تھیں۔ اور وہ گردن کسی فٹ بال کی طرح ادھر سے ادھر ہو رہی تھی۔ وہ اپنی گردن پر جھپٹا اور اسے اٹھا کر بغل میں دبا لیا۔ اور خود دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ یہ صرف میں نے ہی نہیں دیکھا۔ رمضان نے بھی دیکھا ہے ہم دونوں تھوڑے فاصلے پر تھے۔''

''جی صاحب جی! بالکل ٹھیک بات ہے یہ۔ وہ باہر بھاگا اور پھر ایک کار میں بیٹھ کر فرار ہو گیا۔''

''کار' کار کا رنگ اور نمبر۔''

''نہیں صاحب جی! رنگ تو مہرون تھا نمبر ہم لوگوں نے نہیں دیکھا۔''

''آگے آؤ تمہارا کیا نام ہے۔''

''جی آفتاب۔''

''آفتاب تم نے اس کار کا نمبر دیکھا تھا؟''

''جی صاحب جی دیکھا تھا مہرون رنگ کی کار تھی اور اس کا نمبر ہم نے نوٹ کر لیا تھا۔ آفتاب نے کار کا نمبر بتایا اور ایس ایس پی نے اپنے ساتھ آئے ہوئے تھانہ انچارج کو نمبر نوٹ کرنے کو کہا۔''

''بڑی حیرتناک بات ہے لیکن تم یقیناً بالکل سچ کہہ رہے ہو گے منیجر صاحب ایک بات بتایئے۔''

''جی۔''

''وہ لڑکی کون تھی جو اس کے ساتھ رقص کر رہی تھی۔''

''وینا! وینا شاہ۔''

''آپ جانتے ہیں اسے۔''

''ہاں جی' کلب کی مستقل ممبر ہے۔ ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی ہے۔ ویسے صاحب! ایک بات ہم تمہیں بتائیں۔ برے کردار کی مالک نہیں ہے۔''

''یقیناً نہیں ہوگی ظاہر ہے آپ کا کلب اچھی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بارے میں

کوئی خراب رپورٹ آج تک نہیں ملی۔''

''اللہ کا شکر ہے جناب! بس کبھی ایسے بے تکے حادثے ہو جاتے ہیں۔''

''آفتاب! تم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ رہے ہو کہ یہی نمبر تھا کار کا۔''

''جناب! پورے اعتماد کے ساتھ آپ میری بات کا یقین کر لیجئے۔ میں نے بڑے غور سے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔''

''ٹھیک ویسے اس وینا کے بارے میں کسی سے پتہ چل سکتا ہے۔''

''میرے پاس اس کا پتہ موجود ہے جناب! ظاہر ہے ہمارے پاس کلب کے مستقل ممبروں کا مکمل ریکارڈ رہتا ہے۔''

''ویری گڈ۔ آپ لوگ تو بڑے کام کے لوگ ثابت ہوئے ہیں۔ مجھے ذرا وینا کا پتہ دے دیجئے۔'' سعید جان نے کہا اور منیجر نے رجسٹر منگوالیا۔ پھر اس رجسٹر سے وینا کا پتہ نوٹ کر لیا گیا تھا۔ سعید جان نے منیجر کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

''شکریہ منیجر صاحب! ہوسکتا ہے اس سلسلے میں آپ کو دوبارہ تکلیف دینی پڑے۔''

''دیکھئے جناب۔ میں آپ سے ایک بات کہوں۔ یہ کلب بھی صاحب حیثیت لوگوں کا ہے ہماری اپنی مصروفیات اتنی ہیں کہ ہم انہی سے فرصت نہیں پاتے۔ کسی چکر میں نہ گھسیٹے گا۔ آپ بے شک تفتیش کریں اور جو کچھ بھی آپ کو اس بارے میں پتہ چلے ہمیں بھی بتا دیں لیکن بہتر ہوگا کہ ہمیں پریشان نہ کیا جائے۔''

''پولیس سے تعاون کرنا آپ کا فرض ہے منیجر! یہ کلب کتنے ہی بڑے لوگوں کا کیوں نہ ہو۔ بہر حال ذمے داریاں تو سبھی کو سنبھالنی پڑتی ہیں۔ آیئے انچارج صاحب۔'' سعید جان نے کہا۔ منیجر تو منہ ٹیڑھا کر کے خاموش ہو گیا تھا۔ سعید جان کچھ دیر کے بعد اپنی سروس جیپ میں آ بیٹھا اور اس نے انچارج سے کہا۔

''ہاں۔ تو انچارج صاحب! بات آگے بڑھ رہی ہے۔''

''جی صاحب! یہ تو ذرا اچھی خاصی گڑبڑ نکل آئی۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ منیجر کتنا اس واقعہ سے لاپرواہی کا اظہار کر رہا ہے۔ اس لیے ہم نے بھی زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔'' سعید جان خاموشی سے گردن ہلاتا رہا۔ اس کے اشارے پر ڈرائیور نے جیپ تھانے کے سامنے روک دی تھی۔

''ٹھیک ہے آپ آرام کیجئے یہ نمبر وغیرہ مجھے دے دیجئے۔''

''جی سر! میرے لیے......''

''نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ باقی کام میں خود کر لوں گا۔ دیکھیں گے کہ ہم

لوگ کیا کر سکتے ہیں۔'' سعید جان وہاں سے چل پڑا تو اس نے غور سے وہ نمبر دیکھا تھا۔ اور پھر اس پتے پر چل پڑا تھا۔ جو وینا شاہ کے گھر کا تھا۔ یہ پوش علاقے میں ایک خوبصورت عمارت تھی جس میں داخل ہو کر سعید جان نے کسی ذمہ دار آدمی کو طلب کیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک عمر رسیدہ عورت اس کے پاس آ گئی۔ پولیس کو دیکھ کر وہ خاصی گھبرائی تھی۔

''صاحب! ہم تو ویسے ہی پریشان ہیں۔ آپ کو خدا کا واسطہ ہمیں تنگ نہ کریں۔''

''بی بی! کیا پولیس آپ کو تنگ کر رہی ہے۔''

''نہیں جی! ہماری بچی ہسپتال میں ہے۔ بری حالت ہے اس کی۔ اتنا تیز بخار چڑھا ہوا ہے کہ لگتا ہے بھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔''

''آپ وینا شاہ کی بات کر رہی ہیں۔''

''ہاں جی اسی کی بات کر رہے ہیں ہم۔''

''وہ آپ کی کون ہے؟''

''بھتیجی ہے۔ میں پھوپھی ہوں اس کی۔ ماں باپ تو اس کے مر چکے ہیں۔ میں ہی اس کی دیکھ بھال کرتی ہوں۔ میرے شوہر اپنی ایک چھوٹی سی کمپنی چلاتے ہیں۔ ہماری کوئی اولاد نہیں ہے اب آپ خود دیکھ لیجئے ساٹھ سال کی عمر ہو گئی میرے شوہر کی۔ اس عمر میں ساری دیکھ بھال بھی کرتے ہیں۔ کمپنی کی اور اب یہ مصیبت پڑ گئی۔ اکیلا آدمی کیا کیا کر سکتا ہے۔''

''آپ کے شوہر اس وقت کہاں ہیں۔''

''ہسپتال میں ہیں جی۔ بھتیجی کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ اب کیا کریں اکیلا آدمی۔ بس اب کیا بتاؤں آپ کو ہم تو سولی پر لٹک گئے ہیں۔''

''معاف کیجئے گا۔ کون سی کمپنی ہے آپ کے شوہر کی۔''

''میرے شوہر کی نہیں۔ میرے بھائی کی ہے یعنی وینا شاہ کے باپ کی۔ عنایت شاہ نام ہے میرے بھائی کا۔ انتقال ہو چکا ہے ان کا اور ان کی بیوی کا۔ وینا میرے ہی پاس رہتی ہے۔ بہت اچھی بچی ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔ اپنے طور پر زندگی گزار رہی ہے۔ کوئی خرابی نہیں ہے صاحب! عزت دار لڑکی ہے۔ بس جدید دور کی ہے۔ حالانکہ ہم لوگ اس طرح اس دور کا ساتھ نہیں دیتے۔''

''آپ کا مطلب ہے کہ کمپنی وینا کی ہے۔''

''بالکل ہے۔ پائی پائی کا حساب بنا کر رکھا ہے میرے شوہر نے۔ بڑے ایماندار اور نیک آدمی ہیں۔ تنخواہ لیتے ہیں ہم لوگ اس کمپنی سے اور اپنا کام چلاتے ہیں۔ معمولی سی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ کوٹھی بھی اس کی ہے۔''

"ہوں' کون سے ہسپتال میں ہے وینا۔" سعید جان نے سوال کیا اور عورت نے ہسپتال کا پتہ بتادیا۔ تمام تر معلومات حاصل کرنے کے بعد سعید جان ہسپتال پہنچ گیا۔ وینا شاہ ہوش میں تھی اور ایک کمرے میں تھی۔ پولیس کو دیکھ کر اس نے خوفزدہ انداز میں آنکھیں گھمائیں اور بولی۔

"آپ لوگ میری بات کا یقین کریں گے یا نہیں۔"

"بالکل یقین کریں گے۔ وینا شاہ! آپ ذرا ہمیں تفصیل سے بتایئے۔"

"اچھی خاصی شکل وصورت کا مالک تھا۔ میز پر اکیلا بیٹھا تھا۔ اصل میں اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات تھی۔ جس نے مجھے اس کی طرف متوجہ کیا۔ میں بتاؤں آپ کو وہ ایک پہاڑی باشندہ لگتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی سرسبز وشاداب پہاڑی گاؤں سے یہاں آیا ہو۔ حالانکہ کپڑے وغیرہ اس نے ٹھیک پہنے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر ایک خاص بات تھی۔ بس جی میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی کہ وہ بات کیا تھی۔ میں اس کی طرف چلی گئی۔ اس نے خوش اخلاقی سے مجھ سے بات چیت کی۔ ساری باتیں ڈھنگ سے کی تھیں۔ اس سے کہا کہ وہ پہاڑی باشندہ معلوم ہوتا ہے تو اس نے اس بات سے لطف لیا لیکن یہ نہیں کہا کہ وہ واقعی پہاڑی باشندہ ہے۔ بس شاید یہ کہا تھا کہ دیہاتی ہے۔"

"لباس کس طرح کا استعمال کیا تھا اس نے۔"

"بالکل ٹھیک تھا۔ دیہاتی ہوگا وہ لیکن پڑھا لکھا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"ڈانس کیلئے میوزک شروع ہوا تو میں اس کے ساتھ ڈانس کرنے اٹھ گئی۔ اس نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اسے ناچنا نہیں آتا۔ میں نے زبردستی کی تھی۔ پھر اس کا پاؤں میرے پاؤں پر پڑا اور میں گرنے لگی تو میں نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیئے۔ پر جناب! میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ بالکل سچ کہہ رہی ہوں آپ سے۔ اس کی گردن ارے توبہ اللہ کی پناہ! اس طرح اکھڑ کر نیچے آپڑی جیسے اوپر سے رکھی ہوئی ہو۔ اب اس کے بعد آپ خود سوچ لیجئے تو پہلے تو میں نیچے گری پھر گردن میرے اوپر گری۔"

"اور وہ۔"

"نہیں وہ نہیں گرا' بڑے مضبوط جسم کا مالک تھا وہ۔ البتہ اس کی گردن ادھر ادھر لڑھکتی پھری تھی۔"

"خون نکلا تھا اس کی گردن سے۔"

"ایک قطرہ نہیں۔ سوکھی پڑی ہوئی تھی بالکل۔ کیا بتاؤں آپ کو زندگی میں ایسا واقعہ

کبھی نہیں دیکھا۔"

"طبیعت کیسی ہے آپ کی۔"

"بخار ہے۔ اصل میں ساری رات اسے خواب میں دیکھتی رہی ہوں۔ اوہ میرے خدا! پھوپھی بہت محبت کرتی ہیں۔ ورنہ صرف بخار ہے۔ آپ خود سوچئے ایسا منظر اگر کوئی دیکھ لے تو اس پر کیا بیتے گی۔"

"ہوں' شکریہ وینا صاحبہ! ایک بات آپ سے کہوں۔ حوصلہ رکھیے وہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"مگر آپ مجھے یہ بتایئے کہ یہ سب قصہ کیا تھا کیا وہ کوئی بدروح تھی۔"

"ہوسکتا ہے کوئی شعبدہ گر ہو۔ آپ نے شعبدہ گروں کے مختلف تماشے دیکھے ہیں نا کپڑا اوڑھا کر کسی کو لٹا دیتے ہیں اور اس کے بعد اس کا جسم ہوا میں معلق ہو جاتا ہے۔ نیچے کچھ نہیں ہوتا۔ اس قسم کے بہت سے شعبدے' شعبدہ گر دکھاتے رہتے ہیں۔ بعض لوگ تفریحاً اور مشہور ہونے کیلئے ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے تھوڑے دن کے بعد وہ کسی اچھے ہوٹل یا نائٹ کلب سے نمودار ہوگا اور اپنی کارستانی سٹیج پر دکھائے گا۔ شہرت حاصل کرنے کیلئے یہ عمل کیا گیا ہے۔"

"اوہ میرے خدا! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ایس ایس پی صاحب واقعی ایسا ہی ہوا ہوگا۔ سو فیصد ایسا ہی ہوا ہوگا۔ لاحول ولاقوۃ میں تو سمجھی تھی کہ کوئی بہت بڑا مسئلہ ہے۔"

"یقیناً وہ کوئی شعبدہ گر ہے آپ اپنے آپ کو سنبھالیے کچھ بھی نہیں ہوگا سمجھیں آیئے۔"

"بہت بہت شکریہ آپ نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی ہے میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔"

سعید جان ہسپتال سے واپس چلا آیا اور اس کے بعد پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔ ہیڈ کوارٹر میں پہنچ کر اس نے اپنے ایک ماتحت کو طلب کیا اور کار کا نمبر اسے دیتا ہوا بولا۔

"بہت احتیاط کے ساتھ اس کار کے بارے میں تفصیلات معلوم کرو۔ سنو! کوئی جلد بازی نہیں ہوگی۔ پوری ذمہ داری اور احتیاط کے ساتھ یہ معلومات حاصل کرو کہ یہ کار کس کی ہے۔ اور جب اس کار کے مالک کا پتہ چل جائے تو خفیہ طور پر سادہ لباس میں چند افراد کو لے جا کر اس عمارت کے آس پاس پھیلا دو اور مجھے رپورٹ کرو۔"

"یس سر"۔ اس کے ماتحت نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

باگا سچ مچ ایک وفادار آدمی تھا۔ مالک کو احتیاط کے ساتھ گھر لے آیا اور خود پریشانی اور سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا

"مالک میرے لیے کیا حکم ہے۔"

"جاؤ باگا آرام کرو۔ کوئی ایسی بات نہیں ہے سب ٹھیک ہے۔" منگل نے جواب دیا۔ باگا چلا گیا اور منگل اپنی آرام گاہ میں چلا گیا۔ ایک عجیب سا احساس اب اس کے سارے وجود پر طاری تھا۔ اپنے جسم کو اس نے کیبنٹ میں منتقل کیا۔ بس زندگی یہی رہ گئی تھی۔ یہ تھی وہ زندگی جو میں نے چاہی تھی۔ اس نے سوچا اور پہلی بار اسے احساس ہوا کہ غم ایک چیز ہوتی ہے۔ غم کا ایک شدید احساس اس کے سارے وجود میں پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کی سوچیں اسے عجیب سا احساس دلا رہی تھیں۔ اگر یہی زندگی ہے تو ہزار بار لعنت ہے اس زندگی پر اس سے تو بہتر تھا کہ فطری طور پر مجھے جو زندگی ملتی۔ اپنی اس دولت سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ راستے منتخب کیے جاتے۔ اگر اچھا ہی بننا تھا تو کسی بھی جگہ اپنے آپ کو آباد کیا جا سکتا تھا۔ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ نام بدل کر اور حلیہ بدل کر رہا جا سکتا تھا۔ دولت ہوتی، کسی کے فرشتوں کو بھی یہ علم نہ ہوتا کہ یہ ڈاکو منگل ہے۔ دولت تو انسان کو بڑا عزت دار بنا دیتی ہے۔ اس کی شخصیت پر اتنے گہرے پردے ڈال دیتی ہے کہ کوئی ان پردوں کی دوسری طرف نہیں جھانکتا یا پھر یوں کہا جائے کہ جھانکنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔ اگر دولت ہے تو یقینی طور پر آدمی عزت دار ہے۔ اور پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بہرحال یہ ساری چیزیں اپنے طور پر ہو رہی تھیں۔ اور آج اس کے دل میں غم کا ایک طوفان اٹھا ہوا تھا۔ اس نے خود اپنا جائزہ لیا تو بہت سی یادیں، بہت سے احساسات اس کے دل کو چھونے لگے۔ وہ لڑکی کتنی چاہت سے اس کے پاس آئی تھی۔ کتنی محبت سے وہ اس کے وجود سے لپٹی ہوئی رقص کر رہی تھی۔ ایک انوکھی ہی لذت تھی اس احساس میں واقعی ایک انوکھی لذت تھی۔ اس لذت کا کوئی جواب نہیں تھا۔ آہ، لیکن اس کے بعد کیا ہوا۔ یہ کٹا ہوا سر اس کے جسم سے گر پڑا۔ یہ کسی صورت میں نہیں جڑ سکتا۔ زندگی کا حسن کبھی واپس نہیں کر سکتا۔ اگر زندگی اتنی ہی ناکارہ اور بے مقصد ہو کر رہ گئی ہے تو پھر ایسی زندگی سے جیتے ہوئے کیا فائدہ۔ اسے

احساس ہو چکا تھا کہ اس کا فیصلہ غلط تھا۔ بس وہی حاصل کرنا چاہتے تھا جو تقدیر کا ایک حصہ تھا۔ یہ تقدیر سے جنگ تھی جس کے نتیجے میں شکست ہوئی اور جب شکست ہو جاتی ہے تو پھر موت ہی کی طرف رخ کیا جا سکتا ہے۔ مر جانا چاہیے اب مجھے، اب مجھے مر جانا چاہیے۔ بے مقصد ہے سب کچھ میں کسی حسینہ کی قربت نہیں حاصل کر سکتا۔ مجھے صرف نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا اور نفرت کی اس زندگی کو جینے سے کیا فائدہ۔ اس پر وحشت اور جنون سوار ہونے لگا۔ تب وہ اپنے کیبنٹ سے باہر نکلا۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر بغل میں دبایا اور ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگا۔ یہ غلط ہے۔ یہ سب کچھ غلط ہے میں کیا کروں؟ مجھے کیا کرنا چاہیے آہ، مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اپنے کمرے میں آ کر وہ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ لیکن کوئی مناسب تدبیر اس کے ذہن میں نہیں آئی۔ تب اس نے ٹیلی فون پر باگا کو طلب کیا۔ اور بولا

"باگا! گاڑی لے کر آ جاؤ۔ تم بے شک آرام کر رہے ہو گے کیونکہ رات تقریباً ختم ہونے کو ہے لیکن بس تم براہ کرم گاڑی مجھے تک پہنچا دو۔"

"جو حکم مالک۔" باگا نے کہا۔

"باگا جلدی آ جاؤ دیر نہ کرنا۔"

"بس پہنچ رہا ہوں مالک!" نجانے اس کے ذہن میں کیا ارادے پک رہے تھے۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ مجھے کیا کرنا چاہیے آخر۔ کیا کرنا چاہیے؟ ٹھیک ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں اپنی پسند کی حسیناؤں کو حاصل کر لوں۔ زیادہ سے زیادہ وہ مجھے دیکھ کر خوفزدہ ہو جائیں گی، چیخیں گی چلائیں گی۔ چیختی رہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ اپنی سوچ میں ڈوبا رہا اور پھر نجانے کیوں اس کے ذہن پر یہ دیوانگی سوار ہونے لگی۔ وہ بہت دیر تک یہی سوچتا رہا اتنی دیر میں باگا پہنچ گیا۔ باگا نے اس کے سامنے کار کی چابی رکھتے ہوئے کہا۔

"مالک! کہیں چلنا ہے۔"

"نہیں باگا! بس تم یہ کار کی چابی یہاں چھوڑ جاؤ۔ اور جاؤ آرام کرو۔ میں خود تمہیں بلا لوں گا۔"

"آپ؟"

"جاؤ۔ اس وقت میں کسی سے بات کرنا نہیں چاہتا۔" منگل نے کہا اور باگا واپس پلٹ پڑا۔ پھر وہ کوٹھی ہی سے نکل گیا تھا۔ منگل سوچتا رہا صبح کا اجالا آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ اور اس کا جنون ابھی تک ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ لیکن دن کی روشنی میں کوئی عمل کرنا بالکل بیکار تھا۔ یہ دن اس نے جیسے بھی گزارا وہی جانتا تھا۔ بس دل میں غم کے طوفان امنڈ رہے تھے۔ وہ اسی سوچ میں تھا کہ یہ دنیا اس کیلئے ایک بیکار جگہ ہے۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس رات اس کے

ذہن میں کچھ اور خوفناک ارادے ابھر رہے تھے۔ جس علاقے میں یہ رہائش گاہ تھی وہاں دور دور
شاندار قسم کے بنگلے بنے ہوئے تھے۔ ان بنگلوں میں کون رہتا ہے۔ کیا کرتا ہے؟ اس نے کبھی
معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ تو بس اپنی ہی آگ میں جل رہا تھا۔ لیکن اس رات جب
تا حد نگاہ خاموشی اور سناٹے کا راج ہوگیا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اپنا سر اس نے وہیں چھوڑ دیا تھا۔
اسے احساس تھا کہ کبھی کبھی اس سر کی بڑی بے حرمتی ہوتی ہے۔ وہ اپنی رہائش گاہ کے پچھلے حصے
سے باہر نکلا۔ چوکیدار کے سامنے سے وہ اس طرح نہیں جانا چاہتا تھا۔ حالانکہ چوکیدار کو ساری
اصلیت معلوم تھی کہ مالک ایک عجیب و غریب شخصیت رکھتا ہے۔ رات کی تاریکیوں میں پچھلے
حصے سے باہر نکل کر اسے جہاں روشنی نظر آئی وہ اسی سمت چل پڑا بہت ہی خوبصورت اور خوشنما
بنگلہ تھا۔ اس کے دروازے پر بھی گن مین موجود تھا۔ لیکن پچھلی دیوار اتنی اونچی نہیں تھی کہ اسے
عبور نہ کیا جاسکتا وہ اس دیوار کو کود کر اندر داخل ہوا بنگلے میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ وہ آہستہ
آہستہ چلتا ہوا ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں سے اندر داخل ہوسکتا تھا۔ پھر ایسی ایک جگہ بھی
اسے نظر آگئی۔ ایک پتلے سے کوریڈور کو عبور کرکے وہ درمیان میں آگیا۔ یہاں بیڈ روم بنے
ہوئے تھے۔ وہ ان کمروں کے شیشوں سے اندر جھانکتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر ایک کمرے
میں اسے ایک لڑکی نظر آگئی۔ جو شب خوابی کے لباس میں ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھی ہوئی غالباً
کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور اسے یہ مسکراہٹ اس قدر حسین
لگ رہی تھی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔ آہ' کتنا حسن بکھرا پڑا ہے اس کائنات میں۔ عقل سے کام
لیتا تو لوٹ مار کا سلسلہ ختم کرکے کہیں آباد ہو جاتا اور کسی حسین سی لڑکی سے شادی کرلیتا۔ یہی تو
انسانوں کا اصول ہے۔ میں انہی انسانوں کے اصول سے ہٹنے کے بعد ذلیل و خوار ہوا۔ ایسا ہونا
تو چاہیے تھا۔ بہر حال اس دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ وہ شیشوں سے اندر جھانک رہا تھا۔
لڑکی نے نگاہیں اٹھا کر دروازے کی جانب دیکھا تو اطمینان سے رسالہ کھولا رکھا اور اپنا لباس
درست کرتی ہوئی دروازے کے پاس پہنچ گئی۔ وہ تیار تھا جیسے ہی لڑکی نے دروازہ کھلا وہ پھرتی
سے اندر داخل ہوگیا اور پھر اس نے لڑکی کا منہ اپنے ہاتھ سے دبالیا۔ لڑکی حیران رہ گئی تھی۔ پہلے
تو وہ کچھ نہ سمجھی لیکن جب اس کی نگاہ اس کے بے سر کے جسم پر پڑی تو اس کا چہرہ ایک دم سے
زرد پڑ گیا۔ منگل نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور لڑکی کو پھول کی طرح اٹھاتے ہوئے بستر کی
جانب چل پڑا۔ پھر اس نے اسے بستر پر پھینک دیا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''اگر تم نے چیخنے کی کوشش کی تو میں تمہاری گردن دبا دوں گا۔'' لیکن لڑکی تو دہشت
سے دیوانی ہو رہی تھی۔ جیسے ہی اس کے منہ سے منگل کا ہاتھ ہٹا اس کے حلق سے ایک دہشت
ناک چیخ نکلی۔ منگل نے بجلی کی طرح لپک کر ایک بار پھر اس کا منہ پکڑ لیا تھا اور اسے دبوچے رہا

تھا۔ لڑکی اس کے ہاتھ کی گرفت میں مچلنے لگی۔ بڑی نرم و نازک سی لڑکی تھی۔ منگل پھر اس کے
کان کے پاس سرگوشی کرتا ہوا بولا۔

''میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بلکہ...... بلکہ مین تمہاری تقدیر بنا دوں گا۔
اتنی دولت دوں گا تمہیں کہ تم نے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ کچھ نہیں سوچا ہوگا۔ تم مجھے سمجھ
رہی ہونا۔ اپنی عقل کو استعمال کرو۔ چیخنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ اس طرح مچلنے کی کوشش کرو!
اب میں تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک کہ تم بالکل مچلنا ترک نہیں کر دو گی۔
لیکن لڑکی اس کی گرفت میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔ وہ اس کی گرفت سے نکل جانے کیلئے بے چین
تھی۔ کوئی دس منٹ تک وہ ہاتھ پاؤں مارتی رہی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کی قوت ختم
ہوگئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ منگل نے کہا۔''

''ہاں۔ اب ٹھیک ہے' سنو مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں پھر کہہ
چکا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ مجھ سے محبت کا سلوک کرو۔ اگر میں تمہیں اپنی
کہانی سناؤں گا تو تم مجھ سے نفرت کرنا چھوڑ دو گی۔ میں نے دنیا میں کبھی اپنے بارے میں کسی
سے مشورہ نہیں کیا۔ میں تم سے اپنے بارے میں مشورہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اچھی لڑکی! میرا
ساتھ دو میں بہت غم زدہ ہوں۔ سمجھ رہی ہونا میری بات۔ اب میں ہاتھ ہٹا رہا ہوں تمہارے منہ
پر سے۔ چیخنا نہیں جب تک تم میری پوری بات نہ سن تو۔ چیخنا نہیں اس کے بعد تم کہو گی تو میں
خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا اس نے آہستگی سے لڑکی کو بستر پر بیٹھا دیا۔ لیکن وہ ایک
طرف لڑھک گئی تھی۔ منگل نے اسے غور سے دیکھا۔ اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہ
احساس یہ تھا کہ لڑکی میں اب زندگی باقی نہیں ہے۔ وہ مر چکی ہے۔ ہاں واقعی وہ مر چکی تھی۔
منگل نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کیا خوف سے اس کا ہارٹ فیل ہوگیا ہے۔ لیکن دوسرے لمحے
اسے احساس ہوا کہ اس کا ہارٹ فیل نہیں ہوا بلکہ وہ دم گھٹنے سے مری ہے۔ غلطی ہوگئی تھی۔ آہ'
غلطی ہوگئی تھی۔ منگل کا ہاتھ کافی چوڑا تھا اور نرم و نازک لڑکی کا منہ اور ناک دونوں اس کے ہاتھ
کے نیچے دب گئے تھے۔ اور دیر تک دبے رہنے سے وہ زندگی سے محروم ہوگئی۔ منگل کے دل پر غم
کی ایک اور پرچھائیں پڑ گئی۔ اس نے اس لڑکی کے حسین چہرے کو دیکھا اور اس کا دل چاہا کہ
اپنے آپ کو نوچ کر پھینک دے۔ قتل کر دے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے کیا فائدہ ہوا۔ ایسی
زندگیاں چھیننے سے کیا فائدہ ہوگا۔ لعنت ہے۔ لعنت ہے منگل تم پر۔ اپنی خوشی کیلئے کتنے لوگوں کو
موت کے گھاٹ اتارو گے اور پھر یہ نرم و نازک لڑکی۔ اس نے ایک بار پھر لڑکی پر نظر ڈالی اور
اس کے دل میں ایک گولہ سا پھنسنے لگا۔ وہ سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑا رہا اور پھر آہستہ سے
بولا۔

"مجھے معاف کر دینا۔ مجھے معاف کر دینا۔ اب اس کے سوا میرے پاس کہنے کیلئے اور کیا ہے۔ معاف کر دینا مجھے۔" یہ کہہ کر وہ واپسی کیلئے بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس اپنی کوٹھی میں پہنچ گیا۔ دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ واہ کیا اچھا قدم اٹھایا ہے۔ کیا حیات ابدی حاصل کی ہے۔ خود تو ابدی زندگی حاصل کر لی۔ لیکن دوسروں کیلئے موت بن گیا۔ نہیں یہ نہیں ہونا چاہیے موت تو خود مجھے آنی چاہیے۔ دوسروں کو زندگی سے محروم کرنے سے کیا فائدہ۔ نہیں یہ مناسب نہیں ہے۔ مجھے خود ہی اب اپنے لیے موت تلاش کرنی چاہیے۔ وحشت اور جنون نے ایک بار پھر اسے دیوانہ کیا ابھی کافی رات باقی تھی چنانچہ وہ باہر نکلا اور کار لے کر چل پڑا۔ چوکیدار نے شاید اس تمام ملازمت کے دوران پہلی بار اپنے مالک کو دیکھا تھا جو کار لے کر باہر نکلا تھا۔ اور چوکیدار لرزتے ہوئے دل کے ساتھ گیٹ بند کر کے ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔ منگل کار لے کر چلتا رہا۔ بالکل انجانے اور نامعلوم راستے' کسی منزل کا تعین نہیں کیا تھا اس نے کافی فاصلے پر نکل آیا۔ سڑک دور دور تک سنسان تھی۔ تھوڑا سا آگے جانے کے بعد اسے ایسی جگہ نظر آئی جہاں سڑک کے دونوں طرف گہری کھائیاں تھیں۔ سڑک پر لکڑی کا جنگلہ بنا ہوا تھا۔ کھائیوں کا یہ سلسلہ کوئی دو سو گز تک چلا گیا تھا۔ اور اس کے بعد سڑک پھر مناسب راستے تک پہنچ جاتی تھی۔ لیکن یہاں پہنچنے کے بعد منگل رک گیا۔ اس نے ایک لمحے تک کچھ سوچا۔ سڑک پر سے دوسری گاڑیاں بھی گزر رہی تھیں۔ کبھی کوئی ٹرک' کبھی کوئی بس' کبھی ویگن' کبھی کار' مصروف سڑک تھی جو ایک شہر کو دوسرے شہر سے ملاتی تھی۔ لیکن منگل کو ان چیزوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک اپنی کار میں بیٹھا رہا اور پھر اس نے دوبارہ کار اسٹارٹ کی اس کا رخ تبدیل کیا ایک لمحے تک کچھ سوچا اور اس کے بعد ایک دم سے اسٹرنگ کاٹ دیا۔ کار جنگلے کو توڑتی ہوئی گہرائیوں میں چل پڑی اور ایک بلندی طے کرنے کے بعد نیچے زمین سے ٹکرائی۔ دھماکہ ہوا شعلے بکھر گئے اور منگل کا پورا جسم ان شعلوں کی زد میں آ گیا۔ اس کا سر اس کے پاس سے گر پڑا تھا۔ پیٹرول اس کے پورے بدن پر گر گیا تھا اور آگ نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ایک لمحے کیلئے منگل کی ساری سوچیں گم ہو گئیں۔ اسے اندازہ بھی نہیں ہوا کہ اوپر کتنے لوگ رک گئے ہیں۔ ایک ٹرک' ایک بس' دو تین کاریں بہت سے جیالے ان گاڑیوں سے اتر کر نیچے کی جانب دوڑ پڑے تھے۔ دیکھنا چاہتے تھے کہ حادثے میں کتنے لوگ ہلاک ہوئے ہیں۔ وہ سب دوڑ کر نیچے پہنچے۔ کار دھڑا دھڑ جل رہی تھی اور منگل کا پورا جسم بھی شعلوں میں گھرا ہوا تھا۔ اسے لوگوں کی آوازیں سنائی دیں۔

"ایک ہی ہے...... ایک ہی ہے...... دیکھو' دیکھو۔"

"ارے اب کیا دیکھنا...... جل کر خاکستر ہو گیا ہے۔"

"اٹھاؤ اسے اوہ میرے خدا! دیکھو گردن کیسے ٹوٹ کر دوسری طرف جا گری ہے۔ اٹھاؤ اسے آہ کیا دردناک حادثہ ہے۔ لوگوں نے منگل کے جسم کو اٹھایا منگل محسوس کر رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اب کیا صورتحال پیش آئے گی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ اسے موت نہیں ہے وہ زندہ ہے۔ ہاں جسم میں آگ بے شک لگ رہی ہے۔ چہرہ بھی جل رہا ہے۔ جلن' جلن شدید جلن۔ لوگ اسے اٹھا کر لائے وہ کراہنا چاہتا تھا لیکن اب اس کے حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ حلق تک جل گیا تھا۔ وہ بول نہیں سکتا تھا۔ چیخ نہیں سکتا تھا۔ ایسی ہی کیفیت ہو گئی تھی اور وہ اب پہلے سے زیادہ بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ ہمدرد لوگ اس انسانی جسم کو اٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ اور ہسپتال کا عملہ اس پر مصروف ہو گیا ڈاکٹر بھاگ دوڑ کرنے لگے انہوں نے اس کا معائنہ کیا ایک بڑے ڈاکٹر نے کہا۔"

"جل کر خاک ہو گیا ہے گردن ٹوٹ کر الگ جا گری ہے۔ اب اس کا کیا چیک کر رہے ہو۔"

"ڈاکٹر صاحب! ایک حیران کن خبر سنیے آیئے ذرا ادھر آیئے دیکھئے تو سہی چکر کیا ہے۔"

"کیا چکر ہے بھئی؟"

"اس کا دل بھی دھڑک رہا ہے نبضیں بھی ٹھیک ہیں پوری جسمانی پرفیکشن ہے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا' اس کی گردن الگ پڑی ہوئی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ اس میں زندگی ہے۔"

"ڈاکٹر آپ یقین کیجئے' آپ دیکھئے تو سہی ذرا۔"

بڑے ڈاکٹر نے اس کو چیک کیا اور اس کی بھی آواز بند ہو گئی۔

"یہ کیا قصہ ہے بھئی' سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یہ تو ایک عجیب وغریب واقعہ ہے۔ دیکھو پورے جسم کی کھال ادھڑ گئی ہے۔ چہرہ بھی کالا اور بھیانک ہو گیا ہے۔ لیکن لیکن واقعی بھئی' چلو ایسا کرو اس کے مونیٹر لگاؤ۔ دل کی دھڑکنوں کا اندازہ ہو۔" ڈاکٹر اس کی جلی ہوئی کھال اس کے جسم پر سے ہٹا کر مونیٹر کی ٹیپ لگانے لگے اسے ایک آپریشن ٹیبل پر منتقل کر دیا گیا۔ جلے ہوئے جسم سے گوشت اور جلا ہوا۔ خون بہہ رہا تھا۔ وہ اس میں ڈوبا ہوا تھا۔ مونیٹر صحیح کام کر رہا تھا۔ دل کی دھڑکن کو بالکل نارمل دکھا رہا تھا۔ دوسرے اعضا بھی کام کر رہے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا عجوبہ تھا وہ حیران رہ گئے تھے اور پھر اس کے بعد جگہ جگہ اطلاع دی جانے لگی وہ اس عجیب و غریب لاش کا صحیح طور پر تجزیہ کرنا چاہتے تھے کہ قصہ کیا ہے۔

بہر حال یہاں بھی ایک ہنگامہ ہو گیا تھا وہ بہت دیر تک سوچتا رہا کہ اب کیا کرتا

چاہیے اسے اس بات کا علم ہوگیا تھا کہ اب اس کا جسم اور زیادہ خوبصورت ہوگیا ہے جلا ہوا کوئلے جیسا کالا جسم' گلا ہوا چہرہ جس میں سے خون رس رہا ہے۔ جلا ہوا کالا کالا خون' واہ یہ تو ایک خوبصورت لمحہ پیدا ہوگیا میرے لیے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ آپریشن تھیٹر پر لیٹے لیٹے اسے کافی دیر گزر گئی تھی۔ پھر اس کے ذہن پر ایک جنون سا سوار ہوا۔ اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھوڑے فاصلے پر دو تین ڈاکٹر' ایک دو نرسیں' وارڈ بوائے موجود تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو آہٹ پر انہوں نے گھوم کر دیکھا اور پھر دوسرے لمحے بہت سی چیخیں فضاء میں ابھر گئیں اس نے آگے بڑھ کر اپنا سر اٹھایا اور اسے بغل میں دبا کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا اب اسے ہسپتال سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

یہ انوکھی خبر بھی سعید جان نے اخبار میں پڑھی تھی لوگ اپنے اپنے طور پر یہ سوچتے تھے۔ ہسپتال کے عملے کا بیان انوکھا تھا لیکن سعید جان اب دوسرے ہی راستوں پر چل پڑا تھا۔ اس کوٹھی کے بارے میں اسے معلومات حاصل ہوگئی تھیں۔ اور وہاں اس نے سادہ لباس پولیس لگا دی تھی اور ان لوگوں کو خاص ہدایات جاری کردی تھیں لیکن یہ انوکھا واقعہ اس کیلئے مزید سنسنی کا باعث تھا۔ لڑکی کے حادثے کا اس واقعہ سے کوئی تعلق منظر عام پر نہیں آیا تھا۔ حالانکہ وہ بھی اسی واردات کا ایک حصہ تھا۔ سعید جان فوراً ہسپتال پہنچ گیا اور اس نے اس تمام اسٹاف کو اکٹھا کرلیا جو اس سر کٹے انسان کے سلسلے میں کام کررہا تھا اور اس نے اس کے بیانات لینا شروع کردیئے۔

''سر' ایک مخصوص سڑک سے اس کی لاش لائی گئی تھی۔ کار جنگلے کو توڑ کر نیچے گہرائیوں میں گری تھی۔ وہ ایک مصروف سڑک ہے اور اس پر دن رات ٹریفک چلتا رہتا ہے۔ اس لیے فوراً ہی اسے دیکھ لیا گیا کچھ لوگ نیچے دوڑے تو انہوں نے اس کار کی واحد سواری کو پالیا اس کا جسم جل کر خاکستر ہوچکا تھا سر الگ ٹوٹا ہوا پڑا تھا۔ بمشکل تمام وہ لوگ اس کے جسم اور سر کو لے کر آئے لیکن حیران کن بات تھی کہ اس میں بھرپور زندگی تھی اس طرح جلنے اور گرنے کے باوجود اس کے جسم کی کیفیت ایک تندرست اور توانا آدمی کی سی تھی اور اس کے بعد وہ خاموشی سے اٹھا اس نے اپنا سر بغل میں دبایا اور ہسپتال سے باہر نکل گیا۔'' سعید جان کو اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا کہ یہ سنسنی خیز واردات کہا ہے وہی سرکٹا انسان جس تک اب سعید جان اب تقریباً پہنچ ہی چکا تھا لیکن وہ اس طرح کوئی عمل کرے گا اس کا سعید جان کو شبہ بھی نہیں تھا۔ بہرحال اس کے بعد اس کی کار جائے حادثہ کی جانب چل پڑی۔ عملے کے افراد ساتھ تھے۔ نیچے گہرائیوں میں اترنے میں کچھ دقت کا سامنا بے شک کرنا پڑا تھا۔ لیکن جگہ ایسی تھی کہ وہاں تک جایا جاسکتا تھا۔ چنانچہ سعید جان وہاں پہنچ گیا اور پھر گہرائیوں میں اتر کر سعید جان نے جلی ہوئی کار کو دیکھا جواب بجھ چکی تھی اس کی نمبر پلیٹ بھی جل گئی تھی لیکن سعید جان کی خوش قسمتی تھی کہ

یہ وہ نمبر پلیٹ تھی جس پر نمبر لکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ تانبے کی پلیٹ پر یہ نمبر ابھارے ہوئے تھے جس کی وجہ سے ان کا وجود باقی رہ گیا تھا۔ اور یہ نمبر دیکھ کر سعید جان نے لمبی سانس لی۔ سو فیصدی وہی نمبر تھا۔ سعید جان پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر وہ وہاں سے واپس پلٹ آیا ہیڈ کوارٹر پہنچ کر اس نے اپنے چند خاص ماتحتوں کو طلب کیا اور انہیں صورتحال بتا کر ان سے مشورہ مانگا۔

''سر' وہ کوئی بہت ہی انوکھا پراسرار وجود ہے میرا خیال ہے ہمیں اس پر ہاتھ ڈال دینا چاہیے۔''

سعید جان نے اپنے ماتحت کو دیکھا اور بولا۔

''سوچ لو' بڑی سنگین صورتحال ہوگی اسے گرفتار کرنا ایک خطرناک کام ہے اور پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی کوٹھی میں نہ ملے ہمارے وہ آدمی جو اس کی نگرانی کررہے ہیں ان کی طرف سے تو کوئی رپورٹ نہیں ہے۔''

''تو پھر بتایئے سر! کیا کرنا چاہیے۔''

''یہ ہی میں تم سے پوچھ رہا ہوں' ظاہر ہے مشورہ لینے کا ایک عمل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں مشورہ لیتا ہے تو وہ یہ توقع کرتا ہے کہ اسے اپنے دل کی بات بتائی جائے۔''

''سر' ہم اسے مزید کھلا موقع نہیں دے سکتے اور پھر جیسا کہ ہمارا خیال ہے کہ سرجنوں کے کیس میں بھی اسی کا ہاتھ ہے ایک ایسے خوفناک قاتل کو تو کسی بھی خدشے کے بغیر گرفتار کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔''

''جاؤ' تیاریاں کرو ہم وہاں چھاپہ ماریں گے۔''

سعید جان نے کہا۔

ایک پراسرار وجود کو گرفتار کرنے کیلئے پولیس کی کافی نفری تھی۔ پوری عمارت کو اس طرح گھیرا گیا تھا کہ کسی پرندے کے نکلنے کا بھی امکان نہ رہے ایسی ہی سنگین صورتحال تھی اور اس کے بعد پولیس کی گاڑی عمارت سے گیٹ پر پہنچ گئیں سب سے پہلے چوکیدار کو قبضے میں لیا گیا تھا۔

''تمہارا مالک کہاں ہے۔'' سعید جان نے چوکیدار سے پوچھا۔ تو چوکیدار کے چہرے پر افسوس کے آثار پھیل گئے اس نے کہا۔

''اندر ہیں صاحب' پر آپ۔''

''بکواس بند کرو' چلو اسے اپنے قبضے میں لے لو۔''

سعید جان نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور چوکیدار کو گرفتار کرلیا گیا اس کے بعد
سعید جان اپنے ماتحتوں کے ساتھ آگے بڑھا اور اندر داخل ہوگیا ایک ایک کمرے کی تلاشی لی جا
رہی تھی ہر چیز پر غور کیا جا رہا تھا۔ اچانک ہی وہ اس کیفیت سے نکل آیا جس میں اس کی مستقل
قیام گاہ تھی لیکن اس وقت اس کا سر اس کے پاس نہیں تھا وہ دوسرے کیبنٹ میں رکھا ہوا تھا۔
سعید جان اور دوسرے لوگ اسے دیکھ کر ایک لمحے کیلئے سکتے میں رہ گئے تھے وہ قوت گویائی کھو
بیٹھا تھا اس لیے بول نہیں سکتا تھا سعید جان اور دوسرے لوگوں نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردو' ورنہ۔''

لیکن اس نے ایک دم چھلانگ لگا دی تھی سعید جان نے پورا ریوالور اس کے جسم پر
خالی کردیا اس کے بدن پر لاتعداد سوراخ ہوگئے لیکن وہ دوڑتا رہا۔ سعید جان اور دوسرے افراد
اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ تب ایک دیوار کودتے ہوئے لڑکھڑایا اور سعید جان اور اس کے
ساتھی آنکھیں بند کرکے اس پر ٹوٹ پڑے تھوڑی ہی دیر بعد اسے ہتھکڑیوں میں کس لیا گیا تھا۔
پیروں میں بھی بحالت مجبوری ہتھکڑیاں ڈالنی پڑیں کیونکہ بیڑیوں کا اس وقت انتظام نہیں تھا۔
بہرحال اسے گرفتار کرلیا گیا۔ بدن کے سوراخوں سے آر پار دیکھا جاسکتا تھا۔ پورا جسم جلا ہوا
تھا۔ جگہ جگہ سے اب بھی جلا ہوا خون بہہ رہا تھا۔ ایک انتہائی گھناونی شخصیت تھی اس کی' اور سمجھ
میں نہیں آتا تھا کہ یہ ہے کیا چیز اب تو اس سے کوئی بیان بھی نہیں لیا جاسکتا تھا۔ پھر کوٹھی کی تلاشی
لی گئی تہہ خانوں تک تو خیر کوئی کیا ہی پہنچتا لیکن کیبنٹ سے اس کا سر بھی برآمد ہوچکا تھا۔ یہ ایک
ایسا خوفناک منظر تھا جسے دیکھ کر پولیس کے جیالے بھی کانپ رہے تھے۔ لیکن بہرحال ان بے
چاروں کو ہر طرح سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا ہوتی تھیں۔ سعید جان کو ہسپتال کے بارے
میں معلومات حاصل تھیں کہ وہ آرام سے ہسپتال سے نکل کر بھاگ گیا تھا اس لیے سعید جان
نے سرسراتی ہوئی آواز میں اپنے افسر کو بتایا۔

''جناب! میں نے اس کے جسم پر پورا ریوالور خالی کردیا گولیوں نے اس کے بدن
پر سوراخ کردیئے لیکن وہ زندہ ہے اور اس کے انداز میں نہ کوئی تھکن نظر آتی ہے اور نہ کوئی
تبدیلی۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو سعید جان؟''

''سر' میں بہت پریشان ہوں یہ بڑا عجیب وغریب کیس ہے میری سمجھ میں نہیں آتا
کہ اگر کوئی بدروح ہے تو ہم نے اسے گرفتار کیسے کرلیا میرے خیال میں تو یہ کوئی سائنسی عجوبہ
معلوم ہوتا ہے۔''

''سو فیصدی اس کے امکانات ہیں۔ میں سائنس ریسرچ انسٹیٹیوٹ کو فون کرتا ہوں

تم تھوڑی دیر کے بعد اسے لے کر وہاں پہنچ جاؤ' وہاں اس کا سائنسی تجزیہ کیا جائے گا۔''

''سر میں بھی یہی چاہتا ہوں۔''

سعید جان نے جواب دیا۔

''میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم سے دوبارہ رابطہ قائم کرتا ہوں۔'' انسپکٹر جنرل کی
آواز سنائی دی۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر جنرل نے اسے فون کرکے بتایا کہ سائنس
ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں اس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ ایک ایک کام پھونک پھونک کے کرنا تھا اور
سعید جان ایسا ہی کر رہا تھا۔ اس وقت اس کا ہاتھ سے نکل جانے کا مطلب یہ ہی تھا کہ وہ دوبارہ
کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ بہرحال یہ ساری کارروائی ہو رہی تھی اور سعید جان اور دوسرے لوگ
بڑے محتاط انداز میں ایک ایک قدم اٹھا رہے تھے۔ انہیں یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ ضرورت سے
زیادہ طاقتور نہیں ہے اگر اس کے جسم کو مضبوطی سے باندھ کر رکھا جائے۔ تو وہ نکل نہیں سکتا۔ یہ
بڑے دل گردے کا کام تھا کہ اس کی اصلیت جاننے کے باوجود وہ اس سے خوفزدہ نہیں تھے۔
بس اس حد تک کہ وہ ایک پراسرار اور انوکھا وجود تھا وہ اسے زیادہ اہمیت نہیں دے رہے تھے۔
اور انہوں نے اپنے ذہن کو صاف رکھا تھا۔ سائنس ریسرچ لیبارٹری میں بڑی ہنگامہ آرائی ہو
رہی تھی۔ تفصیلات بتا دی گئی تھیں اور کئی بڑے بڑے سائنسدان وہاں پہنچ چکے تھے۔ اصل میں یہ
فیصلہ باہمی مشورے کے ساتھ کیا گیا تھا۔ وہ کوئی زندہ انسان تو تھا نہیں کہ اس پر سرجنوں کے قتل
کا الزام لگایا جاتا اور اسے باقاعدہ قانون کے حوالے کیا جاتا یہاں ایک ایسا سنسنی خیز اور انوکھا
وجود تھا جس کی اصلیت ہی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہرحال یہ ہنگامہ آرائی ہوتی رہی اور اسے
ایک عظیم الشان ہال میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں زبردست تحقیقی انتظامات تھے۔ سائنس دانوں کی
پوری ٹیم وہاں موجود تھی سب سے پہلے اس کا جسمانی معائنہ کیا گیا اور یہ اندازہ لگایا گیا کہ
ڈاکٹروں کی رپورٹ درست ہے کہ نہیں اس وقت بھی اس کا پورا جسمانی نظام صحیح طریقے سے
کام کر رہا تھا۔ سعید جان نے ایک بہت بڑے سائنسدان کو اس کی رپورٹ دی۔''

''جناب عالی! پچھلے کچھ عرصے سے کچھ عجیب وغریب وارداتیں ہو رہیں تھی مثلاً
ہمارے ملک کے بڑے بڑے سرجنوں کو اغواء کیا گیا اور اس کے بعد وہ لاپتہ ہوگئے ان کا کوئی
پتہ نہیں چل سکا۔ جناب اعلیٰ! اس کے بعد اس بے سر والا انسان کی داستان منظر عام پر آئی۔
ہم نے اس سلسلے میں کارروائی شروع کردی پھر ایک کلب سے ایک ایسے شخص کے موجود ہونے
کی اطلاع موصول ہوئی۔ جس کی ساتھی لڑکی نے اس کی گردن میں بانہیں ڈالیں تو اس کی گردن
ٹوٹ کر گر پڑی۔ اور وہ اپنی گردن لے کر وہاں سے فرار ہوگیا۔ جناب عالی' اس کے بعد ہم
مسلسل اس کے چکر میں رہے اس کی کار بلندی سے گری اور لوگ اس کی جلی ہوئی لاش کو لے کر

ہسپتال پہنچے تو یہ وہاں سے اپنا سر اٹھا کر فرار ہو گیا۔ گرفتاری کے وقت ہم نے اسے ریوالور کا نشانہ بنایا لیکن اس کے جسم میں لاتعداد سوراخ ہیں اور یہ بھرپور طریقے سے زندہ ہے۔ اب بحالت مجبوری اسے آپ کے حوالے کیا گیا ہے۔ جب یہ کسی صورت میں مرتا نہیں ہے اور فرار ہو کر اپنی وارداتوں میں مصروف ہو جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے زندہ رکھنا بے حد خطرناک ہے۔''

''آپ ہمیں اس پر تجربات کا موقع دیجئے۔''

''ضرور جناب! لیکن یہ ضروری ہے کہ اس کی بھرپور نگرانی کی جائے۔''

''پولیس کو ہماری مدد کرنا ہوگی۔''

بڑے سائنس دان نے کہا۔

''ہم حاضر ہیں۔''

پھر اس کے بعد سائنس دان اس پر مصروف ہو گئے۔ سعید جان کو خود اس سلسلے میں دلچسپی پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ اپنا زیادہ وقت سائنس لیبارٹری میں ہی گزارتا تھا۔ سائنسدانوں کی پہلی رپورٹ کے مطابق وہ مکمل طور پر ایک زندہ انسان تھا۔ اس کے پورے جسم کی رگیں بہت عرصے پہلے کام کرنا چھوڑ چکی تھیں۔ اس کے بدن میں خون کی روانی نہیں تھی۔ لیکن اس کے دل میں دھڑکن تھی البتہ یہ دھڑکن ختم نہیں ہوتی تھی چاہے دل میں گولی ہی کیوں نہ ماری جائے اس کا جسمانی وجود مکمل طریقے سے کام کر رہا تھا۔ اس سے اس کے بارے میں سوال بھی کیے گئے لیکن اس کی قوت گویائی بند ہو چکی تھی اس کا جسم حساس تھا۔ لیکن موت سے محروم' سائنسدانوں نے یہ تمام رپورٹ تیار کی اس سلسلے میں اعلیٰ حکام سے بھی مشورے کیے جاتے رہے تھے پھر طے یہ کیا گیا کہ اسے صرف اور صرف ختم کرنے کی کوشش کی جائے ویسے بھی وہ کوئی زندہ انسان تو تھا نہیں اور بہر حال دنیا کو اس کیلئے دعوت بھی نہیں دی جاسکتی تھی کہ وہ اس پر تحقیقات کریں۔ وہ ایک قاتل تھا اور کون جانے آئندہ وہ کیا کرے۔ چنانچہ متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ اسے ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کیلئے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ اسے گولی چلا کر نہیں مارا جاسکتا تھا۔ وہ اتنی بلندی سے گرا' آگ کی لپیٹ میں آ گیا لیکن اس کا جسم بالکل درست تھا۔ طے یہ کیا گیا کہ اسے الیکٹرک شاک دیئے جائیں۔ اور اسے تیاریاں کرنے کے بعد بجلی کی کرسی پر بیٹھا دیا گیا۔ اس کے پورے جسم میں بجلی دوڑا دی گئی اور اس کا پورا جسم کانپتا رہا وہ بری طرح تڑپ رہا تھا عام حالت میں چند سیکنڈ کیلئے بجلی کے جھٹکے دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اسے ایک منٹ تک الیکٹرک چیئر پر رکھا گیا اور اس کے بعد سلسلہ منقطع کر دیا گیا وہ ساکت ہو گیا تھا اور اس طرح سے ایک عمل ہوا تھا وہ یہ کہ اس کے جسم سے جلے ہوئے خون کا جو اخراج

تھا وہ بند ہو گیا تھا۔ سارا خون بجلی سے جل کر ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اسے آپریشن ٹیبل پر پہنچایا گیا اور اسے کا معائنہ کیا گیا۔ سائنسدان سر پکڑ کر رہ گئے تھے کیونکہ اس کے جسم میں کوئی خرابی رونما نہیں ہوئی تھی۔ سائنسدان سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے ایک تجویز پیش کی۔

''ہمیں یہ اجازت مل گئی ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے اصل میں سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ ہم پتہ نہیں چلا سکے کہ اس کے وجود میں زندگی کی وجہ کیا ہے۔''

''یہ پتہ اسی وقت چل سکتا ہے جب یہ موت سے ہمکنار ہو جائے۔ سمجھ رہے ہیں نا آپ۔''

''ہاں' اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کا صحیح پتہ اس وقت چل سکے گا جب یہ مر جائے۔''

''جناب! صرف ایک ترکیب باقی رہ گئی ہے وہ یہ کہ اسے تیزاب میں جلا دیا جائے۔ بس اس کے علاوہ اب اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ہم خوفناک جراثیم کو تیزاب میں جلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس وقت یہ ہماری نگاہ میں ایک خوفناک جراثیم ہی ہے۔''

''ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ جو خوف اس کی ذات سے وابستہ ہے اس کے تحت تو ہمیں یہ کرنا ہی پڑے گا۔''

سائنس ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں تیزاب کے بڑے بڑے حوض بنے ہوئے تھے اب اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں تھی کہ اسے تیزاب میں ڈبو دیا جائے۔ حالانکہ یہ بے رحمی تھی لیکن اس وقت تجربے کا معاملہ تھا۔ ایک ایسا وجود جو کسی طرح نہ مرتا ہوا گر باقاعدہ قتل عام پر اتر آئے تو کوئی اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ ایک ہولناک مجرم کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے اس کا ختم ہو جانا ضروری ہے۔ چنانچہ بے رحم فیصلہ کر لیا گیا تمام تیاریاں کی گئیں اسے ایک اسٹریچر پر سر سمیت لٹا دیا گیا۔ انتظامات ایسے کیے گئے تھے کہ وہ اسٹریچر پر سے اٹھ کر بھاگ نہ سکے۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے گئے تھے اور جس تیزاب میں اسے ڈالا جانا تھا وہ اس قدر ہولناک تھا کہ اس میں فولاد بھی ڈال دیا جائے تو گل کر پانی ہو جائے اور یہی ہوا اسے تیزاب میں ڈالا گیا تو دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہو گئے۔ اور وہ اس دھوئیں میں چھپ گیا سائنسدان دور سے اس کا تجزیہ کر رہے تھے اور اس بات پر متفق تھے کہ چند لمحوں کے بعد تیزاب کے تالاب میں تیزاب کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اس خوفناک تیزاب کا کتنی ہی بار تجزیہ کیا جا چکا تھا۔ بہر حال یہ دھواں تھوڑی دیر تک فضا میں گردش کرتا رہا۔ اور اس کے بعد آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔ سائنسدان سانس روکے انتظار کر رہے تھے۔ اور کچھ لمحوں کے بعد تیزاب

کی ساکن سطح کو دیکھ کر یہ یقین کرلیا گیا کہ اب اس کے اندر کچھ نہیں ہے لیکن اس وقت ان کے حلق سے دہشت ناک چیخیں نکل گئیں اور ان کی سانسیں رک گئیں جب انہوں نے تیزاب کی سطح کو متحرک دیکھا اس میں ہلچل پیدا ہوئی پھر ایک بے گوشت پوست کی انسانی کھوپڑی اس سے نمودار ہوئی جسے ایک استخوانی ہاتھ نے سنبھالا ہوا تھا۔ اور بے گوشت پوست کے اس ہاتھ پر یہ کھوپڑی سنبھالی گئی تھی۔ رفتہ رفتہ اس سے ایک بے سر کا انسانی ڈھانچہ نمودار ہوا۔ ہڈیوں سے تیزاب ٹپک رہا تھا ڈھانچہ تیزاب کے حوض کے کنارے پہنچا ایک ہاتھ سے اس نے صورتحال کو سنبھالا اور پھر حوض سے باہر نکل آیا اس کے پورے بدن سے تیزاب بہہ رہا تھا اور زمین پر اس کے قطرے گر رہے تھے تو دھواں بلند ہو رہا تھا۔ استخوانی ڈھانچے نے اپنے آپ کو اس طرح جھٹکا جیسے بدن سے تیزاب کو ہٹا رہا ہو اور پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

سائنس ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں اس وقت جتنے افراد موجود تھے وہ دہشت سے سکڑ کر رہ گئے تھے۔ اگر ڈھانچے کا رخ دروازے کی جانب نہ ہوتا تو اس سے پہلے وہ نکل کر بھاگ گئے ہوتے لیکن وہ سب اپنی جگہ پتھرا کر رہ گئے تھے۔ انسانی ڈھانچہ باہر نکلا اور کوریڈور سے گزرتا ہوا بیرونی حصے میں آ گیا۔ یہاں ایک سائنسدان کی پیجیرو کھڑی ہوئی تھی۔ جس کا ڈرائیور اس کے پاس ہی کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ اس نے اس ڈھانچے کو چلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ جس نے اپنی گردن اپنے ہاتھ میں کسی بیگ کی طرح لٹکائی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر اب گوشت کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ لیکن تمام ہڈیاں اپنی جگہ مکمل تھیں۔ پیجیرو کے قریب آہٹ سن کر سگریٹ پیتے ہوئے ڈرائیور نے گردن گھما کر دیکھا اور اسی وقت ایک زوردار ضرب اس کے جبڑے پر پڑی اور سگریٹ اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑی اس کا منہ ٹیڑھا ہو گیا تھا ڈھانچے نے آگے بڑھ کے اس کے سر کے بال پکڑ لیے اور پھر پیجیرو کی چابی تلاش کرنے لگا لیکن چابی ڈرائیور کے پاس نہیں بلکہ پیجیرو میں لگی ہوئی تھی۔ ڈھانچے نے ایک زوردار لات ڈرائیور کی کمر پر ماری اور وہ اچھل کر کوئی چار پانچ قدم پر دور جا گرا۔ تب ڈھانچے نے جھانک کر پیجیرو میں دیکھا اور جب اسے چابی نظر آ گئی تو وہ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور دوسرے لمحے پجارو اسٹارٹ ہو کر باہر نکل گئی لیکن ڈرائیور خوف سے بے ہوش ہو گیا تھا۔ ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں ہنگامہ مچ گیا تھا لیکن بے سود اب منگل ایک ڈھانچے کی شکل میں ریسرچ انسٹیٹیوٹ سے کافی دور نکل آیا تھا۔ سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ کچھ بھی نہیں رہا تھا اس کے پاس' سوائے زندگی کے۔ اس نے آب حیات پیا تھا۔ لیکن حیات کا یہ رنگ اس کیلئے بہت ہی عجیب تھا اور وہ غم آلود انداز میں سوچ رہا تھا کہ اگر زندگی اسی کا نام ہے تو اسے زندگی کہنا زندگی سے مذاق ہے۔ آہ' کیا کروں کیا کرنا چاہیے مجھے کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی بس وہ پجارو

دوڑائے جا رہا تھا۔ سڑک نجانے کہاں سے کہاں تک چلی گئی تھی۔ وہ بے بسی کے عالم میں پجارو دوڑاتا رہا اب اسے اس کائنات کے ہر رنگ سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ بہت ہی غمزدہ تھا ان تمام باتوں سے اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اس زندگی کو کیسے گزارے پھر جب وہ ایک موڑ مڑا تو اسے سڑک کے بغلی ڈھلان میں ایک پتلی سی پگڈنڈی نظر آئی اور یہ پگڈنڈی اس کی اچھی طرح جانی پہچانی ہوئی تھی۔ وہی علاقہ تھا جہاں وہ ڈاکو منگل کی حیثیت سے اپنے گھوڑے پر دندناتا پھرتا تھا اور اس کے ساتھ ڈاکو ہوا کرتے تھے۔ یہ پگڈنڈی آگے جا کر میدان میں گم ہو جاتی تھی اور اس کے بعد ان غاروں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا جہاں شیر دل کا ٹھکانہ تھا اور جہاں سے کچھ عرصے پہلے منگل نے وہ خزانہ نکالا تھا۔ اس نے پجارو کا رخ غاروں کی جانب موڑ دیا اور پجارو دوڑاتا ہوا آخر کار ان غاروں تک پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر وہ نیچے اترا اور اس مخصوص غار میں داخل ہو گیا جو اس کی اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا اور جہاں شیر دل اس سے باتیں کیا کرتا تھا۔ تاریک اور پراسرار غار اس وقت بھی اسی انداز میں تھا جیسا کبھی ہوا کرتا تھا۔ منگل آہستہ آہستہ چلتا ہوا ایک جگہ رک گیا اس کے سارے وجود میں بڑی کرب ناک کیفیت تھی اپنے جسم کو دیکھ کر وہ خود ہی مسکرانے لگا تھا۔

''واہ' کیا آب حیات ہے منگل! زندگی پر غور کرو تو تمہیں احساس ہو جائے گا کہ جب تم نے ہوش کا پہلا لمحہ سنبھالا تھا اسی وقت سے غلط کاریاں شروع کر دی تھیں۔ گاموں بیچارہ تو بس ایک ملازم تھا' حکم کا بندہ' اسے اس کے ہاتھوں سے محروم کر کے تم نے کون سا بڑا کارنامہ انجام دیا تھا اور اس کے بعد تم جو کچھ کرتے رہے کیا تمہیں اس کا احساس ہے منگل! احساس ہے تمہیں اس کا؟ ذرا مجھے غور کر کے بتاؤ۔'' یہ غیبی آواز اس سے سوال کر رہی تھی پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں' اپنے کیے پر کبھی کوئی پشیمان نہیں ہوتا۔ ایک سب سے بڑی قوت آسمانوں پر ہے اور اس انسان کی تخلیق اسی نے کی ہے۔ اس نے انسان کو ساری کائنات دے دی ہے۔ یہاں تک کہ چشمہ حیات کا تذکرہ بھی اسی نے کیا آخر کیا اس چشمہ حیات کا وجود اس کائنات کی ترتیب کے ساتھ ہی ہوا ہوگا۔ اسے انسانوں کیلئے عام کیوں نہ کیا گیا۔ جو قدرتی عمل ہے وہ قدرتی ہی ہوتا ہے غیر قدرتی عمل سے کچھ بھی کر لیا جائے آخر کار اسے زوال ہے' اسے فنا ہی ہونا ہے۔'' میں کیا کروں غلطی تو ہوئی ہے مجھ سے پھر اچانک ہی اس کی نگاہ ایک طرف اٹھ گئی غاروں کے ایک پتھر پر کوئی چیز نظر آ رہی تھی لیکن اس نے اسے ایک نگاہ میں پہچان لیا یہ وہ ہی شیشی تھی جس کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ اگر وہ زندگی سے تنگ آ جائے اور کبھی موت کو اپنانا چاہے تو اس شیشی میں اس کیلئے موت محفوظ کر دی گئی ہے۔ آہ' اس وقت میرے لیے

اس کائنات میں سب سے حسین چیز موت ہے۔ وہ اٹھا اور بے اختیار اس شیشی کی جانب بڑھ گیا اسے یاد تھا کہ اس نے شیشی زمین پر دے مارنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ فضا میں پرواز کر گئی تھی غالباً اسی دن کیلئے۔ اسی دن کیلئے۔ پھر اچانک ہی شیشی ہاتھ میں لے کر اسے ایک عجیب سا احساس ہوا اور اس کی نگاہیں اوپر اٹھ گئیں اس کے منہ سے ایک عجیب سی کراہ نکلی۔

"میرے مالک میرے مالک' ہاں یہ بات میرا دل جانتا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق تو نے ہی کی ہے۔ مالک تو ہی ہے اور وہ ہی ہوتا ہے جو مالک چاہتا ہے لیکن میری ان برائیوں کے جواب میں تو نے اپنی تمام مخلوق کی طرح مجھ پر بھی احسان کیا ہے۔ تو میرا محسن ہے تو میرا خالق ہے۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے تیرے احکامات کے خلاف عمل کیا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے میرے اعمال کی سزا ملے گی۔ لیکن تیرا سب سے بڑا شکر میں اس بات پہ ادا کر رہا ہوں کہ تو نے میری برائیوں کے باوجود میرا خیال رکھا اور میری موت کا سامان کیا۔ مجھے اس وقت موت سے حسین شے اس پوری کائنات میں اور کوئی نظر نہیں آتی تیرا شکریہ میرے مالک تیرا شکریہ۔"

اس نے وہ شیشی کھولی اور اسے اپنے استخوانی حلق میں انڈیل لیا شیشی کا سیال اس کی ہڈیوں کے خول سے باہر نہیں بہا تھا بلکہ کہیں کسی نامعلوم مقام پر پہنچ گیا تھا اور یہ تو صرف ایک عمل تھا۔ ایک اشارہ تھا۔ انسان کو دکھانے کیلئے کہ وہ اپنے طور پر جو کچھ بھی سوچتا ہے وہ غلط ہے تقدیر کا ہر فیصلہ اس کے حق میں ہوتا ہے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ ہڈیاں پانی بن کر زمین پر بہہ رہی تھیں اور غار میں ایک دھبہ بن گیا تھا اور اس دھبے میں ایک انسان کی داستان حیات تحریر تھی۔ ایک ایسی داستان حیات جسے پڑھنے والا اگر پڑھ لے تو اس کے دل کی دھڑکنیں بند ہو جائیں۔

ختم شد